یه کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم هیں

مو منین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے هیں.

منجانب.

سبیلِ سکینه

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدرآباد پاکستان

۷۸۶

۹۲_۱۱۰

یا صاحب الزماں ادرکنیؑ

DvD Version

لبیک یا حُسینؑ

خصوصی تعاون: نذر عباس
رضوان رضوی

اسلامی کُتب (اردو) DVD

ڈیجیٹل اسلامی لائبریری ۔

www.ziaraat.com

SABIL-E-SAKINA
Unit#8,
Latifabad Hyderabad
Sindh, Pakistan.
www.sabeelesakina.page.tl
sabeelesakina@gmail.com

NOT FOR COMMERCIAL

روزِ قیامت ہر کسے در دست گیرد نامۂ
من نیز حاضر مے شوم تفسیرِ قرآں در بغل

تفسیر القرآن

پارہ وَقَالَ الَّذِیْنَ ۱۹ تا فَمَنْ اَظْلَمُ ۲۴

مُفسّر

حضرت ادیبِ اعظم الحاج مولانا سیّد ظفر حسن صاحب قبلہ امروہوی

مصنّفِ دو صد سیزدہ کتب
و
بانیٔ جامعۂ امامیہ

جلد چہارم

شمیم بک ڈپو، ناظم آباد ۲ • کراچی ۱۸

۷۸۶

تصدیق نامہ

میں تصدیق کرتا ہوں کہ میں نے پارہ ۱۹ تا پارہ ۲۴ کی تصحیح کی - اب اس کے متن میں کوئی کمی بیشی یا کتابت میں کوئی غلطی نہیں ہے -

انشاء اللہ تعالیٰ

فقط حافظ عبدالرؤف
حافظ عبدالرؤف پروف ریڈر

۲۲ر فروری ۱۹۸۲ء

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

تفسیر القرآن

جلد چہارم

مُفسّر

حضرت ادیب اعظم الحاج مولانا سید ظفر حسن صاحب قبلہ امروہوی

جملہ حقوق محفوظ ہیں۔

ناشر : شمیم بک ڈپو، ناظم آباد ۲، کراچی ۱۸
مطبع : ایسٹ پبلشرز لمیٹڈ، کراچی
کاتب : محمود ابن الیاس رقم

بار اوّل
ہدیہ : ۸۵٫۰۰
۱۹۸۳

فہرست

نام پارہ	صفحہ	نام سورہ	صفحہ
وَقَالَ الَّذِیْنَ (۱۹)	۵	اَلْفُرْقَان (۲۵)	۵
اَمَّنْ خَلَقَ (۲۰)	۸۱	الشُّعَرَآءِ (۲۶)	۲۰
اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ (۲۱)	۱۴۳	اَلنَّمْل (۲۷)	۶۰
وَمَنْ یَّقْنُتْ (۲۲)	۲۱۷	اَلْقَصَص (۲۸)	۹۲
وَمَا لِیَ (۲۳)	۲۸۹	اَلْعَنْکَبُوْت (۲۹)	۱۲۸
فَمَنْ اَظْلَمُ (٢٤)	۳۶۱	اَلرُّوْم (۳۰)	۱۵۳
		لُقْمٰن (۳۱)	۱۷۶
		اَلسَّجْدَة (۳۲)	۱۹۰
		اَلْاَحْزَاب (۳۳)	۲۰۰
		سَبَا (٣٤)	۲۲۵
		فَاطِر (۳۵)	۲۶۵
		یٰسٓ (۳۶)	۲۸۲
		اَلصّٰفّٰت (۳۷)	۳۰۱
		صٓ (۳۸)	۳۲۴
		الزُّمَر (۳۹)	۳۴۶
		اَلْمُؤْمِن (٤٠)	۳۷۴
		حٰمٓ السَّجْدَة (٤١)	۴۰۱

معاونین

الحاج ڈاکٹر سیّد ندیم الحسن صاحب نقوی، بی۔ایس سی، ایم۔بی۔بی ایس
سیّد شمیم الحسن صاحب نقوی ایم۔اے ایل ایل بی سینئر اگزیکٹو وائس پریذیڈنٹ بنک آف کامرس اینڈ کریڈٹ انٹرنیشنل لندن
سیّد نسیم الحسن صاحب نقوی بی۔ایس سی انجینئر۔ سپرنٹنڈنٹ پاور ہاؤس، کراچی
پروفیسر ڈاکٹر ہاشم علی صاحب کاظمی پروفیسر آف پیتھالوجی سندھ میڈیکل کالج، کراچی
سیّد کاظم حسین صاحب نقوی، سٹیٹ بنک آف پاکستان، کراچی
پروفیسر مولانا سیّد عنایت حسین صاحب جلالوی بانی مجلس ملی پاکستان
مرزا حفاظت حسین صاحب چغتائی ایم۔اے، ریٹائرڈ سیکشن آفیسر منسٹری آف فنانس سابق سیکرٹری نیشنل انوسٹمنٹ ٹرسٹ
سیّد شبیہ الحسن صاحب ایم۔اے، ایل۔ایل۔بی، بی سی سی آئی کراچی
سیّد عرفان حسن صاحب زیدی ایم۔اے، بی۔ایڈ ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر
سیّدہ پروین دولت صاحبہ ذاکرہ ادیب آگرہ (دخترِ ادیب اعظم)
ڈاکٹر مس نازنین دولت، پی ایچ ڈی، اسسٹنٹ پروفیسر کراچی یونیورسٹی
ڈاکٹر سیّد خاقان حسن صاحب سینئر ریسرچ آفیسر، پی۔سی۔ایس۔آئی۔آر
سیّد عالیجاہ حسین صاحب ایم۔ایس سی، اے۔ایس۔سی۔پی (امریکہ)
ڈاکٹر سیّد توصیف الحسن صاحب ایم۔ایس سی پی ایچ ڈی۔
سیّد فہیم الحسن صاحب بی۔ایس سی، بی۔ای۔ایم ایس، پرنسپل گورنمنٹ ٹیکنیکل کالج، کراچی
سیّد اشفیق العباس صاحب ایم۔اے جارچوی، ایم اے ایل ایل بی
سیّد سلیمان جاہ صاحب بی فارمیسی
سیّد علی امجاد صاحب نقوی بی۔اے، ریٹائرڈ اکاؤنٹس آفیسر پاکستان ریویو
سیّد محمود الحسن صاحب رضوی، ڈپٹی ڈائریکٹر لیبر (افرادی قوت)
پروفیسر سیّد غلام عباس صاحب ایم۔اے انگلش، ایم۔ایڈ
مس گلناز زہرا نقوی
ڈاکٹر سیّد شہنشاہ حسین صاحب، ایم۔بی۔بی ایس
سیّد سبطین محمد نقوی بی۔اے یونائیٹڈ بنک
سیّد جعفر نسیم صاحب، ایم۔ایس سی
مس نسرین عرفان، بی۔ایس سی، ایم۔اے، ایم ایڈ
خلیفہ سیّد حسن مہدی صاحب آف لاہور
فردوس شمیم صاحب نقوی، بی ای۔ سیّد علی شمیم نقوی۔
سیّد مہدی حسن صاحب عابدی
سیّد آصف جاہ صاحب، ایم۔ایس سی

سیّد احمد رضا صاحب مرشد آبادی
سیّدہ زیبا صاحبہ ایم ایس سی، سیّدہ کامنی صاحبہ ایم ایس سی، سیّدہ ہما صاحبہ ایم ایس سی۔
سیّدہ حمیدہ سلطانہ صاحبہ ایم ایس سی، سیّدہ سکینہ و سیّدہ طاہرہ حسن۔

[illegible] (۱۹)

وَقَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا الْمَلٰٓئِکَۃُ اَوْ
نَرٰی رَبَّنَا ؕ لَقَدِ اسْتَکْبَرُوْا فِیْٓ اَنْفُسِہِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا کَبِیْرًا ﴿۲۱﴾
یَوْمَ یَرَوْنَ الْمَلٰٓئِکَۃَ لَا بُشْرٰی یَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِیْنَ وَیَقُوْلُوْنَ
حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾ وَقَدِمْنَآ اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰہُ
ہَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾ اَصْحٰبُ الْجَنَّۃِ یَوْمَئِذٍ خَیْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ
مَقِیْلًا ﴿۲۴﴾ وَیَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِکَۃُ
تَنْزِیْلًا ﴿۲۵﴾ اَلْمُلْکُ یَوْمَئِذِ ٍالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ؕ وَکَانَ یَوْمًا عَلَی
الْکٰفِرِیْنَ عَسِیْرًا ﴿۲۶﴾

اور جو لوگ (قیامت میں) ہماری حضوری کی اُمّید نہیں رکھتے کہا کرتے ہیں آخر فرشتے ہمارے پاس کیوں نہیں نازل کیے گئے یا ہم اپنے پروردگار کو کیوں نہیں دیکھتے ہیں۔ ان لوگوں نے اپنے جی میں اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھ لیا ہے اور بڑی سرکشی اختیار کی ہے۔ جس دن یہ لوگ فرشتوں کو دیکھیں گے اس دن گنہگاروں کو کچھ خوشی نہ ہوگی اور فرشتوں کو دیکھ کر کہیں گے دُور دفان۔ پھر ہم متوجّہ ہوں گے ان کاموں کی طرف جو (دُنیا میں) اُنہوں نے کیے ہوں گے پس ہم انہیں غبار کی طرح اُڑا دیں گے۔ اس دن جنّت والوں کے ٹھہرنے کی جگہ بھی بہتر سے بہتر ہوگی اور آرام کا مقام بھی اچھّے سے اچھّا۔ اور جس دن آسمان کو چیرتا ہُوا ایک بادل نمودار ہوگا اور بکثرت فرشتے نازل کیے جائیں گے اُس دن کی سلطنت خاص خُدا ہی کے لیے ہوگی اور وُہ دن کافروں کے لیے بہت سخت ہوگا۔

یَقُوْلُوْنَ کے کہنے والے اگر فرشتے مراد لیے جائیں تو وُہ مجرموں سے کہیں گے دُور ہو جاؤ جنّت تم پر حرام ہے۔ کفّار و مشرکین آنحضرتؐ کی رسالت کو ناکام بنانے کے لیے نئے سے نئے اعتراض سوچتے تھے۔ کبھی کہتے تھے اس شخص (محمدؐ) پر ہی ملائکہ کیوں آتے ہیں ہمارے پاس کیوں نہیں آتے۔ یہ بھی آدمی ہم بھی آدمی، اس میں اور ہم میں فرق کیا ہے۔ بالفرض اگر فرشتے ان کے پاس آتے تو ہر گروہ کہتا ہمارے پاس بھی آئیں تو کس کس کے پاس جاتے اور کس سے تصدیق کراتے کہ ہم خدا کے بھیجے ہوئے ہیں۔ آتے تو بہر حال بشری صورت میں ہی۔ تو لامحالہ انہیں تصدیق کرانے والے بھی اپنے ساتھ ہی لانے ہوتے اور اگر وہ فرشتوں کی صورت میں آتے تو ان گمراہوں کے بھیجے پھٹ کر رہ جاتے۔ تو اس آنے سے فائدہ کیا ہوتا۔ کبھی کہتے تھے خدا ہمارے پاس کیوں نہیں آتا۔ تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ وُہ گھر گھر جاتا اور کہتا پھرتا ہاں میرے بندو، اب تو مجھے مان لو میں خود ہی آگیا ہوں۔

خدا نے ان اعتراضوں کا جواب ان آیات میں اس طرح دیا ہے کہ جب یہ فرشتوں کو دیکھیں گے تو چیخ پکار مچا دیں گے اور فرشتے ان سے کہیں گے دُور ہو جاؤ مردُودو، جنّت میں تمہارے لیے کوئی مقام نہیں۔ اور جب خدا کا سامنا ہوگا تو وُہ ان کی ساری کارستانیوں کو کاٹ کر پھینک دے گا کوئی عمل بھی ان کا قابلِ جزا نہ ہوگا۔

قیامت کا دن کافروں کے لیے بڑا سخت دن ہوگا۔ ایک بادل گرجتا ہوُا آسمان کو چیرتا ہوُا نمودار ہوگا لوگوں کا خوف کے مارے بُرا حال ہوگا۔ فرشتے جوق در جوق نازل ہو رہے ہوں گے۔ گنہگاروں کی گردنیں پکڑی جا رہی ہوں گی۔ اس روز خدا کے سوا کسی کی سلطنت نہ ہوگی۔ ایمان والے تو جنّت میں بیٹھے مزے اُڑا رہے ہوں گے اور کفّار و مشرکین کے لیے کوئی جگہ آرام کی نہ ہوگی۔

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِى اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ㉗ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِىْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ㉘ لَقَدْ اَضَلَّنِىْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِىْ ۗ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ㉙ وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِى اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ㉚

اُس روز ایک ظالم (افسوس کے مارے) اپنا ہاتھ کاٹنے لگے گا اور کہے گا، کاش کہ رسُول کے ساتھ

میں بھی (دین کا سیدھا) راستہ اختیار کر لیتا۔ ہائے افسوس کاش میں فلاں شخص کو اپنا دوست نہ بناتا جس نے نصیحت آنے کے بعد مجھے بہکایا اور شیطان تو انسان کا رسوا کرنے والا ہے اور رسُول اس وقت (بارگاہِ باری میں) عرض کریں گے، اے میرے پروردگار میری قوم نے تو اس قرآن کو بیکار (یا بکواس) بنا دیا تھا۔

اس آیت کی شانِ نزُول یہ ہے کہ عتبہ بن نعیط جب سفر سے آتا تو اشرافِ قوم کی دعوت کرتا اور حضرت رسولؐ کی خدمت میں اکثر حاضر رہتا۔ ایک مرتبہ حسبِ دستور اس نے دعوت کی اور حضرتؐ کو بھی مدعو کیا۔ آپؐ نے فرمایا جب تک تُو ایمان نہ لائے گا میں کھانا نہ کھاؤں گا۔ اُس نے کلمۂ شہادت کہا تو آپؐ نے کھانا نوش کیا۔ یہ خبر اُبی بن خلف کو معلوم ہوئی جو عتبہ کا گہرا دوست تھا تو اُس نے عتبہ کو بہت بُرا بھلا کہا کہ تُو نے بہت بُرا کیا اپنے آبائی مذہب کو ترک کیا۔ عتبہ نے کہا میں نے محض مہمان کی خاطر سے کہہ دیا تھا ورنہ میں تو اپنے مذہب پر باقی ہوں۔ اُبی نے کہا، اگر تُو سچا ہے تو اُس کے مُنہ پر تھوک دے تو جانوں۔ غرض عتبہ بدبخت نے نماز کی حالت میں تھوکا۔ خدا کی شان اُس کا تھوک واپس اُسی کے مُنہ پر آکر پڑا اور شعلہ بن کر اُس کے چہرہ کو جلا گیا اور عمر بھر اس کی سیاہی نہ گئی۔ عتبہ اور اُبی دونوں جنگِ بدر میں واصلِ جہنّم ہوئے۔

عتبہ اور اُبی ہی پر موقوف نہیں جو لوگ بھی حضورؐ کے ساتھ رہ کر کسی شیطان صفت انسان کے بہکانے میں آجائیں گے وُہ ضرور ایسی ہی سزا بھگتیں گے۔ رسولؐ قیامت میں اپنی قوم کی یعنی مسلمانوں کی یہ شکایت کریں گے کہ ان لوگوں نے اس قرآن کو چھوڑ دیا تھا یا بکواس سمجھتے تھے یعنی اس پر عمل نہ کرتے تھے۔ قرآن ان کے ہاتھوں میں ضرور تھا مگر ان کا عمل اس کے خلاف تھا۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِىٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ۗ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ㉛ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۛ كَذٰلِكَ ۛ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ㉜ وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ㉝ ط

اور ہم نے (گویا خود) گنہگاروں میں سے ہر نبی کے دُشمن بنا دیئے ہیں اور تمہارا پروردگار تمہاری

عند المتقدمین ۱۲ ع

ہدایت اور مدد کے لیے کافی ہے۔ اور کفّار کہنے لگے ان کے اُوپر قُرآن کُل کا کُل ایک دفعہ ہی کیوں نہیں نازل کیا گیا (ہم نے اس لیے اس طرح نازل کیا) تاکہ تمہارے ذہن نشیں کرتے رہیں اور ہم نے اسے ٹھہر ٹھہر کے نازل کیا اور (یہ کفّار) چاہے کیسی ہی انوکھی مثل بیان کریں ہم تمہارے لیے اس کا ٹھیک اور عمدہ جواب بیان کر دیں گے۔

خُدا نے کسی مجرم کو نبی کا خود دشمن نہیں بنایا بلکہ ایسے لوگوں کو اپنی فطرت پر جو خدا کی بنائی ہوئی ہے قابو نہیں رہتا اور وُہ خود قوانینِ فطرت کی خلاف ورزی پر اُتر آتے ہیں۔ فطرتِ انسانی یہ ہے کہ وُہ ہر اُس بات کو قبول کرے جو اس کے لیے مفید ہو مگر کچھ لوگ انبیاءؑ کے دشمن بن کر اپنی فطرت پر ظلم کرتے ہیں۔ لیکن اے رسولؐ، تم ان کی دشمنی سے پریشان نہ ہو کیونکہ خدا تمہارا ہادی و مددگار ہے۔

لوگ کہتے ہیں قرآن ایک بار ہی بصُورت کتاب کیوں نہیں نازل کیا گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر تمام احکام ایک بار ہی نازل کیے جاتے تو لوگ گھبرا جاتے۔ چنانچہ جب حضرت موسیٰؑ توریت لے کر آئے تھے تو بنی اسرائیل نے کہا تھا بھلا اتنی موٹی کتاب پر ہم کیسے عمل کر سکتے ہیں جس کا بوجھ اُٹھانا بھی ہم پر بار ہے۔ چنانچہ انہوں نے توریت کے بعض حصّوں پر عمل کیا اور بعض کو ناقابلِ عمل سمجھ کر چھوڑ دیا۔

دُوسرے حضرت رسولِ خداؐ کی خدمت میں کفّار و مشرکین مختلف اوقات میں مختلف قسم کے سوالات کرتے تھے۔ اگر پُورا قرآن بیک وقت نازل ہو جاتا تو ان کے سوالات کا جواب قبل از وقت کیسے دیا جاتا۔

تیسرے عملِ کفّار سے آنحضرتؐ اکثر اوقات شکستہ دل ہو جاتے تھے تو ضرورت تھی کہ وقتاً فوقتاً آپ کے قلب کو تسکین دی جائے اور دشمنوں کی چالوں کا توڑ آپؐ کو بتایا جائے۔

چوتھے باختلافِ اوقات کچھ مسائل مسلمانوں کو سمجھانے کی ضرورت پیش آتی تھی جیسے جہاد وغیرہ۔ وُہ قبل از وقت کیسے سمجھائے جاتے اور جنگ کے جو مواقع درپیش ہوتے ہیں ان کے لیے ضرورت اس بات کی ہوتی ہے کہ بر وقت سمجھائے جائیں۔

پانچویں کفّار و مشرکین آنحضرتؐ کی رسالت کو باطل کرنے کے لیے نئی سے نئی مثالیں پیش کرتے تھے لہٰذا ان کے جوابات رسولؐ کو بتانے کے لیے سرِ وقت آیات کا نزُول ضروری تھا۔

چھٹے تھوڑی تھوڑی آیات کے نزُول میں ایمان والوں کو یہ فائدہ تھا کہ وہ ان کو آسانی سے حفظ کر لیتے تھے۔

اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ
مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا (٣٤) ع ٣ ١٤ ١

جو لوگ قیامت کے دن اپنے موہنوں کے بل جہنّم کی طرف ہنکائے جائیں گے تو ایسے ہی لوگ بدتر جگہ میں ہوں گے اور سب سے زیادہ راہِ راست سے بھٹکنے والے ہوں گے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗٓ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا (٣٥)
فَقُلْنَا اذْهَبَآ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا (٣٦)
وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ۭ
وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا (٣٧) وَّعَادًا وَّثَمُوْدَا۟ وَاَصْحٰبَ
الرَّسِّ وَقُرُوْنًۢا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا (٣٨) وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ۡ وَكُلًّا
تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا (٣٩)

ہم نے موسیٰؑ کو کتاب توریت دی اور اُن کے ساتھ اُن کے بھائی ہارُون کو وزیر بنا کر بھیجا۔ پس ہم نے دونوں سے کہا تم دونوں ان لوگوں کے پاس جاؤ جنہوں نے ہماری آیات کو چھوڑ دیا ہے پس ہم نے انہیں اچھّی طرح برباد کر دیا اور قوم نُوحؑ نے رسُولوں کی تکذیب کی تو ہم نے ان کو ڈبو دیا اور لوگوں کے لیے ان کو نشانی قرار دیا اور ہم نے ظالموں کے لیے دردناک عذاب مہیّا کر رکھا ہے اور قوم عاد و ثمود اور رَس والے اور ان کے درمیان بہت سی قوموں کو (ہم نے ہلاک کر ڈالا) اور ہم نے پہلے (تباہ ہونے والوں کی) مثالیں دے دے کر سمجھایا (جب نہ سمجھے) تو آخر کار ہر ایک کو ہلاک کر ڈالا۔

اصحابِ رَس سے مراد وُہ لوگ ہیں جنہوں نے اندھے کنوئیں میں اپنے نبی کو پھینکوایا تھا۔ رَسّ کے معنی کنوئیں کے ہیں۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ یہ لوگ صنوبر کے درخت کی پرستش کرتے تھے اور ان کے بارہ ١٢ شہر ایک نہر کے کنارے تھے جس کا نام رَس تھا اور ان شہروں کے وُہی نام تھے جو فارسی مہینوں کے ہیں۔ اِس درخت تک اس نہر کی ایک شاخ دوڑائی تھی۔ اس درخت پر قربانی کر کے چڑھاتے اور سجدہ کرتے تھے۔ سال میں

ایک بار دارالسلطنت میں جہاں اصل صنوبر کا درخت تھا جسے یافث بن نوحؑ نے لگایا تھا جمع ہو کر پرستش کرتے تھے۔

قوموں کی تباہی کا باعث خود اُن کی سرکشی اور بداعمالیاں تھیں۔ اُنہوں نے انبیاء کو نہ صرف جھٹلایا بلکہ ان کی ایذا رسانی پر کمر باندھی۔ اللہ نے پہلے تو ان کو مہلت دی جب کسی طرح باز نہ آئے تو آخر کار ان پر مختلف صورتوں سے عذاب نازل کیے۔

وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِىْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ؕ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا
يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا (۴۰) وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ
اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِىْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا (۴۱) اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ
اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ؕ وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ
الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا (۴۲) اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ
اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا (۴۳) اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ
يَعْقِلُوْنَ ؕ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا (۴۴) ع

یہ کفارِ مکہ اس بستی کی طرف سے گزرے ہیں جن پر پتھروں کی بڑی سخت بارش ہوتی تھی تو کیا ان لوگوں نے اس کو دیکھا نہ ہوگا مگر یہ لوگ مرنے کے بعد جی اُٹھنے کی اُمید ہی نہیں رکھتے (پھر کیوں ایمان لائیں)۔ اے رسول جب یہ لوگ تمہیں دیکھتے ہیں تو تم سے مسخرا پن کی باتیں کرنے لگتے ہیں کہ کیا یہی وہ حضرت ہیں جن کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اگر ہم بتوں کی پرستش پر ثابت قدم نہ رہتے تو اس شخص نے ہم کو ہمارے معبودوں کی پرستش سے بہکا ہی دیا تھا۔ (قیامت میں) جب یہ لوگ عذاب کو دیکھیں گے تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ راہِ راست سے کون زیادہ بھٹکا ہوا تھا۔ تم نے اُس شخص کو بھی دیکھا جس نے اپنی نفسانی خواہش کو اپنا معبود بنا رکھا ہے تو کیا تم اس کے

ذمہ دار ہو سکتے ہو (کہ وہ گمراہ نہ ہوں) کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ ان کفار میں اکثر بات سُنتے یا سمجھتے ہیں یہ تو بالکل جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے۔

یہاں جس تباہ شدہ بستی کا ذکر ہے اس سے مراد قومِ لوط کی بستی ہے جو حجاز و شام کے درمیان کھنڈروں کی صورت میں اب بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ جو اُدھر سے نہ گزرے تھے وہ وہاں کے قصے تو لوگوں سے سُنتے تھے۔ یہ لوگ قیامت کے قائل نہ تھے۔

جب آنحضرتؐ کفارِ مکہ کی طرف سے گزرتے تھے تو وہ ظالم تمسخر کے طور پر کہتے تھے یہ ہیں وہ حضرت جو اپنے کو خدا کا رسول کہتے ہیں۔ خیریت ہو گئی کہ ہم اپنے پُرانے عقیدہ پر جمے رہے ورنہ یہ حضرت تو ہم سب کو گمراہ کر رہے تھے۔ مشرکوں میں جن لوگوں نے اپنے نفس کو عقل کا تابع بنایا ہے اور بات کو سوچتے سمجھتے ہیں ان سے راہِ راست پر آنے کی اُمید ہو سکتی ہے لیکن جو لوگ اپنی عقل کو اپنی خواہشات کا غلام بنا لیتے ہیں اور خواہشِ نفس کے مقابلہ میں عقل کی بات نہیں سُنتے اور وہی کرتے ہیں جو اُن کی خواہش ہوتی ہے تو وہی سب سے بڑے مشرک ہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ خدا کی توہین و تحقیر کرتے ہیں۔ وہ بجائے خدا کے اپنے نفس کو خوش رکھنا چاہتے ہیں۔ احادیث کی رُو سے وہ بدترین مشرک ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو کسی ہادی کی ہدایت کو نہیں سُنتے اور جو بات کان میں پڑ جاتی ہے تو اس کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے تو یہ چوپاؤں سے بھی بدتر لوگ ہیں۔ چوپائے اپنے مالک کی آواز کو سُنتے ہیں تو اس پر عمل کرتے ہیں اس کے اشارہ کو سمجھتے ہیں اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں مگر یہ بدبخت تو نہ سُنتے ہیں نہ سمجھتے ہیں بس جو دل میں آ گیا اُسے کر بیٹھتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ
جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا (۴۵) ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا (۴۶)
وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ
النَّهَارَ نُشُوْرًا (۴۷)

کیا تم نے اپنے رب کی قدرت کی طرف نظر نہیں کی کہ اُس نے سایہ کو کس طرح پھیلایا ہے اگر وہ چاہتا تو اُسے ساکن کر دیتا۔ پھر سورج کو اس پر دلیل بنایا پھر ہم نے تھوڑا تھوڑا کر کے اُسے

اپنی طرف کھینچ لیا اور وہی تو خدا ہے جس نے تمہارے لیے رات کو پردہ بنایا اور نیند کو راحت اور دن کو (کاروبار کے لیے) اُٹھ کھڑے ہونے کا وقت بنایا۔

سایہ اور دُھوپ دو چیزوں کو نظامِ حیاتِ انسانی کے باقی رکھنے میں بڑا دخل ہے اگر صرف سایہ ہی سایہ ہوتا دُھوپ کا نام نہ ہوتا تو انسانی زندگی کا ڈھانچہ بالکل بگڑ جاتا بلکہ ہر شے کُھلا کر رہ جاتی۔ درختوں کی نشو و نما میں خلل پڑ جاتا۔ حیوانات کی صحت خراب ہو جاتی اور اگر سایہ نہ ہوتا اور تمام دن دُھوپ ہی دُھوپ رہتی تو انسان بلبلا اُٹھتا۔ ہر ذی حیات تڑپ اُٹھتا اور درخت مرجھا جاتے۔ پس خدا نے اپنی مخلوق کی آسائش کے لیے یہ صورت رکھی کہ کبھی سایہ کو بڑھاتا ہے کبھی اس کو گھٹاتا ہے۔ جس طرح دُھوپ ہلکے ہلکے پھیلتی ہے اسی طرح سایہ ہلکے ہلکے گھٹتا بڑھتا ہے۔

بعض مفسرین نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ سایہ سے مراد زمانۂ فترت ہے جس میں کوئی نبی حضرت عیسٰیؑ سے لے کر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم تک نہیں آیا۔ چھ سو برس بعد جب سرکارِ دو عالمؐ دُنیا میں آئے تو گویا علمِ دین کا آفتاب طلوع ہوا اور جوں جوں حضورؐ کی تعلیم و تبلیغ بڑھتی گئی تاریکی دُور ہوتی چلی گئی۔

سایہ کے لیے سُورج اس لیے دلیل بنایا گیا کہ سورج کے طلوع و غروب و نصف النہار پر پہنچنے سے سایہ کی کمی بیشی کا پتہ چلتا ہے۔

رات کو خدا نے پردہ پوشش بنایا ہے اور نیند کو اس لیے غالب کیا کہ دن کی تکان دُور ہو جائے اور دن کو اس لیے بنایا کہ آدمی خواب سے بیدار ہو کر اپنے کام کاج میں لگ جائے۔

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ بُشْرًاۢ بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ
السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا (۴۸) لِّنُحْیِیَ بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا وَّنُسْقِیَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ
اَنْعَامًا وَّاَنَاسِیَّ كَثِیْرًا (۴۹)

اور وُہ وہی تو ہے جس نے اپنی رحمت سے بارش کے آگے آگے ہواؤں کو خوشخبری دینے کے لیے بھیجا اور ہم نے آسمان سے پاک اور نتھرا ہُوا پانی برسایا تاکہ اس کے ذریعہ سے مُردہ (ویران) شہر کو زندہ (آباد) کر دیں اور اپنی مخلوقات میں سے چوپاؤں اور بہت سے آدمیوں کو سیراب کر دیں۔

خدا نے اپنی توحید کے جہاں اور بہت سے دلائل بیان کیے ہیں اُن میں سے ایک دلیل یہ بھی ہے کہ وہ پانی برسانے سے پہلے ٹھنڈی ہوائیں چلاتا ہے۔ پھر پاک صاف پانی برساتا ہے جو ہر قسم کی گندگی سے پاک ہوتا ہے اور زہریلے جراثیم جو زمین کے اوپر والے پانی میں پیدا ہو جاتے ہیں بارش کے پانی کو ان سے پاک صاف کر دیتا ہے۔ گویا قدرت کی ناقابلِ رویت چھلنی میں وہ پانی چھن چھن کر آتا ہے۔ بارش کا پانی اسی لیے اکثر بیماریوں میں مفید ثابت ہوتا ہے اس پانی سے تالاب جوہڑ اور گڑھے بھر جاتے ہیں جس سے چوپائے سیراب ہوتے ہیں اور آدمی بھی اُسے پیتے ہیں۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَیْنَهُمْ لِیَذَّكَّرُوْا ۖ فَاَبٰٓی اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا (۵۰) وَلَوْ
شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِیْ كُلِّ قَرْیَةٍ نَّذِیْرًا (۵۱) ۖ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ وَجَاهِدْهُمْ
بِهٖ جِهَادًا كَبِیْرًا (۵۲) وَهُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ
وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَیْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا (۵۳)
وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ؕ وَكَانَ
رَبُّكَ قَدِیْرًا (۵۴) وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُهُمْ وَلَا یَضُرُّهُمْ ؕ
وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰی رَبِّهٖ ظَهِیْرًا (۵۵) وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّ
نَذِیْرًا (۵۶) قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ یَّتَّخِذَ
اِلٰی رَبِّهٖ سَبِیْلًا (۵۷)

اور ہم نے پانی کو ان کے درمیان تقسیم کیا تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔ مگر اکثر لوگوں نے ناشکری کے سوا کچھ نہ مانا۔ اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک (عذاب سے) ڈرانے والا پیغمبر بھیجتے تو اے رسول تم کافروں کی اطاعت نہ کرنا اور ان سے (قرآنی دلائل) کے ساتھ خوب لڑو اور وہی تو وُہ خدا ہے

اپنی طرف کھینچ لیا اور وہی تو خدا ہے جس نے تمہارے لیے رات کو پردہ بنایا اور نیند کو راحت اور دن کو (کاروبار کے لیے) اُٹھ کھڑے ہونے کا وقت بنایا۔

سایہ اور دُھوپ دو چیزوں کو نظامِ حیاتِ انسانی کے باقی رکھنے میں بڑا دخل ہے اگر صرف سایہ ہی سایہ ہوتا دُھوپ کا نام نہ ہوتا تو انسانی زندگی کا ڈھانچہ بالکل بگڑ جاتا بلکہ ہر شے کُھلا کر رہ جاتی۔ درختوں کی نشو و نما میں خلل پڑ جاتا۔ حیوانات کی صحت خراب ہو جاتی اور اگر سایہ نہ ہوتا اور تمام دن دُھوپ ہی دُھوپ رہتی تو انسان بلبلا اُٹھتا ہر ذی حیات تڑپ اُٹھتا اور درخت مرجھا جاتے۔ پس خدا نے اپنی مخلوق کی آسائش کے لیے یہ صورت رکھی کہ کبھی سایہ کو بڑھاتا ہے کبھی اس کو گھٹاتا ہے۔ جس طرح دُھوپ ہلکے ہلکے پھیلتی ہے اسی طرح سایہ ہلکے ہلکے گھٹتا بڑھتا ہے۔

بعض مفسرین نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ سایہ سے مراد زمانۂ فترت ہے جس میں کوئی نبی حضرت عیسیٰؑ سے لے کر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم تک نہیں آیا۔ چھ سو برس بعد جب سرکارِ دو عالمؐ دنیا میں آئے تو گویا علمِ دین کا آفتاب طلوع ہُوا اور جوں جوں حضورؐ کی تعلیم و تبلیغ بڑھتی گئی تاریکی دُور ہوتی چلی گئی۔

سایہ کے لیے سُورج اس لیے دلیل بنایا گیا کہ سورج کے طلوع و غروب و نصف النہار پر پہنچنے سے سایہ کی کمی بیشی کا پتہ چلتا ہے۔

رات کو خدا نے پردہ پوشش بنایا ہے اور نیند کو اس لیے غالب کیا کہ دن کی تھکان دُور ہو جائے اور دن کو اس لیے بنایا کہ آدمی خواب سے بیدار ہو کر اپنے کام کاج میں لگ جائے۔

وَهُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ
السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا (۴۸) لِّنُحْیِیَ بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا وَّنُسْقِیَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ
اَنْعَامًا وَّاَنَاسِیَّ كَثِیْرًا (۴۹)

اور وُہ وہی تو ہے جس نے اپنی رحمت سے بارش کے آگے آگے ہواؤں کو خوشخبری دینے کے لیے بھیجا اور ہم نے آسمان سے پاک اور نِتھرا ہُوا پانی برسایا تاکہ اس کے ذریعہ سے مُردہ (ویران) شہر کو زندہ (آباد) کر دیں اور اپنی مخلوقات میں سے چوپاؤں اور بہت سے آدمیوں کو سیراب کر دیں۔

خدا نے اپنی توحید کے جہاں اور بہت سے دلائل بیان کیے ہیں اُن میں سے ایک دلیل یہ بھی ہے کہ وہ پانی برسانے سے پہلے ٹھنڈی ہوائیں چلاتا ہے۔ پھر پاک صاف پانی برساتا ہے جو ہر قسم کی گندگی سے پاک ہوتا ہے اور زہریلے جراثیم جو زمین کے اوپر والے پانی میں پیدا ہو جاتے ہیں بارش کے پانی کو ان سے پاک صاف کر دیتا ہے۔ گویا قدرت کی ناقابلِ رویت چھلنی میں وہ پانی چھن چھن کر آتا ہے۔ بارش کا پانی اسی لیے اکثر بیماریوں میں مفید ثابت ہوتا ہے اِس پانی سے تالاب جوہڑ اور گڑھے بھر جاتے ہیں جس سے چوپائے سیراب ہوتے ہیں اور آدمی بھی اُسے پیتے ہیں۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَیْنَهُمْ لِیَذَّكَّرُوْا ۖ فَاَبٰۤی اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا (۵۰) وَلَوْ
شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِیْ كُلِّ قَرْیَةٍ نَّذِیْرًا (۵۱) ۖ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ وَجَاهِدْهُمْ
بِهٖ جِهَادًا كَبِیْرًا (۵۲) وَهُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ
وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَیْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا (۵۳)
وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ۭ وَكَانَ
رَبُّكَ قَدِیْرًا (۵۴) وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُهُمْ وَلَا یَضُرُّهُمْ ۭ
وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰی رَبِّهٖ ظَهِیْرًا (۵۵) وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّ
نَذِیْرًا (۵۶) قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ یَّتَّخِذَ
اِلٰی رَبِّهٖ سَبِیْلًا (۵۷)

اور ہم نے پانی کو ان کے درمیان تقسیم کیا تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔ مگر اکثر لوگوں نے ناشکری کے سوا کچھ نہ مانا۔ اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک (عذاب سے) ڈرانے والا پیغمبر بھیجتے تو اے رسول تم کافروں کی اطاعت نہ کرنا اور ان سے قرآنی دلائل کے ساتھ خوب لڑو اور وہی تو وُہ خدا ہے

جس نے دو دریاؤں کو آپس میں ملا دیا ایک خالص مزہ دار میٹھا ہے اور دُوسرا کھاری کڑوا (مگر دونوں کو ملا دیا) اور ان کے درمیان ایک آڑ اور مضبُوط اوٹ بنا دی (کہ مِل نہ سکیں) اور خدا وہی ہے جس نے آدمی کو پانی (منی) سے پیدا کیا اور پھر اُس کو خاندان اور سُسرال والا بنایا اور اے رسول تمہارا رب ہر چیز پر قادر ہے۔ لوگ اس کو چھوڑ کر اُن کی عبادت کرتے ہیں جو نہ نفع پہنچاتے ہیں نہ نقصان اور کافر (ابوجہل) تو ہر وقت اپنے رب کی مخالفت پر زور لگائے ہوئے ہے اور ہم نے تم کو بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ (اے رسول) کہہ دو میں تم سے اپنی رسالت کا کوئی اَجر نہیں مانگتا (مگر میری خواہش یہ ہے) جو چاہے اپنے رب تک پہنچنے کی راہ پکڑ لے۔

خُدا کی قدرت کی بیشمار نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وُہ ایسے دو دریاؤں کو مِلاتا ہے جن میں سے ایک کا پانی میٹھا ہوتا ہے دُوسرے کا کھاری۔ جہاں یہ ملتے ہیں وہاں صِرف ایک لکیر ایسی نظر آتی ہے جو ان دونوں کو الگ کرتی ہے۔ بصرہ کے قریب جہاں سمندر کا پانی دریائے دجلہ سے مِلتا ہے وہاں خدا کی قدرت کا یہ کرشمہ جہاز والوں کے دیکھنے میں آتا ہے۔ نہ ان دونوں کے درمیان کوئی دیوار ہے نہ کوئی رکاوٹ، دونوں کے پانی مِلتے جُلتے بہتے چلے جاتے ہیں لیکن اس خطِ قدرت کے ایک طرف سے پیو تو پانی خوشگوار اور میٹھا ہے دوسری طرف سے چکھو تو کڑوا بدمزہ بُودار۔ کیا صنعت خدا کے سوا کوئی دکھا سکتا ہے کہ بیک وقت ایک ہی سمندر میں سرد و گرم پانی کی علیحدہ علیحدہ رَویں جاری کرے۔

اُس نے اپنی قدرت کا ایک کمال اور بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ پانی (منی) کے ایک قطرے سے انسان کو پیدا کیا ہے اور ان کے درمیان رشتہ داریاں نسبتی صورت میں بنائیں اور ان میں رشتہ داریاں سسرالی صورت میں دکھائیں۔ یوں انسان کا حسب و نسب درست کیا۔ ایک ہی چیز ہے جس سے دو خاندانوں کے درمیان تعلقات کو وابستہ کیا ہے۔ بعض سے مباشرت حلال قرار دی ہے بعض سے حرام۔ یہ سب اس کی قدرت کے کھیل ہیں۔

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ۭ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ
عِبَادِهٖ خَبِيْرًا ۚۛ (٥٨) الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ
سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا (٥٩)
وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ ق اَنَسْجُدُ

لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا (٦٠) ع السجدة

اے رسول اس زندہ خُدا پر بھروسہ کرو جو کبھی مرنے والا نہیں اور اسی کی حمد کی تسبیح کرو اور جو اپنے بندوں کے گُناہوں کی خبرداری میں کافی ہے۔ وُہ وُہ ہے جس نے چھ دن میں آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کو پیدا کیا۔ پھر عرش بنانے پر آمادہ ہُوا۔ وُہ بڑا مہربان ہے تو تم اس کا حال کسی باخبر ہی سے پُوچھنا۔ جب ان کفّار سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں رحمٰن کیا چیز ہے کیا تم جس کے لیے کہتے ہو ہم اُسی کو سجدہ کرنے لگیں اور اس سے اُن کی نفرت اور بڑھ جاتی ہے۔

سوائے خدا کے اس تمام کائنات میں کوئی چیز ایسی نہیں جو ایسی زندہ ہو کہ کبھی مرنے والی نہ ہو۔ بندوں کے تمام گناہوں سے خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے، پوشیدہ ہوں یا ظاہر خدا خوب واقف ہے۔ خدا نے جابجا قرآن میں واضح طور سے یہ بیان کر دیا ہے کہ آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب خدا کے پیدا کردہ ہیں عرش کے پیدا کرنے پر آمادہ ہُوا یا جیسا کہ بعض نے ترجمہ کیا ہے سلطنت عرش پر قابض ہُوا۔ اس کا صحیح مطلب رسُولؐ و آئمہؑ کے سوا دوسرا نہیں جان سکتا۔ سورۃ اعراف میں تھوڑی سی وضاحت کی جا چکی ہے۔ عالمِ نُور کی سب سے بڑی مخلوق عرش ہے جس کا تصور بھی ہم نہیں کر سکتے کیونکہ وُہ عالمِ مادی سے پار کوئی علیحدہ ایک جُداگانہ چیز ہے نہ کوئی اس کی وسعت کو سمجھ سکتا ہے نہ اس کی خصوصیات کو۔ خدا فرماتا ہے اس کے متعلق اگر کچھ پوچھنا چاہو تو باخبر لوگوں سے یعنی اس کے رسولؐ سے پُوچھو ورنہ کسی غیر سے پُوچھنے میں گمراہ ہونے کا اندیشہ ہے۔ الٰہیات کے مسائل بہت عمیق و دقیق ہیں۔ چونکہ انسانی سمجھ میں آن کا آنا مشکل ہے لہٰذا اس بحرِ ذخّار میں امیرالمؤمنینؑ نے فرمایا غوطہ نہ لگاؤ ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے۔ اس کی کُنہ ذات کے متعلق تو غور ہی نہ کرو صرف اس کو صفات سے اتنا ہی سمجھو جتنا تمہارا علم و عقل تحمل کر سکے۔

جب کفّار سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو وُہ تعجب سے پُوچھتے ہیں رحمان کہاں ہے۔ گویا یہ لفظ اُنہوں نے سُنا ہی نہیں۔ بعض مفسّرین نے لکھا ہے کہ یہ لفظ اقوامِ عرب میں خدا کے لیے استعمال ہوتا ہی نہ تھا اور بعض نے لکھا ہے کہ یہ کلام اُن کا گستاخانہ تھا۔ جیسے فرعون نے موسیٰؑ سے کہا تھا کہ ربّ العالمین کیا ہے۔ پہلے معنی ہی زیادہ مناسب معلوم ہوتے ہیں کیونکہ جب ان سے سجدہ کو کہا گیا تو انہوں نے غیر مانوس لفظ سمجھ کر سجدہ سے انکار کر دیا اور کہنے لگے یہ کیسے ممکن ہے کہ جب بھی تم سجدہ کرانا چاہو تو ہم تمہارے کہنے سے اُسے سجدہ کرنے لگیں۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا
مُّنِیْرًا ﴿٦١﴾ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ
یَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿٦٢﴾ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَى
الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿٦٣﴾ وَالَّذِیْنَ
یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِیَامًا ﴿٦٤﴾ وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ
عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿٦٥﴾ ۖ اِنَّهَا سَآءَتْ
مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿٦٦﴾ وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا
وَكَانَ بَیْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿٦٧﴾

پاک ہے وُہ اللہ جس نے آسمان میں بُرجوں کو بنایا اور اُس میں چراغ رکھا اور روشن چاند بنایا۔ وُہ وُہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دُوسرے کا جانشین بنایا۔ یہ اُس کے لیے ہے جو نصیحت حاصل کرنا چاہے یا شُکر کا ارادہ کرے اور رحمٰن خدا کے ایسے بندے بھی ہیں جو زمین پر فروتنی سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے (جہالت کی) بات کرتے ہیں تو کہتے ہیں سلام (سلامت رہو) اور وُہ ایسے لوگ ہیں جو اپنے رب کے سجدے اور قیام میں راتیں گزار دیتے ہیں اور وُہ خدا سے دُعا کرتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہم سے جہنّم کے عذاب کو دُور رکھ بے شک اُس کا عذاب بہت سخت اور پائدار ہوگا۔ وُہ ٹھہرنے کا بُرا ٹھکانہ اور بُرا مقام ہے اور وُہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو اسراف نہیں کرتے اور نہ تنگی کرتے ہیں۔ ان کا خرچ اس کے درمیان اوسط درجہ کا ہوتا ہے۔

سُورج اور چاند کا آگے پیچھے نِکلنا اور غروب ہونا اور رات دن کا آنا جانا خدا کی —— قدرت کی بہت بڑی نشانیاں ہیں جن سے لوگوں کو نصیحت حاصل کرنی چاہیئے اور خدا کا شکر گزار ہونا چاہیئے کہ بے شمار فوائد ان سے انسان کو حاصل ہوتے ہیں۔ یُوں تو ہر آدمی خدا کا بندہ ہے اُسی کا پیدا کیا ہُوا ہے لیکن اس کے خاص بندوں میں چھ صفات پائی جاتی ہیں جو یہ ہیں:

۱۔ وُہ زمین پر انکساری اور فروتنی سے چلتے ہیں نہ اِترا کر اکڑ کر۔ دھم دھم کرتے ہوئے نہیں چلتے بلکہ ہلکے ہلکے قدم رکھتے ہیں۔

۲۔ جب بے ادب اور گستاخ لوگ ان سے کلام کرتے ہیں تو وُہ جواب میں کہتے ہیں سلامت رہو۔ یعنی اُن کو گستاخ انداز میں جواب نہیں دیتے۔ مروی ہے کہ ایک بدتمیز بد زبان آدمی نے امام زین العابدینؑ کے سامنے آپؑ کو بُرا بھلا کہنا شروع کیا۔ آپؑ نے اس کے جواب میں فرمایا، اگر میں ایسا ہی ہوں جیسا تُو کہتا ہے تو خدا مجھے بخشے اور اگر تُو جھوٹا ہے تو خدا تجھے بخشے۔ یہ جواب سُن کر وہ بہت نادم ہُوا اور آپؑ کے دوستوں میں داخل ہوگیا۔

۳۔ وُہ لوگ عام لوگوں کی طرح رات کو لمبے پاؤں کر کے نہیں سوتے۔ سجدے کرنے اور بحالتِ قیام عبادت کرنے میں اپنی راتیں گزارتے ہیں اور خدا سے یہ دُعا کرتے رہتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں عذابِ جہنّم سے بچائے رکھنا۔ کیونکہ وہاں کا عذاب بہت سخت ہوگا اور وہ بہت بُرا ٹھکانہ ہوگا۔

۴۔ وُہ اس طرح خرچ کرتے ہیں کہ نہ تو اللے تللے کا ہی ہوتا ہے کہ جو ہاتھ میں آیا اُسے اُڑاتے چلے گئے نہ ایسا کہ ضروریاتِ زندگی بھی پُوری نہ ہوں بلکہ درمیانی چال چلتے ہیں اور خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُهَا —— (بہترین طریقہ ہر کام میں اعتدال کا ہے) پر نظر رکھتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ جو گناہ میں خرچ کیا جائے وُہ اسراف ہے جو حقوق ادا نہ کرے بُخل ہے اور جو حکمِ خدا کے مطابق کرے تو یہ اعتدال ہے۔

یہ تمام صفتیں اہلبیتِ رسولؐ میں بدرجۂ اتم پائی جاتی تھیں۔ اُن کی زندگی کا ہر لمحہ بنی نوعِ انسان کے لیے سبق آموز ہے اور اُن کے اُسوۂ حسنہ پر عمل کرنے والے خدا کے خاص بندے کہلاتے ہیں۔

وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ
حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ یَلْقَ اَثَامًا ﴿٦٨﴾
یُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَیَخْلُدْ فِیْهٖ مُهَانًا ﴿٦٩﴾ ۖ اِلَّا مَنْ
تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ

سَیِّاٰتِہِمۡ حَسَنٰتٍ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا (۷۰)

اور وہ لوگ خُدا کے ساتھ کسی دُوسرے معبُود کو نہیں پکارتے اور جس جان کے مار دینے کو خُدا نے حرام کر دیا ہے اُسے ناحق قتل نہیں کرتے اور مستوجبِ قتل کو قتل کرتے ہیں اور نہ زنا کرتے ہیں، اور جو کوئی ایسا کرے گا اپنے گناہ کی سزا بُھگتے گا۔ روز قیامت اس کے لیے عذاب دُونا کر دیا جائے گا اور وہ اس میں ہمیشہ ذلیل و خوار ہو کر رہے گا مگر ہاں جس نے توبہ کر لی ایمان لایا نیک کام کیے تو خُدا اس کے گناہوں کو نیکیوں میں بدل دے گا اور اللہ بڑا غفور و رحیم ہے۔

خدا کے نیک بندوں کی صفتوں کے بیان کرنے کا سلسلہ جاری ہے :

۵ ۔ وہ کسی کو خدا کا شریک بنا کر اُس کی عبادت نہیں کرتے ۔
۶ ۔ کسی شخص کو بے جُرم و گناہ قتل نہیں کرتے ہاں جو مستوجبِ قتل ہو اُسے قتل کرتے ہیں ۔
۷ ۔ زنا نہیں کرتے ۔

دُونا عذاب کرنے کی تفسیر میں بعض مفسّرین نے لکھا ہے کہ اس کے عذاب کا سلسلہ نہ ٹُوٹے گا، پے در پے اس پر عذاب ہوتا رہے گا۔ بعض نے لکھا ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ ایک تو خدا سے بغاوت کی سزا میں عذاب ملے گا دوسرے ہر عملِ بد کی سزائیں ۔

وَمَنۡ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّہٗ یَتُوۡبُ اِلَی اللّٰہِ مَتَابًا (۷۱) وَالَّذِیۡنَ لَا
یَشۡہَدُوۡنَ الزُّوۡرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوۡا بِاللَّغۡوِ مَرُّوۡا کِرَامًا (۷۲) وَالَّذِیۡنَ اِذَا
ذُکِّرُوۡا بِاٰیٰتِ رَبِّہِمۡ لَمۡ یَخِرُّوۡا عَلَیۡہَا صُمًّا وَّعُمۡیَانًا (۷۳) وَالَّذِیۡنَ
یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَا ہَبۡ لَنَا مِنۡ اَزۡوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّۃَ اَعۡیُنٍ وَّاجۡعَلۡنَا
لِلۡمُتَّقِیۡنَ اِمَامًا (۷۴) اُولٰٓئِکَ یُجۡزَوۡنَ الۡغُرۡفَۃَ بِمَا صَبَرُوۡا
وَیُلَقَّوۡنَ فِیۡہَا تَحِیَّۃً وَّسَلٰمًا (۷۵) خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ؕ حَسُنَتۡ

مُسۡتَقَرًّا وَّمُقَامًا (۷۶) قُلۡ مَا یَعۡبَؤُا بِکُمۡ رَبِّیۡ لَوۡلَا دُعَآؤُکُمۡ ۚ فَقَدۡ
کَذَّبۡتُمۡ فَسَوۡفَ یَکُوۡنُ لِزَامًا (۷۷) ع

ع ۶ ۱۷ آیا ۱۲

جس نے توبہ کر لی اور اعمال نیک بجا لایا تو اُس نے سچّے دل سے اللہ کی طرف رجُوع کی اور وہ لوگ جو فریب کے پاس کھڑے نہیں ہوتے اور جب بیہُودہ کام کی طرف سے گزرتے ہیں تو بزرگانہ شان سے گزر جاتے ہیں اور یہ وُہ لوگ ہیں جب اُنہیں ان کے پروردگار کی آیتیں یاد دلائی جاتی ہیں تو بہرے اور اندھے ہو کر گر نہیں پڑتے (بلکہ کان لگا کر سُنتے ہیں) اور وہ خدا سے دُعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہماری بی بیوں اور اولاد کی طرف سے ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ان کے صبر کی جزا میں بالاخانے عطا کیے جائیں گے اور وہاں انہیں تعظیم و سلام کا ہدیہ پیش کیا جائے گا وہاں وُہ لوگ ہمیشہ رہیں گے اور وُہ رہنے اور ٹھہرنے کی کیا اچھی جگہ ہے (اے رسول) تم کہدو کہ اگر تم دُعا نہیں کرتے تو میرا پروردگار بھی کچھ پروا نہیں کرتا۔ تم نے اس کے رسول کو جُھٹلایا تو عنقریب اس کا وبال تمہارے سر پڑے گا۔

خُدا کے نیک بندوں کی صفات کا سلسلہ ابھی جاری ہے :

۸ ۔ وُہ لوگ مکر و فریب کی باتوں کے پاس بھی کھڑے نہیں ہوتے ۔ امیر المؤمنین علیہ السّلام فرمایا کرتے تھے "معاویہ مجھ سے زیادہ چالاک نہیں مگر میرے لیے ایسی باتیں زیبا نہیں ۔ یعنی میں مکر و فریب سے کسی کو اپنے دامِ تسخیر میں پھانسنا نہیں چاہتا" اگر کہیں ایسی باتیں ہوتی ہوں تو وہاں کھڑے بھی نہیں ہوتے ۔

۹ ۔ جب آیاتِ الٰہی کا بیان اُن کے سامنے ہوتا ہے تو اندھے بہرے نہیں بنے رہتے بلکہ ان کو پورے ذوق و شوق سے سُنتے ہیں اور ان پر پُوری توجہ دیتے ہیں اور عمل کرتے ہیں ۔

۱۰ ۔ وہ دُعا کرتے ہیں کہ ہماری بی بیوں اور اولاد سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی کر ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو مسلمان آغازِ اسلام میں مکّہ میں تھے ان میں سے اکثر اس پریشانی میں مُبتلا تھے کہ کسی کا باپ کافر تھا تو کسی کا بیٹا، کسی کا چچا کسی کا ماموں ۔ اس سے ان کے دل کو سخت تکلیف پہنچتی تھی ۔ پس وُہ خدا سے دُعا کرتے تھے کہ خداوندا ہم سے یہ مصیبت ہٹائے رکھنا کہ ہماری بی بیوں یا اولاد میں سے کوئی کافر بنے بلکہ ان کو ہماری طرح اسلام کی توفیق دے کہ ان کی طرف سے ہمارا دل خوش رہے ۔

یہ دسں صفتیں بیان کرنے کے بعد فرماتا ہے جن لوگوں نے ایسی مشکلات میں صبر سے کام لیا روزِ قیامت

اُن کو بڑا اچھا بدلہ ملے گا۔ وُہ جنّت کے بلند مقامات پر رہائش پذیر ہوں گے۔ فرشتے ان کی تعظیم کریں گے اور سلام کا تحفہ انہیں پہنچائیں گے۔ یہ آرام کی جگہ ان کے لیے دوامی ہوگی۔

جو لوگ ہم سے اپنی اس برتری کی دُعائیں نہیں مانگتے تو نہ مانگیں ہمیں ان کی کوئی پرواہ نہیں۔ رسولؐ کو جُھٹلانے والے بے خبر نہ رہیں اُنہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ اس کی بڑی سخت سزا اُن کو ملے گی۔

(۲٦) سُوْرَۃُ الشُّعَرَآءِ مَکِّیَّۃٌ (۴۷)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

طٰسٓمٓ ① تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ ② لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ
اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ③ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَیْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰیَۃً
فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِیْنَ ④ وَمَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ ذِکْرٍ مِّنَ
الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا کَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِیْنَ ⑤ فَقَدْ کَذَّبُوْا
فَسَیَاْتِیْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا کَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ⑥ اَوَلَمْ یَرَوْا اِلَی
الْاَرْضِ کَمْ اَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ کُلِّ زَوْجٍ کَرِیْمٍ ⑦ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً ؕ
وَمَا کَانَ اَکْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ⑧ وَاِنَّ رَبَّکَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ
الرَّحِیْمُ ⑨ ع ۱ ۹ ۵

[illegible] (۵)

طٰسٓمٓ۔ یہ واضح روشن کتاب کی آیتیں ہیں (اے رسول) شاید تم (اس فکر میں) اپنی جان ہلاک

کر ڈالو گے کہ یہ کفّار مؤمن کیوں نہیں ہو جاتے۔ اگر ہم چاہیں تو ان لوگوں پر آسمان سے کوئی ایسا معجزہ نازل کریں کہ ان لوگوں کی گردنیں اس کے سامنے جُھک جائیں اور (لوگوں کا قاعدہ ہے کہ) جب ان کے پاس کوئی نصیحت کی بات خُدا کی طرف سے آئی تو یہ لوگ اس سے منّہ پھیرے بغیر نہیں رہتے اب کہ یہ جُھٹلا چُکے تو عنقریب ہی انہیں اس عذاب کی حقیقت معلوم ہو جائے گی، جس کی یہ لوگ ہنسی اُڑاتے تھے کیا ان لوگوں نے زمین کی طرف (غور سے) نہیں دیکھا کہ ہم نے ہر رنگ کی عُمدہ عُمدہ چیزیں اس میں کس کثرت سے اُگائی ہیں یقیناً اس میں قدرت کی بڑی نشانی ہے۔ مگر ان میں سے اکثر ایمان لانے والے ہی نہیں۔ بے شک تمہارا رب (ہر شے پر) غالب اور مہربان ہے۔

کتاب مبین سے یہ مراد ہے کہ قرآن کی آیات میں ہر بات صاف صاف بیان کر دی گئی ہے نہ یہ کوئی معمّہ ہے نہ چیستان کہ جس کے سمجھنے میں دقّت پیش آتی ہو۔ کوئی سمجھنے کی کوشش ہی نہ کرے تو یہ دوسری بات ہے کفّار و مشرکین کی سخت گیری اور اشاعتِ اسلام میں رخنہ اندازی سے آنحضرتؐ سخت پریشان رہتے تھے۔ گویا آپؐ کی جان پر بنی ہوئی تھی۔ آپؐ چاہتے تھے کہ یہ سب ایمان لے آئیں۔ خدا حضورؐ کی تسلّی کے لیے فرماتا ہے کہ تم اپنی جان ضیق میں نہ ڈالو۔ ہم ایسا کر تو سکتے ہیں کہ کوئی بلا ان پر ایسی نازل کر دیں کہ ان سب کی گردنیں اسی کے سامنے جُھک جائیں مگر ہم جبراً کسی کو مومن بنانا نہیں چاہتے۔ ہم نے انسان کو مختار بنایا ہے مجبور نہیں بنایا چاہتے ہیں کہ وُہ اپنے ارادہ و اختیار سے ایمان قبول کرے۔

ان کافروں کا حال یہ ہے کہ جب خدا کی طرف سے کوئی نئی نصیحت آتی ہے تو یہ اس سے منّہ موڑ لیتے ہیں اور رسولؐ کو جُھٹلانے لگتے ہیں لیکن اس سے ہوتا کیا ہے۔ رسولؐ کی تبلیغ تو رُک نہیں سکتی۔ یہ مذاق اُڑاتے ہیں تو عنقریب اس کی سزا بُھگتیں گے۔

یہ کیسے بے عقل جہالت کے مارے لوگ ہیں کہ ذرا اس پر غور نہیں کرتے کہ ہم نے ان کے فائدہ کے لیے زمین پر کیسی رنگ برنگ کی نباتات پیدا کر دی ہے۔ اس میں ہماری قدرت کی بڑی نشانیاں ہیں مگر اُنہیں کچھ لیے جو کچھ سمجھیں بوجھیں۔ ان میں سے اکثر تو ایمان لانے والے ہیں ہی نہیں۔ لیکن ایسی باتوں سے کیا وہ خدا پر غالب آ جائیں گے۔ وہ تو سب پر غالب ہے اور گنہگاروں پر رحم کرنے والا بھی ہے ورنہ کبھی کا ان کو تہس نہس کر کے رکھ دیتا۔

وَاِذْ نَادٰی رَبُّکَ مُوْسٰٓی اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ⑩ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ؕ اَلَا

يَتَّقُوْنَ (۱۱) قَالَ رَبِّ اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ (۱۲)ؕ وَیَضِیْقُ صَدْرِیْ
وَلَا یَنْطَلِقُ لِسَانِیْ فَاَرْسِلْ اِلٰی هٰرُوْنَ (۱۳) وَلَهُمْ عَلَیَّ ذَنْۢبٌ
فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ (۱۴)ۚ

(اے رسول وہ وقت یاد کرو) جب تمہارے ربّ نے موسیٰ کو پُکار کر کہا تم ظالم قومِ فرعون کی طرف جاؤ (ہدایت کرو) کیا یہ لوگ (میرے غضب سے) نہیں ڈرتے۔ موسیٰ نے کہا میرے رب مجھے یہ خوف ہے کہ یہ مجھے جھٹلا دیں گے اور (ان کے جھٹلانے سے) میرا دم رُک جائے گا۔ میری زبان اچھی طرح نہ چلے گی لہٰذا تُو ہارون کے پاس پیغام بھیج دے اور اُن لوگوں کا میرے اُوپر ایک جُرم بھی ہے مجھے یہ خوف ہے کہ یہ لوگ مجھے مار ڈالیں گے۔

قومِ فرعون کو خدا نے ظٰلِمِیْنَ سے کہا ہے۔ ان سے زیادہ کون ظالم ہوگا جنہوں نے حضرت موسیٰؑ کے شُبہ میں بنی اسرائیل کے دس ہزار بچے ذبح کیے۔

ـ جب حضرت موسیٰؑ کو قومِ فرعون کے پاس جانے کا حکم دیا گیا تو انہوں نے تین عُذر کیے :

۱- وُہ مجھے جھٹلائیں گے۔ فرعون جیسے ظالم بادشاہ کے سامنے جا کر ہدایت کرنا معمولی بات نہ تھی۔ اوّل تو وہ بہت بڑی سلطنت کا مالک تھا، پھر بڑا شقی اور جبّار تھا، پھر اپنی خدائی کا مدّعی تھا۔ ایسے شخص کے سامنے ایک تن تنہا کا جانا معمولی بات نہ تھی پھر اس کے جُھٹلانے کا خوف اور اس کے ساتھ اس کی سزا کا ڈر بھی تھا۔

۲- موسیٰؑ کے دل میں تنگی پیدا ہو رہی تھی اس خیال سے کہ مجھے کیسے کامیابی ہوگی۔ نہ معلوم وہاں مقابلہ میں کیا صورت پیش آئے کوئی تو مددگار ساتھ ہو۔

۳- زبان میں لکنت، صاف الفاظ زباں سے ادا نہ ہونا کارِ تبلیغ میں کِتنا نقصان رساں تھا۔

۴- چونکہ حضرت موسیٰؑ نے دس سال پہلے ایک قبطی کو قتل کیا تھا لہٰذا یہ بھی خوف تھا کہ کہیں اس کے انتقام میں لوگ مجھے قتل نہ کر دیں۔ سچ پُوچھئے تو حضرت موسیٰؑ کی پوزیشن تمام انبیاءؑ سے نازک تھی۔ اس لیے اُن کا گھبرانا بجا تھا۔

ایک لطیف بات سمجھنے کے قابل یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ کو نبوّت ملی تھی تو حضرت ہارُونؑ کو اپنا وزیر بنانے کی درخواست کی تھی۔ خدا نے وعدہ کر لیا تھا۔ اس کے بعد ان کو حضرت ہارونؑ کو مطلع کر دینا چاہیئے تھا کہ خدا نے تمہیں

میرا وزیر مقرر کیا ہے لیکن اُنہوں نے بذاتِ خود یہ پیغام پہنچا دینا مناسب نہیں سمجھا اور خدا سے درخواست کی کہ تُو ہی براہِ راست ان کو اپنا پیغام بھیج تاکہ ان کی وزارت پر نصِ جلی ہو جائے۔ پس معلوم ہُوا کہ نبی کے وصی کے لیے بھی براہِ راست خدا کا حکم پہنچنا ضروری ہوتا ہے تاکہ کل کو کوئی یہ نہ کہے کہ نبی نے یہ کام اپنی طرف سے کیا تھا۔ یہی صورتِ وزارت حضرت علیؑ کے متعلق تھی کہ بحکمِ خدا حضرت رسولِ خدا مدّت العمر وزارت کا کام لیتے رہے لیکن چاہتے تھے کہ مجمعِ عام میں بنصِ جلی اس کا اعلان ہو جائے چنانچہ غدیرِ خُم میں اس امر کی تکمیل کے لیے جبریلِ امینؑ خاص طور سے حضرت علیؑ کو وزیر بنانے کے لیے حکم لائے اور ان کی خلافت پر یوں نص قائم ہوئی۔

حضرت رسولِ خدا نے فرمایا ہے، اے علیؑ تمہاری منزلت میرے نزدیک وہی ہے جو ہارونؑ کی منزلت موسیٰؑ کے نزدیک تھی سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ پس جو خصوصیات حضرت ہارونؑ کو حاصل تھیں وہی حضرت علیؑ کو حاصل ہُوئیں۔

حضرت موسیٰؑ کا یہ قصّہ اب اس لیے چھیڑا گیا ہے کہ کفّارِ مکہ کو جتا دیا جائے کہ تمہاری تو ہستی ہی کیا ہے ہم نے اپنے رسولؑ کے مقابل فرعون جیسے جابر صاحبِ حکومت کو زیر کر دیا تھا اور اُس کی ساری شیخی خاک میں مِلا دی تھی۔ جس طرح ہم وہاں موسیٰؑ کے ساتھ تھے اسی طرح اب یہاں اپنے رسولؑ کے ساتھ ہیں۔

قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا بِاٰیٰتِنَآ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ (۱۵) فَاْتِیَا فِرْعَوْنَ
فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (۱٦)ۙ اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ (۱۷)ؕ
قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِیْنَا وَلِیْدًا وَّلَبِثْتَ فِیْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِیْنَ (۱۸)ۙ
وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِیْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ (۱۹) قَالَ فَعَلْتُهَآ
اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّیْنَ (۲۰)ؕ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ
لِیْ رَبِّیْ حُكْمًا وَّجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ (۲۱) وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا
عَلَیَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ (۲۲)ؕ قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ (۲۳)ؕ
قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ

مُّوْقِنِيْنَ ﴿۲۴﴾

خُدا نے کہا وُہ کچھ نہیں کر سکتا تم دونوں میری نشانیاں لے کر جاؤ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور تمہاری باتوں کو سُنتے رہیں گے پس دونوں فرعون کے پاس آئے اور دونوں نے کہا ہم رب العالمین خدا کے رسول ہیں۔ (اس لیے آئے ہیں) کہ بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے۔ فرعون نے کہا اے موسٰی کیا ہم نے تمہیں یہاں رکھ کر بچپنے میں تمہاری پرورش نہیں کی تھی اور تم اپنی عمر کے برسوں ہمارے پاس رہ چکے ہو اور تم اپنا وُہ کام (قبطی کا قتل) جو کرنا تھا وہ کر گئے اور تم احسان فراموش ہو۔ موسٰی نے کہا یہ کام اُس وقت میں نے نادانستگی میں کیا تھا پھر میں تمہارے خوف سے بھاگ نکلا۔ پس میرے ربّ نے مجھے نبوّت عطا کی اور مجھے بھی ایک پیغمبر بنایا یہ بھی کوئی احسان ہے جسے تُو مجھ پر جتا رہا ہے کہ تُو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے۔ فرعون نے کہا (بتاؤ) ربّ العالمین کون ہے۔ موسٰی نے کہا وہ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا مالک ہے۔ اگر تم یقین کرنے والے بنو۔

یعنی تم دونوں فرعون کے سامنے جانے سے ڈرو نہیں ہماری دو نشانیاں عصا اور ید بیضا تمہارے پاس موجود ہیں ان سے کام لو۔ جو تمہاری بات چیت فرعون سے ہوگی ہم اس کو سُنتے رہیں گے اور جب تم کو مدد کی ضرورت ہوگی کریں گے۔

موسٰیؑ سے کہا گیا تم جب اس کے سامنے جاؤ تو یہ کہنا میں رب العالمین کا رسولؐ ہوں۔ رب العالمین خاص طور سے اس لیے کہنے کا حکم ہُوا کہ فرعون کے دعوٰی پر یہ بڑی سخت چوٹ تھی کیونکہ وہ اپنی رعایا سے متکبرانہ انداز میں کہا کرتا تھا اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى سورۃ النّٰزعٰت (میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔) وہ اپنے سوا کسی کو رب سمجھتا ہی نہ تھا۔ دوسری بات اس سے یہ کہنا کہ میں خدا کا رسولؐ بن کر اس لیے تیرے پاس آیا ہوں کہ تُو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے اور سالہا سال سے جو تُو اُن کو غلام بنائے ہوئے ہے اور قید میں ڈال رکھا ہے اس ظلم سے باز آ۔ معلوم ہُوا موسٰیؑ کی نبوّت کے دو مقصد تھے اوّل فرعون کو ہدایت کرنا دوسرے بنی اسرائیل کو ظلم فرعون سے نجات دلانا۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ کیسا سخت معاملہ تھا۔ ایک جابر بادشاہ کے سامنے دو بظاہر کم حیثیت والے آدمیوں کا بے باکی سے یہ کہنا اس کی فرعونیت کے سر پر کیسی کاری ضرب تھی۔

فرعون کے محل میں چونکہ موسٰیؑ نے پرورش پائی تھی اور سن شباب تک اس کی نظر کے سامنے رہے تھے لہٰذا فوراً پہچان گیا۔ کہنے لگا کیا تم وہی نہیں ہو جو اپنی عمر کا ایک بڑا حصّہ میرے محل میں گزار چکے ہو۔ اور تم نے ایک قبطی کو بے وجہ قتل کر کے جو گناہ کیا ہے اس سے میں خوب واقف ہوں (سورۂ قصص میں یہ قصّہ تفصیلاً دیکھیے)۔ تم بڑے احسان فراموش ہو۔ یہ تمام کارروائیاں کر کے اب پھر میرے سامنے آکھڑے ہُوئے اور انتہائی بے باکی سے وُہ مطالبہ میرے سامنے پیش کر رہے ہو جس کے خلاف میں ایک لفظ سننا نہیں چاہتا۔ موسٰیؑ نے کہا میں نے اُس قبطی کو دانستہ قتل نہیں کیا تھا۔ صرف ایک گھونسہ بغیر ارادۂ قتل اُس کو مارا تھا وُہ مر گیا تو اس میں میرا کیا قصور۔ ایک گھونسہ کی زد سے آدمی مرا نہیں کرتا۔

الضالین کے لُغتِ عرب میں بہت سے معنی ہیں، ناواقفیت۔ نادانی۔ نسیان۔ نادانستگی، اس جگہ سب سے موزوں معنی نادانستگی ہی کے ہیں کیونکہ حضرت موسٰیؑ نے عمداً اُس کو قتل نہیں کیا تھا۔

حضرت موسٰیؑ اپنی صفائی ان الفاظ میں پیش کر رہے تھے کہ اوّل تو میں نے دانستہ قتل نہیں کیا تھا دوسرے مجھے خوف تھا کہ تُو بے سوچے سمجھے میرے قتل کا حکم دے دیگا۔ لہٰذا میں اپنی جان بچانے کے لیے یہاں سے چل دیا تھا خدا کا میرے اُوپر خاص فضل ہُوا کہ اس نے مجھے اپنا رسول بنا لیا۔ چنانچہ اب میں تیرے سامنے آیا ہوں تو بحیثیت خدا کے رسول کے آیا ہوں۔

یہ جو میرے اوپر میری پرورش کرنے کا احسان جتا رہا ہے تو ظالم تیرے ظلم کے مقابل جو میری تمام قوم پر کر رکھا ہے تیرا یہ احسان پرِ مگس کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتا۔ ایک شخص پر احسان اور ہزارہا بندگانِ خدا کے بچوں کا قتل اور پوری قوم کو غلام بنا لینا کیونکر برابر ہو سکتا ہے۔

چونکہ موسٰیؑ نے یہ کہا تھا کہ میں ربّ العالمین کا رسول ہوں لہٰذا فرعون نے جو اپنے آپ کو رب العالمین سمجھے بیٹھا تھا غصّہ میں آکر یہ سوال کیا کہ ربّ العالمین کون ہے۔ یعنی میرے سوا دوسرا کون ہو سکتا ہے۔ موسٰیؑ نے کہا، تیری ہستی ہی کیا ہے۔ ربّ العالمین وُہ ہے جو آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کا مالک ہے اگر تم یقین کرتے ہو تو کرو (ورنہ اس کی سزا بھگتو گے)۔

قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗۤ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ
الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۶﴾ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِیْۤ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۲۷﴾
قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾
قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِیْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴿۲۹﴾

قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَیْءٍ مُّبِیْنٍ ﴿۳۰﴾ قَالَ فَاْتِ بِهٖۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ
الصّٰدِقِیْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَلْقٰی عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ ﴿۳۲﴾ وَّنَزَعَ یَدَهٗ
فَاِذَا هِیَ بَیْضَآءُ لِلنّٰظِرِیْنَ ﴿۳۳﴾ ع قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗۤ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ ع ۲
عَلِیْمٌ ﴿۳۴﴾ یُّرِیْدُ اَنْ یُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ
فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۳۵﴾

فرعون نے (اپنے درباریوں سے جو) — اُس کے اِردگرد بیٹھے تھے خطاب کر کے کہا، کیا تم نہیں سُن رہے (یہ شخص کیا کہہ رہا ہے)۔ موسیٰؑ نے کہا (وہ صرف آسمان و زمین وغیرہ کا پیدا کرنے والا ہی نہیں) بلکہ وُہ تمہارا بھی رب ہے اور تم سے پہلے تمہارے آبا و اجداد کا بھی۔ فرعون نے کہا (لوگو) یہ شخص جو رسول بنا کر تمہاری طرف بھیجا گیا ہے دیوانہ ہے۔ موسیٰؑ نے کہا اتنا ہی نہیں اگر تم سمجھو تو وہ خدا مشرق و مغرب اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا رب ہے۔ فرعون نے (غصّہ میں بھر کر) کہا (یاد رکھو) اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو اپنا معبُود بنایا تو میں تمہیں قید میں ڈال دوں گا۔ موسیٰ نے کہا کیا تُو جب بھی (ایسا ہی کرے گا) کہ (اپنی رسالت کی) کوئی روشن دلیل تجھے دکھا دوں۔ فرعون نے کہا (پھر دیر کیا ہے) اگر تم سچے ہو تو پھر اُسے ظاہر کرو۔ (یہ سُن کر) موسیٰؑ نے اپنا عصا (ہاتھ سے) چھوڑ دیا جو فوراً ایک کھُلم کھُلا اژدھا بن گیا اور اپنا ہاتھ بھی (گریبان سے) نکالا جو دیکھنے والوں کو بڑا سفید چمکدار نظر آیا۔ فرعون نے اپنے گرد کے سرداروں سے کہا یہ تو بڑا کھلاڑی جادُوگر ہے یہ تو چاہتا ہے کہ اپنے جادُو کے زور سے تمہیں تمہارے مُلک سے نکال باہر کرے پس تم لوگ اس کے بارے میں کیا رائے دیتے ہو؟

حضرت موسیٰؑ نے فرعون کو سمجھانے کے لیے پہلے یہ تو کہا کہ رب العالمین دُنیا و مافیہا کا مالک ہے۔ پھر اس دائرہ کو اس خیال سے تنگ کیا کہ ان لوگوں نے شاید یہ سمجھا ہو کہ سب کا رب ہے مگر ہمارا اور ہمارے باپ دادا کا تو نہیں ہے لہٰذا اس خبط کو بھی دُور کرنے کے لیے کہا کہ تمہارا رب بھی ہے اور تمہارے باپ دادا کا بھی۔ پس اگر تم میں سے کوئی اپنے کو ربِّ اعلیٰ کہے تو مجنُون ہے، خبط الحواس ہے۔ اس کے بعد خدا کی ربوبیت کے دائرہ کو اور وسیع کر کے بتایا کہ وُہ مشرق و مغرب اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا رب ہے۔ اب کوئی چیز ایسی باقی نہیں رہی جس کے متعلق فرعون یہ کہہ سکے کہ میں اس کا رب ہوں۔

فرعون یہ سُن کر چِڑ گیا اور غضب ناک ہو کر کہنے لگا اگر میرے سوا تُو نے کسی اور کو معبُود مانا تو قید کر دوں گا۔ یہ پہلی دھمکی تھی جو فرعون کی طرف سے موسیٰؑ کو دی گئی۔ موسیٰؑ نے کہا خواہ مخواہ ہی مجھے دھمکیاں دے رہا ہے۔ اگر میں اس کا ثبوت دے دوں کہ میں خدا کا فرستادہ ہوں تب بھی کیا تُو میری بات نہ مانے گا۔ فرعون نے یہ سمجھ کر کہ یہ جھُوٹا ہے حضرت موسیٰؑ سے کہا اگر سچّا ہے تو لا دکھا تیرے پاس کیا ثبوت ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے پہلے تو عصا کو زمین پر ڈالا۔ جب وہ اژدھا بن کر فرعون کی طرف مُنہ سے شعلے نکالتا بڑھا تو وُہ خوف سے بھاگا۔ دہشت زدہ ہو کر ہوش و حواس کھو بیٹھا۔ کہنے لگا موسیٰ اسے روکو اور مجھے سوچنے کا موقع دو۔ درباریوں کو اپنا ہاتھ دکھایا تو وہ سب غش کھا گئے۔

حضرت موسیٰؑ فرعون کی خُدائی پر پہلا وار کر کے چلے آئے اور اُسے سوچنے کی مہلت دی۔ جب فرعون اور اس کے درباریوں کے ہوش درست ہوئے تو فرعون نے کہا، یہ تو پکّا جادوگر معلوم ہوتا ہے اس سے کیسے پیچھا چھُوٹے گا۔ یہ تو اس کا خواہشمند معلوم ہوتا ہے کہ ہم سب کو یہاں سے نکال کر خود بادشاہ بن بیٹھے۔ مقابلہ بہت سخت ہے بتاؤ اس کے متعلق کیا کیا جائے۔

اُن لوگوں کی نظر میں معجزے کی کوئی حقیقت نہ تھی بلکہ جادُو اُن کی نظر میں سب کچھ تھا۔ اس زمانہ میں مُلک میں بڑے بڑے باکمال جادُوگر بستے تھے۔ فرعون نے اُن کے خوف سے اُن سب کو اپنا وظیفہ خوار بنا رکھا تھا۔ سال میں ایک بار اُن سب کو جمع کر کے اُن سب کے کمالات دیکھتا اور بڑے بڑے انعامات اُن کو دیتا تھا۔

قَالُوْۤا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِی الْمَدَآئِنِ حٰشِرِیْنَ ﴿۳۶﴾ یَاْتُوْكَ
بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِیْمٍ ﴿۳۷﴾ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۳۸﴾
وَّقِیْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿۳۹﴾ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ
اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِیْنَ ﴿۴۰﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ

اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ (۴۱) قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا
لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ (۴۲) قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ (۴۳)
فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا
لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ (۴۴)

درباریوں نے کہا ابھی اُس کو اور اس کے بھائی کو کچھ دن مُہلت دیجئے اور تمام شہروں میں جادوگروں کو جمع کرنے کے لیے ہرکارے بھیجئے تاکہ وُہ بڑے بڑے کھلاڑی جادوگروں کو آپ کے سامنے حاضر کریں۔ (غرض وقت مقرر ہُوا) سب جادوگر اس مقرّرہ وقت پر جمع کیے گئے اور لوگوں کو منادی کر دی گئی کہ تم لوگ اب بھی جمع ہو گے (یا نہیں) تاکہ اگر جادوگر غالب آئیں تو ہم لوگ اُن کی پیروی کریں۔ جب جادوگر آ گئے تو اُنہوں نے فرعون سے کہا کہ اگر ہم غالب آ گئے تو ہم کو ضرور کچھ انعام ملنا چاہیئے۔ فرعون نے کہا بے شک (انعام کیا چیز ہے) تم اس وقت میرے مقرّبین میں سے ہو جاؤ گے۔ موسٰی نے جادوگروں سے کہا (جنتر منتر) جو کچھ تمہیں پھینکنا ہو پھینکو۔ اس پر جادوگروں نے اپنی رسّیاں اور چھڑیاں (میدان میں) ڈال دیں اور کہنے لگے فرعون کے جلال کی قسم ہم ضرور غالب آئیں گے۔

درباریوں کے مشورہ کے مطابق شہروں شہروں سے بڑے گرو گھنٹال جادوگر بُلائے گئے۔ مقابلہ کے لیے ایک دن اور ایک وقت مقرّر ہُوا۔ شہر میں ڈھنڈورا پٹوایا گیا کہ سب لوگ فلاں میدان میں جمع ہو کر جادوگروں کے کمالات کا تماشا دیکھیں۔ جادوگروں کو چونکہ اپنے غالب آنے پر پُورا یقین تھا لہٰذا اُنہوں نے فرعون سے کہا اگر ہم غالب آ گئے تو سرکار سے کیا انعام ملے گا۔ اُس نے کہا، انعام کیسا تم تو میرے دربار کے مقرّب لوگوں میں سے ہو جاؤ گے۔ جب اُنہیں اس طرف سے اطمینان ہو گیا تو لنگوٹے کس کس کر میدان میں آ ڈٹے۔ ادھر ہزاروں جادوگر فوں فاں کر رہے تھے ادھر صرف دونوں بھائی ایک طرف خاموش کھڑے تھے۔ جب مقابلہ کا وقت آ گیا تو حضرت موسیٰؑ نے کہا، دیر کیا ہے جو کرتب دکھانا چاہتے ہو دکھاؤ۔ جادوگروں نے رسّیوں کے ٹکڑے اور اپنی چھوٹی چھوٹی دستی چھڑیاں فضا میں پھینکیں اور غرور میں چمک کر کہنے لگے، فرعون کے جاہ و جلال کی قسم، غالب ہم ہی رہیں گے۔

جب حضرت موسیٰؑ پہلی بار دربارِ فرعون میں گئے تھے اور عصا اور یدِ بیضا کے دونوں معجزے دکھائے تھے اور فرعون بدحواس ہو کر بھاگا تھا اور درباری بیہوش ہو کر گرے تھے اس کی خبر چھپی کہاں رہتی۔ تمام شہر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیلی اور لوگوں میں چرچے ہونے لگے کہ یہ کیسا خدا ہے کہ دو آدمیوں کا مقابلہ نہ کر سکا اور وہ بھی ایسے جو معمولی لباس پہنے ہوئے تھے۔ بہت سے لوگ اس کی خدائی کی طرف سے بدظن ہو گئے۔ جب یہ خبریں فرعون کو پہنچیں تو اُس نے مناسب سمجھا کہ تمام شہر والوں کو میدان میں بُلوا کر موسیٰؑ اور ہارُونؑ کی شکست کا تماشہ اور اپنی سربلندی کا نقشہ لوگوں کے سامنے پیش کرے اور شیخی مار کر کہے کہ جو شعبدہ اُنہوں نے دکھایا تھا وہ کوئی خوفزدہ کرنے والی چیز نہ تھی۔ جو خبریں لوگوں نے اُڑائی ہیں وہ بے بنیاد اور غلط افواہیں تھیں۔

جو دن مقابلہ کے لیے رکھا گیا تھا وہ قبطیوں کی عید کا دن تھا۔ جس میں ہر شخص نئے لباس پہنے ہوئے میدان میں آیا تھا۔ عورتیں بچے جوان اور بوڑھے سب جمع ہوئے تھے اور آپس میں چرچے کر رہے تھے ان دو آدمیوں کو کیا ہو گیا ہے کہ ان تمام جادوگروں سے مقابلہ کو آ کھڑے ہوئے ہیں اور ان کو اپنی جان کا ذرا خوف نہیں۔ لیکن کچھ ایسے سمجھدار لوگ بھی تھے جو اس پر غور کر رہے تھے کہ یہ عجیب ماجرا ہے کہ ان دو آدمیوں (موسیٰؑ و ہارونؑ) کے چہروں پر ذرا ہراس نہیں۔ کس قدر استقلال کے ساتھ ان کے پیر جمے ہوئے ہیں۔ ضرور جادو کے علاوہ کوئی طاقت ان کے ساتھ ہے۔ ورنہ ایسے موقعوں پر تو آدمی کا کلیجہ پھٹ جاتا ہے۔

فرعون اس میدان میں ایک عالیشان تخت پر مع اپنے درباریوں کے بیٹھا تھا اور اس کا منتظر تھا کہ کب اس کے جادوگروں کو فتح نصیب ہو اور وُہ خوشی کی تالیاں بجائے اور ایک نئی عید منائے۔ غرض جادوگروں نے اپنے کرتب دکھانے شروع کیے۔

فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ (۴۵) صلے فَاُلْقِىَ السَّحَرَةُ
سٰجِدِيْنَ (۴۶) لا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (۴۷) رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ (۴۸)
قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ج اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِىْ
عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ج فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۵ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ
وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ (۴۹) ج قَالُوْا لَا ضَيْرَ

اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ (۵۰) اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَآ
اَنْ كُنَّآ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ (۵۱) ع ۳ ۱۸

بس موسٰی نے اپنا عصا ڈالا۔ اُس نے جادوگروں کی تمام شعبدہ بازی کو نگل لیا۔ (یہ دیکھ کر) جادُوگر (موسٰی کے سامنے) سجدہ میں گر پڑے اور کہنے لگے اُس رب العالمین پر ایمان لے آئے جو کہ موسٰی و ہارُون کا رب ہے۔ فرعون نے کہا، میری اجازت سے پہلے ہی تم (کیوں) ایمان لے آئے۔ یہ تم سب کا گرُو ہے، اسی نے تم کو جادُو سکھایا ہے۔ خیر عنقریب تم اس کا نتیجہ دیکھ لوگے۔ میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دُوسری طرف کے پاؤں کاٹ ڈالوں گا اور یقیناً تمہیں سُولی پر چڑھا دُوں گا اُنھوں نے کہا ہمیں پرواہ نہیں ہمیں تو بہرحال اپنے رب کی طرف لَوٹ کر جانا ہے۔ ہماری دِلی تمنّا ہے کہ ہمارا رب ہماری خطائیں بخش دے اور ہم اُس پر ایمان لانے والوں میں اوّل ہیں۔

جادوگروں کا خیال تھا کہ جو کرتب ہم دکھا رہے ہیں یعنی سانپ بنا کر لہرا رہے ہیں اُن سے موسٰیؑ و ہارُونؑ خوفزدہ ہو جائیں گے۔ لیکن جب عصا اژدہا بن کر ان سب کو ہڑپ کر گیا تو اُن کے دل میں یہ خیال پیدا ہؤا کہ یہ ہمارے کمالِ فن سے علیحدہ کوئی چیز ہے۔ ہمارے جادُو پر غالب آنے والا ضرور خدا کی طرف سے بھیجا ہؤا ہے۔ یہ بات مشہور ہو چکی تھی کہ موسٰیؑ و ہارُونؑ اس دعوٰی کے ساتھ میدان میں آئے ہیں کہ وہ خدا کے رسول ہیں جادوگر نہیں۔ لہٰذا جادوگروں نے سمجھ لیا کہ اگر موسٰیؑ جادوگر ہوتے تو ہمارے جادو پر ان کا غلبہ اس لیے نہیں ہو سکتا تھا کہ ہم نے فنِ جادوگری کا وُہ کمال دکھایا تھا جس سے بالاتر کمال ہو نہیں سکتا۔ بس وہ سب بے تأمل سجدہ میں گر پڑے اور سچے دل سے ایمان لے آئے۔ اُنھوں نے فرعون کے انعام و اکرام پر لات مار دی اور قطعاً اس کا خیال نہ کیا کہ اس ہار مان لینے میں ہماری کیسی ندامت ہوگی۔

فرعون کُوڑھ مغز تھا وہ اب بھی بات کی تہہ کو نہ پہنچا۔ اور اُن سے کہنے لگا تم نے میری اجازت کے بغیر اُن کی فوقیت کیوں تسلیم کی۔ معلوم ہوتا ہے یہ تمہاری ملی بھگت تھی یہ شخص تمہارا گرو گھنٹال ہے اسی نے تم کو جادو سکھایا ہے اور تمہارے اور اس کے درمیان یہ طے ہؤا ہے کہ جب سلطنت پر قبضہ ہو جائے گا تو تم سب کو بقدرِ علم و فن اس میں شامل کیا جائے گا۔

اگر جادوگروں کے ایمان میں کمزوری ہوتی تو جب فرعون نے ہاتھ پاؤں کاٹنے اور سُولی دینے کی دھمکی دی تھی فوراً اُس کے قدموں میں گر جاتے اور معافی مانگنے لگتے۔ مگر اُنھوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ یہ کہا

کہ مر کر ایک دن خدا کے سامنے تو جانا ہی ہے وُہ تیرے ظالم ہاتھوں سے آج ہی سہی۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ (۵۲) فَاَرْسَلَ
فِرْعَوْنُ فِى الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ (۵۳) اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ (۵۴)
وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ (۵۵) وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ (۵۶) فَاَخْرَجْنٰهُمْ
مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ (۵۷) وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ (۵۸) كَذٰلِكَ وَ
اَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (۵۹) فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ (۶۰) فَلَمَّا تَرَآءَ
الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ (۶۱) قَالَ كَلَّا اِنَّ
مَعِىَ رَبِّىْ سَيَهْدِيْنِ (۶۲)

اور ہم نے موسٰی کو وحی کی کہ میرے بندوں کو ساتھ لے کر راتوں رات چل دو کیونکہ تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔ فرعون نے شہروں میں ہرکارے روانہ کیے اور کہلا بھیجا کہ یہ لوگ (موسٰی اور اُن کے ساتھی بنی اسرائیل) مختصر سی جماعت ہیں اور ان لوگوں نے ہمیں سخت غصّہ دلایا ہے اور ہم سب کے سب باساز و سامان ہیں (تم بھی آجاؤ) تو سب مل کر تعاقب کریں۔ غرض ہم نے ان کو مصر کے باغوں، چشموں، خزانوں اور عزت کی جگہ سے یُوں نکال باہر کیا (اور نافرمانی کرنے والوں کی) یہی سزا ہوگی اور آخر ہم نے ان چیزوں کا مالک بنی اسرائیل کو بنا دیا (پس موسٰی تورات ہی کو چلے گئے) اُن لوگوں نے سُورج نکلتے نکلتے اُن کا پیچھا کیا۔ جب دونوں جماعتیں (اتنے قریب ہوئیں کہ) ایک دُوسرے کو دیکھنے لگیں تو موسٰی کے ساتھی کہنے لگے ہم تو پکڑے گئے۔ موسٰی نے کہا ہرگز نہیں کیونکہ میرے ساتھ میرا پروردگار ہے وُہ مجھے ضرور (رہائی کا) راستہ بتا دے گا۔

بعض مفسّرین کا یہ خیال غلط ہے کہ جادوگروں کے ایمان لانے اور فرعون کے شکست کھانے کے بعد بنی اسرائیل وہاں سے موسٰیؑ کے ساتھ چل دیئے تھے۔ ایسا نہیں تھا بلکہ برسوں بعد وہاں سے ہجرت کی صورت پیش آئی تھی۔ اگرچہ جادوگروں کا مقابلہ فرعون کے خلاف ہُوا مگر وُہ صاحبِ سلطنت تھا اس لیے فوراً اُس پر قابو پیدا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اُس نے حضرت موسٰیؑ سے اپنے معاملہ میں غور و فکر کرنے کے لیے مہلت مانگی تھی۔ خدا بھی چاہتا تھا کہ غور و فکر کرنے کے بعد ہی ایمان لائے۔

موسٰی علیہ السلام مذکورہ واقعہ کے بعد تمام بنی اسرائیل کو لے کر ہجرت نہیں کر سکتے تھے کیونکہ بنی اسرائیل صرف مصر ہی میں سکونت پذیر نہ تھے بلکہ اطرافِ مصر میں بھی پھیلے ہوئے تھے۔ ان کو مصر میں جمع کر کے ہجرت کرنا چاہتے تھے۔ یہ کام ایک دو دن کا نہ تھا۔ کئی سال لگ گئے۔ جب وہ سب کے سب مصر میں آ گئے اور فرعون کو پتہ چلا کہ یہ لوگ مصر سے جانے والے ہیں تو اُس نے بھی ان تمام علاقوں میں جو اس کی زیرِ حکومت تھے اپنے سپاہی بھیجے اور اعلان کرایا کہ بنی اسرائیل جو اَب تک ہماری غلامی میں رہے تھے اب ہم سے فرنٹ ہو کر یہاں سے بھاگنا چاہتے ہیں۔ ان کی بغاوت نے ہمیں سخت غصّہ دلایا ہے لہٰذا تم سب یہاں جمع ہو جاؤ۔ ان کی تعداد ہمارے مقابلہ میں بہت تھوڑی سی ہوگی۔ گھیرے میں لے کر ایک ایک کو چُن چُن کر قتل کر دیں گے۔ غرض اس طرح ہر طرف سے فرعون کے پرستار جمع ہونے لگے اور ان سب کی کڑی نگاہیں بنی اسرائیل پر پڑنے لگیں۔ ہلکی ہلکی جھڑپیں بھی ہوتی رہیں۔

آخر حضرت موسٰیؑ کو وحی ہوئی کہ اب تم اپنی قوم کو ساتھ لے کر راتوں رات نکل جاؤ۔ یہ لوگ وہاں سے چل دیئے اور قریب صبح دریائے نیل کے کنارے جو کئی میل دُور تھا جا پہنچے۔ جب فرعون کو پتہ چلا کہ بنی اسرائیل صحیح سلامت نکل بھاگے تو اُس نے اپنی ساری فوج کو حکم دیا کہ فوراً میرے ساتھ چل کر ان کو راستہ ہی میں گھیر لو۔ غرض فرعونی فوج کا ایک ٹڈی دَل روانہ ہُوا اور نہایت تیزی سے چل کر دریائے نیل کے قریب جا پہنچا جب بنی اسرائیل نے فرعونی لشکر کو دُور سے آتا دیکھا تو ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے۔ گھبرا کر حضرت موسٰیؑ سے کہنے لگے، لیجئے ہم تو پکڑے گئے اب نہ معلوم ہمارا حشر کیا ہوگا۔ حضرت موسٰیؑ نے فرمایا، گھبراؤ نہیں اللہ کی مدد پر نظر رکھو وہ ہمارے ساتھ ہے عنقریب وہ ہمیں نجات کا کوئی راستہ دکھائے گا۔

یہاں اتنی بات اور سمجھ لیجئے کہ فرعون کے ساتھی جلدی میں اپنا تمام ساز و سامان یُوں ہی کھُلا چھوڑ کر چل دیئے تھے۔ ان کی عورتوں کے پاس کافی سونے چاندی کے زیورات تھے۔ بھُولے سے بھی ان کے دل میں یہ خیال نہ آیا تھا کہ اب ہمیں واپس آنا نصیب نہ ہوگا۔

فَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰی مُوْسٰۤی اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ فَانْفَلَقَ فَكَانَ

كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِیْمِ (٦٣) وَ اَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِیْنَ (٦٤) وَ اَنْجَیْنَا مُوْسٰی وَ مَنْ مَّعَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ (٦٥) ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِیْنَ (٦٦) اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (٦٧) وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ (٦٨)

وقف لازم
ع ۴
۱۷
۸

اور ہم نے موسٰی کو وحی کی کہ دریا پر اپنا عصا مارو (عصا مارنا تھا کہ) دریا پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تو گویا ہر ٹکڑا ایک بڑا اُونچا پہاڑ تھا اور اس جگہ دُوسرے فریق (فرعون) کو قریب کر دیا اور موسٰی اور اُن کے تمام ساتھیوں کو ڈُوبنے سے بچا لیا اور پھر ہم نے دُوسرے فریق کو ڈبو (کر ہلاک کر) دیا۔ اِس میں یقیناً ایک بڑی عبرت تھی (لیکن) اُن میں سے اکثر ایمان لانے والے تھے ہی نہیں۔ بے شک تمہارا رب سب پر غالب اور بڑا مہربان ہے۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ بنی اسرائیل کی تعداد تین لاکھ تھی جسے فرعون نے مُٹھی بھر جماعت ظاہر کیا تھا۔ اور فرعون اور اُس کے ساتھیوں کی تعداد دس لاکھ تھی۔

جب بنی اسرائیل دریائے نیل کے کنارے پہنچے تو خدا نے وحی کی کہ اے موسٰی، اپنا عصا اس دریا کے پانی پر مارو۔ چنانچہ جب عصا مارا تو پانی پھٹ گیا اور اس میں بارہ راستے بن گئے۔ ہر راستہ کے درمیان پانی کی اتنی اُونچی دیوار کھڑی ہو گئی گویا ایک پہاڑ ہے۔ چونکہ بنی اسرائیل بارہ ۱۲ فرقوں میں منقسم تھے اور ہر قبیلہ کی رہائش الگ الگ تھی لہٰذا وہ نہیں چاہتے تھے کہ سب قبیلے مِل جُل کر چلیں۔ خدا نے ان میں سے ہر ایک کا راستہ الگ الگ بنا دیا اور پانی کی دیوار کو اتنا شفاف بنا دیا کہ ایک قبیلہ دُوسرے کو پانی میں سے گزرتا دیکھ رہا تھا۔ یہ راستے بالکل سُوکھے تھے پیروں کے نیچے نام کو پانی نہ تھا۔

سرسیّد احمد خاں صاحب آنجہانی نے اس کو معجزہ تسلیم نہیں کیا بلکہ اس کی تاویل یہ کی ہے کہ جب موسٰیؑ مع بنی اسرائیل دریا میں داخل ہوئے تو پانی اُتار پر تھا۔ اور جب فرعون اور اُس کے ساتھی داخل ہوئے تو پانی چڑھاؤ پر تھا لہٰذا وُہ ڈوب گیا۔ دریاؤں کے مد و جزر میں ایسا ہی ہُوا کرتا ہے۔ اُنہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جس مقام پر دریا میں یہ سب کچھ ہُوا تھا وہ مقام جزر و مد کے وقت کا تھا۔ لیکن

سرسید صاحب کی یہ تاویل کان کو نہیں لگتی اگر یہ کوئی اَن نیچرل بات نہ تھی تو اس کو اس شان سے قرآن میں بیان کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی کہ موسیٰؑ کو حکم دیا جاتا کہ عصا مارو۔ اور اس کے مارتے ہی دریا کا پانی شگافتہ ہو گیا اور بارہ راستے بن گئے۔ کیا جزر و مد کے وقت ایسا بھی ہوا کرتا ہے کہ پانی میں بارہ بارہ راستے بن جاتے ہیں اور خشک ریت نکل آتی ہے۔ ایک بار کے بعد پھر کبھی ایسا کیوں نہ ہوا۔

فرعون کی جب ساری فوج بیچ دریا پہنچ گئی اُس وقت دریا میں تلاطم آیا اور وُہ سب ڈوب گئے اور ہلاک ہو گئے۔ اگر یہ خلافِ معمول بات نہ ہوتی تو بار بار قرآنِ مجید میں اس کا تذکرہ نہ کیا جاتا۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ﴿۷۱﴾ قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ﴿۷۲﴾ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ﴿۷۳﴾ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۵﴾ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۷﴾ الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ﴿۷۸﴾

اے رسول، ابراہیم کا قصّہ بھی ان سے بیان کرو۔ ابراہیم نے اپنے (منہ بولے) باپ اور اس کی قوم سے کہا۔ یہ تم کس کی عبادت کر رہے ہو۔ اُنہوں نے کہا ہم بُتوں کی عبادت کرتے ہیں اور انہی کو گھیرے بیٹھے رہتے ہیں۔ حضرت ابراہیم نے کہا کیا جب تم پکارتے ہو تو یہ تمہاری باتیں سُن لیتے ہیں یا تمہیں کچھ نفع پہنچاتے ہیں یا ضرر رسانی کرتے ہیں۔ اُنہوں نے کہا بات یہ ہے کہ ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے۔ ابراہیم نے کہا جن بُتوں کی تم یا تمہارے باپ دادا پُوجا پاٹ کرتے تھے کبھی ان کے متعلق تم نے غور بھی کیا کہ یہ ہیں کیا بلا۔ یہ تو میرے (کھلے) دشمن

ہیں سوائے رب العالمین خدا کے جس نے مجھے پیدا کیا ہے (میرا کوئی دوست نہیں) وہی مجھے ہدایت کرتا ہے۔

یہاں سے حضرت ابراہیمؑ کا قِصّہ شروع ہوتا ہے۔ جن لوگوں نے آذر کو حضرت ابراہیمؑ کا باپ لکھا ہے وُہ غلطی پر ہیں۔ آپؑ کے والد ماجد کا نام تارخ تھا۔ جو آپؑ کی ولادت سے پہلے انتقال کر گئے تھے۔ اور آپؑ کے چچا آذر نے آپؑ کو پرورش کیا تھا۔ عُرفِ عام میں چونکہ چچا کو بھی باپ کہہ دیا کرتے ہیں اس بنا پر قرآن میں یَآ اَبَتِ کا لفظ آیا ہے۔ کیسے ممکن ہے کہ خدا اپنا رسول ایک کافر زادہ کو بنائے جبکہ آذر صرف بُت پرست ہی نہ تھا بلکہ بُت تراش بھی تھا۔ اور لوگ اس بنا پر اُس کو سردارِ قوم بنائے ہوئے تھے۔ لوگ صبح و شام اُس کے گھر میں جمع ہوتے اور چھوٹے بڑے بُت جو وہ تیار کرتا اُن کو بیچ میں رکھ کر چاروں طرف ہو بیٹھتے۔ جناب ابراہیمؑ نے بحالتِ کم سنی یہ سوال کیا کہ یہ کون ہیں جن کی آپ اتنی تعظیم بجالاتے ہیں۔ یہ سمجھتے ہُوئے کہ کم سنی کی وجہ سے ایسا سوال کر رہا ہے بہت اطمینان کے ساتھ جواب دیا کہ یہ بُت ہیں ان کی ہم عبادت کرتے ہیں۔ اب حضرت ابراہیمؑ نے دوسرا سوال کیا۔ جب تک تو یہ سمجھتے رہے کہ بچّہ ہے لہٰذا بتقاضائے عُمر پوچھا ہے یہ کون ہیں لیکن جب یہ سوال آیا کہ جب تم انہیں پُکارتے ہو تو کیا تمہاری فریاد سُن لیتے ہیں یا ان میں اتنی قوت ہے کہ تمہیں نفع یا نقصان پہنچا سکیں تو اُن سب کے سر چکرا گئے۔ مذکورہ باتوں میں سے کسی بات کا اقرار کرتے نہ بنی۔ اس کے سوا اور کیا جواب دیتے کہ یہ ہماری پُرانی رسم ہے۔ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے۔ اب ایک اور سوال ہُوا، تم نے اور تم سے پہلے لوگوں نے جو تمہارے باپ دادا تھے کبھی اس پر بھی غور کیا کہ جن کو تم نے اپنا معبُود بنا رکھا ہے یہ ہیں کیا بلا؟ جب یہ بُت کسی مَصرف ہی کے نہیں تو پھر تم نے اپنی اُمیدیں ان سے کیوں وابستہ کر رکھی ہیں۔ تمہاری عقل پر کیسے پتھر پڑے ہیں کہ اتنی موٹی بات بھی تمہاری سمجھ میں نہیں آتی۔ اُنہوں نے کہا تو کیا تم ان سے محبت نہیں کرتے۔ فرمایا، محبت کیسی، میں تو ان کو اپنا دشمن جانتا ہوں کیونکہ یہ میری تبلیغِ حق میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ میرا دوست تو وُہ خدا ہے جو رب العالمین ہے اسی نے مجھے پیدا کیا ہے اور وُہی مجھے راہِ راست پر قائم رکھتا ہے۔

(ابھی یہ سلسلہ جاری ہے جو اگلی آیات میں آ رہا ہے۔)

وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ ﴿۷۹﴾ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ﴿۸۰﴾ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ

خَطِیْٓئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ (۸۲) رَبِّ هَبْ لِیْ حُكْمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ (۸۳)
وَ اجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ (۸۴) وَ اجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ
جَنَّةِ النَّعِیْمِ (۸۵) وَ اغْفِرْ لِاَبِیْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَ (۸۶) وَ لَا
تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ (۸۷) یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ (۸۸) اِلَّا مَنْ
اَتَی اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ (۸۹) وَ اُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِیْنَ (۹۰) وَ بُرِّزَتِ
الْجَحِیْمُ لِلْغٰوِیْنَ (۹۱)

اور وُہ رب العالمین ایسا ہے کہ مجھے کھانا دیتا ہے اور سیراب کرتا ہے اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو مجھے شفا دیتا ہے اور وہی مجھے مارے گا اور وہی مجھے زندہ کرے گا اور اُس سے میں یہ اُمید رکھتا ہوں کہ روزِ قیامت میری خطاؤں کو بخشے گا۔ (پھر یہ دُعا کی) اے میرے رب مجھے علم و فہم عطا فرما اور مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل کر اور آخر زمانہ میں میرے لیے سچی زبان قرار دے اور مجھے جنّت نعیم کے وارثوں میں سے قرار دے اور میرے باپ (آذر) کے گناہ بخش دے بے شک وُہ گمراہوں میں سے ہے۔ اور جس دن لوگ قبروں سے اُٹھائے جائیں گے مجھے رسوا نہ کرنا۔ اُس دن کہ لوگوں کو نہ مال فائدہ پہنچائے گا نہ اولاد مگر (اُس کو فائدہ پہنچے گا) جو اللہ کے سامنے پاک دل لے کر حاضر ہوگا اور جس دن جنّت پرہیزگاروں سے قریب کر دی جائے گی۔ اور گمراہوں پر دوزخ کو ظاہر کر دیا جائے گا۔

اِن آیات میں بہت سی باتیں قابلِ غور ہیں:

ابراہیم علیہ السّلام نے جو صفتیں خدا کی بیان کی ہیں وہ اُصولی حیثیت سے اسلام کی جان اور بُت پرستی کی موت ہیں:

(۱) اُس نے مجھے پیدا کیا۔ یعنی یہ بُت جن کی یہ بُت پرست عبادت کرتے ہیں ان میں کسی چیز کو پیدا کرنے کی قوّت نہیں بلکہ یہ خود خدا کی مخلوق ہیں اور تمہارے ہاتھوں کے گھڑے ہُوئے۔

(۲) خدا مجھے کھانا پانی دیتا ہے یعنی آسمان سے وہی پانی برساتا ہے جس سے کھانے پینے کی چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ تم جن کی عبادت کرتے ہو کیا ان میں یہ قوّت ہے کہ وُہ کسی کی زندگی کا سامان مہیّا کر دیں۔ تم تو ان کے سامنے کھانا پانی خود رکھتے ہو۔ انہیں اپنا پرشاد کھلانا چاہتے ہو مگر ان میں کھانے پینے کی قوّت ہی نہیں دُوسروں کو کیا کھلائیں گے۔ اس سے ثابت ہُوا کہ وہ عاجز و قاصر ہیں اور ان میں معبُود بننے کی صلاحیت نہیں۔

(۳) وہ بیماروں کو شفا بخشتا ہے۔ تمہارے بُتوں میں یہ قوّت مفقود ہے۔

(۴) وُہ مارتا ہے اور جِلاتا ہے۔ تمہارے بُتوں میں یہ طاقت نہیں۔ اس بیان سے قیامت میں جِلانے کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ غور کیجئے کیسا مکمل درسِ توحید ہے جن میں سے کسی ایک کا انکار کوئی بُت پرست نہیں کر سکتا۔ چونکہ نظامِ حیاتِ انسانی کی بقا انہیں چیزوں پر قائم ہے۔ تو جس کے قابو میں یہ سب چیزیں ہیں وہی معبود از رُوئے عقل اس قابل ہے کہ اُس کی پرستش کی جائے نہ کہ ناکارہ بُتوں کی۔

۲ - حضرت ابراہیمؑ نے اپنے استدلال سے ثابت کر دیا کہ جب تمہارے نزدیک بھی مذکورہ صفات کا اِن بُتوں میں فقدان ہے اور تم ان میں یہ صفات ثابت نہیں کر سکتے تو تمہارا عقیدہ کس قدر احمقانہ عقیدہ ہے اور تمہارا دین کیسا دین ہے۔ تمہارا یہ کہنا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو جیسے کرتے دیکھا ویسا ہی ہم کر رہے ہیں اس کی دلیل ہے کہ تمہارا دین و مذہب عقلی نہیں بلکہ تقلیدی اور بے سوچے سمجھے کا ہے۔

عرب والے اپنے کو حضرت ابراہیمؑ کا پیرو بتاتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ ہم ملّتِ ابراہیمی پر ہیں۔ قرآن اعتقادِ ابراہیمؑ پیش کر کے ان کے دعوٰی کو باطل کر رہا ہے۔ وُہ ثابت کر رہا ہے کہ جب ابراہیمؑ بُت پرست نہ تھے تو تم بُت پرست بن کر اُن کے پیرو کیسے کہے جا سکتے ہو۔ اگر ابراہیمؑ بُت پرست ہوتے تو ہزاروں جھگڑے کیوں مول لیتے اور اپنی قوم کو اپنا مخالف کیوں بناتے اور انہیں چھوڑ کر شام وغیرہ کی طرف کیوں جاتے۔ ایک چھوڑ تین تین محاذوں پر (بُت پرستی، ستارہ پرستی، شخصیت پرستی) قوم کا مقابلہ کیوں کرتے۔

۳ - حضرت ابراہیمؑ نے بُتوں کو اپنا دشمن اور رب العالمین کو اپنا دوست بتایا۔ یہ نہیں فرمایا کہ یہ سب تمہارے دشمن ہیں۔ اس صورت میں نزاعی سوال پیدا ہو جاتا۔ وُہ کہتے آپ غلط کہتے ہیں ایسا نہیں ہے۔ لیکن جب یہ کہا، یہ میرے دشمن ہیں تو اب دشمن کو اعتراض کا موقع نہ رہا کیونکہ منشائے ابراہیمؑ یہ تھا کہ اگر یہ میرے دشمن نہ ہوتے تو بھلا تمہاری طرح ان کی پُوجا پاٹ کیوں نہ کرتا۔ میں تو رب العالمین کو دوست رکھتا ہوں اس کا ثبوت ہے کہ میں ساری قوم کے خلاف تنِ تنہا ایک ایسی ذات کو معبُود سمجھتا ہوں جو تمہارے معبُودوں سے بالکل الگ ہے اور اس کی ذات پر بھروسہ کر کے تمہارے مقابلہ کے لیے آیا ہوں۔ اگر تمہارے بُتوں کی طرح اس میں بھی کوئی طاقت نہ ہوتی تو پھر میں تمہارے بُتوں کو اپنا معبُود کیوں نہ مانتا۔

وَاغْفِرْ لِاَبِیْٓ (۲۶/۸۶) "میرے باپ کو بخش دے" کے متعلق یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ

نے ایک کافر کے لیے بخشش کی دُعا کیوں کی۔ مفسرین نے مختلف جواب دئیے ہیں :

(۱) یہاں مغفرت سے مُراد رحم کرنا ہے یعنی مشرک باپ پر رحم کر تاکہ وہ مسلمان ہو جائے ۔

(۲) یہ استغفار اس لیے تھا کہ آذر نے اسلام لانے کا وعدہ کیا تھا۔ جیسا کہ سورۂ توبہ میں ہے کہ جب ابراہیمؑ کو پتہ چل گیا کہ یہ ایمان لانے والا نہیں تو اس سے اپنی بُراءت کا اظہار کر دیا۔

(۳) چونکہ آذر نے حضرت ابراہیمؑ سے مہربانی کا سلوک کیا تھا جیسا کہ سورۂ مریم میں ہے، جب قوم کے برتاؤ سے پریشان ہو کر آذر کے گھر سے چلنے لگے تو یہ وعدہ کیا کہ میں تیرے لیے دُعائے مغفرت تیرے حسن سلوک کی بنا پر کروں گا۔ چنانچہ اس وعدہ کے ایفا کے لیے دُعائے مغفرت کی مگر جب معلوم ہو گیا کہ حضرت ابراہیمؑ نے جو ہدایت کی تھی اس کا آذر پہ کوئی اثر نہیں ہوا تو بے زار ہو گئے۔ اس کے بعد دُعائے مغفرت نہیں کی ۔

۴ ۔ وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ (۲۶/۸۴) کے معنی میں بین المفسرین اختلاف پایا جاتا ہے ؛

(۱) بعد کے آنے والوں میں مجھے سچّی ناموری عطا کر یعنی بعد کی نسلیں مجھے خیر کے ساتھ یاد کریں۔ ایسا نہ ہو کہ بعد میں آنے والی نسلیں مجھے ظالموں میں شمار کریں ۔

(۲) علاّمہ مردویہ نے یہ روایت کی ہے کہ لِسَانَ صِدْقٍ سے مراد حضرت علیؑ ہیں۔ جب آپؑ کی ولایت حضرت ابراہیمؑ پہ پیش کی گئی تو اُنہوں نے فرمایا، اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ —— (خدایا اس کو میری اولاد سے قرار دے)۔ خدا نے یہ دُعا قبول کی۔ پس اس دُعا سے مراد یہ ہوئی اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ صَادِقًا۔ (یا اللہ میری ذُرّیت سے اسے صادق بنا دے۔)

(۳) تفسیر صافی میں بحوالۂ کافی منقول ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی دُعا کا منشا یہ تھا کہ میری اولاد میں سے ایک سچے شخص کو مقرّر فرما جو میرے اصل دین کی تجدید کرے اور لوگوں کو اس دین کی طرف دعوت دے جس کی طرف میں دعوت دیا کرتا تھا۔ اور وہ محمّدؐ اور علیؑ ہیں جو ذرّیتِ ابراہیمؑ سے ہیں اور ان کے بعد ہر زمانہ میں ایک لسان صدق ائمۂ طاہرین میں سے موجود ہے۔ تفسیر قمی میں ہے کہ اس سے مراد حضرت علی علیہ السّلام ہیں۔

(۴) لِسَانَ صِدْقٍ سے مراد علیؑ ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا کا منشا یہ تھا کہ نبوّت کے آخری زمانہ میں ایک سچی زبان والا پیدا کرنا جو قرآن کے متعلق غلط تاویلوں کی تصحیح کرتا رہے اور سچی زبان ایسی ہو کہ اس کی نسل سے ہر زمانہ میں ایک لِسَانَ صِدْقٍ موجود رہے تاکہ وہ قرآن میں جو اختلافات ہوں اُن کو دُور کر سکے۔ رسولؐ کے بعد یہ لسان صدق علی علیہ السلام قرار پائے ۔ رسولؐ نے فرمایا ہے اے علیؑ جس طرح میں نے تنزیل القرآن پہ قتال کی ہے تم تاویلِ قرآن پر کرو گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرتؐ کے بعد تاویلِ قرآن میں اختلاف ہو گا پس اس اختلاف کو مٹانے کے لیے ایک لِسَانَ صِدْقٍ ہونی چاہیئے جو ان کے درمیان حق فیصلہ کرے۔ خدا نے جناب ابراہیمؑ کی اس دُعا کو قبول کیا اور فرمایا وَجَعَلْنَا لَھُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِیًّا "۱۹/۵۰ مریم" (ہم نے علی کو ان کے لیے سچّی زبان قرار دیا)۔ یہاں عَلِیًّا اسم معرفہ ہے صفت نہیں ہے کیونکہ اُونچی زبان ہونا زبان کے لیے توہین ہے ممدوح صفت نہیں ۔

علاوہ بریں جب قرآن میں تمام مسلمانوں کے لیے جو قیامت تک ہونے والے ہیں یہ حکم دیا جا چکا ہے یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ۔ "۹/۱۱۹ سورۂ توبہ" (اے ایمان والو تقوی اختیار کرو اور سچّوں کے ساتھ ہو جاؤ)۔ تو لامحالہ ہر زمانہ میں ایک سچّا ہونا چاہیئے۔ ورنہ مابعد کے زمانہ والوں کے اختلاف دُور کون کرے گا ۔

آیۂ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ سے ثابت ہوتا ہے کہ صادقین کا گروہ عام مسلمانوں سے علیٰحدہ ہے انہی کے ساتھ مسلمانوں کو رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر سب مسلمان صادقین قرار دئیے جائیں تو آیت کے معنی مہمل ہو جاتے ہیں کیونکہ جب سب ہی صادق ہیں تو پھر ان کو کس کے ساتھ رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ماننا پڑے گا کہ صادقین کا گروہ الگ ہے۔ رسولؐ نے روز مباہلہ اُن کی معرفت تمام کو کرا دی۔ رسولؐ کے ساتھ جانے والے علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ نصاریٰ نجران کا مباہلہ سے گریز کرنا بتاتا ہے کہ اُنہوں نے رسولؐ کے ساتھ جانے والوں کو صادق تسلیم کر لیا تھا۔

پس حضرت ابراہیمؑ کی دُعا کا مطلب یہ ہی تھا کہ نبی آخر الزمانؐ کے مابعد جو زمانہ قیامت تک آئے گا، اس میں ہر عہد میں ایک لسانِ صدق یعنی امام معصوم ضرور موجود رہے گا تاکہ وہ ملتِ ابراہیمی کی حفاظت کرتا رہے ان محافظینِ ملتِ ابراہیمی کے نقطۂ اوّل حضرت علیؑ تھے۔ اور نقطۂ آخر قائم آلِ محمد حضرت امام مہدیؑ آخر الزماں ہوں گے۔ وَاجْعَلْ لِّیْ میں لِیْ سے مراد میری ملت ہے یعنی میری ملت کے بچاؤ کے لیے آخر زمانہ میں ایک سچی زبان پیدا کر۔ سچی زبان والا وہی ہو سکتا ہے جو معصوم ہو۔ اُمّتِ رسولؐ میں سوائے اہلبیتِ رسولؐ کوئی دُوسرا معصوم ہوا ہی نہیں ۔

ایک مفسّر کا لسانِ صدق سے یہ مراد لینا کہ ہمیں سچی ناموری عطا کر، کان کو لگتی بات نہیں یہ دُعا آخر زمانہ ہی سے کیوں مخصوص ہوئی۔ حضرت ابراہیمؑ کے بعد برابر نبوّت کا سلسلہ قائم رہا۔ اِن ازمنہ کے لیے یہ دُعا کیوں نہ مانگی۔ صرف اپنی ناموری چاہنا ایک رسول کے لیے رسول کی خود غرضی کی دلیل قرار پاتا ہے رسول کو تو اپنی ملت کی بقا کے لیے دُعا کرنی چاہیئے نہ کہ اپنی شہرت و ناموری کے لیے اور ملت کی بقا کا پورا پورا بندوبست اُسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ اس کے محافظ ہر زمانہ میں معصُوم ہوں۔

وَقِیْلَ لَھُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۹۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ ؕ ھَلْ

یَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ یَنْتَصِرُوْنَ (۹۳) فَكُبْكِبُوْا فِیْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ (۹۴)
وَجُنُوْدُ اِبْلِیْسَ اَجْمَعُوْنَ (۹۵) قَالُوْا وَهُمْ فِیْهَا یَخْتَصِمُوْنَ (۹۶)
تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (۹۷) اِذْ نُسَوِّیْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (۹۸)
وَمَاۤ اَضَلَّنَاۤ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ (۹۹) فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِیْنَ (۱۰۰) وَلَا
صَدِیْقٍ حَمِیْمٍ (۱۰۱) فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ (۱۰۲)
اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (۱۰۳) وَاِنَّ رَبَّكَ
لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ (۱۰۴) ع ۵ ۹

ان لوگوں سے (اہلِ جہنّم سے) پُوچھا جائے گا خدا کو چھوڑ کر تم جن کی پرستش کرتے تھے (آج) وُہ کہاں ہیں کیا وہ تمہاری کچھ مدد کر سکتے ہیں یا وُہ خود اپنی مدد کر سکتے ہیں پس وُہ اور گمراہ لوگ اور شیطان کا لشکر سب کے سب جہنّم میں دھکیل دیئے جائیں گے اور یہ لوگ جہنّم میں باہم جھگڑا کریں گے اور (گمراہ اپنے معبود سے کہیں گے) خُدا کی قسم ہم لوگ سرا سر گمراہی میں تھے کہ ہم لوگ تم کو سارے جہان کے پالنے والے (خدا) کے برابر سمجھتے رہے اور ہم کو تو ان گنہگاروں نے گمراہ کیا تھا تو اب نہ کوئی ہمارا سفارش کرنے والا ہے اور نہ کوئی سچّا دوست ہے کاش ہمیں دُنیا میں دوبارہ جانے کا موقع ملتا تو ہم ضرور ایمان لانے والوں میں سے ہو جاتے (حضرت ابراہیم کے) اِس واقعہ میں یقیناً ایک بڑی عبرت ہے اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے تھے ہی نہیں۔ بے شک تمہارا رب سب پر غالب اور مہربان ہے ۔

کِس قدر دردناک منظر ہوگا جب وُہ لوگ جو دُوسروں کے بہکانے سے گمراہ ہوگئے ہوں گے اور جہنّم

کی طرف کشاں کشاں لے جائے جا رہے ہونگے وہ اپنے گمراہ کرنے والوں سے کہیں گے، ارے ظالمو تم نے ہی ہماری لُٹیا ڈبو دی۔ ہم تمہارے ہی بہکانے سے گمراہ ہوئے۔ اور ہم نے تمہیں خدا کا شریک بنایا تھا۔ یہ ایسا سخت وقت ہوگا کہ نہ تو اُن کو کوئی سعی سفارش کرنے والا نظر آئے گا نہ کوئی ڈھارس بندھانے والا نہ پھر دُنیا میں واپس آنا نصیب ہوگا کہ ایمان لائیں۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِۨالْمُرْسَلِیْنَ (۱۰۵) ۚۖ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا
تَتَّقُوْنَ (۱۰۶) ۚ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ (۱۰۷) ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ (۱۰۸) ۚ
وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (۱۰۹) ۚ
فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ (۱۱۰) ؕ قَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ (۱۱۱) ؕ
قَالَ وَمَا عِلْمِیْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (۱۱۲) ۚ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰی رَبِّیْ لَوْ
تَشْعُرُوْنَ (۱۱۳) ۚ وَمَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِیْنَ (۱۱۴) ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ
مُّبِیْنٌ (۱۱۵) ؕ

قومِ نُوح نے رسُولوں کو جھُٹلایا جب ان کے بھائی (قومی بھائی) نوح نے کہا کیا تم خدا سے ڈرتے نہیں میں تمہارے پاس خدا کی امانت اور رسول بن کر آیا ہوں۔ پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ میں اس تبلیغ کا کوئی اجر تم سے نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو رب العالمین (خدا) پر ہے پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اُنہوں نے کہا کیا ہم تم پر ایمان لائیں درآنحالیکہ ذلیل لوگ تمہارے پیرو بنے ہوئے ہیں۔ نوح نے کہا میں نہیں جانتا وہ از روئے عمل کیسے ہیں ان کا حساب تو میرے رب سے متعلق ہے کاش تم اتنا شعور رکھتے۔ میں تو مؤمن بھائیوں کو اپنے پاس سے

ہٹانیوالا نہیں ہیں تو کُھلّم کُھلّا (عذاب سے) ڈرانے والا بن کر آیا ہوں ۔

ہر زمانہ میں لوگوں کے علوِ مرتبت کو جانچنے کا معیار یہ رہا ہے کہ کتنے اُمرا اور رؤسا اور منصب دار اس کے پاس ملنے کو آتے ہیں ۔ حضرت نوحؑ پر ایمان لانے والے بہت غریب لوگ تھے اُن کی قوم کو یہ بات ناگوار تھی ۔ جب نوحؑ اُن سے ایمان لانے کو کہتے تو وُہ جواب میں کہتے تمہاری حیثیت ہی ہمارے نزدیک کیا ہے جو تمہارے اوپر ایمان لانا ضروری سمجھیں ۔ ہماری قوم کے رذیل و ذلیل لوگ تمہارے ہم صحبت ہیں ۔ ہم ان کے ساتھ تمہارے پاس بیٹھ کر بات کرنے کو تیار نہیں ۔ اُنہیں اپنی صحبت سے دھتکارو تب ہم تمہارے پاس بیٹھ کر پُوچھیں گے کہ تم کہتے کیا ہو ۔ حضرت نوحؑ کہتے ، تم اُن کی ظاہری حالت کو دیکھنے والے ہو اور خدا اُن کے نیک اعمال کو دیکھتا ہے اُن کے ایمان پر نظر رکھتا ہے پھر میں اُنہیں کیسے نکال باہر کروں ۔ میرا کام عذابِ خدا سے ڈرانے کا ہے نہ کہ امیر و غریب کو چھاج میں پھٹکنے کا ۔

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ (۱۱۶) قَالَ
رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ كَذَّبُوْنِ (۱۱۷) فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِيْ النصف
وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (۱۱۸) فَاَنْجَيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ
الْمَشْحُوْنِ (۱۱۹) ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِيْنَ (۱۲۰) اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ
وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (۱۲۱) وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ (۱۲۲) ع ۶ ۱۸

اُنہوں نے کہا نوحؑ اگر تم اپنی حرکتوں سے باز نہ آؤ گے تو ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے ۔ نوحؑ نے خدا سے عرض کی اے میرے پالنے والے میری قوم مجھے جھٹلا رہی ہے پس میرے اور ان کے درمیان ایک قطعی فیصلہ کر دے اور مجھے اور جو مؤمنین میرے ساتھ ہیں ان کو اُن کے ظلم سے نجات دے ۔ پس ہم نے اُس کو اور جو اُس کے ساتھ تھے بھری ہوئی کشتی میں نجات دی اور باقی کو ڈبو دیا ۔ بے شک اس میں عبرت کے لیے نشانی تھی اور اُن میں سے اکثر ایمان لانے والے

تھے ہی نہیں بے شک تمہارا رب غالب مہربان ہے ۔

ایسی حالت میں جبکہ نوحؑ اُن سے کچھ مانگ نہیں رہے تھے صرف اُن کو غلط راستہ سے بچانا چاہتے تھے اُن کی قوم کو اس قدر سخت مخالفت کیوں پیدا ہوئی کہ اُن کے سنگسار کرنے پر آمادہ ہو گئے ۔ وُہ صرف یہی تو کہتے تھے کہ بُت پرستی چھوڑ کر خدائے واحد پر ایمان لاؤ ۔ اس سرکشی کا نتیجہ یہ ہوا کہ سب کے سب عذابِ خدا میں گرفتار ہو گئے ۔ طوفان آیا اور سب کو ڈبو دیا گیا ۔ وُہ اپنے جتھے کی طاقت پر تو نظر رکھتے تھے لیکن خدائے واحد و قہار کی قوت و قدرت پر اُن کی نظر نہ تھی ۔ اگر وہ خدا سے معافی مانگتے تو اُس کی ذات رحیم و کریم ہے ضرور بخش دیتا مگر ان کی سرکشی تو دمبدم بڑھتی ہی چلی گئی ۔

كَذَّبَتْ عَادُ ِۨالْمُرْسَلِيْنَ (۱۲۳) اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ (۱۲۴)
اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ (۱۲۵) فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ (۱۲۶) وَمَآ اَسْئَلُكُمْ
عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (۱۲۷) اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ
رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ (۱۲۸) وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ (۱۲۹)
وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ (۱۳۰) فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ (۱۳۱)
وَاتَّقُوا الَّذِيْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ (۱۳۲) اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ (۱۳۳)
وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ (۱۳۴) اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ (۱۳۵)

قومِ عاد نے رسولوں کو جھٹلایا جب اُن کے بھائی ہُود نے اُن سے کہا کیا تم خدا سے ڈرتے نہیں میں تمہارے پاس بحیثیت خدا کے ایک امانت دار رسول کے آیا ہوں پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو ، میں کارِ رسالت کی تم سے کوئی اُجرت نہیں مانگتا ۔ میرا اجر تو رب العالمین پر

ہے۔ تم کیا ہر اُونچی جگہ پر بیکار یادگاریں بناتے پھرتے ہو اور بڑے بڑے محل تعمیر کرتے ہو گویا تم ان میں ہمیشہ رہو گے اور جب تم کسی پر ہاتھ ڈالتے ہو تو سرکشی سے ہاتھ ڈالتے ہو۔ پس تم خدا سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور اس سے ڈرو جس نے ان چیزوں سے تمہاری مدد کی جن کو تم خوب جانتے ہو اور تمہاری مدد چوپاؤں، لڑکے بالوں، باغوں اور چشموں سے کی۔ مجھے خوف ہے تمہارے متعلق سخت عذاب کے دن کا۔

حضرت نوحؑ کے طوفان کے بعد جس قوم نے رُوئے زمین پر نمایاں ترقی کی وہ قوم عاد تھی۔ یہ دولتمند بھی زیادہ تھے اور طاقتور بھی۔ اس طاقت و دولت کے غرّہ میں سخت متکبّر اور مغرور بن گئے تھے۔ اُنہوں نے اُونچے اُونچے ستونوں پر بڑی عالیشان عمارتیں بنائیں جو محض نام و نمود کے لیے تھیں۔ جب حضرت ہودؑ نے ایک خدا کی پرستش کی طرف اُن کو توجّہ دلائی تو یہ بات اُن کی سمجھ ہی میں نہ آتی تھی کہ چند معبودوں کو چھوڑ کر وہ ایک اکیلے خدا کے معبود ہونے کے قائل کیسے ہو جائیں۔ کچھ تو اس پر حضرت ہودؑ سے وہ لوگ بگڑے ہوئے تھے کہ وہ اُن کے آبائی دین سے کیوں ہٹا رہے ہیں دوسرے حضرت ہودؑ اُن سے کہتے تھے کہ یہ اُونچی اُونچی اور عظیم الشان عمارتیں بنوانے میں تم اپنا وقت، پیسہ اور اپنی قوّت کیوں صرف کر رہے ہو کیا تمہیں ہمیشہ یہیں رہنا ہے۔ تیسرے تم سخت متکبّر و مغرور اور سنگدل ہو۔ جب کسی پر غالب آتے ہو تو اس سے نہایت ظالمانہ برتاؤ کرتے ہو۔ جس خدا نے تمہیں یہ تمام نعمتیں عطا فرمائی ہیں اس سے کیوں نہیں ڈرتے اور میری اطاعت کیوں نہیں کرتے۔ جب وہ اپنی سرکشی پر ڈٹے رہتے تو حضرت ہودؑ ان سے کہتے دیکھو ہوش میں آؤ مجھے تو ڈر ہے کہ خدا کا عذاب تمہیں دھر پکڑے قیامت میں جو سب سے زیادہ سخت دن ہوگا تم عذاب الٰہی میں مبتلا ہو جاؤ گے۔

قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ (۱۳۶) اِنْ هٰذَآ
اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ (۱۳۷) وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ (۱۳۸) فَكَذَّبُوْهُ
فَاَهْلَكْنٰهُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (۱۳۹)
وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ (۱۴۰) ع ۱۱

وہ کہنے لگے خواہ تم نصیحت کرو یا نہ کرو ہمارے لیے سب برابر ہے۔ یہ ڈراوا تو اگلے لوگوں کی عادت

ہی رہا ہے ہمارے لیے عذاب وذاب کچھ نہیں ہوگا۔ جب اُنہوں نے ہود کو جھٹلایا لہٰذا ہم نے اُن کو ہلاک کر دیا۔ بے شک اس واقعہ میں ایک بڑی عبرت ہے۔ اُن میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے تھے ہی نہیں۔ بے شک تمہارا رب غالب و مہربان ہے۔

اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ۔ (۲۶، ۱۳۷) اِس کے دو معنی ہیں، اوّل یہ کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں وہ وہی ہے جو ہم سے پہلے لوگ کیا کرتے تھے۔ پس اُن پر کونسا عذاب آیا تھا جو ہم پر بھی آ گرے گا۔ دُنیا تو ہمیشہ سے یونہی چلی آ رہی ہے۔ ہر قوم اپنے اپنے وقت کے لحاظ سے کام کرتی آئی ہے۔

دوسرے یہ کہ تم لوگوں کی عادت ہی یہ ہے کہ خواہ مخواہ لوگوں کو ڈرا دھمکا کر اپنی بات منوانا چاہتے ہو تو ہم ایسے کمزور دل والے نہیں کہ تمہارے اس ڈرانے دھمکانے میں آ جائیں۔ جو ہم کر رہے ہیں وہ کرتے ہی رہیں گے۔ تمہارا نصیحت کرنا یا نہ کرنا ہمارے نزدیک برابر ہے۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ (۱۴۱) اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ (۱۴۲)
اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ (۱۴۳) فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ (۱۴۴) وَمَآ اَسْئَلُكُمْ
عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (۱۴۵) اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا
هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ (۱۴۶) فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ (۱۴۷) وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا
هَضِيْمٌ (۱۴۸) وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ (۱۴۹) فَاتَّقُوا اللّٰهَ
وَاَطِيْعُوْنِ (۱۵۰) وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ (۱۵۱) الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ
فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ (۱۵۲)

قوم ثمود نے رسولوں کو جھٹلایا جب ان کے بھائی صالح نے اُن سے کہا کہ تم خدا سے نہیں ڈرتے۔ میں اللہ کی طرف سے بہ حیثیت ایک امانتدار رسول کے تمہارے پاس آیا ہوں۔ پس اللہ سے ڈرو اور

میری اطاعت کرو۔ میں اپنی رسالت کا کوئی اجر تم سے نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو رب العالمین پر ہے کیا جو چیزیں یہاں دُنیا میں موجود ہیں، باغات۔ چشمے۔ کھیتیاں۔ خرمے کے درخت جن کی کلیاں نازک ہوتی ہیں کیا تم ان میں بسر کرنے کے لیے (ہمیشہ کو) چھوڑ دیئے جاؤ گے؟ اور تم پہاڑ کھود کھود کر فخریہ ان میں عمارتیں بناتے ہو (کیا ہمیشہ رہنے کے لیے یہ سب کچھ کر رہے ہو)۔ اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور زیادتی کرنے والوں کا کہا نہ مانو جو رُوئے زمین پر فساد پھیلایا کرتے ہیں اور خرابیوں کی اصلاح نہیں کرتے۔

قومِ عاد کے بعد قومِ ثمُود نے بہت ترقّی کی۔ فنِ سنگتراشی میں اُن کو کمال حاصل تھا۔ پہاڑوں میں غاروں کے اندر شاندار مکانات بنائے تھے اور جس طرح دکن میں ایلورا اور ایجنٹا کے غاروں میں بودھ اور دیگر دیوی دیوتاؤں کی مُورتیاں دیواروں پر بنائی تھیں یہی صورت اس قوم نے بھی اختیار کی تھی۔ اچھے خاصے مالدار بھی تھے اور صاحبِ ثروت بھی۔ ان میں جو سردار تھے وہ بڑے متکبّر و مغرور تھے۔ ان کے بہت سے باغات تھے چشمے تھے کھیتیاں اور کھجُور کے درخت تھے۔ غرض وہ بڑی عیش کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ حضرت صالحؑ کی بات پر کان ہی نہ دھرتے تھے جب وہ کہتے کہ اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو تو کہتے ہم تمہاری اطاعت کیوں کریں تم تو ہماری قوم کے معمولی آدمی ہو۔

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚۖ فَاْتِ
بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۴﴾ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ
شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۱۵۵﴾ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ
يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵۶﴾ فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ﴿۱۵۷﴾ فَاَخَذَهُمُ
الْعَذَابُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَاِنَّ
رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۵۹﴾ ع ۸ ۱۹ ۱۲

جب صالح نے زیادہ کہا تو کہنے لگے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم پر کسی نے جادو کر دیا ہے۔ (تم

میں کیا خصوصیت ہے) ہم ہی جیسے ایک آدمی ہو۔ اگر اپنے دعوٰی میں سچّے ہو تو کوئی معجزہ دکھاؤ (جب باعجاز پہاڑ میں سے ایک اُونٹنی نکل کر آئی تو) صالح نے کہا (میرا معجزہ) یہ اونٹنی ہے (خدا کا حکم ہے) چشمہ کا پانی ایک دن اس کے لیے ہوگا اور دُوسرے دن تمہارے لیے، اِسے کوئی تکلیف نہ پہنچانا ورنہ ایک بڑے دن کا عذاب تم کو آلے گا۔ اُنہوں نے اس کی کونچیں کاٹ دیں اور پھر نادم ہوئے۔ پس عذاب نے اُن کو دھر پکڑا۔ اے رسول اس میں تمہارے رب کی قدرت کی بڑی نشانی ہے لیکن اُن کے اکثر ایمان لانے والے نہ بنے اور تمہارا رب سب پر غلبہ رکھنے والا اور رحیم ہے۔

جس سرزمین پر یہ قومِ ثمُود آباد تھی وہ عہدِ رسالت میں وادیٔ القریٰ کہلاتی تھی۔ ان کے کھنڈروں کی نشانیاں اب بھی موجود ہیں۔ مدینہ اور تبوک کے درمیان بستیاں تھیں۔ جب اس قوم نے حضرت صالحؑ سے معجزہ طلب کیا تو آپؑ نے خدا سے دُعا کی جس پہاڑ کی ایک چٹان کو یہ قوم پُوجتی تھی اس سے قوم کی خواہش کے مُطابق ایک فربہ اندام اونٹنی مع اپنے بچّے کے نکل کر آئی۔ وہاں سب سے بڑا سوال پانی کا پیدا ہوا کیونکہ اونٹنی کے لیے کافی پانی درکار تھا۔ حضرت صالحؑ نے دُعا کی چنانچہ ایک چشمہ بھی پھُوٹ نکلا۔ اس زمین پر یہ سب سے پہلا چشمہ تھا جو جاری ہوا۔ وہاں ایک حوض بنا دیا گیا اور یہ طے ہوا کہ ایک دن کا پانی اس اُونٹنی سے مخصوص ہوگا اور دوسرے دن کا تمام بستی کے آدمیوں اور جانوروں سے۔ اونٹنی ایک دن کا پانی پی کر اتنا دُودھ دیتی تھی کہ ساری بستی والے ڈٹ ڈٹ کر پی لیتے تھے۔ اس معجزہ کے ظہور پر کچھ لوگ تو ایمان لے آئے اور اکثریت ایمان سے بے نصیب ہی رہی۔ اس قوم کے سرکش سرداروں نے کہا، صالح نے یہ بہت بڑی مصیبت ہم پر نازل کی۔ پانی ہر وقت کے استعمال کی چیز ہے۔ پُورے ایک دن اس سے محروم رہنا کتنا تکلیف دہ ہے لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اس اونٹنی کو ہلاک کر دیا جائے۔ اس قوم میں قدار نامی بڑا شقی القلب انسان تھا۔ کچھ لالچ دے کر اسے اونٹنی کی ہلاکت پر آمادہ کیا۔ اُس نے رات کو موقع پا کر اس کے ٹخنوں کے پٹھے کاٹ دیئے اسی کو کونچیں کاٹنا کہتے ہیں۔ اونٹنی زمین پر گر گئی اور جب چشمہ تک جانے کے قابل نہ رہی تو پیاس سے تڑپ تڑپ کر مر گئی۔ اس کا بچّہ پہاڑ کی طرف بھاگا اور اپنا منہ آسمان کی طرف اُٹھا کر خدا سے فریاد کی ادھر صالحؑ نے بد دُعا کی نتیجہ یہ ہوا، ایسا زلزلہ آیا اور اتنا سخت دھماکا ہوا کہ ساری بستی تباہ و برباد ہو گئی۔ نہ بستی رہی نہ بسنی والے۔

خداوند عالم سلسلہ وار معتوب قوموں کا حال بیان کر رہا ہے۔ پہلے قومِ نوحؑ کا ذکر کیا پھر قومِ عاد اور پھر قومِ ثمود کا۔ اب قومِ لوط کا ذکر کرتا ہے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ِۨالْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۶۰﴾ ۚۖ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا

تَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۶۲﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۶۳﴾
وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۴﴾
اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۵﴾ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ
اَزْوَاجِكُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴿۱۶۶﴾

لُوطؑ کی قوم نے بھی لُوطؑ سے پہلے رسولوں کو جُھٹلایا تھا۔ جب ان سے ان کے بھائی لُوطؑ نے کہا کیا تم خُدا سے نہیں ڈرتے، میں تمہارے پاس بحیثیت ایک امین رسول کے آیا ہوں۔ پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر تو اللہ پر ہے جو رب العالمین ہے۔ کیا تم لوگ (رفعِ شہوت کے لیے) دُنیا کی مخلوق میں صرف مَردوں کے پاس جاتے ہو اور تمہارے رب نے تمہاری بی بیوں کو جو تمہارے لیے پیدا کیا ہے اُن کو چھوڑتے ہو۔ بلکہ (بات یہ ہے کہ) تم لوگ حد سے ہی گُزر گئے ہو۔

شیطان نے لوطؑ کی قوم کے پیچھے یہ لت لگا دی تھی کہ وہ بجائے عورتوں کے مَردوں سے اپنی خواہش نفسانی غیر فطری طور پر پُوری کرتے تھے۔ بلکہ عورتوں سے بھی جماع فی الدبر ہی کے عادی ہو گئے تھے حضرت لوطؑ ان کی ہدایت کے لیے بھیجے گئے۔ اُنہوں نے کہا کیا تم ہی اس دُنیا میں وہ عجیب لوگ ہو جو عورتوں کو چھوڑ کر مَردوں سے اپنی ہوس رانی کی آگ بُجھاتے ہو۔ ظالمو ایسا تو جانور بھی نہیں کرتے معلوم ہُوا تم ان سے بھی گئے گزرے ہو۔ اُن کی بے حیائی حد کو پہنچ گئی تھی کہ سب کی آنکھوں کے سامنے وہ یہ عملِ بد کر گزرتے تھے اور ذرا اُن کو شرم نہ آتی تھی۔

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ﴿۱۶۷﴾ قَالَ
اِنِّیْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ رَبِّ نَجِّنِیْ وَاَهْلِیْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾
فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۷۰﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِی الْغٰبِرِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا

الْاٰخَرِيْنَ ﴿۱۷۲﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۱۷۳﴾
اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۴﴾

قوم لُوط کے سرداروں نے کہا، اے لُوط اگر تم (اپنی پند و نصیحت سے) باز نہ آؤ گے تو ہم تمہیں شہر سے نکال باہر کریں گے۔ (حضرت لُوط نے کہا، تمہاری اس ناشائستہ حرکت سے بیزار ہوں۔ اے میرے پروردگار، مجھے اور میرے گھر والوں کو اس عمل سے جو یہ لوگ کرتے ہیں نجات دے پس ہم نے اُس کو اور اُس کے لڑکے بالوں سب کو نجات دی مگر اُس کی بُوڑھی بی بی کہ پیچھے رہ گئی (اور ہلاک ہو گئی) پھر اُن لوگوں (قوم لُوط) کو ہلاک کر ڈالا اور ان پر (پتھروں کا) مینہ برسایا جن لوگوں کو عذابِ خدا سے ڈرایا گیا تھا اُن پر کیا بُری بارش ہوئی۔ اس میں بے شک عبرت تھی اور اُن میں سے اکثر ایمان لانے والے تھے ہی نہیں۔

یہ واقعات تقریباً دو ہزار سال قبل مسیح کے ہیں۔ چونکہ قوم لُوط کو یہ اندیشہ تھا کہ اگر ان کے فعلِ قبیح کی مخالفت حضرت لُوطؑ اسی طرح کرتے رہے تو کیا بعید ہے کہ قوم اس مذموم رسم کو ترک کر دے لہٰذا مناسب ہو گا کہ ان کو جلد از جلد یہاں سے چلتا کر دو۔ حضرت لُوطؑ کی بی بی ان بداعمالوں سے ملی ہوئی تھی اور چونکہ وہ کافرہ تھی لہٰذا اس کی خواہش یہ تھی کہ قوم کے مقابل لُوطؑ ذلیل ہوں اور کوئی اُن کی بات کان دھر کر نہ سُنے۔

قرآن میں دو نبیوں کی کافرہ بی بیوں کا خاص طور سے ذکر ہے۔ ایک حضرت نوحؑ کی بی بی جس کا انجام یہ ہُوا کہ کافروں کے ساتھ وہ بھی طوفان میں غرق ہو کر ہلاک ہوئی۔ دوسری لوطؑ کی بی بی جس کو کفر پرستی کی یہ سزا ملی کہ قوم لوط کی طرح اس پر بھی پتھروں کی بارش ہوئی۔

صحبت کا اثر ضرور ہوتا ہے لیکن جو نااہل ہوتے ہیں مرد ہوں یا زن اُن کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ لوطؑ کی بی بی اپنے شوہر کی سخت نافرمان بی بی تھی۔ وہ حضرت لوطؑ سے کہا کرتی تھی کہ پرائے پھٹے میں تم کیوں پیر اڑاتے ہو، یہ لوگ جو کرتے ہیں کرنے دو۔

کوئی بری رسم جب کسی قوم میں پھیل جاتی ہے تو اس کی روک تھام مشکل ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے حضرت لوطؑ کو بڑی دقتوں کا سامنا ہُوا۔ بہت سے لوگ اس فعلِ شنیع کو نفرت کی نظر سے دیکھتے تھے اور حضرت لوطؑ کی ہدایت کو قابلِ عمل جانتے تھے۔ لیکن قوم کے سرکش سرداروں کی وجہ سے اُن کے خلاف بولنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔

وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٧٥﴾ كَذَّبَ أَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ
الْمُرْسَلِينَ ﴿١٧٦﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٧٧﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ
أَمِينٌ ﴿١٧٨﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٧٩﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ
أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِينَ ﴿١٨٠﴾ أَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا
تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِينَ ﴿١٨١﴾ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ﴿١٨٢﴾
وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ
مُفْسِدِينَ ﴿١٨٣﴾

٩ ع ١٦ ١٣

بے شک تیرا رب غالب اور رحیم ہے۔ ایکہ والوں نے رسولوں کو جھٹلایا، جب شعیب نے ان سے کہا، کیا تم خدا سے ڈرتے نہیں۔ میں تمہارے لیے رسول امین ہوں پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو، میں تم سے اپنی رسالت کا کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر تو رب العالمین پر ہے۔ تم ناپ تول پُوری کیا کرو اور کم دینے والے نہ بنو۔ جب تولو تو ٹھیک ترازو سے تولو ڈنڈی نہ مارو اور لوگوں کو جو چیزیں وُہ خریدیں کم نہ دیا کرو۔ اور رُوئے زمین پر فساد برپا نہ کرو۔

اصحابِ ایکہ یعنی جنگل والے حضرت شعیبؑ کی قوم سے نہ تھے جب ہی تو اور انبیاء کی طرح ان کو اصحابِ ایکہ کا بھائی نہ کہا جیسے پہلے کہا ہے اَخَاهُمْ هُوْدٌ اَخَاهُمْ صَالِحٌ اَخَاهُمْ لُوْطٌ۔
جناب ہُودؑ سے لے کر جناب لُوطؑ تک جتنے انبیاء آئے اُنہوں نے اپنی اپنی قوم سے جو کہا وُہ یہ تھا فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ۔ (۹ ع ۱۷ ۲۶) اس سے معلوم ہوا کہ وہ اللہ کو جانتے پہچانتے تھے لیکن خدا سے ڈرتے نہ تھے اور جو احکام انبیاء دیتے تھے اُن کو بجا نہیں لاتے تھے اُن کا کردار خراب تھا۔ قسم قسم کی بداعمالیاں اُن میں پائی جاتی تھیں ۔ انبیاءؑ انہی سے روکنے کے لیے آئے تھے ۔

اصحابِ ایکہ میں جو تجارت پیشہ لوگ تھے۔ اُن کی یہ عادت تھی کہ جب کوئی شئے کسی سے لیتے تو پیمانہ اور ترازو میں دھاندلی کر کے زیادہ لے لیتے اور جب اپنی چیزوں کو دیتے تو ڈنڈی مار کر کم دیتے۔ جب اس کی شکایت عام ہوئی تو حضرت شعیبؑ نے اُن کو ہدایت کی عذابِ خدا سے ڈرایا مگر وہ لوگ مانتے ہی نہیں اور جو چالبازیاں کرتے تھے کرتے ہی رہے آخر اُن کا بھی وہی حشر ہُوا جو اُن سے پہلے سرکشوں اور نافرمانوں کا ہُوا تھا۔
اس سلسلہ میں جن معذّب قوموں کا ذکر کیا گیا ہے سوائے قومِ نوح آج تک اُن کی تباہ شدہ بستیوں کے نشانات پائے جاتے ہیں۔ لوگ ان کو دیکھنے کے لیے جاتے ہیں مگر افسوس ہے کہ ان سے عبرت حاصل کرنے والے بہت ہی کم لوگ ہوتے ہیں۔

وَاتَّقُوا الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْأَوَّلِينَ ﴿١٨٤﴾ قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ
مِنَ الْمُسَحَّرِينَ ﴿١٨٥﴾ وَمَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا وَإِنْ نَظُنُّكَ لَمِنَ
الْكٰذِبِينَ ﴿١٨٦﴾ فَأَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِنَ السَّمَاءِ إِنْ كُنْتَ مِنَ
الصّٰدِقِينَ ﴿١٨٧﴾ قَالَ رَبِّي أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٨٨﴾ فَكَذَّبُوهُ
فَأَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ إِنَّهُ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿١٨٩﴾
إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١٩٠﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ
لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٩١﴾

١٠ ع ١٦ ١٤

شعیب نے کہا اس خدا سے ڈرو جس نے تم کو پیدا کیا ہے اور اُس مخلوق کو بھی جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں۔ اُنہوں نے کہا ایسا معلوم ہوتا ہے تم پر کسی نے جادُو کر دیا ہے تم تو ہم ہی جیسے آدمی ہو (پھر ہم تمہاری ہدایت پر کیوں عمل کریں) ہم تو تمہیں جھُوٹا سمجھتے ہیں اگر سچے ہو تو بھلا آسمان سے ایک ٹکڑا تو ہمارے اُوپر گرا دو۔ شعیب نے کہا جو کچھ تم کرتے ہو خدا اُس کو بہتر جانتا ہے

(جب وُہ چاہے گا تو عذاب نازل کرے گا۔) غرض اُنہوں نے شعیب کو جھٹلایا اور اُن کی کوئی بات نہ مانی (نتیجہ یہ ہؤا کہ) ایک ہوا سائبان کی صُورت میں آئی اور وُہ (اُن کے لیے) سخت عذاب کا دِن تھا۔ اِس واقعہ میں خدا کی قدرت کی نشانی تھی لیکن اس پر بھی اُن میں سے اکثر ایمان نہ لائے۔ (اے رسول) بے شک تیرا رب سب پر غالب اور رحم کرنے والا ہے۔

اہلِ مدین اور اہلِ ایکہ دونوں کے لیے ایک ہی پیغمبر (شعیب علیہ السلام) مبعوث ہوئے تھے۔ دونوں ایک ہی قوم کی دو شاخیں تھیں۔ شعیبؑ اہلِ مدین میں سے تھے اسی لیے قرآن میں اہلِ مدین کا بھائی کہا گیا ہے یہ تجارت پیشہ لوگ تھے ان کا صدر مقام تبوک تھا۔ یہ لوگ بعل بُت کی پرستش کرتے تھے۔ قرآن نے ان دونوں قوموں کے متعلق فرمایا ہے اِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ (الحجر ۱۵/۷۹) یعنی ایک کھلی شاہراہ پر یہ لوگ آباد تھے۔ زناکاری کا ان میں عام رواج تھا، وہ اس کو بُرا نہیں سمجھتے تھے۔ زمانۂ جاہلیت میں بھی زنا کو حرام نہ سمجھا جاتا تھا بلکہ کسی معزز اور امیر کبیر آدمی سے زنا کرانا عورتیں فخر سمجھتی تھیں۔ انہی کی طرح اصحابِ ایکہ میں بھی اس قسم کے تعلقات کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔

جناب شعیبؑ سے اُن کی قوم نے جب نزولِ عذاب کی خواہش کی تو اُنہوں نے جواب میں کہا، اللہ تمہاری حالتوں کو خوب جانتا ہے وہ جب چاہے گا نازل کرے گا۔ اسی طرح اور انبیاءؑ نے بھی کہا تھا۔ اس سے معلوم ہؤا کہ عذاب نازل کرانا انبیاءؑ کے اختیار میں نہ تھا بلکہ خدا کی مرضی پر تھا۔ ہاں وہ نزولِ عذاب کے لیے دُعا کر سکتے تھے۔

جب کسی قوم کی بداعمالی حد سے بڑھ جاتی ہے اور تمدن میں خرابی واقع ہونے لگتی ہے انسانی نظامِ حیات میں اصلاح کی کوئی امید باقی نہیں رہتی۔ خدا کے نافرمان بندے اپنی سرکشی سے کسی طرح باز نہیں آتے اور انبیاءؑ کو قتل کرنے سخت اذیتیں پہنچانے پر آمادہ ہو جاتے، تب خدا اُن پر عذاب نازل کرتا۔ جابجا اُس نے اپنی دو صفتوں کا اظہار فرمایا ہے اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ۔ (۲۶/۱۹۱) اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ سب پر غالب ہے جب چاہے اُن کو تہس نہس کر دے لیکن اگر لوگ گناہوں سے توبہ کر لیں تو وہ رحیم بھی ہے عذاب کو ہٹا بھی سکتا ہے جیسا کہ قومِ یونسؑ پر آیا ہؤا عذاب ہٹ گیا تھا۔

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۭ (۱۹۲) نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۙ (۱۹۳) عَلٰي
قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۙ (۱۹۴) بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ۭ (۱۹۵) وَاِنَّهٗ

لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ (۱۹۶) اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰۗؤُا بَنِيْٓ
اِسْرَاۗءِيْلَ ۭ (۱۹۷) وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰي بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ ۙ (۱۹۸) فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ مَّا
كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ۭ (۱۹۹) كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ۭ (۲۰۰)
لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ (۲۰۱) فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّ
هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۙ (۲۰۲) فَيَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ۭ (۲۰۳) اَفَبِعَذَابِنَا
يَسْتَعْجِلُوْنَ (۲۰۴)

بے شک یہ قرآن ساری خدائی کے پالنے والے کا نازل کیا ہؤا ہے جسے صاف عربی زبان میں رُوح الامین (جبریل) لے کر تمہارے دل پر نازل ہوئے ہیں تاکہ تم بھی اور پیغمبروں کی طرح (لوگوں کو عذابِ خدا سے) ڈراؤ، بے شک اس کی خبر اگلے پیغمبروں کی کتابوں میں بھی موجود ہے کیا ان کے لیے یہ نشانی کافی نہیں کہ اس کو علمائے بنی اسرائیل جانتے ہیں۔ اگر ہم اس قرآن کو کسی دُوسری زبان والے پر نازل کرتے اور وہ ان عربوں کے سامنے اس کو پڑھتا بھی تو یہ لوگ اس پر ایمان لانے والے نہ تھے اسی طرح ہم نے (گویا خود) اس انکار کو گنہگاروں کے دلوں میں راہ دی کہ یہ لوگ جب تک دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں گے اس پر ایمان نہ لائیں گے وہ یکایک اس حالت میں اُن پر آ پڑے گا کہ انہیں خبر بھی نہ ہوگی تب وُہ لوگ کہیں گے کیا ہمیں مُہلت مِل سکتی ہے تو کیا یہ لوگ ہمارے عذاب کے لیے جلدی کرتے ہیں۔

انبیاءؑ اور اُن کی قوموں کے حالات ذکر کرنے کے بعد اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ اے اہلِ مکہ یہ قرآن جس سے تم انکار کر رہے ہو معمولی کلام نہیں ہے بلکہ رب العالمین کا کلام ہے جس کا رسولؐ تک پہنچانے والا کوئی معمولی شخص نہیں بلکہ وُہ فرشتہ ہے جس کی صفت امین ہے وہ کسی طرح کا تصرف اس کلام میں نہیں کر سکتا۔ نہ یہ کوئی معمّہ ہے نہ چیستان بلکہ صاف عربی زبان میں ہے اور اس کا ذکر پہلی کتابوں میں آ چکا ہے پھر کیا وجہ ہے کہ تم

انکار کرتے ہو۔ یہودی علماءؑ سے پوچھو کہ اُنہوں نے صحفِ انبیاءؑ اور توریت میں قرآن اور اس رسولؐ کا جو ذکر ہے وہ اُنہوں نے پڑھا ہے یا نہیں۔ اگر پڑھا ہے اور سمجھ کر پڑھا ہے تو پھر انکار کی کیا وجہ ہے۔ جو احکام رسولؐ کے ذریعہ سے پہنچائے جا رہے ہیں کیا اس سے پہلے آسمانی کتابوں میں یہ باتیں انبیاءؑ پر نازل نہیں ہوئی تھیں۔ پھر اگر اُنہیں باتوں کو عربی زبان میں بیان کر دیا گیا تو تم چراغ پا کیوں ہو رہے ہو، صرف اس وجہ سے کہ ایک شخص جو تم ہی میں سے ہے عربی زبان میں بیان کر رہا ہے۔ اگر بالفرض ایک غیر عرب اس کلامِ الٰہی کو تمہیں اپنے لب لہجہ میں پڑھ کر سُناتا تو تم ایمان نہ لانے کے لیے کوئی حیلہ تراش لیتے لیکن کیسی عجیب بات ہے کہ تم میں کا ایک مردِ عربی یہ کلام پیش کر رہا ہے تو تم اس لیے نہیں مانتے کہ ایک عرب کا ایسا کلام کرنا کوئی تعجب کی بات نہیں اس کو معجزہ کیسے کہا جا سکتا ہے۔ فصحائے عرب آئے دن ایسا کلام کیا ہی کرتے ہیں۔ غرض تم بڑے ضدی اور ہٹی ہو، تمہاری اس سمجھ میں تو سب کچھ آتا ہے مگر تم ایمان لانے سے بھاگے بھاگے ہی پھرتے ہو۔ بہرحال تم عذابِ الٰہی سے بچ کر جاؤ گے کہاں؟ وہ تو اچانک آکر تمہیں دبا ہی لے گا۔

أَفَرَءَيْتَ إِن مَّتَّعْنَٰهُمْ سِنِينَ ﴿۲۰۵﴾ ثُمَّ جَآءَهُم مَّا كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿۲۰۶﴾
مَآ أَغْنَىٰ عَنْهُم مَّا كَانُوا يُمَتَّعُونَ ﴿۲۰۷﴾ وَمَآ أَهْلَكْنَا مِن قَرْيَةٍ إِلَّا
لَهَا مُنذِرُونَ ﴿۲۰۸﴾ ذِكْرَىٰ قف وَمَا كُنَّا ظَٰلِمِينَ ﴿۲۰۹﴾ وَمَا تَنَزَّلَتْ
بِهِ الشَّيَٰطِينُ ﴿۲۱۰﴾ وَمَا يَنۢبَغِي لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيعُونَ ﴿۲۱۱﴾ إِنَّهُمْ
عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُولُونَ ﴿۲۱۲﴾ فَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا ءَاخَرَ فَتَكُونَ
مِنَ الْمُعَذَّبِينَ ﴿۲۱۳﴾

ع
عند المتقدمين ۱۲

کیا تم نے غور کیا کہ اگر ہم ان کو سالہا سال چین کرنے دیں اس کے بعد جس عذاب کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے آ پہنچے تو جن چیزوں سے یہ لوگ چین کیا کرتے تھے کچھ بھی کام نہ آئیں گی۔ ہم نے کسی بستی کو اس کے بغیر ہلاک نہیں کیا کہ اس کے سمجھانے کو (پہلے سے) ڈرانے والے پیغمبر بھیج دیئے

اور ہم ظالم نہیں ہیں اور اس قرآن کو شیاطین لے کر نازل نہیں ہوئے اور یہ کام نہ تو اُن کے لیے مناسب تھا اور نہ وہ کر سکتے تھے بلکہ وہ تو (وحی کے) سننے سے محروم ہیں تو اے رسولِ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو ورنہ تم بھی مبتلائے عذاب کیے جاؤ گے۔

کفّار و مشرکین کو جو چین کی زندگی نصیب ہے اُس نے اُن کو بدمست بنا کر انجام سے بے خبر کر دیا ہے لیکن انہیں اس کی خبر نہیں کہ عذاب کا وعدہ جو ان سے کیا گیا ہے وہ ان عیش و آرام کی چیزوں اور قیمتی سامانوں سے ٹلنے والا نہیں۔ ہم ظالم نہیں کہ بے وجہ کسی پر عذاب نازل کر دیں بلکہ اپنی حجّت تمام کرنے کے لیے پہلے کسی بستی والوں کے پاس اپنے عذاب سے ڈرانے والے رسول بھیجتے ہیں تاکہ اچھی طرح ان کو سمجھائیں بجھائیں۔ لیکن جب وہ کسی طرح مانتے ہی نہیں تب ہم ان کو ہلاک کرتے ہیں۔ کفّار و مشرکین کا یہ خیال غلط ہے کہ قرآن شیاطین کا پڑھایا ہوا سبق ہے۔ شیاطین کی پہنچ وہاں تک ہو ہی نہیں سکتی اور نہ ایسے کاموں سے ان کو کوئی نسبت ہے۔ یہ تو کلامِ خدا ہے جو وحی کے ذریعہ رسولؐ پر نازل ہُوا ہے۔ شیاطین وحی کی آواز سُن ہی نہیں سکتے۔ کاہنوں تک جو چیز شیاطین پہنچاتے ہیں اس کو وحی سے کوئی نسبت نہیں۔ ہمارا کلام تو فرشتوں کے ذریعہ رسولؐ تک پہنچایا جاتا ہے۔

وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴿۲۱۴﴾ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ
مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۱۵﴾ فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنِّي بَرِيٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۲۱۶﴾ وَ
تَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ﴿۲۱۷﴾ الَّذِي يَرَىٰكَ حِينَ تَقُومُ ﴿۲۱۸﴾ وَتَقَلُّبَكَ
فِي السَّٰجِدِينَ ﴿۲۱۹﴾ إِنَّهُۥ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۲۲۰﴾ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ
مَن تَنَزَّلُ الشَّيَٰطِينُ ﴿۲۲۱﴾ تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ﴿۲۲۲﴾ يُلْقُونَ
السَّمْعَ وَأَكْثَرُهُمْ كَٰذِبُونَ ﴿۲۲۳﴾

اور اے رسول تم اپنے قریبی رشتہ داروں کو (عذابِ خدا سے) ڈراؤ اور جو مومنین تمہارے پیرو ہو گئے ہیں ان کے سامنے اپنا بازو جھکاؤ (تواضع سے پیش آؤ) اگر وہ تمہاری نافرمانی کریں تو

تم کہدو کہ میں تمہارے کرتوتوں سے بری الذمہ ہوں اور سب سے غالب اور مہربان خدا پر بھروسہ رکھو جب تم (نمازِ تہجد میں) کھڑے ہوتے ہو تو سجدہ کرنے والوں میں تمہارا پھرنا (اُٹھنا بیٹھنا) رکوع و سجود کو خدا دیکھتا ہے، وہ بڑا سننے والا اور جاننے والا ہے کیا میں تمہیں بتا دوں کہ شیاطین کن لوگوں پر نازل ہوا کرتے ہیں (سنو) یہ لوگ ہر جھوٹے بدکردار پر نازل ہوا کرتے ہیں۔ فرشتوں کی باتوں پر کان لگائے رہتے ہیں کہ کچھ سُن پائیں حالانکہ ان میں اکثر بالکل جھوٹے ہوتے ہیں۔

یہ آیات دعوتِ ذوالعشیرہ کے متعلق ہیں۔ یعنی خدا کا حکم ہوا کہ اے رسولؐ، اپنی رسالت کا اعلان سب سے پہلے اپنے کنبہ والوں میں کرو۔ چنانچہ آپؐ نے اپنے خاندان کے چالیس آدمیوں کو مدعو کیا اور بروایت معالم التنزیل حضرت علیؑ سے فرمایا تم اس دعوت کا سامان کرو۔ ایک مُد آٹے کی روٹیاں پکواؤ۔ بکرے کی ایک ران کا سالن اور ایک پیالہ دُودھ ہو۔ چنانچہ جب چالیس آدمی جمع ہو گئے تو حضرت علیؑ نے وہ کھانا تقسیم کیا۔ سب نے شکم سیر ہو کر کھا لیا اور کھانا بدستور باقی رہا۔

یہ حال دیکھ کر سب بھاگ کھڑے ہوئے کہ یہ سب جادُو کا کھیل ہے۔ دوسرے روز پھر آپؐ نے سب کو بُلایا۔ جب کھانا کھا چکے تو فرمایا، میں تمہارے پاس آخرت کی ایسی خبر لایا ہوں جو میرے بعد اب کوئی نہ لائے گا۔ خدا نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے اگر تم نے میری ہدایت پر عمل کیا تو ایک بڑی سلطنت کے مالک بن جاؤ گے بہت بڑا اجر خدا کے یہاں سے تم کو ملے گا۔ کون ہے تم میں کہ میرا وصی و وزیر میرا خلیفہ اور جانشین ہو۔ یہ سُن کر سب ہنسنے لگے اور حضرتؐ کا مذاق اڑانے لگے اور کہنے لگے، سبحان اللہ آپ ہیں ہی کس سلطنت کے مالک جس کے لیے وزیر و خلیفہ کی ضرورت آپؐ کو پیش آئی ہے۔ ابولہب نے ازراہِ دل لگی ابُوطالب سے کہا، لو مبارک ہو آپ کا بھتیجا بادشاہ بن گیا۔ جب کسی نے کوئی جواب نہ دیا تو حضرت علیؑ اُٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا، یا رسولؐ اللہ، میں آپؐ کا وصی و خلیفہ بنوں گا۔ اگرچہ میری ٹانگیں پتلی ہیں مگر میں آپؐ کے دشمنوں کی آنکھیں نکال لوں گا، اُن کی ٹانگیں توڑ دوں گا۔ آپؐ نے فرمایا، علی بیٹھ جاؤ۔ چنانچہ تین بار آپؐ نے اہلِ خاندان سے یہی فرمایا مگر کسی نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ ہنستے اور مذاق اڑاتے رہے۔ ہر بار حضرت علیؑ اٹھے اور کہا یا رسولؐ اللہ میں آپؐ کا وصی و وزیر بنوں گا۔ تب حضرتؐ نے فرمایا اے علیؑ، تم میرے وصی و وزیر و خلیفہ و جانشین ہو۔ یہ سُن کر لوگ ہنستے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ابولہب نے ابوطالب سے کہا، مبارک ہو صاحبزادے وزیر ہو گئے۔ اب ان کا حکم تم کو ماننا پڑے گا۔

جہاں تک اس واقعہ کا تاریخی تعلق ہے لکھا جا چکا ہے اب حسبِ ذیل چند امور پر غور کیجئے :

۱۔ یہ اعلانِ رسالت کا سب سے پہلا موقع تھا۔ یہیں سے اعلانِ وزارت کا آغاز ہوتا ہے۔ لامحالہ یہ اعلان حکمِ خدا سے ہوگا۔ پس یہ کہنا کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے کہ حضورؐ بغیر کسی کو اپنا جانشین بنائے دُنیا سے رخصت ہو گئے تھے۔ جس طرح حضرت موسیٰؑ کو نبوّت ملتے ہی ان کے وزیر کا تعیّن ہوا تھا اسی طرح آنحضرتؐ کو بھی آغازِ رسالت ہی میں اپنے وصی کا تعیّن کرنا ضروری ہُوا۔

۲۔ اس واقعہ کے ثبوت میں صاحب ارجح المطالب نے بہت سے ثبوت کتبِ اہلسنّت سے دیئے ہیں اور انگریز مورخین نے بھی اس واقعہ کو اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ (دیکھو کتاب اعجاز التنزیل مصنّفہ وزیر الدولہ خان بہادر خلیفہ سیّد محمد حسن صاحب مرحوم وزیر ریاست پٹیالہ)۔

۳۔ اس دعوت میں سب سے پہلے رسولؐ نے اپنی اعجازی شان دکھائی۔ جو کھانا صرف ایک آدمی کے لیے مشکل کافی ہو سکتا تھا اُس سے چالیس آدمی شکم سیر ہو گئے اور وہ جوں کا توں بچ رہا۔ غور کرو تین پاؤ آٹے کی روٹی، بکرے کی ایک ران اور ایک دودھ کا پیالہ سوائے اعجازی شان کے کیسے کافی ہو سکتا تھا۔

۴۔ گویا حضرت علیؑ کو معلوم تھا کہ حضورؐ نے مہمانوں کے لیے جو کھانا تیار کرانے کا حکم دیا ہے وہ سب کے لیے کافی ہوگا۔ اگر حضرتؐ کی نبوّت میں ذرا سا بھی شک ہوتا تو ضرور عرض کرتے، یا رسولؐ اللہ یہ اتنا ذرا سا کھانا چالیس آدمیوں کے لیے کیسے کافی ہوگا۔ سمجھ لینا چاہیئے کہ شروع ہی سے حضرت علیؑ کا ایمان کیسا تھا۔

۵۔ حضرت رسولِ خداؐ نے دعوت کا اہتمام حضرت علیؑ سے صرف اس لیے مخصوص کیا تھا کہ یہ برکت صرف معصوم ہی کے ہاتھ میں ہو سکتی ہے۔

۶۔ اگر حضرت علیؑ کی نظر رسالت رسولؐ کے آئندہ کاموں پر نہ ہوتی تو جب رسولؐ نے یہ خدمت سپرد کی تھی اُسی وقت یہ عرض کرتے یا رسولؐ اللہ کونسی سلطنت آپؐ کے ہاتھ میں ہے جس کے لیے آپؐ کو وزیر کی ضرورت ہے۔

۷۔ حضرت علیؑ کو بعلمِ امامت معلوم تھا کہ حضورؐ کو دشمنوں سے جنگ کرنا ہوگی جب ہی تو یہ کہا کہ میں آپ کے دشمنوں کا پیٹ پھاڑ ڈالوں گا اور ان کی ٹانگیں توڑ دوں گا۔

۸۔ حضرت علیؑ کی شجاعت پر آنحضرتؐ کو اوّل روز ہی سے کتنا اعتماد تھا کہ ان کو وزیر بنانا منظور کر لیا۔

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ۔ اگرچہ مجازی معنی تو اس کے یہی ہیں کہ انکساری و فروتنی سے پیش آنا۔ لیکن اصل معنی یہ ہیں کہ اپنا کندھا اس کے لیے جھکا دو جو تمہارا سچا پیرو ہے۔ تمام مسلمانوں میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نظر نہیں آتا جس کے لیے حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے حقیقی معنی میں اپنا کندھا جھکایا ہو سوائے علی بن ابی طالبؑ کے جن کو اپنے کندھوں پر خانہ کعبہ میں بُت شکنی کے لیے سوار کیا تھا۔ یہ بھی حضرت علی علیہ السلام ہی کی ذات ہے کہ جس نے مُہرِ نبوت پر اپنا قدم رکھا۔

تَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِيْنَ کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ اے رسولؐ تمہارے نُور کو ہم سجدہ کرنے والے مخلصین میں گردش دیتے رہے۔ یعنی آپؐ کا نور اصلابِ طاہرہ سے ارحامِ طاہرہ کی طرف منتقل ہوتا رہا۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ تم کو رکوع و سجود و قیام کرنے والوں میں چلتے پھرتے دیکھا۔ آغازِ رسالت میں حضورؐ ان چند مسلمانوں کے ساتھ جو سب سے پہلے ایمان لائے تھے باجماعت نماز پڑھتے تھے۔ اس وقت کی جماعت میں

بجز حضرت علیؑ اور حضرت خدیجہؓ کوئی دوسرا شریک نہ تھا۔ پس یہی لوگ مراد ہو سکتے ہیں۔ انہی عبادت گزاروں کے درمیان خدا اپنے رسولؐ کو دیکھتا تھا۔

۹۔ کیا وجہ تھی کہ حضورؐ کو چالیس سال بعد اعلانِ رسالت کا حکم ہوا اور آپؐ کو نبی بتایا گیا حالانکہ حضرت عیسیٰؑ و حضرت یحییٰؑ وغیرہ بچپن ہی میں نبی تھے۔ بات یہ ہے کہ حضورؐ سرکارِ دو عالم تو اس وقت سے نبی تھے جب آدمؑ آب و گل ہی میں تھے۔ نبی تو بطنِ مادر ہی سے نبی ہوتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ مشیّتِ ایزدی اس کی نبوت کا اعلان بعد میں کرے۔ ہر نبی یا رسول اپنی قوم ہی میں سے بھیجا گیا ہے تاکہ وہ ان کے اخلاقی و معاشرتی حالات اور رسم و رواج سے خوب واقف ہو اور انہی کو پیشِ نظر رکھ کر طریقۂ ہدایت اختیار کرے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ سرکارِ دو عالمؐ کافۃ الناس کی طرف مبعوث ہوئے تھے نہ صرف عرب کی طرف۔ چونکہ حضورؐ کا تعلق مختلف اقوامِ عالم سے تھا لہٰذا ضرورت تھی کہ بحیثیت ایک ہادی و مصلحِ قوم آپؐ سب کے حالاتِ زندگی سے پوری طرح واقف ہوں اور یہ کام ایک دو دن کے کرنے کا نہ تھا، بلکہ سالہا سال اس کے لیے درکار تھے لہٰذا اللہ نے چالیس سال اس غرض کو پورا کرنے کے لیے حضورؐ کو دیئے۔ آپؐ نے قومی حالات کو اُلٹ پلٹ کر ان کی تہوں کو کھول کر اچھی طرح مطالعہ کیا جب حالات سے پوری واقفیت ہو گئی اور اصلاحِ نفوس اور ہدایتِ عمل کے متعلق طریقہ کار سمجھ میں آ گیا تو خدا نے اعلان کا حکم دیا۔ چنانچہ اس کے بعد اس زور شور سے تبلیغ ہوئی جس کی نظیر انبیائے ماسلف میں نہیں ملتی۔

ایک سوال یہ ہے کہ اعلانِ رسالت سے پہلے آپؐ کی عبادت کا کیا طریقہ تھا۔ جب آپؐ بُت پرستی نہیں کرتے تھے تو کفار و مشرکین نے اس وقت آپؐ سے اظہارِ عداوت کیوں نہ کیا اور آپؐ کے ساتھ ملے جلے رہے؟ جواب یہ ہے کہ اس زمانہ میں دو قسم کے لوگ تھے ایک وہ جو کھُلم کھلا بُت پرستی کرتے تھے دوسرے جو اپنے کو ملّتِ ابراہیمیؑ پر ظاہر کرتے تھے اور بتوں کی عبادت نہیں کرتے تھے مگر بتوں کی عبادت کے بارہ میں افرادِ قوم سے چھیڑ چھاڑ بھی نہیں کرتے تھے بلکہ موسیٰ بدین خود عیسیٰ بدینِ خود پر عمل ہو رہا تھا۔ جماعتی نظام میں ایک دوسرے کے شریک تھے اور معاشرتی تعلقات میں ہم آہنگی تھی۔ جب تک حضورؐ نے اعلانِ رسالت سے پہلے کھلم کھلا بتوں کی مذمت نہیں کی اور بت پرستوں پر لعن طعن شروع نہ ہوئی، قوم نے ان سے کوئی تعرض نہ کیا بلکہ آنحضرتؐ کی صفاتِ حمیدہ کی بنا پر آپؐ کی عزت کرتے رہے۔ آپؐ کو صادق و امین کے لقب سے یاد کرتے رہے لیکن جب آپؐ نے تبلیغ کا کام شروع کیا اور لوگوں کو بت پرستی سے روکنا چاہا تب سے مخالفت کا آغاز ہوا جو تبلیغِ رسالت کے زور کے ساتھ بڑھتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ حضورؐ کے قتل پر آمادہ ہو گئے۔ پس جس طرح آنحضرتؐ چالیس سال تک ملّتِ ابراہیمی پر چلتے رہے یعنی خدائے واحد پر اور قیامت پر ایمان رکھتے رہے اسی طرح اور بھی بہت سے لوگ تھے۔ جیسے حضرت عبدالمطلب حضرت ابو طالب اور حضرت عبداللہ وغیرہ۔

نماز، روزہ وغیرہ تو بہت بعد کی چیزیں ہیں۔ ان سے پہلے کعبہ کی طرف رُخ کر کے یادِ خدا کی جاتی تھی اس کی نعمات کا شکر ادا کیا جاتا تھا۔ اخلاقی اصلاح کی طرف توجہ رہتی تھی۔ خدا کو وحدہٗ لاشریک سمجھا جاتا تھا حضرت ابراہیمؑ کی سنتوں پر عمل تھا۔ یہی ملّتِ ابراہیمیؑ کہلاتی تھی۔

آیات کے آخر میں کفار و مشرکین کے اس خیال کی تردید کی گئی ہے کہ آنحضرتؐ پر شیاطین نازل

ہوتے ہیں۔ انہی کے سکھانے پڑھانے کا نام محمدؐ نے وحی رکھ لیا ہے۔ خدا فرماتا ہے کہ شیاطین کے نزول کا انبیاءؑ سے کیا تعلق شیاطین تو ہر جھوٹے گنہگار کے پاس آیا کرتے ہیں۔ "کند ہم جنس با ہم جنس پرواز۔"

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿۲۲۴﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ﴿۲۲۵﴾ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۲۲۶﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ۭ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾ ۱۱ ع ۳۶ ۱۵

اور شاعروں کی پیروی تو گمراہ لوگ کیا کرتے ہیں کیا تم نہیں دیکھتے کہ یہ لوگ جنگل جنگل مارے مارے پھرتے ہیں اور ایسی باتیں کہتے ہیں جو کبھی کرتے نہیں مگر ہاں جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور اعمالِ صالحہ بجا لائے اور کثرت سے خدا کا ذکر کیا کرتے ہیں اور جب ان پر ظلم کیا جا چکا تب انہوں نے بدلہ لیا اور جن لوگوں نے ظلم کیا ہے انہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس جگہ لوٹائے جائیں گے۔

یہ جن شاعروں کی مذمت کی گئی ہے وہ عرب کے گمراہ شاعر تھے جن کے کلام میں یا تو عشقیہ مضامین ہوتے تھے یا کسی فاسق و فاجر بادشاہ کی تعریف میں غلط بیانیاں اور مبالغہ آمیزیاں۔ یا شجاعان کی شجاعت کے جھوٹے افسانے یا ان بداخلاقیوں کا ذکر جس سے لوگوں میں ہوس رانیوں اور عیش پسندیوں کا رواج ہوا اور معاشرہ میں فتنہ و فساد کو راہ ملے۔ یہ ان پاکیزہ خیال نیک نفس شاعروں کے متعلق نہیں جو معاشرہ کی اصلاح کرتے ہیں خدا و رسولؐ کی تعریف کرتے ہیں اخلاقِ حسنہ کا ذکر کرتے ہیں پاکیزگیٔ نفس کی تعلیم دیتے ہیں۔ گمراہوں کو راہِ راست پر لانے میں اپنا زورِ طبع صرف کرتے ہیں۔ حضورؐ کی صحبت میں ایسے ہی شاعروں کو جگہ ملتی تھی جو حق گو ہوتے تھے جیسے حسان بن ثابتؓ وغیرہ۔ حضرت علی علیہ السلام اور ہمارے دیگر آئمہ نے بھی اشعار کہے ہیں جو ایمان افروز اور روح پرور ہیں۔ حضور سرکارِ دو عالمؐ نے خود کبھی شعر نہیں کہا اس لیے کہ اگر حضورؐ شعر کہا کرتے تو مشرکین، قرآن کو آپؐ کا شاعرانہ کلام مشہور کرتے۔ اور بجائے نبی و رسول کے آپؐ کو شاعروں کے زمرہ میں محسوب کرتے۔

مولانا محمد ہارون صاحب قبلہ زنگی پوری نے اپنی کتاب "نوادر الادب" فی کلام سادۃ العجم والعرب میں حضورؐ کا

ایک شعر نقل فرمایا ہے۔ لکھا ہے کہ عمر بھر میں آپؐ نے بس یہی ایک شعر کہا :

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ — أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

○

۲۷ سُوْرَةُ النَّمْلِ مَكِّيَّةٌ ۴۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

طٰسٓ قف تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ① هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ② الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ③ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ④ ط اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ⑤ وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ⑥

(نمل کے معنی چیونٹی کے ہیں چونکہ اسی سورہ میں وادیٔ نمل کا ذکر ہے لہٰذا یہ نام رکھا گیا۔)

طٰسٓ یہ قرآن کی آیات ہیں اور یہ روشن کتاب ہے سرتا پا ہدایت ہے اور ان مومنین کے لیے خوشخبری ہے جو نماز پابندی سے پڑھتے ہیں زکوٰۃ دیتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے تو ہم نے ان کے کاموں کو ان کی نظر میں اچھا کر دکھایا ہے تو یہ لوگ بھٹکے پھرتے ہیں۔ ان کے لیے (قیامت میں) بہت بڑا عذاب ہے اور یہی لوگ آخرت میں

سب سے زیادہ نقصان اُٹھانے والے ہوں گے (اے رسول) تم کو تو قرآن ایک بڑے واقف کار حکیم کی بارگاہ سے عطا کیا جاتا ہے۔

یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ یہ آیات قرآن کی ہیں اور وہ ایک واضح کتاب ہے۔ جو احکام کہ بندوں کے لیے بھیجے گئے ہیں وہ مبہم نہیں کہ سمجھ میں نہ آئیں بلکہ صاف صاف اور روشن ہیں۔ جو سمجھنے کی کوشش کرے گا ایک ایک بات اس کی سمجھ میں آ جائے گی۔ اس میں ہدایت بھی ہے آخرت میں نیک اعمال کے بہترین اجر ملنے کی خوشخبری بھی ہے مگر یہ اُن مومنوں کے لیے ہے جو پابندی سے نماز پڑھتے ہیں زکوٰۃ دیتے اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ جابجا آخرت پر یقین رکھنے کا اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ بغیر اس پر ایمان لائے اعمالِ صالحہ بجا لانے کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔ کیونکہ توجہ کا مرکز دو ہی باتیں ہیں۔ یا تو کسی اجر ملنے کی امید ہو یا کسی سزا کا خوف۔ پس جو قیامت پر ایمان نہیں رکھے گا وہ ان دونوں باتوں سے بے نیاز ہو کر اعمالِ صالحہ کی طرف متوجہ ہی نہ ہوگا اور اس کو اپنی غلط کاریاں ایسی اعلیٰ معلوم ہوں گی گویا خدا نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔ ایسے غفلت شعاروں اور ناستودہ کاروں کو قیامت میں سخت سزا ملے گی۔ بچ کر جا نہیں سکتے۔

اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا ؕ سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ⑦

جب موسیٰ نے اپنے بال بچوں سے کہا میں نے اپنے (بائیں طرف) آگ دیکھی ہے (ذرا ٹھہرو تو) میں وہاں سے کچھ (راہ کی) خبر لاؤں یا تمہیں سلگتا ہوا انگارہ لا دوں تاکہ تم تاپو۔

جو واقعہ یہاں بیان کیا جا رہا ہے وہ یہ ہے کہ مدین میں دس برس قیام کے بعد جب حضرت موسیٰؑ مع اپنی بی بی بچوں کے ساتھ وطن کو چلے تو یہ سفر پا پیادہ تھا۔ چلتے چلتے جب وادیٔ طویٰ میں پہنچے تو رات ہو گئی۔ سردی کڑاکے کی پڑ رہی تھی، اجنبی راستہ تھا سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کدھر جائیں کہ دُور سے ایک درخت سے شعلے نکلتے نظر آئے سمجھے ضرور یہاں کوئی بستی ہوگی جس میں روشنی کے لیے یہ آگ جلائی ہے۔ بی بی کو ایک درخت کے نیچے بٹھا کر کہا کہ تم لوگ یہیں بیٹھے رہو میں جاتا ہوں، قریب کوئی بستی ہوگی تو وہاں راستہ کا پتہ بھی چلاؤں گا اور تمہارے لیے آگ کا ایک انگارہ بھی لیتا آؤں گا تاکہ تم لوگ یہاں آگ روشن کر کے تاپو۔ یہ کہہ کر وہاں سے چل دیئے۔

فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِيَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَسُبْحٰنَ

اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝٨ يٰمُوْسٰۤى اِنَّهٗۤ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝٩
وَاَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ؕ
يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ قف اِنِّىْ لَا يَخَافُ لَدَىَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۝١٠ ۖ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ
بَدَّلَ حُسْنًاۢ بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّىْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝١١ وَاَدْخِلْ يَدَكَ فِىْ
جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ قف فِىْ تِسْعِ اٰيٰتٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ
وَقَوْمِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝١٢

جب موسیٰ وہاں پہنچے تو ندا آئی کہ مبارک ہے وہ جو اس آگ میں (تجلّی دکھاتا ہے) اور جو اس کے گرد ہے اور وُہ خدا سارے جہان کا پالنے والا ہے۔ پاک و پاکیزہ ہے (ہر عیب سے پاک ہے) اے موسیٰؑ میں اللہ ہوں سب سے زبردست حکمت والا۔ اپنا عصا تو زمین پر ڈالو۔ جب موسیٰؑ نے اس کو دیکھا، کہ اس طرح لہرا رہا ہے گویا وہ زندہ اژدہا ہے تو پچھلے پاؤں بھاگ چلے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا (ہم نے کہا) اے موسیٰ ڈرو نہیں۔ میرے پاس پیغمبر لوگ ڈرا نہیں کرتے مگر جو شخص گناہ کرے پھر گناہ کے بعد اُسے توبہ سے بدل دے تو میں بڑا بخشنے والا مہربان ہوں اور (ہاں ذرا) اپنا ہاتھ گریباں میں تو ڈالو، وہ سفید براق ہو کر بے عیب نکل آئے گا۔ یہ دو معجزے منجملہ نو معجزوں کے ہیں (جو تم کو ملیں گے) فرعون اور اس کی قوم کے پاس جاؤ کیونکہ وہ بدکار لوگ ہیں۔

جب موسیٰؑ اس درخت کے پاس گئے جس سے آگ بھڑک رہی تھی اور اس کے اردگرد کا رقبہ روشن ہو رہا تھا۔ تو عجیب بات یہ دیکھی کہ وہ درخت نہ تو جل رہا تھا نہ اس سے دھُواں نکل رہا تھا۔ وہ اچھی طرح ہرا بھرا تھا۔ اس درخت سے آواز آ رہی تھی۔ یکایک ایسے واقعہ کا پیش آنا انسان کے اندر انتہائی اضطراب پیدا کر دینے کا باعث ہونا چاہیئے تھا مگر انبیاؑ کے حواس عام لوگوں سے جُدا ہوتے ہیں ان کے اندر وُہ قوت ہوتی ہے جو عام لوگوں میں نہیں پائی جاتی۔ موسیٰؑ سمجھ گئے کہ یہ آواز نہ کسی شیطان کی ہے نہ کسی جن کی۔ نہ یہ ان کے حواس کے اختلال کا باعث ہے۔ بلکہ یہ

یا تو خدا کی طرف سے آواز یا اس کے فرشتے کی۔ تاہم ایک قسم کا اضطراب تو لاحق ہوا ہی۔ ایک انسان کا خدا کی طرف سے یا فرشتہ کی آواز معمولی بات نہ تھی۔ ایک نئی آواز آج کانوں میں پڑی تھی۔ خدا نے بہت جلد یہ کہہ کر ان کی پریشانی کو دُور کر دیا، میں اللہ ہوں جو سب پر غالب اور حکمت والا ہے۔ تم اپنا عصا زمین پر ڈالو۔ عصا کا زمین پر ڈالنا تھا کہ وہ اژدھے کی صورت میں دوڑنے لگا۔ انسانی فطرت ہے کہ ایسی موذی اور خطرناک چیزوں کو دیکھ کر بھاگتا ہے چنانچہ موسیٰؑ بھی بھاگے اور دل پر اتنی دہشت تھی کہ پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھا۔

خدا نے یہ حال دیکھ کر فرمایا موسیٰؑ ڈرو نہیں۔ ہمارے پاس آنے والے رسول ڈرا نہیں کرتے ہاں اگر کسی سے ترکِ اولیٰ ہو جائے تو توبہ کے بعد ہم بخش دیتے ہیں۔ ترکِ اولیٰ گناہ نہیں بلکہ ترکِ احتیاط کا نام ہے۔ اب بات سمجھ میں آئی کہ میں رسول بنایا جا رہا ہوں۔ اس کے بعد دہشت دُور ہوئی۔ پھر آواز آئی اے موسیٰ، ذرا اپنے گریبان میں ہاتھ ڈالو۔ ڈال کر نکالا تو سورج کی طرح چمکدار تھا۔ سفید بُراق جو کسی بیماری کی وجہ سے سفید نہ تھا جو برص کی بیماری سے پیدا ہوتا ہے اس کے بعد آواز آئی، موسیٰ جو نو معجزات ہم تم کو آگے چل کر دینے والے ہیں ان میں سے دو یہ ہیں۔ تم فرعون اور اس کی قوم کے پاس جاؤ یہ لوگ بڑے بدکار ہو گئے ہیں۔

خدا کی دین کا موسیٰؑ سے پُوچھئے احوال
کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

خدا صاحبِ جسم نہیں کہ اس طرح کلام کرے جیسے ہم زبان سے کرتے ہیں بلکہ وہ اپنی کسی مخلوق میں کلام پیدا کر دیتا ہے۔ ذرا اندازِ کلام کو دیکھو اور وجد کرو۔

نہایت سادہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ سردی کا موسم ہے راستہ بھول گئے ہیں۔ اُنہیں آگ کی ضرورت ہے تاکہ خود بھی تاپیں اور ان کے اہل و عیال بھی۔ اس حالت میں ان کو متوجہ کرنے کے لیے اس سے بہتر طریقہ کیا ہو سکتا تھا کہ انہیں جلتی ہوئی کوئی شے دکھائی جائے تاکہ وہ اس مقام تک بخوشی خاطر چلے آئیں جہاں ان سے بات کرنی مقصود ہے جب وہ آ جاتے ہیں تو وہاں بجائے نار کے نُور کو جلوہ نما دیکھتے ہیں۔ اگر آگ مل جاتی تو موسیٰؑ اُسے لے کر چلتے بنتے۔ جب آگ نہ ملی تو اب عالمِ غربت میں گھرے ہوئے ہیں اور دہشت دل پر چھائی ہوئی ہے کہ میں یہ کیا دیکھ رہا ہوں۔ ایسی صورت میں بڑی نرم آواز سے کوئی بات کہنے کی ضرورت تھی، لہٰذا یوں کہا گیا میں اللہ ہوں۔ لیکن اس خیال سے کہ موسیٰؑ کے دل میں یہ بات نہ آئے کہ کوئی شیطان یا جن تو ایسا نہیں کہہ رہا، ان کے عصا کو سانپ بنا دیا اور جب وہ ڈرے تو جو اصلی بات تھی ان سے کہہ دی کہ تم ہمارے رسول آج سے قرار پا گئے۔ اب موسیٰؑ کی سمجھ میں آیا کہ میں اللہ سے باتیں کر رہا ہوں، اور میں رسول بنایا گیا ہوں۔ تب خوف و ہراس دُور ہوا۔ سُبحان اللہ کیسا عجیب وقت تھا کہ ایک بندہ سے اس کا خالق اور معبود کلام کر رہا تھا۔ اس کے بعد خدا نے یہ بھی واضح کر دیا کہ تمہیں ہدایت کے لیے فرعون کے پاس جانا ہے۔ پس چند لفظوں میں سب کچھ معلوم ہو گیا معجزات بھی مل گئے رسالت بھی مل گئی اور جو کام لینا تھا اس کا اظہار بھی کر دیا گیا۔

قرآن میں کہیں اژدھا ظاہر کیا گیا ہے کہیں سانپ۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ صورت میں تو اژدھا جیسا تھا لیکن چال میں سانپ جیسا تیز چلتا ہُوا تھا۔ بعض نے لکھا ہے کہ کبھی تو سانپ کی شکل اختیار کر لیتا تھا کبھی اژدھے کی سکتے ہیں

وادیٔ طور میں وہ مقام اب تک موجود ہے اور سرسبز و شاداب ہے وہاں یہودی مرتاض لوگوں کے لیے ایک خانقاہ بنی ہوئی ہے۔ لوگ اس مقام کو دیکھنے کے لیے دُور دُور سے آتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ⑬ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ۭ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ⑭ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰي كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ⑮ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۭ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ⑯

جب ہماری آنکھیں کھول دینے والی نشانیاں ان کے پاس آئیں تو کہنے لگے یہ تو کُھلا جادُو ہے باوجودیکہ ان کے دل کو معجزات کا یقین تھا پھر بھی سرکشی اور تکبّر کی وجہ سے ان لوگوں نے نہ مانا۔ تو اے رسول دیکھو ان مفسدوں کا انجام کیا ہُوا اور ہم نے داؤد و سلیمان کو علم عطا کیا۔ (خوش ہوکر) ان دونوں نے کہا شکر ہے اس خدا کا جس نے ہمیں اپنے بہت سے ایماندار بندوں پر فضیلت دی اور (علم جائداد منقولہ غیر منقولہ سب میں) سلیمان و داؤد کے وارث ہوئے اور انہوں نے کہا لوگو ہم کو (خدا کے فضل سے) پرندوں کی بولی بھی سکھائی گئی ہے اور ہمیں (دُنیا کی) ہر چیز عطا کی گئی ہے۔ یہ خدا کا صریحی فضل و کرم ہے۔

جو دو نشانیاں (عصا کا سانپ بننا اور ید بیضا) حضرت موسٰیؑ، فرعون اور اس کی قوم کے پاس لے کر آئے تھے۔ ان کو اُن کے دل تو مان گئے تھے کہ یہ کوئی غیر معمولی قوّت ہے لیکن چونکہ ان کی کمر سرکشی پر بندھی ہوئی تھی اس لیے انکار کر دیا اور کہنے لگے یہ تو کُھلا جادُو ہے۔ فرعون کے زمانہ میں مصر میں جادو کا بڑا زور تھا۔ لہٰذا باوجود سب کچھ سمجھنے اور یقین کرنے کے ان کی عقلوں نے یہی فیصلہ کیا کہ یہ جادو ہے۔ آخر اس بے عقلی اور فساد برپا کرنے کا نتیجہ ان کو بھگتنا پڑا۔

یہاں سے حضرت داؤدؑ اور سلیمانؑ کا قصّہ شروع ہوتا ہے:

ہم نے داؤدؑ کو زرہیں بنانے کا اور سلیمانؑ کو پرندوں کی بولی کا علم عطا کیا تو وہ خوش ہوکر کہنے لگے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں اپنے مؤمن بندوں پر فضیلت دی۔ یوں تو تمام انبیاء و مرسلین کو خدا کی طرف سے علم ہوتا ہے کوئی نبی جاہل پیدا نہیں ہوتا، مگر بعض انبیاء کو کچھ خصوصی علم بھی دیئے جاتے ہیں جیسے حضرت داؤدؑ کو زرہ بنانے کا علم دیا گیا تھا اور حضرت سلیمانؑ کو پرندوں کی بولیاں سمجھنے کا۔ حضرت خضرؑ کو باطنی علم اور حضرت یوسفؑ کو علم تعبیر خواب۔

یوں تو ہر بیٹا اپنے باپ کا وارث ہوتا ہے لیکن یہاں خصوصیت سے حضرت سلیمانؑ کے وراثتِ پدر پانے کا ذکر ہے۔ یعنی مادّی اور روحانی دونوں قسم کی وراثتیں جناب سلیمانؑ کو حضرت داؤدؑ سے ملیں۔ وہ صاحبِ حکمت بھی ہوئے اور سلطنتِ داؤدؑ بھی بطور ورثہ ملی۔ اس سے یہ مسئلہ حل ہوا کہ انبیاءؑ میں وراثت کا سلسلہ جاری تھا۔ یہی وہ آیت ہے جس کو سیّدۃ النساء العالمین جناب فاطمۃ الزھراؑ نے اپنے دعوٰی کی تائید میں اس وقت پیش کیا تھا۔ جب بعد رسولؐ حکومتِ وقت نے ان کو وِرثہ رسولؐ سے محروم کر دیا تھا اور ایک سقیم الاسناد حدیث اپنے دعوٰی کے ثبوت میں پیش کی تھی نَحْنُ مَعَاشِرُ الْاَنْبِيَآءِ لَا نَرِثُ وَلَا نُوْرَثُ یعنی ہم گروہ انبیاءؑ میں وراثت نہیں چلتی نہ ہم کسی کے وارث ہوتے ہیں نہ کوئی ہمارا وارث ہوتا ہے۔ اگر انبیاءؑ میں وراثت کا قانون جاری نہ تھا تو حضرت داؤدؑ کی سلطنت کے مالک حضرت سلیمانؑ کس قانون کی رُو سے ہوئے اگر کہا جائے کہ مراد یہاں وراثتِ علمی ہے تو اوّل تو علم وراثت میں چلتا نہیں۔ دوسرے اگر چلے بھی تو جو لڑکا اپنے باپ کا علم و حکمت میں وارث ہو کیا وجہ ہے کہ اس اعلیٰ قسم کی وراثت کا مالک و وارث ہوتے ہوئے ادنیٰ قسم کی مادی وراثت سے محروم کر دیا جائے۔ مالی وراثت کا مالک تو ایسے ہی شخص کو ہونا چاہیئے جو از روئے علم و حکمت اس کا صحیح مصرف جانتا ہو اگر اولادِ انبیاءؑ وراثت سے محروم کر دی جائے تو کس قصور کی بنا پر ان کی فطرت پر یہ ظلم کیا جائے اور ان کی معاشی حیثیت پر یہ کاری ضرب لگائی جائے۔ مثلاً اس محرومی میں کوئی جواز کی صورت پیدا نہیں ہوتی۔

بعض مفسّرین نے لکھا ہے کہ آیۂ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ میں وراثت سے مراد علمی وراثت ہے نہ کہ مالی۔ کیونکہ حضرت داؤدؑ کے تو بہت سے لڑکے تھے صرف حضرت سلیمانؑ ہی اکیلے کیوں وارث ہو گئے۔ لہٰذا حدیث معاشر الانبیاء سے جو فیصلہ حضرت ابوبکرؓ نے کیا تھا وہ صحیح تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حقیقتاً علم میراث میں چلنے کی چیز نہیں، ورنہ ہر عالم کا بیٹا عالم ہوتا اور ہر حکیم کا بیٹا حکیم۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اگر کسی عالم کا بیٹا عالم ہوتا ہے تو وہ علم کو حاصل کر کے ہوتا ہے نہ کہ بطورِ میراث اس کو علم ملتا ہے۔ اگر مراد علم بالمیراث لیا جائے تو کیا وجہ ہے کہ حضرت داؤدؑ کی ساری اولاد میں یہ میراث نہ چلی۔ خدا نے سلیمانؑ ہی کو کیوں مخصوص کیا۔

اب رہا وراثتِ مالی کا معاملہ تو مانا کہ حضرت داؤدؑ کے کئی فرزند تھے اور میراث اُن سب ہی میں تقسیم ہونا چاہیئے تھی نہ کہ صرف حضرت سلیمانؑ کو ملتی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کئی اولادیں ہونے سے حقِ وراثت کی نفی تو نہیں ہوتی۔ کم ملے یا زیادہ وارث تو بہرحال وارث ہی رہتا ہے۔ اگر حضرت سلیمانؑ بقدر اپنے حصّہ ہی کے وارث تھے تو اس بنا پر انبیاءؑ میں وراثت کا سلسلہ تو ثابت ہو گیا۔ دوسرے یہ امر مسلم ہے کہ حضرت داؤدؑ کی سلطنت کو تمام بیٹوں پر کیوں نہ تقسیم کیا۔ چونکہ اس سلطنت پر نبوت کا سایہ بھی تھا لہٰذا یہ ورثہ اسی کو مل سکتا تھا جو معصوم ہو۔ چونکہ حضرت داؤدؑ کی اولاد میں صرف حضرت سلیمان

ہی معصوم تھے لہٰذا سلطنتِ حضرت داؤدؑ بنوت کے سایہ میں صرف حضرت سلیمانؑ ہی کی نگرانی میں رہ سکتی تھی۔ ممکن ہے حضرت داؤدؑ کی بقیہ اولاد کو بھی ان کے ترکہ سے از قسم مکانات و باغات و اراضیات حصّہ ملا ہو۔ لیکن سلطنت کے حقدار وہ نہیں ہو سکتے تھے۔ بہر حال نتیجہ یہ نکلا کہ انبیاءؑ میں وراثت تھی اور حضرت سلیمانؑ حضرت داؤدؑ کے مالی وارث تھے۔ جناب فاطمۃ الزہراؑ حضرت رسولِ خداؐ کی واحد وارث تھیں۔ اس میراث میں ان کا کوئی شریک نہ تھا۔ وہ معصوم تھیں۔ اگر حدیث معاشر الانبیاءؑ انہوں نے سُنی ہوتی تو وہ ضرور اس کی تصدیق کرتیں۔ کبھی صدقہ کھانا گوارا نہ کرتیں کیونکہ صدقہ آلِ محمدؐ پر حرام ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر مالی ترکہ حضرت سلیمانؑ کو نہیں ملا تھا تو یہ باپ کی سلطنت کے مالک کیسے ہو گئے۔ یہ سلطنت سب اولاد میں تقسیم کیوں نہ ہوئی اور اگر علم و حکمت کی وراثت مراد ہے تو اولادِ داؤدؑ میں یہ تقسیم برابر کیوں نہ ہوئی۔

ایک روایت ہے کہ حضرت داؤدؑ کے انیس ۱۹ بیٹے تھے ان میں سب سے زیادہ ذی علم حضرت سلیمانؑ تھے حضرت سلیمانؑ نے سو سال تک حکومت کی۔

اگر انبیاءؑ میں میراث کا قانون نہ تھا تو حضرت عبداللہ کی کنیز اُمّ ایمن بطور میراث حضرت کے حصّہ میں کیسے آئیں۔

وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ⑰
حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰۤاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا
مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ⑱
فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْۤ اَنْ اَشْكُرَ
نِعْمَتَكَ الَّتِيْۤ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا
تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ⑲ وَتَفَقَّدَ
الطَّيْرَ فَقَالَ مَالِيَ لَاۤ اَرَى الْهُدْهُدَ ۖ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ ⑳
لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗۤ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ
مُّبِيْنٍ ㉑

اور سلیمان کے سامنے ان کے لشکر میں جنّ انسان اور پرندے جمع کیے جاتے تھے اور پورے ضبط سے رکھے جاتے تھے یہاں تک کہ وادیٔ نمل سے گزر ہُوا ایک چیونٹی نے (اپنی قوم سے) کہا اے چیونٹیو! اپنے اپنے سوراخوں میں چلی جاؤ ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور ان کا لشکر تمہیں کچل ڈالے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔ اس کی بات سُن کر حضرت سلیمان مسکرائے اور فرمایا اے میرے رب مجھے توفیق عطا فرما کہ میں تیری اس نعمت کا شکر ادا کروں جو تُو نے مجھے اور میرے باپ کو عطا فرمائی ہے اور میں ایسے نیک عمل کروں جو تیری پسندیدگی کا باعث ہوں اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں داخل کر۔ سلیمان نے پرندوں کے لشکر کی حاضری لی تو (ہُدہُد غائب تھا) فرمایا یہ کیا بات ہے کہ میں ہُدہُد کو نہیں دیکھ رہا۔ اگر وہ واقعی کہیں غائب ہو گیا ہے تو میں اُسے سخت سزا دوں گا یا میں اُسے ذبح کر ڈالوں گا یا وہ (اپنی بے گناہی کی) کوئی روشن دلیل بیان کرے۔

لشکرِ حضرت سلیمانؑ کے متعلق مولانا فرمان علی صاحب نے اپنے مترجمہ قرآن کے حاشیہ پر لکھا ہے:

"حضرت سلیمانؑ کے لشکر کی تعداد تو معلوم نہیں لیکن ایک روایت ہے کہ آپؑ کا لشکر سو کوس میں رہتا تھا۔ پچیس کوس میں آدمی، پچیس کوس میں جنّات، پچیس کوس میں پرند اور پچیس کوس میں مویشی۔"

مـ قرآن میں لشکر سلیمانؑ کو انسان و جنّات و طیور پر مشتمل بیان کیا گیا ہے چوپاؤں کا کہیں کوئی ذکر نہیں ہے۔

جنّات کے متعلق بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ جنّات سے مراد انسانوں سے علیحدہ کوئی مخلوق نہیں ہے بلکہ وہ انسان ہی ہیں جو بہت موٹے تازے قدآور اور سرکش طبیعت کے ہوتے تھے۔ لیکن یہ قرآنی صراحت سے کھُلی ہوئی رُوگردانی ہے قرآن نے جا بجا جنّات کو انسانوں سے الگ ایک نوع ظاہر کیا ہے۔ اگر دونوں ایک ہی نوع کے ہوتے تو جنّات کا علیحدہ ذکر نہ کیا جاتا اور نہ یہ کہا جاتا يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ۔ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (سورہ رحمٰن ۵۵/۳۳) (تم دونوں "جنّ و انس" خدا کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے) شیطان کے متعلق کہا گیا كَانَ مِنَ الْجِنِّ (۱۸/۵۰۔ الکہف) (وہ جنّوں میں سے تھا)۔ انسان کی خلقت کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ وہ مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور جنّ کے لیے کہا گیا ہے وہ نار سے پیدا ہُوا ہے۔ پس جب دونوں کی طینت جدا ہے تو ان کی نوع ایک کیسے ہو سکتی ہے۔ اگر دونوں ایک ہی نوع کے ہوتے تو دونوں کی شرعی تکالیف بھی ایک ہی سی ہوتیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

وادیٔ نمل سے مراد چیونٹیوں کا میدان ہے جہاں بہ کثرت چیونٹیاں تھیں۔ جب حضرت سلیمانؑ گھوڑے پر سوار مع لشکر اُدھر سے گزرے تو ایک چیونٹی نے جو ان کی سردار تھی اپنی قوم سے کہا، تم سب اپنے اپنے سوراخوں میں چلی جاؤ ایسا نہ ہو کہ سلیمانؑ کا لشکر تمہیں کچل ڈالے۔

لوگوں کا کہنا ہے کہ چیونٹی کی آواز نہیں ہوتی۔ لیکن حسبِ نصِ صریح قرآنی ان کا بولنا ثابت ہے۔ اگر اس کی آواز ہوا کی موجوں میں جذب ہو کر رہ جاتی ہو تو اس کے یہ معنی نہیں کہ اس کی آواز ہی نہیں ہوتی۔ یہ کہنا بھی غلط ہے کہ اوّل تو چیونٹی کی آواز ہوتی ہی نہیں اور اگر ہوتی بھی ہو تو ایک کھلی وادی میں کیونکر ممکن تھا کہ وہ حضرت سلیمانؑ کے کانوں تک پہنچ جاتی اور حضرت سلیمانؑ اُسے سُن کر ہنس پڑے۔ ان لوگوں نے اپنے ناقص حواس پر انبیاءؑ کے کامل حواس کو قیاس کر لیا ہے۔ حضرات انبیاءؑ کے حواس ہمارے حواس سے جداگانہ ہوتے ہیں۔ دیکھو حضرت ابراہیمؑ نے جب حج کے لیے پکارا تو ان کی آواز ہر اُس انسان کے کانوں تک پہنچ گئی جو کسی بھی خطۂ ارض پر پایا جاتا تھا بلکہ اُن بچوں نے بھی سُن لی جو رحمِ مادر میں تھے بلکہ ان طفلوں نے بھی جو صلبِ آبا میں تھے۔ اسی طرح حضرت ابراہیمؑ نے زمین پر ہی سے ملکوت سموات و الارض کا معائنہ کر لیا۔ حضرت یعقوبؑ نے بُوئے پیراہن یوسفؑ کو سینکڑوں میل دُور سے سُونگھ لیا۔

الغرض جب چیونٹی کی یہ آواز حضرت سلیمانؑ کے کان میں پڑی تو آپؑ گھوڑے پر سے اُتر پڑے اور اُس چیونٹی کو جا پکڑا جو بولی تھی۔ یہ تھی ایک نبی کی قوتِ بصارت کہ ایک کھلے میدان میں چیونٹیوں کے دَل کے اندر اُسے پہچان کر پکڑ لیا درآنحالیکہ چیونٹیوں میں امتیاز نہیں ہوتا۔ پھر بے شمار چیونٹیوں کے اندر سے اُسے پکڑ لینا ایک نبی کے سوا دوسرے سے ممکن ہی نہیں۔ آپؑ نے اُسے ہتھیلی پر رکھ لیا اور فرمایا، تُو نے کیسے جانا کہ میرا لشکر تیرے لشکر کو کچل ڈالے گا۔ اُس نے کہا یا نبی اللہ اس تمام لشکر میں معصوم تو صرف آپ ہی ہیں باقی تو سب غیر معصوم ہیں اور غیر معصوم سے ہر امر ممکن ہے۔ آپؑ نے پوچھا، تیری پوزیشن اس قوم میں کیا ہے۔ اُس نے کہا جو کچھ بھی ہو مگر اس وقت تو میں آپ سے بہتر ہوں۔ آپ کی سواری ایک چوپایہ ہے اور میری سواری ایک نبی کا ہاتھ ہے۔ یہ سُن کر حضرت سلیمانؑ حیران رہ گئے۔

بعض مفسرین نے تو اس روایت کو تسلیم نہیں کیا اور مبالغہ آمیزی کہا ہے۔ ہمیں اس کی تحقیق میں پڑنا ضروری نہیں لیکن اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ چیونٹی کی آواز حضرت سلیمان نے خود سُنی تھی اور اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان کو ایسی قوتِ سماعت دی گئی جس پر اُنہوں نے خدا کی نعمتوں کا شکر ادا کیا اور ایسے اعمالِ صالحہ کے لیے دُعا کی جو خدا کو راضی کرنے والے ہوں۔ یہ دُعا بتا رہی ہے کہ حضرت سلیمانؑ کو یہ خوف پیدا ہوا کہ اتنی نعمتوں کے بعد کہیں میرے اندر غرور و تکبر پیدا نہ ہو جائے اور میرا قدم جادۂ اعتدال سے ہٹ نہ جائے۔ اس لیے دُعا کی کہ میرا کوئی عمل جادۂ اعتدال سے ہٹا ہوا نہ ہو۔

اس کے بعد ایک دوسرا قصہ شروع ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ جنابِ سلیمانؑ کا تخت ہوا میں اُڑا جا رہا تھا اور آپؑ کے سر پر پرندے سایہ کیے ہوئے تھے تو ایک گوشہ سے سورج کی کرن آپؑ پر پڑی۔ آپؑ نے نظر اُٹھا کر دیکھا تو ہُدہُد کو اپنے مقام پر نہ پایا۔ فرمایا، یہ کیا بات ہے کہ ہُدہُد کو میں اس کی جگہ پر نہیں پاتا۔ کہیں چھُپ گیا ہے یا یہاں سے کہیں اور چل دیا۔ اگر اپنی غیر حاضری کی کوئی معقول دلیل پیش نہ کی تو میں اسے سخت سزا دوں گا یا اُسے ذبح کر ڈالوں گا۔ مفسرین نے لکھا ہے اولا اذبحنّہٗ میں لا زائد ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہُدہُد کے لیے اتنی سخت سزا کیوں تجویز کی گئی وہ کسی جہاد سے تو فرار نہیں کر گیا تھا کسی کو

قتل کر کے تو نہیں بھاگا تھا۔ پھر ذبح سے اس کا کیا تعلق تھا۔ جواب یہ ہے کہ نبی کے حکم سے انحراف کسی صورت میں ہر زمانہ میں شرعاً مستوجبِ قتل بنا دیتا تھا۔ اطاعتِ رسول اطاعتِ مطلقہ ہے۔ کسی زمانہ میں کیوں نہ ہو اور کسی صورت میں کیوں نہ ہو۔

ہُدہُد ایک چھوٹی سی چڑیا ہے اس کے پروں کا سایہ ہی کیا، مگر یہ ایک نبی کا احساس تھا کہ ذرا سی خالی جگہ سے جو کرن پڑی تو فوراً اُوپر کو نگاہ اُٹھ گئی اور سمجھ لیا کہ اُس جگہ پر رہنا ہُدہُد کی ڈیوٹی تھی۔ بغیر اجازت کے وہ اپنی ڈیوٹی پر سے غائب ہو کیوں گیا۔ خدا کی طرف سے انبیاءؑ کا احترام یہ ہے کہ ان کی اجازت کے بغیر فوج کا کوئی فرد اپنی جگہ سے ہٹ نہیں سکتا۔

فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ
سَبَاٍ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ (۲۲) اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ
شَيْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ (۲۳) وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ
لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ
السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ (۲۴) اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ
فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ (۲۵) اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ
اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ (۲۶) السجدة قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ السجدة
مِنَ الْكٰذِبِيْنَ (۲۷)

غرض سلیمان نے تھوڑی دیر انتظار کیا (کہ ہُدہُد آ گیا) عرض کی مجھے وہ بات معلوم ہوئی ہے جو اب تک حضور کو بھی معلوم نہیں۔ میں آپ کے پاس شہرِ سبا سے ایک تحقیقی خبر لے کر آیا ہوں۔ میں نے وہاں ایک عورت کو دیکھا جو وہاں کے لوگوں پر سلطنت کرتی ہے اور اسے دُنیا کی ہر شئے عطا کی گئی ہے

اس کا ایک بہت بڑا تخت ہے میں نے خود ملکہ کو اور اس کی قوم کو دیکھا کہ وہ (خدا کو چھوڑ کر) آفتاب کو سجدہ کرتے ہیں اور شیطان نے اُن کے کرتُوتوں کو اُن کی نظر میں اچھا کر دکھایا ہے اور ان کو راہِ راست سے روک رکھا ہے اور انہیں اتنی سی بات نہیں سُوجھتی کہ وہ اُس خدا ہی کو سجدہ کیوں نہیں کرتے جو آسمان و زمین کے پوشیدہ باتوں کو ظاہر کر دیتا ہے اور ہم لوگ جو چھُپا کر یا ظاہر میں کرتے ہیں وہ ان سب باتوں کو جانتا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبُود نہیں وُہ ہی تو بڑے عرش کا مالک ہے۔ سلیمان نے کہا (اچھا) ہم بھی دیکھتے ہیں کہ تُو نے سچ سچ بیان کیا ہے یا تُو جھُوٹا ہے۔

شہرِ سبا یمن سے تقریباً سو میل دُور تھا جس پر حضرت سلیمانؑ کے زمانہ میں بلقیس بنت شراجیل کی حکومت تھی۔

ہُدہُد کا سلیمانؑ جیسے جلیل القدر بادشاہ سے یہ کہنا کہ میں وُہ جانتا ہوں جس کا آپؑ کو علم نہیں بظاہر ایک گستاخانہ کلام تھا لیکن چونکہ وہاں کے واقعات کو ہُدہُد چشم دید بیان کر رہا تھا اس لیے حضرت سلیمانؑ خاموش رہے ورنہ ان کو یہ معلوم تھا کہ شہرِ سبا فلاں جگہ ہے اور فلاں قوم اس میں آباد ہے لیکن اُس وقت کے جو حالات ان تک نہیں پہنچے تھے، ہُدہُد ان کو آنکھوں سے دیکھ کر آیا تھا۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت سلیمانؑ کو اس مُلک کا تو پتہ تھا لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ وُہ آفتاب پرست ہیں اور ان کی حکمران ایک عورت ہے یا اس کا تخت بہت بڑا ہے۔ ہُدہُد یہی کہہ رہا تھا کہ جن باتوں کا علم آپؑ کو نہیں وہ مجھے معلوم ہیں یعنی میں بچشمِ خود دیکھ کر آیا ہوں۔

مفسرین نے الا یسجد واللہ الذی الخ کو بھی ہُدہُد کے کلام میں شامل کر لیا ہے لیکن یہ غلط ہے اس کا کلام لا یھتدون پر ختم ہوگیا۔ آگے جو کچھ ہے وہ اللہ کا کلام ہے۔

جو خبر ہُدہُد نے بیان کی تھی اس کا جانچنا ضروری تھا کہ سچ بیان کر رہا ہے یا جھُوٹ۔

بلقیس کے تخت کے متعلق بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ لمبائی چوڑائی اور اُونچائی میں تیس تیس گز تھا۔ جا بجا قیمتی جواہرات جڑے ہوئے تھے اس کے اوپر کے حصّہ میں سات خانے تھے جن میں بڑے بڑے موتی لٹکتے تھے۔ اس کے چاروں پائے یاقوت و زمرد و پکھراج و موتی کے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اِذْهَبْ بِّكِتٰبِیْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَیْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا
یَرْجِعُوْنَ (۲۸) قَالَتْ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّیْۤ اُلْقِیَ اِلَیَّ كِتٰبٌ كَرِیْمٌ (۲۹) اِنَّهٗ
مِنْ سُلَیْمٰنَ وَ اِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ (۳۰) اَلَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ
وَ اْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ ع (۳۱) قَالَتْ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِیْ فِیْۤ اَمْرِیْ ج ع ۲ ۱۷

مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ (۳۲)

(حضرت سلیمان نے کہا) میرا یہ خط لے جا اور اُن کے پاس ڈال کر پھر ان کے پاس سے ہٹ جانا۔ پھر دیکھتے رہنا کہ آخر وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ (جب خط بلقیس کو ملا تو) اُس نے کہا اے میرے سردارو، ایک واجب الاحترام خط میرے پاس ڈالا گیا ہے (جس میں لکھا ہے) یہ خط سلیمان کی طرف سے ہے (اس کا سرنامہ ہے) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (مضمون یہ ہے) مجھ سے سرکشی نہ کرو اور میرے سامنے فرمانبردار بن کر حاضر ہو جاؤ۔ اُس نے کہا، اے میرے سردارو، اس معاملہ میں اپنی رائے مجھ پر ظاہر کرو (کیونکہ میرا قاعدہ ہے کہ) جب تک تم میرے سامنے موجود ہو (اور اپنی رائے نہ دو) میں کسی امر کا (بطورِ خود) فیصلہ نہیں کیا کرتی۔

بلقیس جبکہ محوِ خواب تھی یہ خط ہُدہُد نے ایک روشن دان سے محل کے اندر داخل ہو کر اس کے سینہ پر رکھ دیا۔ جب وہ بیدار ہوئی اور خط کو سینہ پر رکھا دیکھا تو سخت پریشان ہوئی کہ یہ کہاں سے آگیا۔ کھولا اور مضمونِ خط سے آگاہ ہوئی، تو اپنے درباریوں کو بُلا کر کہا، ایسا ایسا خط میرے پاس آیا ہے معلوم ہوتا ہے کسی عظیم الشّان بادشاہ کا خط ہے کیونکہ اس کی عظمت کا ایک نشان تو یہی ہے کہ پرندے اس کے تابع فرمان ہیں۔ دُوسرے اُس کی عظمت کا میرے دل پر بڑا گہرا اثر پڑا ہے۔

حضرت سلیمانؑ کی سلطنت کا زمانہ تقریباً گیارہ ہزار سال قبل مسیح تھا۔ اُس وقت بھی کسی تحریر یا تقریر کا آغاز بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے کیا جاتا تھا۔ یعنی اُس وقت کی زبان میں بھی عربی کے یہ الفاظِ پاک بدستور بولے جاتے تھے۔ اس بسم اللہ کا اثر تھا کہ حضرت سلیمانؑ کے خط سے بلقیس خوفزدہ ہوگئی۔ حضرت سلیمانؑ کا خط بہت مختصر تھا یعنی کُل دو باتیں تھیں ایک یہ کہ سرکشی اختیار نہ کرو۔ دوسرے یہ کہ چُپ چاپ فرمانبردار بن کر چلی آؤ۔

قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّ اُولُوْا بَاْسٍ شَدِیْدٍ ﻻ وَّ الْاَمْرُ اِلَیْكِ فَانْظُرِیْ
مَاذَا تَاْمُرِیْنَ (۳۳) قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْیَةً اَفْسَدُوْهَا وَ
جَعَلُوْۤا اَعِزَّةَ اَهْلِهَاۤ اَذِلَّةً ج وَ كَذٰلِكَ یَفْعَلُوْنَ (۳۴) وَ اِنِّیْ مُرْسِلَةٌ
اِلَیْهِمْ بِهَدِیَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ یَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ (۳۵)

سرداروں نے کہا ہم بڑے زور دار اور لڑاکا لوگ ہیں (ہم اس سے مقابلہ کرنے کو تیار ہیں) آگے ہر امر کا آپ کو اختیار ہے (آپ جو حکم دیں) اس کے انجام پر آپ خود ہی غور کر لیں۔ بلقیس نے کہا بادشاہوں کا یہ قاعدہ ہے کہ جب فاتحانہ انداز سے کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کے عزت دار باشندوں کو ذلیل کرتے ہیں اس کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں اور یہی کیا کرتے ہیں۔ میں ان کے پاس کچھ تحفے بھیج رہی ہوں اور دیکھتی ہوں کہ ایلچی لوگ کیا جواب لاتے ہیں۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ جو تحفے بھیجے تھے وہ یہ تھے:

خوبصورت غلام زنانہ لباس میں، طلائی زیوروں اور قیمتی لباس سے آراستہ پانسو لونڈیاں مردانہ لباس میں، سنہری جڑاؤ زین کے گھوڑے پر سوار، ایک ہزار سونے چاندی کی اینٹیں، ایک ہزار عربی گھوڑے جڑاؤ زین کے۔ ان کے ساتھ ایک جڑاؤ تاج اور ناسفتہ موتیوں کے ڈبے تھے۔ یہ سب سامان منذر بن عمرو کے ساتھ روانہ کیا گیا۔ امتحان یہ تھا کہ اگر دنیوی بادشاہ ہیں تو لے لیں گے ورنہ واپس کر دیں گے۔ اور یہ بھی پہچان لیں گے کہ لونڈی کون ہے اور غلام کون اور ناسفتہ موتیوں میں کسی ایسی چیز سے سوراخ کرا دیں گے جو نوعِ جن و انس سے نہ ہوگی۔

ہُدہُد نے ان لوگوں کے پہنچنے سے پہلے ہی آکر حضرت سلیمانؑ کو خبر کر دی کہ بڑا سامان آرہا ہے تو آپ نے بھی اپنے دربار کی آراستگی کا حکم دیا اور وہ یوں مرتب ہوا کہ سات کوس کے طولانی میدان میں چاندی سونے کی اینٹیں بچھیں اس پر موتی اور یاقوت کا جڑاؤ فرش بچھا۔ اعلیٰ گھوڑے مختلف رنگوں کے جڑاؤ زین سے سجے ہوئے منگائے گئے۔ جو دن منذر کے آنے کا تھا اس روز بیچ میں تختِ شاہی رکھا گیا۔ اس پر چار ہزار طلائی و نقرئی کرسیاں بچھائی گئیں۔ وزراؑ و علماؑ ان پر بٹھائے گئے۔ سب سے آگے آدمی ان کے بعد دیو پھر درندوں اور چوپاؤں کے لشکر صف بہ صف کھڑے ہوئے پھر پرندوں نے اپنے پروں کا سایہ کیا۔ غرض اس شان سے حضرت سلیمانؑ جلوہ فرما ہوئے۔ جب منذر آیا تو یہ سامان دیکھ کر اپنے تحفوں پر سخت نادم ہوا۔ پھر آپؑ نے سب سوالوں کے جواب دیئے۔ دیمک سے موتی میں سوراخ کرایا۔ لونڈیوں اور غلاموں کو پہچانا اور سب تحفے واپس کر دیئے۔

اُوپر کی دونوں روایتیں مبالغہ آمیزی کے ساتھ لکھی گئی ہیں۔ حضرت سلیمانؑ اگرچہ بادشاہ تھے مگر اس کے ساتھ نبی بھی تھے۔ ان کی بادشاہت نبوت کے سایہ میں جلوہ نما تھی۔ انہوں نے جو خط بلقیس کو لکھا تھا اس سے مقصد اس کو مسلمان بنانا تھا نہ کہ اپنی بادشاہت کا کرّ و فر دکھانا۔ اگر بادشاہت کا طمطراق دکھانا ہوتا تو جو خط سادہ طریقہ سے بھیجا گیا تھا وہ بڑے ٹھاٹ باٹ کے ساتھ بھیجا جاتا مگر انہوں نے ایسا نہ کیا ایک سادہ پرچہ پہ دو لفظ لکھ کر ہُدہُد کی چونچ میں دے دیئے تھے۔ اس سادہ خط کا جو نبوت کی شان لیے ہوئے تھا بلقیس کے دل پر گہرا اثر ہوا۔ پس اس طرح اگر بلقیس نے تحفے بھیجے تھے تو انہیں اپنی شان دکھانی تھی نہ کہ سات کوس تک سونے چاندی کے جڑاؤ فرش پر چار ہزار نقرئی و طلائی کرسیاں بچھانے کی۔ کیا بلقیس کے وفد کو کوسوں سیر کرانا مقصود تھا یا صرف اپنے دربار کی شان دکھانی تھی۔ ایک نبی ایسی باتوں کو

پسند نہیں کر سکتا۔ تاریخِ اسلام میں یہ واقعہ ہماری نظر کے سامنے آتا ہے کہ بادشاہِ رُوم کا وفد زرق برق لباس میں جب مدینہ منورہ آیا اور اس کی پیشی سرکارِ دو عالم کے سامنے ہوئی تو آپؐ اس وقت زمین پر صحابہ کے مجمع میں بیٹھے ہوئے تھے اس سادگی کا یہ اثر ہوا کہ وہ سب مسلمان ہو گئے اور اس کا اقرار کیا کہ خدا کے اور بندوں کے بنائے ہوئے بادشاہوں میں بڑا فرق ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا واقعات افسانہ نویسوں کے خود ساختہ واقعات ہیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں

فَلَمَّا جَآءَ سُلَیْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ٘ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَیْرٌ مِّمَّآ
اٰتٰىكُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِیَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ﴿۳۶﴾ اِرْجِعْ اِلَیْهِمْ فَلَنَاْ
تِیَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ
صٰغِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ قَالَ یٰٓاَیُّهَا الْمَلَؤُا اَیُّكُمْ یَاْتِیْنِیْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ
یَّاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ عِفْرِیْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ
اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّیْ عَلَیْهِ لَقَوِیٌّ اَمِیْنٌ ﴿۳۹﴾ قَالَ الَّذِیْ
عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ ؕ
فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ ۖ لِیَبْلُوَنِیْٓ ءَاَشْكُرُ
اَمْ اَكْفُرُ ؕ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا یَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّیْ
غَنِیٌّ كَرِیْمٌ ﴿۴۰﴾

جب منذر سلیمان کے پاس آیا (اور تحفے پیش کیے) تو آپ نے فرمایا کیا تم مجھے مال میں مدد دینے کے لئے

جو کچھ مجھے اللہ نے دیا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہے جو تم لائے ہو۔ ان اپنے تحفوں سے تم لوگ ہی خوش رہا کرو۔ تم ان کے پاس پلٹ کر جاؤ (اور کہہ دینا) ہم ایسا لشکر لے کر آ رہے ہیں جس کا اُن سے مقابلہ ہو نہ سکے گا۔ ہم شہر سے ان کو ذلیل و خوار کر کے نکال دیں گے اور وہ رسوا ہوں گے (اس کے بعد) آپ نے اپنے درباریوں سے فرمایا، تم میں کون ایسا ہے کہ بلقیس کا تخت اس سے پہلے اُٹھا لائے کہ وہ میرے پاس فرمانبردار بن کر آئے۔ گروہِ جن میں سے ایک دیو نے کہا، آپ کے دربار برخاست کرنے سے پہلے میں اس کو لا کر حاضر کر دوں گا۔ اور یقیناً میں اس پر قابو رکھتا ہوں اور ذمہ دار ہوں۔ جس کے پاس کتاب خدا کا تھوڑا سا علم تھا (آصف برخیا وزیر سلیمان) اُس نے کہا میں آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے لائے دیتا ہوں جب حضرت سلیمان نے اس کو اپنے سامنے رکھا ہوا پایا تو فرمایا، یہ میرے رب کا فضل ہے تاکہ مجھے آزمائے کہ آیا میں شکر بجا لاتا ہوں یا کفر اختیار کرتا ہوں اور جو شکر گزار ہوگا وہ اپنی ذات کے لیے ہوگا اور جو کفر کرے گا تو میرا رب بے پرواہ ہے اور سخی ہے۔

جب ملکہ بلقیس کا وفد شہر سبا میں پہنچا اور ملکہ سے حضرت سلیمانؑ کے حالات بیان کیے تو وہ سمجھ گئی کہ یہ صرف بادشاہ ہی نہیں ہیں بلکہ بالیقین خدا کے نمایندہ بھی ہیں۔ لہٰذا اس نے حضرت سلیمانؑ کے لشکر بھیجنے سے پہلے ہی مع اپنے تمام لاؤ لشکر اور ساز و سامان کے وہاں سے کوچ کیا تاکہ بیت المقدس میں خود حضرت سلیمانؑ کے سامنے جا کر اپنے اسلام کو ظاہر کرے۔ ابھی بیت المقدس سے فاصلہ پر تھی کہ حضرت سلیمانؑ نے اپنے درباریوں سے اس کے تخت کو اُٹھا لانے کے لیے فرمایا۔

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ حضرت سلیمانؑ اس تخت کو اپنے قبضہ میں لینا چاہتے تھے اگر وہ آ جاتی تو پھر ان کو اس کے لینے کا کوئی حق نہ رہتا کیونکہ وہ مسلمان ہو جاتی۔ اسلام لانے سے پہلے کافرہ کے مال پر ان کو قبضہ کر لینے کا حق تھا۔ لاحول ولا قوۃ ایک نبی کے دل میں ایسا حریصانہ خیال کبھی نہیں آ سکتا تھا۔ اُن کے پاس کیا کم تھا جو تخت کا لالچ کرتے بلکہ وہ بلقیس کو نبوّت کا معجزہ دکھانا چاہتے تھے تاکہ خدا کی قدرت کا ایک گہرا نقش اس کے دل پر بیٹھ جائے۔

جس شخص نے کہا تھا کہ میں طرفۃ العین میں ملکہ کو مع تخت حاضر کیے دیتا ہوں وہ حضرت سلیمانؑ کے وزیر آصف برخیا تھے جن کو حضرت سلیمانؑ نے اسمِ اعظم کی تعلیم دی تھی اور کتابِ خدا کا کچھ علم بھی رکھتے تھے اس لیے ان کے اندر وہ قوت پیدا ہو گئی تھی کہ ان کے اشارہ کرتے ہی زمین سمٹ آئی اور تخت ان کے سامنے رکھا گیا۔

آیت میں عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ ہے یعنی کتاب کے بعض حصوں کا ان کو علم تھا پوری کتاب کا نہیں مِن الکتاب ہے جس کے معنی بعض کے ہیں۔ پس کون اندازہ کر سکتا ہے اس شخص کی طاقت اور قوت اور تصرف فی العالم کا جس کے پاس پوری کتاب کا علم ہو۔ آیہ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ۔ (۱۳ - ۴۳) الرعد

(اے رسول) تم کہدو کہ میرے اور تمہارے درمیان گواہی کو ایک تو اللہ کافی ہے دوسرا وہ شخص جس کے پاس کل کتاب کا علم ہے۔" متعصب مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے مراد عبداللہ بن سلام ہیں جو یہودی سے مسلمان ہوئے تھے اور جو کتاب توریت کے عالم تھے۔ لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ یہ سورۂ مکی کی آیت ہے اور عبداللہ بن سلام مدینہ میں اسلام لائے تھے۔ دوسرے گواہی تو اس شخص سے دلوائی گئی ہے جو قرآن کا علم رکھتا تھا تاکہ یہ تصدیق ہو کہ یہ کتاب خدا کی نازل کی ہوئی ہے نہ کہ ایک نو مسلم کی جو قرآن کی تعلیم سے ابھی واقف بھی نہ ہوا تھا۔ اگر کہا جائے کہ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ طرفۃ العین میں وہ تخت کیسے آ گیا تو میں کہتا ہوں کہ معجزہ تو وہی ہوتا ہے جو کسی کی سمجھ میں نہ آئے۔ اگر سمجھ میں آ جائے تو پھر وہ معجزہ ہی نہیں۔ کیا موسیٰؑ کے لیے عصا کا اژدہا بن جانا اور عیسیٰؑ کا مٹی سے پرندہ بنا کر اُڑا دینا حضرت رسولِ خداؐ کے دستِ مبارک پر سنگریزوں کا تسبیح کرنا سمجھ میں آتا ہے؟ تو اس کے سمجھ میں نہ آنے سے کیوں بلبلایا جائے۔

جو لوگ جنات کو انسانوں ہی میں شمار کرتے ہیں وہ بتائیں کیا ایک انسان میں اتنی طاقت ہو سکتی ہے کہ وہ دعویٰ کرے کہ میں دربار برخاست ہونے سے پہلے تخت کو لا رکھوں گا۔ دربار زیادہ سے زیادہ دو تین گھنٹے میں برخاست ہو جاتا۔ بلقیس کا دارالسلطنت بیت المقدس سے ہزار ڈیڑھ ہزار میل دُور تھا۔ کیا سوائے جن کے کسی انسان میں یہ طاقت ہو سکتی ہے کہ وہ ایک عظیم الشان تخت اتنی دُور سے سر پر رکھ کر لے آئے اور اتنی جلد اُٹھا لائے۔

قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْٓ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا
يَهْتَدُوْنَ ㊶ فَلَمَّا جَآءَتْ قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ؕ قَالَتْ كَاَنَّهٗ
هُوَ ج وَاُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ ㊷ وَصَدَّهَا مَا
كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ㊸ قِيْلَ لَهَا
ادْخُلِي الصَّرْحَ ج فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ؕ
قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ؕ قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ
وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ㊹ ع

۳ ع ۱۸

فرمایا اس کے تخت میں اس کی عقل کے امتحان کے لیے تغیر کر دو تاکہ ہم سمجھ لیں کہ سمجھ رکھتی ہے یا اُن لوگوں

میں سے ہے جو نہیں سمجھتے۔ جب بلقیس سلیمان کے پاس آئی تو پوچھا گیا کہ یہ تمہارا تخت ویسا ہی ہے اُس نے کہا گویا یہ وہی ہے۔ ہم کو تو پہلے ہی آپ کی نبوّت کا علم ہو گیا تھا اور ہم تو آپ کے پہلے ہی فرمانبردار تھے۔ پس سلیمان نے جسے وہ پہلے پوجتی تھی اُس کی عبادت سے روک دیا، کیونکہ وہ کافر قوم کی تھی۔ پھر اس سے کہا گیا کہ اب آپ محل میں چلئے۔ جب اُس نے محل میں شیشہ کا فرش دیکھا تو اُسے گہرا پانی سمجھا اور گزرنے کے لیے اس طرح اپنے دونوں پائنچے اُٹھائے کہ دونوں پنڈلیاں کھول دیں حضرت سلیمان نے کہا (تم ڈرو نہیں) یہ پانی نہیں ہے محل ہے جو شیشوں سے منڈھا ہوا ہے۔ اُس نے کہا پروردگارا میں نے (سورج کو پوج کر) اپنے اوپر ظلم کیا تھا، اب میں سلیمان کے ساتھ سارے جہان کے پالنے والے خدا پر ایمان لاتی ہوں۔

بلقیس کے آنے سے پہلے قوم جن کو یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ اگر سلیمان نے اس سے شادی کر لی تو ایک عورت ہم پر حکومت کرے گی۔ لہٰذا انہوں نے مشہور کر دیا کہ وہ بے عقل ہے دوسرے نیچے کے حصّہ پر کمر سے لے کر پیروں تک ریچھ کے سے بال ہیں۔ مقصد یہ تھا کہ حضرت سلیمانؑ کا دل اس کی طرف سے بہل جائے۔ جب وہ آ گئی تو ان دونوں باتوں کا امتحان لینا ضروری ہو گیا۔ سب سے پہلے عقل کا امتحان کرنا تھا

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ تخت بلقیس کے آنے سے پہلے دربارِ سلیمانؑ میں پہنچ گیا تھا۔ اور اس کے آنے سے پہلے آپؑ نے تخت میں تبدیلی کا حکم دے دیا تھا۔ چنانچہ اس کے پہنچنے تک اس میں تبدیلی کر دی گئی تھی۔ جب وہ آئی تو تخت اُس کو دکھایا گیا۔ اُس نے کہا گویا یہ وہی ہے۔ اس طریقہ سے اس کی عقل کا امتحان ہو گیا۔ اب رہا ٹانگوں پر بالوں کا امتحان تو اس کی تدبیر بھی پہلے سے کر لی گئی کہ شیشہ کے فرش کے نیچے پانی چھوڑ دیا گیا تھا اور بر دلیتے اس میں مچھلیاں بھی ڈال دی گئی تھیں۔ جب وہ محل میں داخل ہوئی اور یہ سماں دیکھا تو پانی خیال کر کے دونوں پائنچے اُٹھا لیے۔ حضرت سلیمانؑ نے دیکھ لیا کہ دونوں پنڈلیاں صاف ہیں۔ چونکہ آپؑ ایک نامحرم عورت کی پنڈلیاں کھول کر نہیں دیکھ سکتے تھے اس لیے یہ عمل کیا گیا۔ اس کے بعد حضرت سلیمانؑ نے اس کے مسلمان ہونے کے بعد اس سے نکاح کر لیا۔ اور اُس کے مُلک کو اُسے واپس کر دیا بلکہ اُسی کو بخش دیا۔ ہر مہینہ خود اُس کے پاس جایا کرتے تھے۔ بلقیس کے بطن سے کئی اولادیں ہوئیں۔ اس واقعہ میں سبق آموز بات یہ ہے کہ ایک عورت کی دانائی نے کس طرح اپنے ملک کو بھی تباہی سے بچا لیا اور اپنے کو بھی رسوائی سے محفوظ رکھا۔ اگر غرورِ سلطنت میں آ کر اور درباریوں کی رائے پر عمل کر کے لڑتی تو سب کچھ کھو بیٹھتی اور قیدیوں کی صورت میں سلیمانؑ کے سامنے پیش ہوتی۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ

فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ (۴۵) قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ج لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (۴۶) قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ط قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ (۴۷) وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ (۴۸) قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ (۴۹) وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ (۵۰)

ہم نے قومِ ثمود کی طرف اُن کے بھائی صالح کو بھیجا۔ اُنہوں نے کہا، اللہ کی عبادت کرو۔ حضرت صالح کے آتے ہی (اُن کی قوم کے) دو فریق بن کر باہم جھگڑنے لگے۔ صالح نے کہا، اے میری قوم (آخر) تم لوگ بھلائی سے پہلے بُرائی کی طرف جانے کی کیوں جلدی کر رہے ہو۔ تم خدا سے توبہ اور استغفار کیوں نہیں کرتے تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ وُہ بولے ہم نے تو تم سے اور تمہارے ساتھیوں سے بُرا شگون پایا ہے۔ صالح نے کہا، تمہاری بدقسمتی خدا کے پاس ہے (یہ بات نہیں جو تم سمجھتے ہو) بلکہ تم لوگوں کی آزمائش کی جا رہی ہے۔ اور اس شہر میں نو۹ آدمی تھے جو مُلک میں بانیٔ فساد بنے ہوئے تھے اور اصلاح کا ذکر نہ کرتے تھے۔ ان لوگوں نے آپس میں کہا باہم خدا کی قسم کھاؤ کہ ہم صالح اور اس کے لڑکے بالوں پر شب خون ماریں گے۔ اس کے بعد (صالح کے) وارثوں سے کہہ دیں گے کہ ہم لوگ ان کے ہلاک ہوتے وقت موجود ہی نہ تھے۔ ہم لوگ تو یقیناً سچے ہیں۔

ان لوگوں نے ایک تدبیر کی، ہم نے بھی ایک تدبیر کی۔ ہماری تدبیر کی اُن کو خبر بھی نہ ہوئی۔

حضرت صالحؑ چونکہ قوم کو بداعمالیوں پر ہمیشہ ٹوکتے رہتے تھے لہٰذا وہ ان کے سخت دشمن ہو گئے کہتے تھے ہم سب پر تمہاری نحوست چھا گئی ہے۔ جب اونٹنی کی کونچیں کاٹ دی گئیں تو حضرت صالحؑ نے اُن کو عذاب کی خبر دی۔ اس سے ان کا غصہ اور زیادہ ہو گیا۔ اس قوم میں نو آدمی سب سے زیادہ سرکش تھے۔ حضرت صالحؑ نے پہاڑ کے ایک غار میں مسجد بنائی تھی وہیں مع بال بچّوں کے رہتے تھے۔ جب انہوں نے قوم کو یہ خبر سنائی کہ تین دن کے اندر تم پر عذاب نازل ہو جائے گا تو ان نو آدمیوں نے آپس میں قسم کھا کر عہد کیا کہ وہ رات کو حملہ کر کے صالحؑ اور ان کے بال بچّوں کا صفایا کر دیں گے۔ اگر ان کے قبیلہ کے لوگ پوچھ گچھ کریں گے تو صاف کہہ دیں گے کہ ہمیں کچھ خبر نہیں ایسا کس نے کیا۔ خدا کہتا ہے اُنہوں نے بھی تدبیر کی اور ہم نے بھی کی جس کی اُنہیں خبر نہ ہوئی یعنی ہمارا عذاب اُن پر آ گیا۔

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَ قَوْمَهُمْ
اَجْمَعِيْنَ (۵۱) فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا ؕ اِنَّ فِيْ
ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ (۵۲) وَ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا
يَتَّقُوْنَ (۵۳) وَ لُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَ
اَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ (۵۴) اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ
النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ (۵۵)

(اے رسول) دیکھو اُن کے مکر کا انجام کیا ہوا۔ ہم نے اُن کو اور اُن کی ساری قوم کو ہلاک کر ڈالا جنہوں نے ظلم کیا تھا یہ اُن کے خالی گھر پڑے ہوئے ہیں۔ جاننے والے لوگوں کیلیے اس میں عبرت ہے۔ اور لُوط کا قصّہ یہ ہے کہ جب اُنھوں نے اپنی قوم سے کہا، کیا تم بدکاری پر آمادہ ہو گئے ہو حالانکہ تم جان بُوجھ کر ایسا

کر رہے ہو۔ تم عورتوں کو چھوڑ کر مَردوں سے اپنی شہوت کی آگ بُجھاتے ہو۔ بلکہ تم جہالت سے بھری ہوئی قوم ہو۔

ـہ ان کا قصہ پہلے گزر چکا ہے۔

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْۤا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ
اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ (۵۶) فَاَنْجَيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۫
قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ (۵۷) وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ
الْمُنْذَرِيْنَ (۵۸) قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ؕ
آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ (۵۹)

ان کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ لُوط خاندان کو اپنی بستی سے نکال دو۔ یہی تو سب سے زیادہ پاک و پاکیزہ لوگ بنتے ہیں۔ پس ہم نے لوط اور اس کے خاندان کو سوائے اس کی بی بی کے بچا لیا اور اس کی بی بی کو پیچھے رہ جانے والوں میں سے قرار دیا تھا اور ان پر پتھروں کا مینہ برسایا اور اُن لوگوں پر جنہیں ڈرایا گیا تھا کیسا بُرا مینہ برسا۔ اے رسول، کہو حمد اللہ ہی کے لیے ہے اور سلام ہو خدا کے برگزیدہ بندوں پر اور اللہ بہتر ہے ہر اُس چیز سے جسے لوگ خدا کا شریک قرار دیتے ہیں۔

○

أَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ۗ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ۝٦٠ أَمَّنْ جَعَلَ الْأَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ أَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ۗ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝٦١ أَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْأَرْضِ ۗ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۚ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝٦٢

اور وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے تمہارے لیے مینہ برسایا پھر اس مینہ سے خوشنما باغ اُگائے۔ تمہارے بس کی یہ بات نہ تھی کہ تم درختوں کو (باغوں میں) اُگا سکتے تو پھر اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی معبود ہے (ہرگز نہیں) بلکہ یہ خود (اپنے جی سے گھڑھ کے بُتوں کو) اس کے برابر بناتے ہیں۔ کون ہے جس نے زمین کو جائے قرار بنایا اور اس میں نہریں بہائیں اور اس کی مضبوطی کے لیے پہاڑ بنائے اور دو دریاؤں کے درمیان ایک روک بنائی (کہ میٹھا پانی کھاری سے نہ ملے) کیا خدا کے سوا کوئی اور معبود ہے لیکن اکثر لوگ اس بات کو نہیں سمجھتے۔ کون ہے جو دُکھیا انسان کی دُعا کو سُنتا ہے جب وہ اُسے پکارتا ہے اور تکلیف کو اس سے دُور کر دیتا ہے۔ وُہ وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں اپنا نائب بنایا۔ کیا خدا کے سوا کوئی اور بھی معبود ہے۔ اس پر بھی تم لوگ بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔

جو مشرکین خدا کو چھوڑ کر دوسری چیزوں کو اپنا معبود بنا بیٹھے ہیں اس سورہ میں ان سے پوچھا جا رہا ہے کہ آسمانوں اور زمین کا بنانے والا بتاؤ کون ہے کیا کسی میں یہ طاقت ہے کہ ایسی مخلوق بنا سکے اور جس نظام کے

سانھ دُنیا چل رہی ہے اُسے برقرار رکھ سکے۔ اس پر غور نہیں کرتے کہ بنانے والے نے یہ تمام نظام کس حکمت سے بنایا ہے کہ لاکھوں برس سے چل رہا ہے اور اس میں کہیں تبدیلی کی ضرورت نہیں پیدا ہوئی۔ وہی آسمان ہے وہی زمین وہی چاند سورج وہی رنگ وہی بلندی وہی خصوصیات وہی حالات۔ تمہارے سروں پر کیسے خوشنما رنگ کا ایک سائبان تنا ہوا ہے۔ نہ جلتا ہے نہ پھٹتا ہے نہ گردشِ ایام سے کہنہ ہوتا ہے۔ نہ اُونچا ہوتا ہے نہ نیچا۔ نہ اُس کا کوئی ٹکڑا تمہارے سروں پر گرتا ہے۔ اسی طرح زمین بھی اپنی حالت پر قائم ہے نہ زیادہ گرم نہ زیادہ ٹھنڈی۔ تمہاری فطرت کے لحاظ سے ہر شے مناسب ہے۔ چوڑی چکلی مسطح، بڑے مزہ سے اس پر چلو پھرو سیر سپاٹا کرو۔ آسمان اور زمین کے درمیان کئی میل تک ایک ہوا کا کُرّہ رکھ دیا گیا تاکہ کروڑوں شہابِ ثاقب (شوٹنگ اسٹار) جو چکر لگا رہے ہیں وہ اس میں ٹکرا کر آگ کے شعلے نکالتے ہیں تو ان کو ہمارے سروں پر گرنے سے روکے اور اس ہوائی کُرّہ سے ستاروں اور سیاروں کی شعاعیں ہم تک پہنچتی ہیں یعنی چھَن چھَن کر زمین تک آتی ہیں تاکہ ہماری فطرت کے مناسب حال بنی رہیں اسی کرہ میں پرندے اُڑتے پھرتے ہیں۔ بتاؤ اگر اس نظامِ قدرت میں کوئی گڑبڑ ہو جائے تو کیا ہم زندہ رہ سکتے ہیں یہ سب نظام خدا ہی تو اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے سنبھالے ہوئے ہے۔ اگر اس کے سوا کوئی اور خدا ہوتا تو وہ ضرور اس نظام کو بدلنے کی کوشش کرتا۔

خدا فرماتا ہے پھر ذرا اس پر بھی غور کرو ہم کیسی حکمت کے ساتھ سورج کی کرنوں کے ذریعے زمین کا پانی اُٹھا اُوپر لے جاتے ہیں۔ پہلے اسے ہوا کے لطیف دامن پر پھیلاتے ہیں پھر اس سے چھما چھم زمین پر مینہ برساتے ہیں۔ کیا ہمارے سوا کوئی اور ایسا کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں! پھر اس پانی سے زمین کے اُوپر کیسے باغ بغیچے اُگاتے ہیں کیسے کیسے درخت لہلہاتے ہیں کیسے کیسے پھل پھول مہکاتے ہیں اسی سے تمہارے لیے غلہ پیدا ہوتا ہے اسی سے ترکاریاں اُگتی ہیں اسی سے جانوروں کے لیے چارہ اُگتا ہے جہاں چٹیل میدان ہوتے ہیں۔ جنگل میں منگل نظر آتا ہے کیا یہ کام ہمارے سوا اور کسی کے بس کا ہے۔ پس تم اس سے یہ نتیجہ کیوں نہیں نکالتے کہ ہمارے سوا کوئی معبود نہیں لیکن تمہاری عقلوں پر تو ایسے پتھر پڑے ہیں کہ ہمیں چھوڑ کر ہماری مخلوق کی پُوجا پاٹ کرنے لگتے ہو۔

دیکھو تو ہم نے زمین کو تمہارے لیے کیسا اچھا فرش بنایا ہے اور ہر طرف تمہارے لیے نہریں بہا دی ہیں کہ ان کے پانی سے اپنی تمام ضرورتیں پُوری کرو۔ تم نے اس پر غور نہیں کیا کہ سمندروں کے کھاری اور میٹھے پانی کے درمیان ہم نے تفریق کا ایک ایسا خط کھینچ دیا ہے کہ وہ آپس میں گڈمڈ نہیں ہوتے۔ ایک طرف سے پیئو تو کھاری پانی تمہارے ذائقہ کو خراب کرتا ہے، دوسری طرف سے پیئو تو نہایت خوشگوار پانی حلق سے اُترے گا۔ دونوں کے درمیان نہ کوئی دیوار ہے نہ کسی دھات کی چادر، بس ہماری قدرت کا یہ سب کرشمہ ہے۔ بتاؤ کیا ہمارے سوا یہ کام کوئی اور بھی کر سکتا ہے۔ کیا غضب کی بات ہے تم سب کچھ جان کر بھی ہم سے منہ موڑتے ہو۔ اگر ہم چاہیں تو ذرا دیر میں تمہاری کل مروڑ دیں تو تم ہائے واویلا کرنے لگو مگر ہم باوجود تمہاری نافرمانی اور بغاوت کے مہلت دے رہے ہیں۔

دیکھو جب کوئی مصیبت اچانک تم پر آ پڑتی ہے اور تم بلبلا کر ہمیں پکارتے ہو اس سے نجات کے خواہشمند ہوتے

ہو تو کیا ہم تمہاری مصیبت کو دُور نہیں کرتے۔ پھر بھی تم ہم پر ایمان نہیں لاتے۔ اور ہمیں چھوڑ کر دُوسری چیزوں کی عبادت کرتے ہو۔ یہ کہاں کا انصاف ہے۔

میرے بندو ذرا سمجھو تو ہم نے تمہیں روئے زمین پر اشرف المخلوقات بنا کر اس لیے ہی تو بھیجا ہے کہ تم امن و سکون سے یہاں زندگی بسر کرو۔ ہماری قدرت کے آثار بنگاہِ غور دیکھو۔ ہماری خالقیت اور ربوبیت کا اقرار کرو۔ ہمارے احکام کی تعمیل کرو۔ مگر تم ہو کہ اکڑے اکڑے پھرتے ہو اور اپنی زندگی کے مقصد کو بھول کر دُنیا کے کھیل تماشوں میں مست ہو جاتے ہو۔

أَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ
بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا
يُشْرِكُوْنَ ؕ (۶۳) اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ
مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ
كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (۶۴)

(اچھا اب ذرا اس پر غور کرو) خشکی اور تری میں جب رات کی تاریکیاں تم پر چھا جاتی ہیں تو تمہیں راستہ کون دکھاتا ہے (منزلِ مقصود تک کون پہنچاتا ہے) اور کون ہے جو بارش سے پہلے اس کی خوشخبری دے کر (ٹھنڈی) ہواؤں کو بھیجتا ہے تو کیا خدا کے ساتھ کوئی اور خدا ہے کہ جس کو خدا کا شریک قرار دیتے ہو، خدا کی ذات اس سے بالاتر ہے۔ بتاؤ وہ کون ہے جو مخلوق کو نئے سرے سے پیدا کرتا ہے پھر اسے مارنے کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا۔ بتاؤ وہ کون ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق بہم پہنچاتا ہے کیا خدا کے ساتھ کوئی اور خدا ہے۔ اے رسول تم ان سے کہو (اگر خدا کے شریک ہونے کے قائل ہو) تو اپنی صداقت پر کوئی دلیل پیش کرو۔

اُس کی رحمتِ بے پایاں کا کیا ٹھکانا ہے اپنے باغی بندوں کو کیسی کیسی نرمی کے ساتھ سمجھا رہا ہے۔ فرماتا ہے:

جب رات کی تاریکیوں میں تم ریگستانوں اور سمندروں میں سفر کرتے ہو اور ایسی تاریکی ہوتی ہے کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا اور تم راستہ بھول جاتے ہو۔ ہر طرف ٹامک ٹوئیے مارتے پھرتے ہو۔ بتاؤ اس دل گداز پریشانی میں تمہارا ہاتھ پکڑ کر سیدھی راہ پر کون لگاتا ہے اور بھولا ہوا راستہ کون دکھاتا ہے منزلِ مقصود تک کون پہنچاتا ہے ہمارے سوا۔ کیا اس پر بھی خدا کا شریک کسی کو بناؤ گے۔ دیکھو تو تمہیں عدم کے تاریک پردوں سے نکال کر وجود کی روشن سطح پر کون لایا۔ تمہیں نیست سے ہست کس نے کیا۔ کیا یہ کام ہمارے سوا کوئی اور بھی کر سکتا تھا۔ پھر تمہیں کچھ دن زندہ رکھا۔ پھر تمہیں مار دیا۔ اس کے بعد قیامت میں پھر اٹھا کھڑا کرے گا۔ کیا اس پر بھی تم ہمیں وحدہٗ لاشریک لہٗ نہیں مانتے۔

اچھا اور سنو، تمہیں یہ رزق کون دیتا ہے۔ ہمارے سوا وہ کون ہے جو تمہارے لیے زمین سے غلّہ اگاتا ہے درختوں میں پھل پکاتا ہے۔ ہم ہی تو ہیں۔ پھر تم یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ کام کسی اور کے بوتے کا نہیں تم ہمارا شریک کسی کو کیوں قرار دیتے ہو۔ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو کوئی دلیل پیش کرو اور یہ ثابت کرو کہ خدا کا کوئی شریک ہے تم ایسا ہرگز نہیں کر سکتے کیونکہ جب اس کا کوئی شریک ہی نہیں تو تم کیا خاک ثابت کرو گے۔

قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَمَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ (۶۵) بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ ۚ بَلْ هُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْهَا ۚ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ (۶۶) ع وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّ اٰبَآؤُنَاۤ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ (۶۷) لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ ۙ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ (۶۸)

(اے رسول تم ان مشرکین سے) کہو کہ آسمان و زمین میں جتنے لوگ بھی ہیں ان میں سے کوئی بھی خدا کے سوا غیب کی باتیں نہیں جانتا اور انہیں یہ بھی خبر نہیں کہ قبروں سے کب اٹھا کھڑے کیے جائیں گے بلکہ آخرت کا علم ہی ان لوگوں سے گم ہو گیا ہے بلکہ وہ تو اس کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ بلکہ (یوں کہو) اس سے لوگ اندھے بنے ہوئے ہیں۔ کفّار کہنے لگے جب ہم اور ہمارے باپ دادا (گل سڑ کر) مٹّی ہو جائیں گے تو کیا ہم پھر (قبروں سے) نکالے جائیں گے۔ اس کا تو پہلے ہی ہم سے اور ہمارے باپ دادا سے وعدہ کیا گیا تھا (کیسا اٹھنا کیسی قیامت) ہو نہ ہو یہ تو ان لوگوں کے ڈھکوسلے ہیں

ف اپنی توحید کے بہت سے ثبوت دینے کے بعد اب مسئلۂ قیامت کو سمجھاتا ہے۔

غیب کا علم بالذات خدا کے سوا کسی کو نہیں، خواہ فرشتے ہوں یا انبیاء و اولیاء۔ ہاں اگر خدا اپنے انبیاءؑ و صلحاء کو بعض باتوں کی خبر دیتا ہے تو بذریعہ وحی یا الہام۔ خواب یا صحیفہ کے ذریعہ سے دے دیتا ہے۔ چنانچہ یہ حضرات اسی ذریعہ سے پیشگوئیاں کیا کرتے ہیں۔ منجملہ اخبارِ غیب قیامت کی خبر بھی ہے اس کو بھی خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یہ چیز انبیاءؑ کو بھی نہیں بتائی گئی۔ کوئی نہیں جانتا کہ لوگ کب قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔ ایسا تو جب ہی ہوگا کہ جتنی مخلوق اسے پیدا کرنی ہے وہ سب منصۂ شہود پر آ جائے اور جو کارخانہ قدرت نے بنا دیا ہے اس کی ایک ایک چیز انسان کو جو اشرف المخلوقات ہے دکھائے کیونکہ انسان اس کی معرفت کا خزینہ دار ہے۔ اور کائنات کا ہر ذرہ اس کی معرفت کا ذریعہ ہے۔ قیامت کے علم سے اس نے ہر شخص کو بے خبر رکھا ہے۔ جو لوگ اہلِ ایمان ہیں جو اس پر یقین رکھتے ہیں کہ قیامت آئیگی ضرور آئے گی اور یہ کہ وہ لوگوں کے بلانے سے نہیں آئے گی بلکہ جب خدا چاہے گا تب آئے گی لیکن کفار کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی۔ وہ کہتے ہیں قیامت میں مردوں کا زندہ ہونا ممکن ہی نہیں۔ جب ایک جسم گل سڑ کر مٹی بن گیا تو پھر اس کا زندہ ہونا کیسا؟ انبیاء و مرسلین ہمارے باپ داداؤں کو پہلے بھی قیامت سے ڈراتے چلے آئے ہیں لیکن باوجود ہزارہا سال گزرنے کے اب تک تو یہ منظر سامنے آیا نہیں، کیسی قیامت کیسا قبروں سے اٹھنا، یہ سب ڈھکوسلے اور لوگوں کو ڈرانے دھمکانے کی باتیں ہیں۔

قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِیْنَ (۶۹) وَلَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِیْ ضَیْقٍ مِّمَّا یَمْكُرُوْنَ (۷۰) وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (۷۱) قُلْ عَسٰۤى اَنْ یَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِیْ تَسْتَعْجِلُوْنَ (۷۲) وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَشْكُرُوْنَ (۷۳) وَاِنَّ رَبَّكَ لَیَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا یُعْلِنُوْنَ (۷۴)

اے رسول تم ان لوگوں سے کہو، ذرا رُوئے زمین پر چل پھر کر دیکھو کہ خدا کے نافرمان بندوں کا انجام کیا ہوا۔ اے رسول تم ان کے حال پہ کچھ افسوس نہ کرو اور جو چالیں یہ لوگ چل رہے ہیں اس سے تنگ دل نہ ہوں۔ یہ لوگ (مسلمانوں سے) پُوچھتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو بتاؤ (قیامت یا عذاب کا) وعدہ کب پُورا ہوگا۔ ان سے کہو جس عذاب کی تم جلدی مچا رہے ہو کیا عجب ہے کہ اس میں سے کچھ قریب آگیا ہو۔ بے شک تمہارا رب لوگوں پر بڑا فضل و کرم کرنے والا ہے لیکن بہت سے لوگ اس کا شکر نہیں کرتے۔ اس میں شک نہیں کہ جو باتیں ان کے دل میں پوشیدہ ہیں اور جو کچھ یہ علانیہ کرتے ہیں تمہارا پروردگار وُہ سب جانتا ہے۔

اُن لوگوں کو جو قیامت پر یقین نہیں رکھتے یہ بتایا جا رہا ہے کہ زمین کے مختلف حصّوں میں ذرا چل پھر کر دیکھو کہ جن لوگوں نے قیامت کو نظر انداز کرکے یا اس سے انکار کرکے لوگوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ گرائے تھے اور اس سے بے خبر تھے کہ ایک دن اس ظلم کی ان سے باز پُرس ہوگی۔ ان پر اس دنیا میں کیسے کیسے عذاب آئے اور ان کی بستیاں کس صورت سے تباہ ہوئیں۔ جن مظلوموں کو انہوں نے کچلا تھا، جن بے قصوروں کے گلے پر چھُری چلائی تھی اور وہ انتقام لیے بغیر اس دُنیا سے چلے گئے تھے کیا اُن کی داد رسی کہیں نہ ہوگی۔ کیا اُن کے خونِ ناحق کا بدلہ اُن کے دشمنوں سے نہ لیا جائے گا۔ ایسی صورت میں وہ ظالم بے سزا پائے اس دُنیا سے رُخصت ہوگئے تھے۔ مظلوموں کا انتقام یوں ہی کرا ہتا رہ جائے گا۔ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ جس خدائے عادل نے یہ کائنات بنائی ہے جو مظلوموں کی فریاد سننے والا ہے وہ ایک دن ضرور ظالموں کو اُس ظلم کی سزا دے گا۔ اسی روز کا نام قیامت ہے۔ اس کے آنے میں شبہ نہیں۔ اسے دُور نہیں قریب ہی سمجھو۔ یہ خدا کا فضل ہے کہ وہ مجرموں کو مہلت دے رہا ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ مجرموں سے بدلہ نہ لے گا اور مظلوموں کی فریاد رسی نہ کرے گا۔ تمہارے سب اعمال خواہ ظاہر میں کیے ہوں یا باطن میں، اس کی نظر کے سامنے ہیں۔ اُس نے اس کی جانچ پڑتال کے لیے ایک دن مقرر کر رکھا ہے۔ تم اس کی جلدی مچا رہے ہو۔ حالانکہ وہ قریب ہی ہے جب تم قبروں سے نکالے جاؤ گے تو ایسا معلوم ہوگا کہ ایک دن یا اس سے کچھ زیادہ قبر میں رہے ہو۔ تمہیں قیامت کا دن یک لخت بُہت قریب معلوم ہوگا۔

وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (۷۵)

کوئی چھُپی ہوئی چیز خواہ آسمان میں ہو یا زمین میں، ایسی نہیں جو روشن کتاب (لوحِ محفوظ) میں نہ ہو

(سب حالات وہاں لکھے ہوئے ہیں۔ پس کوئی بچ کر کہاں جا سکتا ہے۔ قیامت میں سربستہ راز کھول کر رکھ دیئے جائیں گے اور ایک ایک بات کی جواب دہی کرنا ہوگی۔)

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ (۷۶) وَاِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (۷۷) اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ (۷۸) فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ (۷۹) اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ (۸۰) وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِي الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ۭ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ (۸۱) وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ ۙ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ (۸۲) ع

۶ ع۹ ۲

یہ قرآن بنی اسرائیل کی اکثر اُن باتوں کو جس میں وہ اختلاف رکھتے تھے ظاہر کر دیتا ہے اور یہ قرآن ایمانداروں کے لیے سرتا پا ہدایت و رحمت ہے۔ بے شک تمہارا پروردگار اپنے حکم سے ان کے جھگڑوں کا فیصلہ کر دے گا اور وُہ غالب اور حکمت والا ہے پس تم اللہ پر بھروسہ کرو بیشک تم صریحی حق پر ہو۔ بے شک نہ تم مُردوں کو اپنی بات سُنا سکتے ہو نہ بہروں کو اپنی آواز سُنا سکتے ہو خاص کر جب وُہ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوں اور نہ تم اندھوں کو ان کی گمراہی سے بچا کر راہِ راست پر لا سکتے ہو تم تو بس انہی لوگوں کو اپنی بات سُنا سکتے ہو جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں یہی لوگ تو ماننے والے ہیں۔ جب ان لوگوں پر (قیامت کا) وعدہ پُورا ہوگا تو ہم ان کے واسطے زمین سے

ایک چلنے والا نکال کھڑا کریں گے جو اُن سے باتیں کرے گا کہ (فلاں فلاں لوگ) ہماری آیتوں کا یقین نہیں رکھتے تھے۔

بنی اسرائیل کے درمیان بہت سے اختلافات تھے مثلاً بعض لوگ تو توریت کے بعض احکام پر ایمان لائے ہوئے نہ تھے۔ بعض عزیرؑ نبی کو ابن اللہ کہتے تھے بعض نہیں۔ بعض ان کے مر کر زندہ ہونے کے قائل تھے بعض نہیں اسی طرح جو اختلافات اہلِ ایمان اور کفارِ قریش کے درمیان تھے۔ خدا اپنے رسولؐ سے کہتا ہے تم خدا پر بھروسہ رکھو ان کا فیصلہ بھی ہم کر دیں گے۔ تم چونکہ حق پر ہو اس لیے تم ان کی باتوں سے رنجیدہ خاطر نہ ہو۔ تم ان لوگوں کو اپنی باتیں نہیں سُنا سکتے جن کے ضمیر مردہ ہو چکے ہیں یا جو تمہاری باتیں کان دھر کر سنتے ہی نہیں بلکہ جب تم کچھ کہتے ہو تو وہ بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔

دوسرے قیامت کے قریب دَآبَّۃُ الْاَرْضِ کے خروج کا ذکر ہے اس میں مفسرین کا اختلاف ہے، مفسرین اہلسنّت نے ایک چوپایہ مراد لیا ہے جو بقدرتِ خدا لوگوں سے باتیں کرے گا۔

مفسرینِ شیعہ نے لکھا ہے کہ دابۃ الارض کوہِ صفا کے نزدیک سے نکلے گا اور اس کے پاس حضرت سلیمانؑ کی انگوٹھی اور حضرت موسیٰؑ کا عصا ہوگا۔ وہ انگوٹھی سے مؤمنوں کے چہرہ پر نشان بنائے گا تو اُن کا چہرہ نورانی ہو جائے گا اور یہ لکھا نظر آئے گا کہ یہ مؤمن ہے۔ اور کفار کے چہروں پر عصا سے نشان کرے گا تو ان کے چہروں پر لکھا جائے گا کہ یہ کافر ہے۔ اس وقت مؤمنوں کی خوشی اور کفار کے رنج کی کوئی حد نہ ہوگی اور یہ علامت آفتاب کے مغرب سے نکلنے کے بعد ظاہر ہوگی۔ جب توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا اُس وقت ایمان لانا کچھ مفید نہ ہوگا۔

اس آیت سے رجعت کا ثبوت واضح طور سے ملتا ہے۔ حدیث میں ہے امام آخر الزمانؑ کے ظہور کے وقت اور قیامت سے قبل خدا کچھ لوگوں کو جو اُن کے سچے دوست یا پکے دشمن تھے زندہ کرے گا تاکہ وہ لوگ ثواب یا عذاب اخروی کے علاوہ اپنی اپنی کارستانیوں کا عوض دُنیا میں بھی دیکھ لیں اور یہ مطلب اس آیت سے واضح ہے۔ کیونکہ اگلی آیت میں ہے کہ ہم ایک گروہ کو جمع کریں گے اور یہ بات قیامت میں نہ ہوگی بلکہ اس وقت تو سب ہی زندہ ہوں گے بلکہ قبل از قیامت وہ گروہ زندہ ہوگا۔

دابۃ الارض سے مراد چوپایہ جانور نہیں ہے بلکہ زمین پر چلنے والا مراد ہے۔ اس سے مراد امیر المؤمنینؑ ہیں تفسیرِ قمی میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت رسالتمآبؐ مسجد میں تشریف لائے دیکھا کہ حضرت علیؑ ریت کے ڈھیر پر سر رکھے سو رہے ہیں حضورؐ نے پیر سے چھو کر فرمایا قم یا دابۃ الارض۔ کسی نے کہا کیا ہم بھی ایک دُوسرے کو اس نام سے پکار سکتے ہیں۔ فرمایا نہیں! یہ صرف علیؑ ہی کا لقب ہے۔

دابۃ الارض کے معنی ہیں زمین پر چلنے والا۔ یوں تو زمین پر چلنے والے سب ہی ہیں لیکن یہاں وہ چلنے والا مُراد ہے جس نے معصیت کے ساتھ کبھی کوئی قدم زمین پر رکھا ہی نہ ہو۔ زمین سے امیر المؤمنینؑ کو ایک خاص نسبت

ہے اس لیے آپؑ کا لقب ابو تراب ہوا جس کے ظاہری معنی مٹی کے باپ کے ہیں۔ لیکن اصلی معنی ہیں انکساری کرنے والا اس نسبت کی بنا پر آپؑ قربِ قیامت میں جب زمین زلزلہ میں آئے گی تو سوال کریں گے قَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا۔ (۹۹/۳-۴ الزلزال)۔ یعنی جب زمین کا زلزلہ کسی طرح ختم نہ ہوگا تو ایک انسان اس سے کہے گا تجھے کیا ہو گیا ہے تب وہ اسی انسان سے اپنی خبریں بیان کرے گی۔ وہ انسان حضرت علیؑ ہیں جن کا ایک لقب دابۃ الارض ہے دوسرا ابو تراب۔ زمین سے سوال کرنے اور اس کی خبریں اس کی زبان سے سننے کی خصوصیت بھی علیؑ کے سوا اور کسی کو نصیب نہیں۔ جن مفسروں نے دابۃ الارض سے چوپایہ مراد لی ہے ان سے کوئی پُوچھے کہ چوپایہ کا آدمیوں سے کلام کرنے کا کیا مقصد ہے۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْ قَالَ اَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِيْ وَلَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا اَمَّاذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿۸۵﴾ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ﴿۸۷﴾

جس دن ہم ہر اُمت سے ایسے گروہ جو ہماری آیتوں کو جھٹلایا کرتے تھے (زندہ کر کے) جمع کریں گے۔ پھر ان کی ٹولیاں علیحدہ علیحدہ کر دیں گے یہاں تک کہ وہ سب (خدا کے سامنے آئیں گے) اور خدا ان سے کہے گا کیا تم نے ہماری آیتوں کو بے سمجھے بوجھے جھٹلایا۔ بھلا بتاؤ تم کیا کیا کرتے تھے۔ ضرور چونکہ یہ لوگ ظلم کیا کرتے تھے لہٰذا اُن پر عذاب کا وعدہ پُورا ہو گیا۔ پھر یہ لوگ کچھ بھی بول نہ سکیں گے۔ کیا ان

لوگوں نے یہ بھی نہ دیکھا کہ ہم نے رات کو اس لیے بنایا ہے کہ لوگ اس میں چین کریں اور دن کو روشن بنایا (تاکہ اس میں دیکھ بھال کریں)۔ بے شک اس میں ایمان لانے والوں کے لیے قدرت کی بہت سی نشانیاں ہیں اور (وہ دن یاد رکھو) جب صور پھونکا جائے گا تو جتنے لوگ آسمان و زمین میں ہیں دہل جائیں گے مگر جس کو خدا چاہے گا وہ (خوفزدہ نہ ہوگا) اور سب اس کی بارگاہ میں عاجزی کے ساتھ حاضر ہوں گے۔

یعنی اس دن ہر قوم کے اُن لوگوں کو جمع کیا جائے گا جو ہماری آیات کو جھٹلایا کرتے تھے اور ان کو اُن کی تکذیب کے لحاظ سے کئی گروہوں میں تقسیم کیا جائے گا، پھر اُن سے پوچھا جائے گا کیا وہ تم ہی ہو کہ بے سمجھے بُوجھے جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا۔ آخر تم کرتے کیا تھے کہ بے تحقیق جھٹلا بیٹھے ان ظالموں سے جو وعدہ بازپرس تھا وہ اس طرح پُورا ہوگا۔ اب یہ کیا جواب دے سکتے تھے۔ ہماری آیات کو جھٹلانے والوں نے (کم از کم) رات اور دن پر ہی غور کر لیا ہوتا کہ ہم نے رات کو ان کے آرام کے لیے بنایا ہے اگر نہ بناتے تو رات آتی ہی نہ تو بتاؤ تم جب کام کرتے کرتے تھک جاتے تو آرام کا وقت کہاں سے پاتے۔ دن کو اس لیے روشن بنایا کہ تم ہر معاملہ کو دیکھو بھالو اور جو کام کرو وہ طریقے سے کرو اندھوں کی طرح نہ کرو۔ جو لوگ قیامت سے بے خبر ہیں انہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ جب صور پھونکا جائیگا تو آسمان والے ہوں یا زمین والے ہوں سب دہل کر رہ جائیں گے۔ ہاں جس پر اللہ رحم کرے وہ تو دہشت سے بچ جائے گا باقی سب بے حال ہو جائیں گے۔

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ؕ اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ﴿۸۹﴾ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ؕ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۰﴾

جن پہاڑوں کو (آج) تم مضبُوط جما ہُوا دیکھتے ہو وہ (قیامت کے دن) بادل کی طرح اُڑتے نظر

آئیں گے۔ یہ اللہ کی صنعت ہے کہ اُس نے ہر شے کو مضبُوط بنا دیا ہے۔ جو کچھ تم کرتے ہو وہ اس سے خبردار ہے۔ جو نیکی کریں گے ان کے لیے اس کی جزا اس سے کہیں بہتر ہے اور وہ روز قیامت کے خوف سے محفوظ رہیں گے اور جو بُرائی کریں گے تو وُہ اوندھے منہ جہنّم میں دھکیل دیئے جائیں گے جو کچھ دُنیا میں کرو گے اس کا بدلہ تمہیں دیا جائے گا۔

اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِيْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ ۫ وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۱﴾ لا وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۹۲﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ ع

میں یہ حکم دیا گیا ہوں کہ اس شہر کے رب کی جسے اللہ نے عزّت دی عبادت کروں اور ہر شے اُسی کی ہے اور مجھے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ میں فرمانبردار بندہ ہوں اور یہ کہ میں قرآن کی تلاوت کروں پس جس نے ہدایت پالی اُس نے اپنی ذات کے نفع کے لیے ہدایت پائی اور جو گمراہ ہُوا تو اے رسول، تم کہدو میں بھی (عذاب خدا سے) ڈرانے والوں میں سے ایک ڈرانے والا ہوں اور کہدو الحمدللہ خدا عنقریب تمہیں اپنی نشانیوں میں سے دکھا دے گا اور تم انہیں پہچان لوگے۔ جو کچھ تم کرتے ہو تمہارا رب اس سے غافل نہیں۔

کفّار و مشرکینِ مکّہ سے کہا جا رہا ہے کہ باوجود خدا کی بے شمار نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کے اس سے منحرف ہو۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اس محترم شہر کے رب کی عبادت کروں۔ افسوس ہے کہ تم ایک ایسے اچھے شہر میں رہتے ہو جہاں زندگی کا ہر سامان تمہارے لیے موجود ہے پھر بھی تم اس شہر کے رب اور مالک کی عبادت نہیں کرتے اور اس کی

فرمانبرداری پر آمادہ نہیں ہوتے۔ میں قرآن کی تلاوت کرتا رہوں گا۔ جو ہدایت پائے گا اس کا فائدہ اسی کو پہنچے گا۔ اور جو گمراہ رہے گا وہ عذابِ خدا میں مبتلا ہو گا۔ تم خدا کی نشانیوں کو دیکھ کر ضرور اس کو پہچان لوگے۔ مگر باوجود اس کے بُت پرستی کرنا تمہارے لیے عذاب کا باعث ہو گا۔ تم یہ نہ سمجھو کہ خدا تم سے غافل ہے وہ سب کچھ جانتا ہے تم اس دھوکہ میں نہ رہنا کہ تمہارا کوئی عمل خدا سے چھپا ہوا ہے۔

(٢٨) سُوْرَةُ الْقَصَصِ مَكِّيَّةٌ (٤٩)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

طٰسٓمّٓ (١) تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ (٢) نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (٣) اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِى الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ (٤) وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ (٥) وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ وَنُرِىَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ (٦) وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ج فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَلَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ ج اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ (٧)

ط۔ س۔ م، یہ کتابِ مبین کی آیات ہیں۔ ہم تمہارے سامنے ایمانداروں کے فائدہ کے لیے موسیٰؑ و فرعون کا سچا قصہ بیان کرتے ہیں۔ فرعون نے (ملک مصر میں) بہت سر اُٹھایا تھا وہاں کے رہنے والوں کو کئی گروہوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ اُن میں سے ایک گروہ (بنی اسرائیل) کو بہت کمزور بنا دیا تھا۔ ان کے بیٹوں کو ذبح کرا دیتا تھا اور لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا۔ وہ فساد کرنے والوں میں سے تھا۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ان لوگوں پر احسان کریں جو رُوئے زمین پر کمزور بنا دئیے گئے ہیں۔ ہم ان کو امام بنائیں گے اور ہم اُن کو مالکِ زمین بنائیں گے اور رُوئے زمین پر اُن کو پُوری قدرت دیں گے اور ہم فرعون اور ہامان کو اور دونوں کے لشکروں کو اُن کے کمزور ہاتھوں سے وہ چیزیں دکھائیں جن سے یہ لوگ ڈرتے تھے اور ہم نے مادرِ موسیٰ کو وحی کی کہ تم اس کو دُودھ پلا لو اگر اس کی نسبت تم کو کوئی خوف ہو تو اس کو (ایک صندوق میں رکھ کر) دریا میں ڈال دو اور تم اس پر نہ ڈرنا نہ کُڑھنا (تم اطمینان رکھو) ہم اس کو تمہارے پاس پہنچا دیں گے اور اس کو اپنا رسول بنا لیں گے۔

مصر اور مضافاتِ مصر پر فرعون کی حکومت تھی وہ بڑا سرکش بادشاہ تھا۔ اپنے کو تمام لوگوں کا ربِ اعلیٰ یعنی سب سے بہترین پرورش کرنے والا سمجھتا تھا۔ جو اس کی خدائی پر ایمان نہ لاتا تھا اسے قتل کرا دیتا تھا۔ ایک بار منجموں نے اسے خبر دی کہ بنی اسرائیل میں ایک بچہ ایسا پیدا ہونے والا ہے جو تیری تمام سلطنت کو نہ صرف تباہ و برباد کرے گا بلکہ تیری ہلاکت کا باعث بھی ہو گا۔ اُس روز سے اُس نے حکم دیا کہ بنی اسرائیل کی جو عورت حاملہ ہو اس پر ایک زنِ قبطی کو پہرہ دار بنا کر بٹھا دیا جائے۔ جس وقت بچہ پیدا ہو فوراً تھانہ میں اطلاع دے اگر لڑکا ہو تو فوراً اس کو قتل کر دیا جائے اور اگر لڑکی ہو تو اُسے چھوڑ دیا جائے۔ جب ذرا سیانی ہو تو اُسے قبطیوں کے گھر بطور کنیز کام کرنے کے لیے رکھا جائے۔

بروایتے حضرت موسیٰؑ کے سلسلہ میں آپ کی پیدائش سے قبل دس ہزار بچے اس ظالم نے قتل کرائے۔ خدا کی شان دیکھو حضرت موسیٰؑ کا حمل ہی ظاہر نہ ہُوا۔

فرعون نے اپنی رعایا کو کئی گروہوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ اس کے خاندان والے جو قبطی تھے رائل فیملی بنے ہوئے تھے۔ بنی اسرائیل بھی بارہ گروہوں میں تقسیم تھے۔ حکومتِ فرعون میں کوئی کلیدی عہدہ ان کو نہیں دیا جاتا تھا بلکہ محنت مزدوری کا کام اُن سے لیا جاتا تھا۔ اور معمولی معمولی قصور پر قبطی ان کو سخت سزا دیتے تھے۔ غرضیکہ بنی اسرائیل سخت عذاب میں مبتلا تھے۔ ان کی فریاد سننے والا کوئی نہ تھا۔ وہ مصر سے باہر بھی نہیں جا سکتے تھے کیونکہ ناکوں پر پہرے بیٹھے ہوتے تھے۔

ھ آگے چل کر قدرت اپنا ایک قانون بیان کرتی ہے وہ یہ ہے؛

جو لوگ روئے زمین پر کمزور بنا دئیے گئے ہیں ان کو خلق کا امام و پیشوا بنائے گا اور جس زمین پر وہ مظلومانہ زندگی بسر کریں گے اُن کو اُسی ملک کا مالک بنا دیا جائے گا۔ چنانچہ یہی ہُوا، حضرت موسیٰؑ کے آنے کے بعد

فرعون و ہامان کو سخت سزا ملی یعنی وہ دونوں اور اُن کا سارا لشکر غرق کر کے ہلاک کر دیا گیا اور بنی اسرائیل کو فرعونی مظالم سے صبر کرنے کے عوض ملک مصر کی سلطنت عطا کی گئی۔ قدرت کا یہ قانون صرف اُسی وقت کے لیے نہ تھا بلکہ ہر زمانہ کے لیے ہے۔ جو جابر قومیں حکمران ہیں ایک دن ان کے غرور و تکبّر کی ناک رگڑی جائے گی اور مظلوم قوموں کا جُوتا ان کے سر پہ ہوتا ہے جلد یا بدیر ایسا ہونا ضرور ہے۔ فرعون اور ہامان جس عذاب سے ڈرتے تھے آخر وہ ایک دن اُن کے سر پر آ کر رہا۔ ان کی تمام املاک پر ان کے عام ساز و سامان پر بھی اسرائیل کا قبضہ ہو گیا۔

حضرت موسٰیؑ جب پیدا ہوتے تو ان کی والدہ محترمہ کے دل پہ سخت خوف و رنج چھایا ہوا تھا کہ اگر بچّہ کے رونے کی آواز کسی نے سن لی اور پولیس میں اطلاع دے دی تو بچّہ تو ذبح کیا ہی جائے گا میری جان بھی خطرہ میں پڑ جائے گی۔ خدا نے وحی کی کہ تم مضطرب نہ ہو۔ موسٰیؑ کو ایک صندوق میں بند کر کے دریائے نیل میں چھوڑ دو ہم اُسے پھر تمہاری طرف لوٹا دیں گے۔ چنانچہ انہوں نے حزقیل بن صبور سے جو فرعون کا چچا زاد بھائی تھا اور بڑھئی کا کام کرتا تھا ایک ۵ بالشت کا صندوق بنوایا۔ اس میں حضرت موسٰیؑ کو لٹا کر دریائے نیل میں چھوڑ دیا۔ مگر غلطی یہ کی کہ حزقیل کے پُوچھنے پر یہ بھی کہہ دیا کہ میں اس میں بچّہ کو رکھ کر دریا میں چھوڑوں گی۔ اس نے فرعون کو اطلاع دینی چاہی لیکن اس کی زبان ایسی بند ہوئی کہ ایک لفظ نہ بول سکا۔ جب دُکان پر آیا تو زبان کھُل گئی۔ پھر ارادہ کیا پھر زبان بند ہو گئی۔ تین بار ایسا ہی ہوا، آخر اُس نے سچّے دل سے عہد کیا کہ اب نہ کہوں گا اور حضرت موسٰیؑ پر ایمان لے آیا۔

جب موسٰیؑ محلِ فرعون میں پہنچے اور کسی دائی کا دُودھ نہ پیا تو ان کی بہن نے جو دائیوں کے ساتھ محل کے اندر داخل ہو گئی تھیں آسیہؓ فرعون سے کہنے لگیں کہ میں ایک ایسے خاندان کی عورت کو لا سکتی ہوں جو اس بچّہ کی کفالت کر سکے گی۔ اجازت ملنے پر وہاں سے اپنی ماں کے پاس آئیں اور انہیں ساتھ لے گئیں۔ موسٰیؑ نے ان کا دودھ غٹ غٹ پی لیا اور موسٰیؑ کو اُن کی کفالت میں دے دیا گیا اور یوں وعدۂ الٰہی پورا ہوا۔

فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا ۗ إِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا كَانُوا خَاطِئِينَ ⑧ وَقَالَتِ امْرَأَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّي وَلَكَ ۖ لَا تَقْتُلُوهُ ۖ عَسَىٰ أَن يَنفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ⑨ وَأَصْبَحَ فُؤَادُ أُمِّ مُوسَىٰ فَارِغًا ۖ إِن كَادَتْ لَتُبْدِي بِهِ لَوْلَا أَن رَّبَطْنَا عَلَىٰ قَلْبِهَا لِتَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ⑩

(جب وہ صندوق بہتا بہتا فرعون کے قریب پہنچا) تو فرعون کے لوگوں نے اُسے اُٹھا لیا تاکہ یہی ایک دن اُن کا دشمن اور اُن کے رنج کا باعث بنے۔ بے شک فرعون و ہامان اور اُن دونوں کے لشکر غلطی پر تھے (جب موسٰیؑ محل میں لائے گئے تو) فرعون کی بی بی آسیہ اپنے شوہر سے کہنے لگی، یہ میری اور تمہاری دونوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ اسے قتل نہ کرو، کیا عجب ہے کہ یہ ہم کو فائدہ پہنچائے یا ہم اسے اپنا بیٹا بنا لیں۔ اُنہیں خبر نہ تھی (کہ اسی کے ہاتھوں سے برباد ہونا ہے)۔ (یہاں تو یہ ہو رہا تھا) اُدھر موسٰیؑ کی ماں کا دل ایسا بے چین ہو گیا کہ اگر ہم اسے مضبوط نہ کر دیتے تو قریب تھا وہ موسٰیؑ کا حال ظاہر کر دیتی (ہم نے اسے ڈھارس دی کہ) وہ ہمارے وعدہ کا یقین رکھے۔

وَقَالَتْ لِأُخْتِهِ قُصِّيهِ ۖ فَبَصُرَتْ بِهِ عَن جُنُبٍ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ⑪ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِن قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ أَهْلِ بَيْتٍ يَكْفُلُونَهُ لَكُمْ وَهُمْ لَهُ نَاصِحُونَ ⑫ فَرَدَدْنَاهُ إِلَىٰ أُمِّهِ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ أَنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ⑬ ع

ع ۱۳

اور حضرت موسٰیؑ کی ماں نے موسٰیؑ کی بہن کو کہا تم اس کے پیچھے پیچھے لگ جاؤ۔ وہ دُور سے دیکھتی رہی اُن لوگوں کو اس کی خبر بھی نہ ہوئی۔ ہم نے پہلے ہی سے دائیوں کا دُودھ موسٰیؑ پر حرام کر دیا تھا۔ موسٰیؑ کی بہن نے کہا کیا میں تمہیں ایک ایسا (شریف) خاندان بتاؤں کہ وہ تمہاری خاطر سے اس بچّہ کی پرورش کر دے اور وہ اس کے خیر خواہ ہوں۔ (اس ترکیب سے) ہم نے موسٰیؑ کو اس کی ماں تک پہنچا دیا تاکہ اس کی آنکھ ٹھنڈی ہو جائے اور رنج نہ کرے اور یہ سمجھ لے کہ خدا کا وعدہ بالکل ٹھیک ہے مگر اُن میں سے اکثر نہیں جانتے ہیں۔

حضرت موسٰیؑ کی بہن دائیوں کے ساتھ محل میں داخل ہو گئیں۔ وہاں یہ صورت پیش آئی کہ موسٰیؑ نے کسی دائی کی چھاتی کو منہ ہی نہ لگایا۔ تب حضرت موسٰیؑ کی بہن نے کہا اگر آپ کہیں تو میں شریف خاندان کی ایک ایسی عورت کو بُلا لاؤں جو اس بچّہ

کی اچھی طرح پرورش کرے۔ چنانچہ اجازت ملنے پر اپنی ماں کو بُلا لائیں اور جب اُنھوں نے موسیٰؑ کو گود میں لے کر چھاتی منہ میں دی تو اُنھوں نے بے تامّل دُودھ پینا شروع کر دیا۔ فرعون کو بڑا تعجب ہوا، پوچھا تو کون ہے اور اس لڑکے نے تیرا ہی دودھ کیوں پیا۔ اُنھوں نے کہا میں ایک شریف خاندان کی عورت ہوں۔ صاف ستھری رہتی ہوں اور میرا دودھ صاف میٹھا ہے۔ غرض اسی طرح موسیٰؑ کی پرورش ماں کی آغوش میں ہوئی۔ روز صبح و شام جاکر دُودھ پلا آتیں۔

اس قصہ میں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ خدا فرماتا ہے ہم نے کافرہ دائیوں کا دودھ موسیٰؑ پر حرام کر دیا تھا جس سے معلوم ہوا کہ نبی نہ کافرہ عورت کے بطن سے پیدا ہوتا ہے اور نہ کافرہ عورت کا دودھ پیتا ہے۔ پس کس قدر غلط ہے یہ کہنا کہ حلیمہؓ اور ثوبیہؓ کنیزِ ابولہب جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دودھ پلایا کافرہ تھیں۔ بھلا جس خدا نے موسیٰؑ کو اس نجاست سے بچا لیا وہ بھلا اپنے حبیبؐ کو کیوں نہ بچاتا۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰۤى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ⑭ وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ۖ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِىْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِىْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ۖ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ⑮

جب موسیٰؑ اپنی جوانی کو پہنچے اور ان کے اعضا مضبوط ہوگئے تو ہم نے ان کو حکم اور علم عطا کیا اور ہم نیک کام کرنے والوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ ایک دن موسیٰ شہر میں ایسے وقت آئے کہ وہاں کے لوگ بے خبر پڑے سو رہے تھے آپ نے دیکھا کہ دو آدمی لڑ رہے ہیں ایک ان کی قوم (بنی اسرائیل) کا ہے اور دوسرا ان کی دشمن قوم کا ہے۔ پس اُس شخص نے جو موسیٰ کی قوم کا تھا اُس شخص پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے جو اُس کا دشمن تھا موسیٰ سے مدد مانگی۔ موسیٰ نے اس (قبطی) کے ایک گھونسہ مارا، وُہ مر گیا پھر (دل میں) کہنے لگے کہ یہ شیطان کا کام تھا۔ بے شک شیطان کُھلم کُھلا گمراہ کرنے والا دشمن ہے۔

اِن آیات میں چند باتیں قابلِ ذکر ہیں:

۱۔ معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ جوانی تک حضرت موسیٰؑ محلِ فرعون میں رہے۔ گاہے گاہے شہر میں آیا کرتے تھے۔ ایک دن علی الصبح جبکہ لوگ پڑے سو رہے تھے شہر کی کسی سڑک پر سے گزرے۔

۲۔ خدا نے ان کو دو چیزیں عطا فرمائیں (جبکہ بدن میں خوب طاقت آگئی) ایک حکمت (دانشمندی) دوسرے علم۔ یہ ثبوت ہے اس کا کہ انبیاء کو علم و فہم خدا کی طرف سے عطا ہوتا ہے وہ دُنیا میں کسی سے سیکھنے کے محتاج نہیں ہوتے۔

۳۔ جن دو شخصوں کو لڑتے دیکھا تھا ایک ان میں سے قبطی (شاہی خاندان کا آدمی) تھا اور دوسرا موسیٰؑ کے خاندان بنی اسرائیل سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ لکڑہارا تھا۔ لکڑیاں چُن کر بیچنے کے لیے شہر کو جا رہا تھا قبطی اس سے بردستی چھین لینا چاہتا تھا۔

۴۔ یہ اسرائیلی ان کا شیعہ تھا۔ شیعہ کے معنی پیرو کے ہیں۔ اس کو موسیٰؑ کا پیرو کیسے کہا گیا جبکہ موسیٰؑ نے پہلی ہی بار اس کو دیکھا تھا۔ یہ معلوم ہوا یہاں مراد اس ملت و مذہب کا پیرو ہے جس پر موسیٰؑ تھے۔

۵۔ لفظ شیعہ ہی کو یہ سعادت حاصل ہے کہ اس کا ذکر قرآن میں پایا جاتا ہے باقی جو ۷۲ فرقے اس کے علاوہ اسلام میں پیدا ہوئے ان کے ناموں سے کسی نام کو بھی قرآن کے اندر داخل ہونے کا شرف حاصل نہیں ہوا۔

۶۔ معلوم ہوا کہ پیغمبروں کی راہ پر چلنے والے کو شیعہ کہتے ہیں۔

۷۔ اسرائیلی نے یہ کیسے جانا کہ یہ اجنبی (موسیٰؑ) اس کی مدد کرے گا۔ جواب یہ ہے کہ قبطیوں اور اسرائیلیوں کی شکل و صورت میں نمایاں فرق تھا چونکہ حضرت موسیٰؑ کی صورت قبطیوں سے بالکل الگ اور اسرائیلیوں سے ملتی جلتی تھی لہٰذا اُس نے ان سے فریاد کی۔

۸۔ موسیٰؑ نے ایک بے گناہ کو قتل کیوں کیا اس سے تو بہت بڑے گناہ کا کرنا ان سے لازم آتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہ قتلِ عمد نہ تھا نہ تو ایک گھونسے سے کوئی مر ہی جاتا ہے نہ موسیٰؑ نے یہ گھونسہ قتل کے ارادہ سے مارا تھا۔ اتفاق بات تھی کہ وہ مر گیا۔ دوسرے قبطی کافر تھا اگر عمداً بھی اسے مار دیتے تو گناہ نہ تھا۔

۹۔ حضرت موسیٰؑ کا یہ کہنا هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ اپنی زبان سے اس کا اقرار تھا کہ اُنھوں نے ایک شیطانی کام کیا۔ حالانکہ انبیاء کا کوئی عمل شیطان سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ وہ تو من المہد الی اللحد معصوم ہوتے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ موسیٰؑ نے اپنے عمل کے متعلق نہیں کہا تھا بلکہ اس قبطی کے عمل کے متعلق کہا تھا جو زبردستی ایک غریب آدمی سے لکڑیاں چھین لینی چاہتا تھا۔

۱۰۔ اس وقت کے متعلق جب موسیٰؑ وہاں پہنچے تھے اختلاف ہے۔ بعض نے صبح کا وقت لکھا ہے بعض نے گرمیوں کی دوپہر کا جبکہ عموماً لوگ سو جاتے ہیں۔ بہرحال جو وقت بھی ہو سڑکیں اس وقت سنسان تھیں۔

۱۱۔ اس واقعہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ شاہی محلات عام آبادی سے باہر تھے۔

* * *

قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ ظَلَمۡتُ نَفۡسِیۡ فَاغۡفِرۡ لِیۡ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ ⑯ قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَنۡعَمۡتَ عَلَیَّ فَلَنۡ اَکُوۡنَ ظَهِیۡرًا لِّلۡمُجۡرِمِیۡنَ ⑰ فَاَصۡبَحَ فِی الۡمَدِیۡنَةِ خَآئِفًا یَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِی اسۡتَنۡصَرَهٗ بِالۡاَمۡسِ یَسۡتَصۡرِخُهٗ ؕ قَالَ لَهٗ مُوۡسٰۤی اِنَّکَ لَغَوِیٌّ مُّبِیۡنٌ ⑱ فَلَمَّاۤ اَنۡ اَرَادَ اَنۡ یَّبۡطِشَ بِالَّذِیۡ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ یٰمُوۡسٰۤی اَتُرِیۡدُ اَنۡ تَقۡتُلَنِیۡ کَمَا قَتَلۡتَ نَفۡسًۢا بِالۡاَمۡسِ ٭ۖ اِنۡ تُرِیۡدُ اِلَّاۤ اَنۡ تَکُوۡنَ جَبَّارًا فِی الۡاَرۡضِ وَمَا تُرِیۡدُ اَنۡ تَکُوۡنَ مِنَ الۡمُصۡلِحِیۡنَ ⑲

موسیٰ نے کہا اے میرے رب میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا (کہ اس شہر میں آیا) پس تو مجھے دشمنوں سے پوشیدہ رکھ، پس خدا نے پوشیدہ رکھا۔ بے شک خدا بڑا پردہ پوش اور مہربان ہے۔ موسیٰ نے کہا اے میرے پروردگار، تو نے مجھ پر احسان کیا ہے تو میں بھی کبھی گنہگاروں کا مددگار نہ ہوں گا (خیر وہ رات تو جیسے تیسے گزری) صبح ہوتے ہی امید و بیم کی حالت میں پھر شہر گئے کیا دیکھتے ہیں کہ وہی شخص جس نے کل ان سے مدد مانگی تھی آج پھر فریاد کر رہا ہے۔ آپ نے فرمایا تو تو کھلا ہوا لغو آدمی معلوم ہوتا ہے۔ جب انہوں نے چاہا کہ اس شخص پر جو دونوں کا دشمن تھا چھڑانے کے لیے ہاتھ بڑھائیں تو اس قبطی نے کہا اے موسیٰ جس طرح کل تم نے ایک آدمی کو مار ڈالا ہے مجھے بھی مار ڈالنا چاہتے ہو تم تو یہ چاہتے ہو کہ روئے زمین پر تم ہی سرکش بن کر رہو اور مصلح قوم بن کر رہنا چاہتے ہی نہیں۔

ان آیات کے متعلق بھی چند اعتراضات پیدا ہوتے ہیں:

١۔ جب موسیٰؑ نے گناہ نہیں کیا تھا تو اس کا اقرار کیوں کیا اور خدا سے مغفرت کیوں چاہی۔ جواب یہ ہے کہ اپنے نفس پر ظلم کرنے کے یہ معنی ہیں کہ میں شہر میں کیوں آیا تھا کہ اس قتل کا باعث ہوا۔ خواہ مخواہ شہر والوں

کو اپنا دشمن بنا لیا۔ رہا یہ فرمانا، **فاغفر لی** تو غفر کے معنی عربی زبان میں پوشیدہ کرنے اور ڈھانپنے کے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ مجھے میرے دشمنوں سے پوشیدہ رکھ۔ ایسا نہ ہو کہ وہ مجھ پر قابو پا کر مجھے قتل کر ڈالیں۔

٢۔ جب موسیٰؑ ایک دن پہلے قتل کر چکے تھے تو پھر شہر میں کیوں آئے۔ جواب یہ ہے کہ اس واقعہ کے بعد وہ پھر محل فرعون میں رہنا نہیں چاہتے تھے۔ یہ خوف تھا کہ اگر اسے قتل کی خبر مل گئی تو مجھے قتل کر ڈالے گا یا کوئی اور سزا دے گا اور امید یہ تھی کہ شاید میں مصر سے نکل جانے کا راستہ پا لوں۔

٣۔ اس قبطی کو ان کا نام کیسے معلوم ہوا۔ جواب یہ ہے کہ قتل کے بعد شہر میں چرچا شروع ہوا۔ لوگوں نے قیاس آرائی کی کہ ہو نہ ہو یہ موسیٰؑ ہوں گے کیونکہ قبطیوں سے ان کے تعلقات اچھے نہ تھے۔ دوسرے ممکن ہے لکڑہارے نے ان کا نام لے کر اپنی مدد کو بلایا ہو۔

وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنۡ اَقۡصَا الۡمَدِیۡنَةِ یَسۡعٰی ۫ قَالَ یٰمُوۡسٰۤی اِنَّ الۡمَلَاَ یَاۡتَمِرُوۡنَ بِکَ لِیَقۡتُلُوۡکَ فَاخۡرُجۡ اِنِّیۡ لَکَ مِنَ النّٰصِحِیۡنَ ⑳ فَخَرَجَ مِنۡهَا خَآئِفًا یَّتَرَقَّبُ ۫ قَالَ رَبِّ نَجِّنِیۡ مِنَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ㉑ ع ٢ ٨ ٥

ایک شخص شہر کے آخری حصہ سے دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا اے موسیٰ، سردارانِ قوم تمہارے قتل کا ارادہ رکھتے ہیں پس تم شہر سے (جلد از جلد) نکل جاؤ، میں تمہارے نصیحت کرنے والوں میں سے ہوں پس موسیٰ وہاں سے امید و بیم کی حالت میں نکلے اور خدا سے دعا کی کہ اے میرے رب مجھے ظالم قوم سے نجات دے۔

یہ شخص حزقیل مومن آلِ فرعون وہی ہے جس نے صندوقِ موسیٰؑ بنایا تھا۔ اس سے پہلے اس کا حال بیان ہو چکا۔ یہ فرعون کا چچا زاد بھائی تھا۔ حضرت موسیٰؑ پر ایمان لائے ہوئے تھا مگر چھپا رہا۔ حضرت موسیٰؑ یہ خبر سن کر امید و بیم کی حالت میں چل کھڑے ہوئے اور دعا کرتے جاتے تھے کہ اے میرے رب مجھے اس ظالم قوم سے نجات دے۔

صواعق محرقہ میں ابنِ حجر مکّی نے لکھا ہے کہ صدیق تین ہیں۔ مومن آل فرعون جو حضرت موسیٰؑ پر سب سے پہلے ایمان لایا اور صاحب آل یٰسین جو حضرت عیسیٰؑ پر سب سے پہلے ایمان لایا اور علی ابن ابی طالب جو حضرت رسولِ خدا پر سب سے پہلے ایمان لائے۔ اور علیؑ ان سب سے افضل ہیں۔

~ ~ ~

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۲۲﴾ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۬ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ۭ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ۫ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴿۲۳﴾ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ﴿۲۴﴾ فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ ۡ قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ۭ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ۫ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵﴾

جب مدین کی طرف چلے تو کہتے جاتے تھے عنقریب خدا مجھے صحیح راستہ کی طرف لے جائے گا۔ جب مدین کے کنوئیں پر پہنچے (جو شہر سے باہر تھا) تو دیکھا کنوئیں پر لوگوں کی بھیڑ ہے وہ (اپنے اپنے جانوروں کو) پانی پلا رہے ہیں اور ان کے پیچھے دو عورتوں (حضرت شعیبؑ کی بیٹیاں) کو دیکھا کہ وہ (اپنی بکریوں کو) روکے کھڑی ہیں۔ موسیٰ نے پوچھا، تمہارا کیا مطلب ہے۔ وہ کہنے لگیں جب تک سب چرواہے (اپنے جانوروں کو) پانی پلا کر چلے نہ جائیں گے ہم نہیں پلا سکتے اور ہمارے باپ بوڑھے ہیں (خود نہیں آسکتے) موسیٰ نے ان کی بکریوں کو پانی کھینچ کر پلا دیا۔ پھر وہاں سے ہٹ کر چھاؤں میں جا بیٹھے (چونکہ بہت بھوکے تھے) دُعا کی میرے پروردگار، اس وقت جو نعمت تیرے پاس سے بھیج دے، میں اس کا سخت حاجتمند ہوں۔ اتنے میں ان دو میں سے ایک عورت شرمیلی چال سے آئی اور موسیٰ سے کہنے لگی میرے والد آپ کو بُلاتے ہیں تاکہ آپ نے جو ہماری بکریوں کو پانی پلایا ہے اُس کی مزدوری دیں۔ غرض جب موسیٰ اُن کے پاس آئے اور اُن سے

اپنا قصّہ بیان کیا تو انہوں نے کہا اب تم کچھ اندیشہ نہ کرو تم نے ظالم لوگوں کے ہاتھ سے نجات پائی۔

حضرت موسیٰؑ مدین کو پیادہ پا روانہ ہوئے تھے کٹھن منزلیں طے کر کے آ رہے تھے۔ راستہ میں کہیں کھانا نہ ملا۔ درختوں کے پتے کھا کھا کر بسر کی تو مدین پہنچنے پر ان کا بھوک سے بُرا حال تھا۔ بدن کی کھال پر سبزی جھلک آئی تھی۔ مگر اس حالت میں بھی حضرت شعیبؑ کی بیٹیوں کی مدد سے پہلوتہی نہ کی۔ یہ کام انبیاء کے سوا دوسرا نہیں کر سکتا۔ پھر سوائے خدا کسی سے کھانے کی درخواست نہ کی حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات کا صبر و ضبط انہی کے ساتھ تھا۔

حضرت شعیبؑ نے یہ سنتے ہی کہ ایک اجنبی شخص نے ان پر احسان کیا ہے فوراً ان کو بُلا بھیجا تاکہ اس خدمت کا اجر ان کو دیں۔

مدین مصر کی حکومت سے خارج تھا اس لیے شعیبؑ نے کہا کہ اب تم کو ظالموں سے نجات مل گئی۔

قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۡ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ﴿۲۶﴾ قَالَ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰٓي اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ۭ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ ۭ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۲۸﴾ ع

اُن لڑکیوں میں سے ایک نے کہا، ابّا جان ان کو نوکر رکھ لیجئے کیونکہ آپ جس کو بھی نوکر رکھیں سب میں بہتر وہ ہے جو طاقتور اور امانتدار ہو۔ حضرت شعیب نے کہا، میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک کے ساتھ تمہارا اس (مہر) پر نکاح کر دوں کہ تم آٹھ برس تک میری نوکری کرو اور اگر تم دس برس پورے کر دو تو تمہارا احسان، میں تم کو محنت شاقہ میں ڈالنا نہیں چاہتا۔ انشاء اللہ تم مجھے نیکوکار آدمی پاؤ گے

موسٰی نے کہا یہ میرے اور آپ کے درمیان معاہدہ ہے۔ دونوں مدّتوں میں سے جو بھی پوری کر دوں۔ (مجھے اختیار ہے) پھر مجھ پر کوئی جبر نہ ہوگا۔ جو کچھ ہم کر رہے ہیں خدا اس پر گواہ ہے۔

حضرت موسٰیؑ جب مدین پہنچے تھے تو پہلے تو اُن پر تکان غالب تھی دوسرے بھوکے تھے تیسرے قیام کرنے کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ جب شعیبؑ کی صاحبزادی نے آکر کہا کہ ہمارے باپ بُلاتے ہیں تو انہوں نے وہاں جانا غنیمت جانا۔ لڑکی نے آگے چلنا چاہا تو حضرت موسٰیؑ نے فرمایا، تم میرے پیچھے چلو اور پیچھے سے ہی راستہ بتاتی جاؤ۔ مقصد یہ تھا کہ میں نامحرم ہوں تمہارے جسم پر میری نظر نہ پڑے۔

جناب شعیبؑ نے جب موسٰیؑ کے حالات سُنے تو یقین ہوگیا کہ یہ مرد شریف اور حیادار ہے اور طاقتور بھی ہے پھر سوچا، اگر اس کو بطور مہمان رکھتا ہوں تو جوان لڑکیاں گھر میں ہیں اس صورت میں ایک اجنبی کو گھر میں رکھنا مناسب نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ ایک لڑکی کا اس سے نکاح کر دوں۔ حضرت شعیبؑ نے اپنے ارادہ کا اظہار کر کے یہ شرط بھی بیان کی کہ آٹھ برس تم کو میری بکریاں چرانی ہوں گی۔ حضرت موسٰیؑ کے لیے اس سے بہتر موقع کیا تھا۔ ایک ایسے مقام پر جہاں اُن کا کوئی شناسا نہ تھا اور کیا ہو سکتا تھا کہ یہ شرط منظور کر لیں۔ اس کے بعد ان کی پریشانی دُور ہو گئی۔ آپؑ کی بی بی صاحبہ کا نام صفورا تھا۔

حضرت موسٰیؑ نے کہا جب آپ نے اپنی بکریاں چرانے کا کام میرے سپرد کیا ہے تو مجھے ایک لاٹھی بھی دیجئے تاکہ اس سے درختوں کی پتّیاں بھی جھاڑوں اور اگر کوئی درندہ حملہ کرے تو اس سے اس کے حملہ کو رفع کروں۔ جناب شعیبؑ نے بیٹی سے کہا، فلاں عصا اُٹھا لاؤ۔ جب وہ لے کر آئی تو فرمایا یہ نہیں دوسرا لاؤ۔ وہ گئیں اور پھر وہی لے آئیں۔ فرمایا، یہ نہیں دوسرا لاؤ۔ وہ گئیں اور پھر وہی لے آئیں۔ انہوں نے غصّہ ہو کر کہا میں بار بار کہہ رہا ہوں کہ یہ نہیں۔ انہوں نے عرض کیا، میں کیا کروں آپ کے جتنے عصا ہیں اُن میں سے جب میں کسی اور کو پکڑنا چاہتی ہوں تو ہر بار میرے ہاتھ میں یہی آجاتا ہے۔ فرمایا، اچھا تو یہی لاؤ۔ اس وقت حضرت شعیبؑ سمجھے کہ اس شخص میں خدا کی برگزیدگی کے آثار نمایاں ہیں۔ یہی وہ عصا تھا جو اعجازی صورت میں اژدہا بن جاتا تھا۔

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ

اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۰﴾ وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَاۗنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۭ يٰمُوْسٰٓى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۣ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ﴿۳۱﴾ اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاۗءَ مِنْ غَيْرِ سُوْۗءٍ ۡ وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىِٕهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۳۲﴾

جب موسٰی نے وہ مدّت پُوری کر دی (جو نکاح کی شرط تھی) تو اب مدین سے اپنی بی بی کو لے کر چلے (تو اندھیری رات تھی کہ وادئ طور میں پہنچے سردی کا موسم تھا کہ بی بی صفورا کو دردِ زہ عارض ہُوا) کوہِ طور کی طرف آگ دکھائی دی تو اپنے گھر والوں سے کہا کہ تم لوگ ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے (میں وہاں جاتا ہوں) تاکہ وہاں سے راستہ کی خبر لاؤں (کہ کدھر جانا ہے) یا آگ کا کوئی انگارہ لیتا آؤں کہ تم لوگ تاپو۔ جب موسٰی آگ کے پاس آئے تو وادی کی داہنی جانب سے اس مبارک جگہ میں ایک درخت سے آواز آئی، اے موسٰی میں رب العالمین اللہ ہوں اور اپنا عصا زمین پر ڈال دو۔ (جب ڈال دیا) تو دیکھا وہ تو ایک اژدھے کی طرح بل کھا رہا ہے تو منہ پھیر کے بھاگے اور پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھا۔ (آواز آئی) اے موسٰی آگے آؤ اور ڈرو نہیں تم ہر طرح سے امن و امان میں ہو اور اپنا ہاتھ گریبان میں ڈالو وہ بغیر کسی عیب کے سفید براق نکلے گا اور خوف کی وجہ سے اپنے بازو اپنی طرف سمیٹ لو (تاکہ خوف جاتا رہے) یہ تمہارے رب کی طرف سے تمہاری نبوّت کی دو دلیلیں ہیں فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس جانے کے لیے۔ یہ بدکار لوگ بن گئے ہیں۔

جب حضرت موسٰیؑ نے سسرال میں بجائے آٹھ سال دس سال پُورے کر دیئے تو اب وطن کی طرف مراجعت کا خیال پیدا ہوا۔ بی بی بچّوں کو ساتھ لے کر چل پڑے پا پیادہ۔ مصر کے اس راستہ میں طور بھی پڑتا تھا۔ جب اس کے داہنی طرف پہنچے تو سردی کا موسم تھا۔ اور اندھیری رات ایک درخت کے نیچے بال بچّوں کو بٹھا کر کہا میں آگ دیکھ رہا ہوں وہاں جا کر پتہ لگاتا ہوں کہ کس راستہ سے ہمیں جانا ہے اور وہاں سے ایک انگارہ بھی تم لوگوں کے لیے لیتا آؤں گا تاکہ تاپو۔ وہاں جس درخت سے آگ نکلتی دیکھی تھی وہ جل نہیں رہا تھا بلکہ خدا کا پیدا کردہ نور اس پر چھایا ہوا تھا

بہر حال جب موسیٰؑ اس مبارک سرزمین تک پہنچ گئے تو آواز آئی میں رب العالمین خدا ہوں۔ پھر حکم ہوُا اپنا عصا زمین پر ڈالو، جب ڈالا تو وہ اژدہا بن گیا۔ یہ قصہ ہم سورۂ نمل میں بیان کر چکے ہیں۔

یہ جو کہا گیا کہ اپنے دونوں ہاتھ بغلوں میں دے لو تو یہ خوف دُور کرنے کے لیے کہا گیا۔ انسان کی یہ فطری خصوصیت ہے کہ خوف یا سردی کے وقت جب انسان بغلوں میں ہاتھ دے لیتا ہے تو سردی یا خوف کم ہو جاتا ہے۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴿۳۳﴾ وَاَخِیْ هٰرُوْنُ
هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِیْٓ ۡاِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ
يُّكَذِّبُوْنِ ﴿۳۴﴾ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا
يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ۚ بِاٰيٰتِنَآ ۚ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ﴿۳۵﴾

(حضرت موسیٰ کو جب فرعون کے پاس جانے کا حکم ملا تو) کہنے لگے اے میرے رب، میں نے ان میں (قبطیوں میں) سے ایک شخص کو قتل کر دیا ہے لہٰذا میں ڈرتا ہوں کہ (اس کے بدلہ میں وہ) مجھے قتل کر دیں گے۔ میرا بھائی ہارون جو مجھ سے زیادہ فصیح ہے بطور مددگار میرے ساتھ بھیج۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے ضرور جھٹلائیں گے۔ خدا نے فرمایا ہم عنقریب تمہارے بازو کو تمہارے بھائی سے مضبوط بنا دیں گے اور ہم اپنی نشانیوں (عصا و ید بیضا) کے ذریعہ سے ایسا غلبہ تم کو عطا کریں گے کہ وہ تم دونوں کے قریب تک نہ آسکیں گے۔ تم دونوں اور جو تمہارے ساتھ ہوں گے وہ غالب آکر رہیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ کا خوف بیجا نہ تھا۔ مقابلہ کسی چھٹیچر آدمی سے نہ تھا، کسی سردارِ قوم سے نہ تھا بلکہ ایک ایسے بادشاہ سے تھا جس کا رعب تمام ملک پر چھایا ہوُا تھا۔ جس کے قبضہ میں بڑے بڑے لشکر تھے چھلکتے خزانے تھے۔ اس کے مقابلہ میں ایک تن تنہا کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے اس لیے مدد مانگی۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ کیا مدد مانگی، کوئی لشکر نہیں مانگا دس بیس آدمی نہیں مانگے، مانگا تو ایک اپنے بھروسہ کا آدمی جس کے متعلق وہ خوب جانتے تھے کہ دشمن سے مقابلہ کے وقت یہ کسی حالت میں بھی مجھے تنہا چھوڑ کر نہ بھاگے گا کیونکہ میرا بھائی ہے میرا قوتِ بازو ہے۔ "جگر جگر است دگر دگر است"۔ دوسرے میں ہکلا ہوں وہ صاف بولتا ہے۔ فرعون کے سامنے جا کر

زوردار تقریر کر سکے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ دشمنوں سے مقابلہ میں کام انہی لوگوں سے چلتا ہے جو اپنے سردار سے پُرخلوص محبت رکھتے ہوں اور سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح جم کر لڑنے والے ہوں۔ جیسے کہ حضرت علی علیہ السّلام تھے، جن کی منزلت آنحضرتؐ کے نزدیک وہی تھی جو ہارونؑ کی منزلت موسیٰؑ کے نزدیک تھی۔ حضرت علیؑ ہر وقت حضورؐ کے ساتھ سایہ کی طرح رہے۔ ہر خوفناک سے خوفناک موقع پر رسولؐ کا ساتھ دیا۔ اپنی جان اُنؐ کے قدموں پر چھڑکتے رہے۔

الغرض خدا نے اس وعدہ کے ساتھ موسیٰؑ و ہارونؑ کو فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف بھیجا کہ تم ذرا نہ ڈرو کسی کی طاقت نہیں کہ تم کو ضرر پہنچا سکے۔ ہماری دو نشانیاں تمہارے ساتھ ہیں ان سے کام لو۔ جب خدا اپنے کسی بندہ سے ایسا وعدہ کر لے تو پھر خوف و ہراس سے اس کا کیا تعلق۔ فرعون کی طرف دونوں گئے اور نہایت نڈر اور بیباک ہو کر گئے۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰی بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًی وَّمَا
سَمِعْنَا بِهٰذَا فِیْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَقَالَ مُوْسٰی رَبِّیْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ
بِالْهُدٰی مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾
وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِیْ ۚ فَاَوْقِدْ لِیْ يٰهَامٰنُ
عَلَی الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّیْ صَرْحًا لَّعَلِّیْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓی اِلٰهِ مُوْسٰی ۙ وَاِنِّیْ لَاَظُنُّهٗ
مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِی الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ
وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۹﴾

الغرض جب موسیٰ ہماری کھلی نشانیاں لے کر (فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس) آئے تو انہوں نے کہا، یہ ہے کیا، جھوٹا جادو ہے۔ ہم نے اپنے باپ دادا سے ایسی باتیں کبھی سنی بھی نہیں۔ (سب جھوٹ ہے)

موسیٰ نے کہا میرا رب اس کو خوب جانتا ہے جو اس کی طرف سے ہدایت لے کر آیا ہے اور اُسے بھی جانتا ہے جس کے لیے آخرت کا گھر ہے۔ ظالم تو کبھی کامیاب ہُوا نہیں کرتے۔ فرعون نے کہا اے میرے دربار کے سردارو، میں تو اپنے سوا کسی اور کو تمہارا معبود نہیں جانتا (اور موسیٰؑ دوسرے کو خدا بتاتا ہے) پس (اے ہامان) تُو میرے لیے مٹی (کی اینٹوں کا) پجاوا سلگا دے (اینٹیں بنانے کی بھٹی)، پھر میرے لیے ایک (اُونچا محل) بنوا دو تاکہ میں (چڑھ کر) موسیٰ کے خدا کو دیکھوں کہ (وہ کہاں ہے) میں تو موسیٰ کو جھوٹا سمجھتا ہوں۔ فرعون اور اس کے لشکر نے روئے زمین پر ناحق سر اُٹھایا تھا اور یہ سمجھ لیا تھا کہ ہماری طرف پلٹ کر نہیں آئیں گے۔

ان آیات کے سلسلہ میں چند باتوں پر روشنی ڈالنا ضروری ہے:

۱۔ فرعون کا عقیدہ کیا تھا؟ آیاتِ قرآنی سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے کو خدا نہیں سمجھتا تھا وہ خود بُتوں کی پرستش کرتا تھا۔ بلکہ اس کا دعویٰ یہ تھا کہ میں تم سب کا ربِ اعلیٰ ہوں یعنی حاکم علی الاطلاق ہوں۔ میرے سوا کوئی حکومت کا دعویدار نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ موسیٰ کے متعلق اُس نے اپنے درباریوں سے بھی کہا تھا کہ یہ شخص چاہتا ہے کہ جادو کے زور سے ہمیں اس ملک سے نکال دے اور ہمارے بجائے اس ملک پر حکومت کرے۔ یہ دعویٰ اُس نے بار بار ظاہر کیا ہے اور کہتا ہے یہ کون معبود ہے جس کی حکومت میرے سوا موسیٰ مصر میں قائم کرنا چاہتا ہے۔ میں اُسے دیکھنا چاہتا ہوں تاکہ سمجھوں کہ اس کو کس طاقت کی بنا پر موسیٰ مجھ سے حکومت چھین کر دوسرے کے حوالے کرنا چاہتا ہے۔ الٰہ کے معنی وہ حاکمِ علی الاطلاق کے لیتا ہے نہ کہ اس خدا کے جو خالقِ کائنات ہے۔ وہ کبھی اس کا مدعی نہیں ہُوا کہ وہ اس دُنیا کا یا کم از کم انسانوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ اگر وہ ایسا دعویٰ کرتا تو کوئی احمق سے احمق انسان بھی اس دعویٰ کو تسلیم نہیں کر سکتا تھا۔

ـــ یہ ایک مفسر کی رائے ہے۔

۲۔ اکثر مفسرین کی رائے یہی ہے کہ وہ خدائی کا مدعی تھا اور جہاں جہاں اُس نے یہ کہا ہے کہ میرے سوا کوئی الٰہ نہیں وہاں معبود مراد ہے۔ ربِ اعلیٰ کہنے سے اس کی مراد یہ تھی کہ سب کا پرورش کرنے والا میں ہوں۔ فرعون جیسے بے عقل انسان سے ہر قسم کے دعویٰ کی امید کی جا سکتی ہے جو ربِ اعلیٰ ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ اور رب العالمین کو اللہ ماننے سے انکار کرتا ہو۔ بھلا اس سے خدائی کا دعویٰ کرنا کیا بعید ہے۔ احمق کو اپنے دعویٰ کے ثبوت میں کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہُوا کرتی۔

۳۔ قرآن میں جس مینار کے بنانے کا ذکر ہے جس کے اُوپر چڑھ کر خدائے موسیٰؑ کو دیکھے اس میں بھی اختلاف ہے۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ صرف اُس کا خیال تھا۔ اُس نے ایسا چاہا ضرور تھا لیکن بعد میں ایسا ہُوا نہیں خواہ اس کی سمجھ میں بات آ گئی ہو یا کسی اور نے سمجھایا ہو کہ اے احمق، موسیٰؑ کا خدا کیا آسن جمائے ہمیں بیٹھا ہے کہ تو

اُسے دیکھ پائے گا۔

۴۔ اکثر مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ زرِ کثیر خرچ کر کے اُس نے ایک نہایت بلند مینار بنوایا تھا۔ لیکن اس پر چڑھنے سے پہلے وُہ گر گیا۔ جس سے بہت سے لوگ ہلاک ہو گئے اور بہت سے مکان تباہ ہو گئے۔ یہ سب مال و زر کی زیادتی اور وسعتِ حکومت کے شیطانی کرشمے تھے جو آئے دن دیکھنے میں آتے رہتے ہیں۔ دولت کا دباؤ جب عقل پر پڑتا ہے تو اُس کی ہڈی پسلی ٹوٹ کر رہ جاتی ہے۔ شداد، نمرود، فرعون وغیرہ اسی احمق دُنیا کے بسنے والے ہیں۔ اور اس صدی میں بھی بہت سے لوگ اس سوسائٹی کے ممبر ہیں۔

فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الظّٰلِمِيْنَ (۴۰) وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا
يُنْصَرُوْنَ (۴۱) وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ
الْمَقْبُوْحِيْنَ (۴۲) وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا
الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ (۴۳)

ہم نے فرعون اور اس کے لشکر کو دھر پکڑا پس دیکھو ظالموں کا انجام کیسا ہُوا ہم نے انکو گمراہوں کا امام بنایا جو لوگوں کو جہنم کی طرف بُلانے والے تھے اور قیامت کے دن ان کی مدد نہ کی جائے گی ہم نے دنیا میں بھی تو ان کے پیچھے لعنت لگا دی ہے اور قیامت کے دن انکے چہرے بگاڑ دیئے جائیں گے اور ہم نے موسیٰؑ کو کتاب عطا کی، اس کے بعد کہ ہم نے بہت سی اُمتوں کو ہلاک کر ڈالا۔ تمام کتاب لوگوں کے لیے سراپا بصیرت، ہدایت اور رحمت ہے تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔

دُنیا میں دو قسم کے امام پائے جاتے ہیں، ایک وہ جو لوگوں کو جہنم کی طرف لے جانے والے ہیں۔ دوسرے وہ جو جنت کی طرف دعوت دینے والے ہیں۔ ائمہ نار کو جو خدا نے اپنی طرف نسبت دی ہے یعنی ہم نے اُن کو بنایا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جن اسباب کی بنا پر وہ سرکش بنے وہ ہمارے ہی پیدا کردہ ہیں۔ اُنہوں نے ان اسباب اور ذرائع کا غلط استعمال کیا اس لیے وہ ہمارے نافرمان بندے قرار پائے۔ انہیں سوچنا چاہیئے تھا کہ جس نے یہ قوتیں ہم کو دی ہیں اس پر

ایمان لانا چاہیئے نہ یہ کہ اُس کے خلاف لوگوں کو بغاوت پر آمادہ کریں۔ نتیجہ ان کی بغاوت کا یہ ہُوا کہ قیامت میں کوئی ان کا مددگار نہیں ہوگا اور دُنیا میں قیامت تک ان پر پھٹکار برسے گی۔ موسیٰؑ تو بعد میں آئے ہیں اُن سے پہلے قوم نوحؑ، قوم عادؑ و ثمودؑ اور قوم شعیبؑ پر کیسے کیسے ہم نے عذاب نازل کیے۔ یہ شیطان کے مجرمانہ کردار کی سزا تھی۔ پھر ہم نے رحم کھا کر بعد والی قوموں کے لیے کتاب توریت نازل کی کہ شاید یہ لوگ پہلے لوگوں کے حال سے نصیحت حاصل کریں۔

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ
الشّٰهِدِيْنَ ۙ (۴۴) وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنْتَ
ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ (۴۵) وَمَا
كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا
مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ (۴۶) وَلَوْلَآ اَنْ
تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ
اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (۴۷)

(اے رسولؐ) جس وقت ہم نے موسٰیؑ کو حکم بھیجا تھا تو تم طُور کی مغربی جانب موجود نہ تھے اور نہ تم ان واقعات کو بچشمِ خود دیکھ رہے تھے لیکن ہم نے موسٰیؑ کے بعد بہت سی اُمتیں پیدا کیں پھر ان پر ایک زمانۂ دراز گزر گیا اور نہ تم مدین کے لوگوں میں رہے تھے کہ ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھتے (تاکہ تم کو ان کے حالات معلوم ہوتے) مگر ہم تو تم کو پیغمبر بنا کر بھیجنے والے تھے اور نہ تم طور کی کسی جانب اس وقت موجود تھے جب ہم نے موسٰیؑ کو آواز دی تھی (تاکہ تم دیکھتے) مگر یہ تمہارے پروردگار کی مہربانی ہے کہ تم اُن لوگوں کو جن کے پاس تم سے پہلے ڈرانے والا آیا ہی نہیں تھا ڈراؤ تاکہ وہ لوگ نصیحت و عبرت حاصل کریں اور اگر یہ نہ ہوتا کہ جب اُن پر اُن کے اگلے کرتوتوں کی بدولت کوئی مصیبت پڑتی ، تو

(بے ساختہ) کہہ اُٹھتے کہ پروردگارا تُو نے ہمارے پاس کوئی پیغمبر ہی نہ بھیجا کہ ہم تیرے حکموں پر چلتے اور ایمانداروں میں سے ہوتے۔

یہ آیات آنحضرتؐ کی نبوتؐ کی تصدیق میں نازل ہوئی ہیں یعنی اے رسول تم لوگوں کے سامنے وہ واقعات بیان کر رہے ہو جو تم سے دو ہزار برس پہلے ہو چکے ہیں تو کیا یہ تمہاری نبوت کی تصدیق کے لیے کافی نہیں۔ تم نہ وہاں موجود تھے نہ تم نے اُن کے حالات کے بارے میں کوئی کتاب پڑھی تھی۔ تو پھر بغیر ہمارے بتائے تم کیسے بیان کر رہے ہو۔ موسٰیؑ کے واقعات، اہلِ مدین کے واقعات اور سچے واقعات۔ اگر تم نبی نہ ہوتے تو بھلا کیسے بیان کر سکتے تھے۔ کتنی قومیں تم سے پہلے اس دُنیا میں آئیں اور گزر گئیں۔ کتنے انبیاء و مرسلین ان میں ہدایت کے لیے آئے اور گزر گئے۔ تم ان کے حالات جو بیان کر رہے ہو تو کیا یہ تمہاری نبوت کے ثبوت کے لیے کافی نہیں۔ حضرت عیسٰیؑ کے بعد یہ سلسلہ ختم ہو گیا تھا۔ چھ سو برس تک کوئی نبی نہ آیا۔ ہم نے پھر تم کو اپنی رحمت بنا کر بھیجا تاکہ لوگوں کو روزِ قیامت یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ جب کوئی ہادی ہمارے پاس آیا ہی نہ تھا تو پھر ہم سے باز پرس کیوں ہے اگر آتا تو ہم ضرور مؤمن ہی ہوتے۔ یہ زمانہ جو انبیاء سے خالی رہا جس کو زمانۂ ”فترت“ کہتے ہیں اس مصلحت پر مبنی تھا کہ لوگ نبی کی ضرورت کا احساس کریں اس زمانۂ فترت سے پہلے تک ہوتا یہ رہا کہ انبیاء و مرسلین آتے رہے اور لوگ ان کو جھٹلاتے رہے بلکہ ان کو قتل کرتے رہے لہٰذا ہم نے ان کی تمام آمد روک دی تاکہ انہیں یہ معلوم ہو کہ انبیاء کی آمد رُک جانے سے ان کو کتنا نقصان پہنچا۔ چند سو برس کے اندر دُنیا بھر کی بُرائیاں ان کے اندر اس تیزی سے آئیں کہ نیکی کا نام تک بھول گئے۔ اخلاقی، معاشی اور تمدنی غرض ان کے ہر طریقہ زندگی میں کیڑے پڑ گئے۔ رات دن کی جنگ و پیکار نے ان کے امن و امان کا خاتمہ کر دیا۔ زناکاری، لوٹ مار، سودخواری، ظلم پسندی، ریاکاری، معاشقت، آبرو ریزی غرض کونسی بُرائی تھی جو اُن کے اندر نہ پائی جاتی تھی۔ اُن کا نظامِ حیات کسی قانون کا پابند نہ تھا۔ وہ جذبات سے کھیلتے اور ہوا و ہوس سے دل بہلاتے تھے۔ وہ شکل و صورت میں انسان تھے مگر سیرت میں حیوان بلکہ حیوانوں سے بھی بدتر۔ قبائل کی باہمی دشمنی نے اُن پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ ایک خدا کو چھوڑ کر تین سو ساٹھ بُتوں کے پرستار بنے ہوئے تھے۔ ہر نعمت کی قدر چونکہ بعد زوال ہوتی ہے اس لیے اب احساس ہُوا کہ انبیاء کے نہ آنے سے انکو کتنا سخت نقصان پہنچا ہے۔ جو پیش گوئیاں نبی آخر الزماںؐ کے متعلق سنتے تھے اب شدت سے اس نبی کے آنے کی گھڑیاں گننے لگے۔ اگر حضورؐ نہ آتے تو اُن کی ہدایت کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اپنی غلطی کا احساس بہت جلد انہیں ہونے لگا اور دینِ اسلام نے اُن کا بیڑا غرق ہونے سے بچا لیا۔

خدا یہی سب باتیں اپنے رسولؐ کو بتا رہا ہے اور اُنؐ کے مخالفین کو سمجھا رہا ہے۔

خدا نے آخر میں ایک ایسا نبیؐ بھیجا جس کی شریعت ہر طریقہ سے کامل ہے اب قیامت تک کسی اور نبی کے آنے کی ضرورت باقی نہیں رہی کیونکہ دین و دُنیا کی تمام ضروریات کو مکمل طور سے سمجھا دیا گیا ہے اور اس کی تعلیم کو تمام ارضی خطوں میں پھیلا دیا گیا۔ پُوری طرح اشاعت کر دی گئی۔ اور نورِ ہُدیٰ کی تاثیروں کے لیے ہر زمانہ کے لیے امام مقرر کر دیا گیا۔

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِیَ مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی ؕ
اَوَلَمْ یَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۟ۙ
وَقَالُوْۤا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ (۴۸) قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰی
مِنْهُمَاۤ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (۴۹) فَاِنْ لَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ
اَنَّمَا یَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ؕ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَیْرِ هُدًی
مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ (۵۰) وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ ع ۵ ۸
الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ (۵۱) اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ
هُمْ بِهٖ یُؤْمِنُوْنَ (۵۲)

جب ہماری بارگاہ سے دینِ حق ان کے پاس پہنچا تو کہنے لگے جیسے (معجزے) موسٰی کو عطا ہوئے تھے ویسے ہی اس رسول کو کیوں نہیں دیئے گئے۔ کیا جو معجزے اس سے پہلے موسٰی کو دیئے گئے تھے اُن سے اُن لوگوں نے انکار نہیں کیا تھا۔ کفار تو یہ بھی کہہ گزرے کہ یہ دونوں (توریت و قرآن) جادو ہیں جو باہم ایک دوسرے کے مددگار ہو گئے ہیں اور یہ بھی کہہ چکے ہم تو سب کے منکر ہیں۔ (اے رسول) تم ان لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم سچے ہو تو خدا کی طرف سے بنا کر ایک ایسی کتاب جو ہدایت میں ان دونوں سے بہتر ہو لے آؤ کہ میں بھی اس پر چلوں۔ پس اگر یہ لوگ اس پر بھی نہ مانیں تو سمجھ لو کہ یہ لوگ اپنی ہوا و ہوس کی پیروی کرتے ہیں اور جو شخص خدا کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی ہوا و ہوس کی پیروی کرے تو اس سے زیادہ گمراہ کون ہوگا۔ بے شک خدا سرکش لوگوں کو منزلِ مقصود تک نہیں پہنچاتا اور ہم نصیحتاً اپنے لگاتار احکام بھیج کر ان کو نصیحت کرتے رہے ہیں کہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔

جن لوگوں کو ہم نے اس سے پہلے کتاب عطا کی ہے وہ اس قرآن پر ایمان لاتے ہیں۔

کفارِ قریش کا یہ اعتراض آنحضرتؐ پر تھا کہ اُن کو وہ تمام معجزات کیوں نہیں دیئے گئے جو حضرت موسٰیؑ کو دیئے گئے تھے جیسے عصا کا سانپ بننا، ہاتھ کا روشن ہونا، پتھروں سے پانی کا نکلنا وغیرہ وغیرہ۔ اُن سے جواباً کہا جا رہا ہے کہ تمہارے باپ دادا نے باوجود ان سب معجزات کے موسٰیؑ کی رسالت سے کیوں انکار کیا تھا۔ تم کہتے ہو کہ توریت و قرآن یہ دونوں جادو کی کتابیں ہیں۔ اچھا اگر تم سچے ہو تو ان کے علاوہ کوئی اور خدا کی ایسی کتاب پیش کرو جو ان سے زیادہ ہدایت کرنے والی ہو۔ یہ کیا جواب دے سکتے ہیں، یہ لوگ تو اپنی خواہش کی پیروی کرتے ہیں جو ان کے دل میں آتا ہے زبان سے بک دیتے ہیں نہ سوچتے ہیں نہ سمجھتے ہیں۔ ان سے زیادہ گمراہ اور کون ہوگا جو خدا کی ہدایات کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ ہم تو لگاتار اپنی ہدایات بھیجتے ہی جاتے ہیں تاکہ یہ نصیحت حاصل کریں۔ جن لوگوں کو ہم نے قرآن سے پہلے کتاب دی تھی ان میں سے بعض لوگ قرآن پر ایمان بھی لے آئے ہیں۔ اس آیت سے مراد وہ نصارٰی ہیں جو حضرت رسولِ خدا پر ایمان لائے تھے ان میں سے ۳۲ آدمی حضرت جعفرؓ کے ساتھ حبشہ سے آئے تھے اور آٹھ شام سے۔ بحیرا۔ ابراہیم۔ اشرف۔ عامر۔ ایمن۔ ادریس۔ نافع۔ تمیم بھی ان ہی لوگوں میں سے ہیں جو عیسائی مذہب کو چھوڑ کر داخلِ اسلام ہوئے تھے جو ۳۲ آدمی حضرت جعفرؓ کے ساتھ آئے تھے وہ اس کا ثبوت ہیں کہ بادشاہ حبشہ نبیِ اکرمؐ پر ایمان لا چکا تھا ورنہ وہ یہ سُن کر کہ ۳۲ آدمی مسلمان ہو گئے ہیں جعفرؓ کی گردن مار دیتا اور جو مسلمان وہاں تھے اُن سب کو قتل کرا دیتا۔

وَاِذَا یُتْلٰی عَلَیْهِمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖۤ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا مِنْ
قَبْلِهٖ مُسْلِمِیْنَ (۵۳) اُولٰٓىِٕكَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَیْنِ بِمَا صَبَرُوْا
وَیَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ (۵۴) وَاِذَا
سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَاۤ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ؗ
سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ ؗ لَا نَبْتَغِی الْجٰهِلِیْنَ (۵۵)

جب قرآن اُن کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو کہتے ہیں ہم تو اس پر ایمان لا چکے ہیں یہ ہمارے رب کی

طرف سے بالکل حق ہے ہم تو اس سے پہلے ہی اُسے مانتے تھے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو ان کے اعمال کی دوہری جزا دی جائے گی۔ چونکہ ان لوگوں نے صبر کیا اور بدی کا دفعیہ نیکی سے کرتے رہے اور جو رزق ہم نے دیا ہے اُسے راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں اور جب لغو بات سنتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں ہمارے اعمال ہمارے ساتھ ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے ساتھ، سلامٌ علیکم۔ ہم جاہلوں کی صحبت کے خواہشمند نہیں۔

بعض مفسرین نے ان ایمان لانے والوں کے متعلق لکھا ہے کہ جب حضرت رسولِ خداؐ کی بعثت کی خبر اطراف و جوانب میں پھیلی تو حبش کے عیسائیوں نے تحقیقِ حال کے لیے ایک وفد بھیجا جس میں ۳۰ آدمی تھے۔ جب یہ وفد مکہ آیا اور حضور سرکارِ دو عالمؐ سے ملا، بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ آپؐ نے اُن کے سامنے قرآن پڑھا تو اُن پر وجد طاری ہُوا اور اس کی صداقت کی تصدیق کی اور اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ پھر اُنہوں نے آپؐ سے چند سوالات کیے، جن کے جوابات سُن کر رسولؐ کی حقانیت کا اُن پر اور زیادہ اثر ہُوا۔ پھر حضورؐ نے اُن کو دعوتِ اسلام دی۔ اُنہوں نے اسلام قبول کیا۔ جب واپس جانے لگے تو ابوجہل وغیرہ نے ان کو راستہ میں جا لیا اور کہا تم نے یہ کیا کیا۔ تم تو اسلام کی تحقیق کرنے کے لیے آئے تھے کہ ٹھیک ٹھیک حال جا کر بیان کرو۔ نہ یہ کہ تم اپنا قدیمی مذہب چھوڑ کر مسلمان ہو جاؤ۔ اُنہوں نے کہا، بس تمہیں ہمارا سلام، ہم ایسی جہالت کی باتوں میں نہیں آ سکتے۔ تمہارا دین تمہارے لیے ہمارا دین ہمارے لیے ہے۔ ہم اس سے پہلے ہی انبیاء کے دین پر ایمان لائے ہوئے تھے اب جو ہم نے قرآن کو اس کے مطابق پایا تو اس رسولؐ پر ایمان لے آئے۔

قرآن کہتا ہے ان لوگوں کو دُہرا اجر ملے گا۔ پہلی کتابوں پر بھی ایمان لانے کا اور اس کتاب پر بھی۔ اُنہوں نے لغو مکالموں کو سننا گوارا نہ کیا اور صاف کہہ دیا ہم پہلے بھی خدا پر ایمان لائے ہوئے تھے اور اس کے فرمانبردار بندے تھے اور اب بھی ہیں۔ ہم تمہارے بہکانے میں نہیں آ سکتے پس تمہیں دُور سے سلام۔ تم جہالت کی باتیں کرتے ہو۔ ہم تمہاری صحبت میں ایک منٹ رہنا گوارا نہیں کرتے۔ تمہارے اعمال تمہارے ساتھ ہیں ہمارے اعمال ہمارے ساتھ ہیں۔

اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۵۶﴾

(اے رسول) تم جسے چاہو منزلِ مقصود تک نہیں پہنچا سکتے لیکن اللہ جسے چاہے منزلِ مقصود تک پہنچا سکتا

ہے اور وہی ہدایت یافتہ لوگوں سے خوب واقف ہے۔

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ آیت حضرت ابوطالب کے بارہ میں نازل ہوئی ہے چونکہ ابوطالب نے حضرتؐ کو پرورش کیا تھا اس لیے آپؐ چاہتے تھے کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔ لیکن یہ خیال غلط ہے۔ ابوطالب مسلمان تھے اور مسلمان ہی مرے۔ جس کے بے شمار ثبوت ہیں۔

ہدایت کے دو معنی ہیں اوّل ارأتُ الطریق یعنی راستہ دکھانا رسول کا یہی کام ہے کہ وہ گمراہوں کو سیدھا راستہ دکھا دیں نہ کہ اُسے منزلِ مقصود تک پہنچا دیں۔ ایسا ہوتا تو سب کافر مسلمان ہو جاتے۔ دوسرے معنی ہیں ایصال الی المطلوب یعنی منزلِ مقصود تک پہنچا دینا یہ کام خدا کا ہے۔ پس مذکورہ بالا آیت میں ہدایت کے یہی دو معنی ظاہر کیے گئے ہیں، یعنی اے رسول تمہارا کام راستہ دکھانا ہے اور ہمارا کام منزلِ مقصود تک پہنچانا ہے۔ اس کا ابوطالب سے کیا تعلق۔ ابوطالب چونکہ حضرت علیؑ کے باپ تھے۔ لہٰذا لوگوں کو ہمیشہ یہ کد رہی کہ ابوطالب کا کافر ہونا ثابت کر دیں۔ کیسی عجیب بات ہے کہ ابوطالب کے گھر والے کہتے ہیں وہ مؤمن تھے اور باہر والے کہتے ہیں وہ کافر تھے۔ حالانکہ گھر والوں کا حال سب سے زیادہ گھر والے ہی جانتے ہیں۔ اس سلسلہ میں چند باتوں پر غور کیجیے:

۱۔ اگر ابوطالب کافر ہوتے تو حضرت علیؑ خانہ کعبہ میں ہرگز پیدا نہ ہوتے۔ ایک کافر بچہ کو جو کفر کے نجس نطفہ سے پیدا ہونے والا ہو خدا اپنے گھر میں اس کا پیدا ہونا کیونکر گوارا کر لیتا۔

۲۔ اگر ابوطالب کافر ہوتے تو خدا اپنے رسولؐ کو ان کی پرورش میں دینا کیوں منظور کر لیتا۔ کیونکہ کافر کی تربیت میں رہ کر جو بچہ نشوونما پائے گا اس میں لامحالہ کافر ہی کے عادات و خصائل ہوں گے۔

۳۔ اگر ابوطالب کافر ہوتے تو کبھی حضورؐ سے ان کو اتنی محبت نہ ہوتی کہ ان کی وجہ سے اپنی جان جوکھوں میں ڈالتے اور اپنی قوم سے سخت عداوت مول لیتے۔ شعب ابی طالب میں تین سال جس مصیبت میں کاٹے وہ اس کی دلیل ہے کہ ابوطالب مؤمن تھے، ورنہ کفر و ایمان میں اتنی شدید محبت نہیں ہو سکتی۔

۴۔ اگر ابوطالب کافر ہوتے تو اپنے بیٹے علیؑ کو رسولؐ کی پرورش میں نہ دیتے اور جب علیؑ کو ان کے نقشِ قدم پر چلتا دیکھتے تو اس کو ہرگز گوارا نہ کرتے۔ کوئی نہیں چاہتا کہ اس کی اولاد اس کے دین کے خلاف ہو کر زندگی بسر کرے۔

۵۔ اگر عبداللہ پدرِ آنحضرتؐ اور ابوطالب دونوں سگے بھائی تھے ایک ماں سے تھے ایک ہی آغوش میں، تو کیسے ممکن تھا کہ ایک بھائی کافر رہا اور ایک مؤمن۔ یہ تو مسلّم ہے کہ فاطمہ بنت اسد مومنہ تھیں ورنہ رسولؐ اپنی قمیص کا کفن نہ دیتے اور قبر میں ان کو نہ اُتارتے اور ان کو قبر میں تلقین نہ کرتے۔ اِن کو اُمّی بعد امّی نہ کہتے۔ کیونکہ مؤمن و کافر میں رشتہ ختم ہو جاتا ہے۔ مسلمان حضرت عبداللہ کے متعلق یہ بحث کبھی نہیں چھیڑتے معرضِ بحث میں جب آتا ہے ایمانِ ابوطالبؑ۔ صرف اس لیے کہ وہ حضرت علیؑ کے باپ تھے۔

٦- جامع الاصول میں ہے اھل البیت یقولون انّ اباطالب کان مسلماً و مات مسلماً - (اہلِ بیت کا اس پر اتفاق ہے کہ ابو طالب مسلمان تھے اور مسلمان مرے)-

٧- محدّث دہلوی نے مدارج النبوۃ میں لکھا ہے، آپ کا نقشِ نگیں یہ تھا، رضیت باللہ ربّاً وَ بابن اخی نبیاً و بابنی علی وصیّاً - (میں اللہ کے پروردگار ہونے اور اپنے بھتیجے کے نبی اور اپنے بیٹے کے وصی ہونے کو پسند کرتا ہوں-

٨- حضرت ابو طالب نے آنحضرتؐ کی تعریف میں جو اشعار لکھے ہیں وہ ایک کافر کی زبان سے ادا نہیں ہو سکتے وہ اس کی دلیل ہیں کہ آپ مومن تھے حضورؐ کا نکاح جناب ابو طالب نے پڑھایا جو الحمد للّٰہ الّذی سے شروع ہوتا ہے

وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ۭ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٥٧﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۢ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ۭ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿٥٨﴾

(اے رسول کفّارِ مکہ) تم سے کہتے ہیں کہ اگر ہم تمہارے ساتھ دینِ حق کی پیروی کریں تو ہم اپنے ملک سے اچک لیے جائیں گے (یہ کیا بکتے ہیں) کیا ہم نے انہیں حرم مکہ میں جہاں ہر طرح کا امن ہے جگہ نہیں دی جہاں ہر قسم کے پھل ہماری بارگاہ سے ان کے لیے کھچے چلے آتے ہیں مگر بہت سے لوگ اس بات کو نہیں جانتے اور ہم نے تو بہت سی بستیاں ہلاک کر دیں جن میں بڑی اتراہٹ کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے (دیکھو) یہ ان کے اُجڑے ہوئے گھر ہیں جو اُن کے لیے پھر آباد نہیں ہوئے مگر بہت کم- آخر ہم ہی اُن کے مال و اسباب کے وارث تھے -

قبیلہ قریش کو تمام اقوامِ عرب میں بہت سی امتیازی خصوصیات حاصل تھیں- اوّل تو یہ کہ ان کو نسبی شرافت

حاصل تھی یعنی حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد سے تھے، دوسرے وہ خانہ کعبہ کے متولّی تھے- اس بنا پر لوگ اُن کو بڑی عزت کی نظر سے دیکھتے تھے، تیسرے اُن کی تجارت کا سلسلہ دُور تک پھیلا ہُوا تھا- جب حضورؐ نے لوگوں کو دعوتِ اسلام دینا شروع کی تو قریش کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ اگر ہم اس نئے دین کو قبول کر لیتے ہیں تو حجاز و عراق وغیرہ میں تمام بُت پرست ہمارے خلاف ہو جائیں گے اور ہمارا تمام وقار خاک میں مِل جائے گا- اس کا اثر سب سے زیادہ ہماری معاشی حالت پر پڑے گا لوگ ہم سے تجارت کرنا بند کر دیں گے اور رقابتوں کے بند دروازے ہم پر کھل جائیں گے کچھ بعید نہیں کہ لوگ حملہ آور ہو کر ہمیں مکہ سے نکال باہر کریں اور ہمیں در در ٹھوکریں کھانا نصیب ہو - یہ سب سے بڑی رکاوٹ تھی جو اسلام قبول کرنے میں سدِّراہ ہوئی- اس کے متعلق خدا فرما رہا ہے کہ ان کا یہ وسوسہ غلط ہے- ہم نے اس شہر کو جائے امن قرار دیا ہے کسی کی طاقت نہیں کہ حملہ کر کے ان کو تباہ و برباد کر دے- ہم نے وعدہ کیا ہے کہ ہر قسم کے پھل ان کو ملتے رہیں گے اور غلہ کی فراہمی میں رکاوٹ نہ ہوگی- پھر انہیں کیا تامل ہے- وہ عیش و آرام کے سامان ضائع ہونے سے ڈرتے ہیں حالانکہ اگر ایمان نہیں تو ان کو عیش و آرام سے زندگی بسر کرنے کا کوئی حق نہیں- ہم نے معلوم کتنے عیش پرستوں کی کتنی بستیاں تباہ و برباد کر دیں- دیکھو تو کتنے گھر ایسے خالی کھنڈر بنے نظر آتے ہیں گویا ان میں کبھی کوئی بسا ہی نہ تھا- ان سب پر ہمارا قبضہ ہے جب چاہیں گے کسی دوسری قوم کو وہاں آباد کر دیں گے- لہٰذا انہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ اس ساز و سامان پر جو دُنیا میں انہیں حاصل ہے اترائیں نہیں اور ایمان لانے سے گریز نہ کریں- اگر وہ ایمان لے آئیں گے تو ان کی حفاظت کرنے والے ہم ہوں گے -

یہی سب سے بڑا کھٹکا تھا جو مشرکین کے دل میں سمایا ہُوا تھا- اس سے بچنے کے لیے وہ اسلام کی مخالفت اور بُت پرستی سے اپنا لگاؤ مختلف صورتوں سے ظاہر کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ کسی صورت سے یہ تحریک (اسلام) دب جائے تو اچھا ہے تاکہ ہمارے دنیوی کاروبار میں خلل نہ پڑے اور آسانی کے ساتھ ہمیں آنے والے خطرات سے نجات مل جائے- چنانچہ وہ مختلف حیلوں سے کام لے رہے تھے- کبھی کہتے تھے یہ جادو ہے کبھی کہتے تھے شاعری ہے کبھی کہتے تھے پُرانے لوگوں کے قصّے کہانیاں ہیں- لیکن ان کی ایسی بکواس سے انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچا اور خدا جو چاہتا تھا وہ ہو کر رہا-

---

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ﴿٥٩﴾ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٠﴾ ع اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا ع ٦ ٩

فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ (٦١)

اور تمہارا پروردگار جب تک ان گاؤں کے صدر مقام پر اپنا پیغمبر نہ بھیجے اور وہ ان کے سامنے ہماری آیات نہ پڑھ دے اُس وقت تک ان بستیوں کو تباہ نہیں کرتا اور ہم بستیوں کو تباہ کرتے ہی نہیں جب تک وہاں کے لوگ ظالم نہ ہوں۔ اور تم لوگوں کو جو کچھ عطا ہوا ہے تو وہ دنیا کی ذرا سی زندگی کا فائدہ اور اس کی آرائش ہے۔ اور جو کچھ خدا کے پاس ہے وہ کہیں بہتر و پائدار ہے کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔ کیا وہ شخص جس سے ہم نے (بہشت کا وعدہ) اچھا وعدہ کیا ہے اور وہ اُسے پا کر رہے گا، اُس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جسے ہم نے دنیوی زندگی کے چند روزہ فائدے عطا کیے ہیں پھر قیامت کے دن جوابدہی کے لیے حاضر کیا جائے گا۔

پہلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اُم کے معنی صدر مقام کے ہیں۔ مکّہ کو اُم القریٰ اسی لیے کہتے تھے کہ وہ بہت سی بستیوں کا صدر مقام تھا۔ پس امّی کے معنی ہوئے صدر مقام یعنی مکّہ کا رہنے والا۔ نہ کہ معنی جاہل، جیسا کہ عام لوگ ترجمہ کرتے ہیں۔ امّیین ہوئے مکّہ کے رہنے والے۔ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا (٦٢/٢ الجمعہ) معنی ہوئے اللہ وہ ہے جس نے مکّہ والوں میں ایک شخص کو انہی میں سے رسول بنا کر بھیجا۔

ان آیات میں مکہ والوں کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ تم چند روزہ زندگی کے ساز و سامان پر کیا فریفتہ ہو رہے ہو اس کی حقیقت ہی کیا ہے۔ آنکھ بند ہوتے ہی سب یہیں چھوٹ جائے گا۔ البتہ جو تمہارا اجر خدا کے پاس ہے وہ اس سامان سے ہزار درجہ بہتر بھی ہے اور پائدار بھی۔ اور وہ ضرور ایک دن تم کو مل کر رہے گا۔

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ (٦٢)
قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا ج
اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ج تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ (٦٣)
وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ

وَرَاَوُا الْعَذَابَ ج لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ (٦٤) وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ
مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ (٦٥) فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ
لَا يَتَسَآءَلُوْنَ (٦٦) فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰٓى اَنْ
يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ (٦٧)

جس روز خدا ان کفّار کو پکارے گا اور پُوچھے گا جن کو تم ہمارا شریک خیال کرتے تھے وہ آج کہاں ہیں (وہ شرکا بھی بُلائے جائیں گے)۔ وہ لوگ جو ہمارے عذاب کے مستحق بن چکے ہیں کہہ دیں گے اے پروردگار، یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ہم نے گمراہ کیا تھا جس طرح ہم خود گمراہ ہوئے اسی طرح ہم نے ان کو گمراہ کیا۔ ہم تیرے سامنے برأت کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ لوگ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے اور کہا جائے گا ان شریکوں کو جنہیں تم خدا کہتے تھے بُلاؤ۔ غرض وہ لوگ انہیں بُلائیں گے اور وہ جواب نہ دیں گے (اور اپنی آنکھوں سے) عذاب کو دیکھیں گے۔ کاش یہ لوگ دُنیا میں راہِ راست پر آ گئے ہوتے اور جس دن خدا ان کو پکار کر پُوچھے گا تم لوگوں نے پیغمبروں کو (ان کے سمجھانے پر) کیا جواب دیا تھا (تب اس دن) انہیں باتیں نہ سُوجھ پڑیں گی اور پھر باہم ایک دوسرے سے پُوچھ بھی نہ سکیں گے مگر جس نے توبہ کر لی اور ایمان لے آیا اور اچھے کام کیے تو قریب ہے کہ یہ لوگ اپنی مراد پانے والوں میں سے ہو جائیں۔

احمق لوگوں کو دنیا میں دو قسم کے انسانوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ ایک وہ گروہ جو راہِ راست سے ہٹا ہوا ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ جس طرح وہ خود گمراہ ہے دوسروں کو بھی گمراہ کر کے اپنا جتھا بڑھا لے۔ دوسرے وہ جن و انس وغیرہ ہیں جن کی پرستش کی جاتی ہے۔ خواہ اُن کی پرستش خدا سمجھ کر کرتے ہوں یا ان کے احکام پر اس طرح عمل کرتے ہوں جیسے خدا کے احکام پر کرنا چاہیئے۔ روزِ قیامت ان سب کو جمع کیا جائے گا۔ پہلے گمراہ ہونے والوں سے پوچھا جائے گا بتاؤ وہ لوگ کہاں ہیں جنہوں نے تم کو گمراہ کیا تھا۔ جب وہ آئیں گے اور گمراہ ہونے والے کہیں گے یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا تو وہ جواب میں کہیں گے ہم نے تم پہ

کوئی جبر نہیں کیا تھا۔ تمہارا ہاتھ پکڑ کر راہِ راست سے نہیں ہٹایا تھا۔ ہم جیسے خود گمراہ تھے اسی طرح تم کو بھی چاہا تھا تم ہماری باتوں میں کیوں آگئے تھے۔ اسی طرح جب وہ لوگ آئیں گے جن کو خدا کا شریک بنا کر عبادت کرتے تھے تو ان عبادت کرنے والوں کی بات کا جواب ہی نہ دیں گے اور ان سے اظہارِ برأت کریں گے اس وقت سب سے سوال ہوگا یہ بتاؤ جب تمہارے پاس ہمارے پیغمبر آئے تھے اور انہوں نے تمہیں ہدایت کی تھی اور خدا پر ایمان لانے اور اعمالِ صالحہ بجالانے کے لیے کہا تھا تو تم نے ان کی ہدایت سے کیوں منہ موڑا۔ غرض کسی سے جواب دیتے نہ بن پڑے گا اور پھر دوزخ ان کا ٹھکانہ ہوگا۔

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ؕ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَ
تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (۶۸) وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا
يُعْلِنُوْنَ (۶۹) وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْحَمْدُ فِى الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ز
وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (۷۰)

اور تمہارا پروردگار جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے منتخب کرتا ہے اور یہ انتخاب لوگوں کے اختیار میں نہیں ہے جس چیز کو یہ لوگ خدا کا شریک بناتے ہیں خدا اس سے پاک و برتر ہے (اے رسول) یہ لوگ جو باتیں اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے وہی خدا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی کے لیے حمد ہے دُنیا و آخرت میں۔ اور اسی کی حکومت ہے اور اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے۔

پہلی آیت یہ بتاتی ہے کہ کسی عہدہ کا انتخاب خدا کے اختیار میں ہے کسی دوسرے کو منتخب کرنے کا حق نہیں۔ کوئی بھی ایسا عہدہ جس کا تعلق ہدایتِ خلق سے ہے اُس کے لیے کسی کو منتخب کرنا خدا ہی سے مخصوص ہے انسان کسی کے دل کی چھپی ہوئی بات کو نہیں جان سکتا۔ اور نہ یہ جان سکتا ہے کہ کسی شخص کی زندگی کا رُخ آئندہ زمانہ میں کس طرف مڑ جائے گا۔ اس کے حالات میں کیا کیا تغیرات پیدا ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ بندوں کے منتخب کیے ہوئے لوگ اپنے عہدوں پر ہمیشہ قائم نہیں رہے۔ آج ووٹ دے کر جس کو سلطنت کا اہل سمجھا جاتا ہے کل وہی ووٹ دینے والے

اس کو حکومت سے برطرف کرتے ہیں۔ جب تک یہ انتخاب بندوں کے ہاتھ میں رہے گا یہی کچھ ہوتا رہے گا۔ قدرت کے اس قانون کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ عام لوگوں کا کیا ذکر، انبیاءؑ کو بھی یہ حق نہیں دیا گیا کہ وہ بطورِ خود کسی کو منتخب کرلیں۔ ہاں سفارش کرسکتے ہیں۔ جیسے حضرت موسیٰؑ نے حضرت ہارونؑ کے لیے سفارش کی تھی۔ طور پر لے جانے کے لیے حضرت موسیٰؑ نے ستر ہزار بنی اسرائیل میں سے ستر آدمی ایسے انتخاب کیے تھے جن کو بڑا ایمان کا پتلا سمجھتے تھے وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا (الاعراف ۱۵۵/۷)۔ لیکن طور پر جاتے ہی یہ لوگ مچل گئے کہنے لگے، ہم آپ پر ایمان نہ لائیں گے جب تک آپ ہمیں خدا کو کھلم کھلا نہ دکھادیں۔ یہی وجہ ہے کہ خدا نے کسی نبی کے جانشین بنانے کا کام اس نبی کی امت کے سپرد نہیں کیا بلکہ اپنے اختیار میں رکھا ہے۔ نبوت تو خیر بڑی چیز ہے جو بادشاہتیں تحتِ نبوت ہوتی ہیں وہاں بھی کسی نبی بادشاہ کا وزیر بغیر حکمِ خدا نہیں ہوتا۔ چنانچہ تفسیر کبیر میں یہ واقعہ موجود ہے۔ (سورۂ یوسف) جب حضرت یوسفؑ مصر کے بادشاہ ہوئے تو خدا نے وحی کی، اے یوسف، تم نے اپنا وزیر کس کو بنایا۔ عرض کی، میں تیرے اوپر کیسے سبقت لے جاسکتا ہوں جسے تو حکم دے اسی کو بنالوں۔ خدا نے فرمایا، فلاں مقام پر جاؤ وہاں درخت کے نیچے ایک جوان کھڑا ملے گا وہی تمہارا وزیر ہے۔ جب وہاں پہنچے تو ایک خوبرو جوان کو موجود پایا۔ عرض کی، خداوندا اس کو کس حق کی بنا پر میرا وزیر بنایا جارہا ہے۔ وحی ہوئی، اے یوسف تم نے اسے پہچانا نہیں، یہ وہی بچہ ہے جس نے خانۂ زلیخا میں سب سے پہلے تمہاری پاکدامنی کی گواہی دی تھی۔ معلوم ہوا، مصدقِ اوّل وزارت کا حق دار ہوتا ہے۔ چونکہ حضرت علی علیہ السلام آنحضرتؐ کی رسالت کے مصدقِ اوّل تھے لہٰذا سب سے پہلے ان کو جانشیں ہونا چاہیئے تھا۔

بنی اسرائیل جالوت کے مقابل باختیارِ خود جو بادشاہ بناتے رہے وہ ان کی شکست کا باعث ہوتا رہا اور ان کو بار بار تبدیل کرتے رہے۔ آخر مجبور ہو کر انھوں نے شموئیل نبی سے درخواست کی کہ وہ خدا سے دعا کریں کہ ان کے لیے ایک بادشاہ مقرر کرے۔ چنانچہ جب خدا نے طالوت کو ان کا بادشاہ بنایا تو جالوت کے مقابلہ میں ان کو کامیابی نصیب ہوئی۔

بندوں کے بنائے ہوئے حکمران بار بار تبدیل ہوتے رہتے ہیں لیکن خدا کے بنائے ہوئے کبھی تبدیل نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی نبی کبھی اپنے عہدہ سے معزول نہیں ہوا۔ کیونکہ اللہ بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کو کہاں قرار دے۔ بندوں کو چونکہ غیب کا علم نہیں ہوتا لہٰذا وہ انتخاب میں غلطیاں کر جاتے ہیں۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ
اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ (۷۱) قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ

جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ
يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ
لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ
تَزْعُمُوْنَ ﴿۷۴﴾

(اے رسول تم ان لوگوں سے) یہ کہو کہ بھلا تم نے اس پر بھی غور کیا، اگر قیامت تک تمہارے سروں پر رات کو چھائے رکھتا تو اللہ کے سوا کون خدا ہے جو تمہارے پاس روشنی لے آتا تو کیا تم سنتے نہیں اے رسول، ان سے کہو کیا تم نے اس پر غور نہیں کیا کہ اگر خدا ہمیشہ کے لیے قیامت تک تمہارے اُوپر دن ہی کو روشن کیے رہتا تو اللہ کے سوا کون ہے جو تمہارے اوپر رات کو لے آتا کہ تم لوگ اس میں آرام کر سکتے۔ تو کیا تم اتنا بھی نہیں دیکھتے کہ اُس نے اپنی مہربانی سے تمہارے لیے رات اور دن کو بنایا تاکہ تم رات کو آرام کرو اور دن میں اس کے فضل و کرم سے (روزی) تلاش کرو تاکہ تم خدا کے شکر گزار بنو۔ اور (وہ دن یاد کرو) جب خدا تمہیں پکار کر پوچھے گا کہ تم جن کو خدا کا شریک بتاتے تھے وہ آج کہاں ہیں۔

نظامِ حیاتِ انسانی کو برقرار رکھنے کے لیے خدا نے رات اور دن بنائے ہیں۔ رات اس لیے ہے کہ دن بھر کام کرنے کے بعد جب آدمی تھک جائے تو پیر پھیلا کر رات کو سوئے تاکہ تکان دُور ہونے کے بعد اگلے روز کام کرنے کے لیے پھر چاق و چوبند ہو جائے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو زندگی وبال ہو جاتی۔ خدا کے سوا اور کون ہے جو اس نظام کو برقرار رکھ سکتا ہے کیسی عجیب بات ہے کہ خدا کے اس فضل و کرم پر لوگوں کی نظر نہیں اس کا شکر ادا نہیں کرتے اس پر ایمان نہیں لاتے۔ وہی تو ہماری زندگی برقرار رکھنے کے لئے کیا کیا نعمتیں ہم کو دے رہا ہے اور ہم ہیں کہ اس کی ناشکری پر تُلے بیٹھے ہیں۔ کیا اپنے محسنِ حقیقی کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنا ہمارے لیے زیبا ہے۔

وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوْٓا اَنَّ الْحَقَّ
لِلّٰهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۷۵﴾ ع اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى ع ۶۵ ۱۰
فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ص وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ
اُولِى الْقُوَّةِ ق اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ﴿۷۶﴾
وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا
وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ط اِنَّ
اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۷۷﴾

ہم (قیامت کے دن) ہر ایک اُمت کا ایک گواہ بُلائیں گے۔ پھر اس دن مشرکین سے کہیں گے اپنی (برأت کی) دلیل پیش کرو تب انہیں معلوم ہو جائے گا کہ حق خدا ہی کی طرف ہے اور جو افترا پردازیاں وہ لوگ کرتے تھے وہ سب غائب ہو جائیں گی۔ (ناشکری کا اب ایک قصہ سُنو) موسٰی کی قوم میں قارُون نامی ایک شخص تھا۔ اُس نے ان پر سرکشی کی۔ ہم نے اُس کو اس قدر خزانے عطا کیے تھے کہ ان کی کنجیاں ایک سکت دار جماعت کو اُٹھانا دوبھر ہوتا تھا۔ جب ایک بار اُس کی قوم نے اُس سے کہا (اپنی دولت پر) اتراؤ مت، خدا اترانے والوں کو دوست نہیں رکھتا جو کچھ خدا نے تجھے دے رکھا ہے اس میں آخرت کی بہبودی کا خیال رکھ اور دُنیا سے جس قدر تیرا حصہ ہے اُسے مت بھول اور جس طرح خدا نے تیرے اُوپر احسان کیا ہے تُو بھی اسی طرح لوگوں پر احسان کر اور زمین میں فساد کا خواہاں نہ ہو۔ خدا مفسدوں کو دوست نہیں رکھتا۔

روزِ قیامت ہر امت کے ساتھ اُس کا رسول گواہ بن کر آئے گا۔ پہلے رسول سے سوال ہو گا کہ تم نے تبلیغِ حق کی؟

وہ گواہی دے گا کہ میں نے جتنے احکام تھے سب من و عن پہنچائے تھے۔ پھر اُمّت سے پوچھا جائے گا کہ ہمارے رسول نے تم کو ہمارے احکام پہنچائے تھے۔ اُمت میں جو صاحبِ ایمان ہوں گے وہ اقرار کریں گے اور جو کفار و مشرکین ہوں گے وہ انکار کریں گے۔ اس وقت خاتم النبیینؐ ان رسولوں کے بیان کی تصدیق کریں گے گویا حضورؐ بطورِ سرکاری گواہ ہوں گے جیسا کہ آیہ وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا! (سورۃ النساء ۴۱) سے ظاہر ہے۔

قارُون حضرت موسیٰؑ کا خالہ زاد بھائی تھا۔ پہلے حضرت موسیٰؑ پر ایمان لایا تھا اور توریت پڑھا کرتا تھا لیکن جب اس کو کیمیا کا نسخہ معلوم ہو گیا اور سونا بنانے لگا تو اُس کا دماغ خراب ہو گیا، ایمان بھی رخصت ہُوا حضرت موسیٰؑ کو حقیر سمجھنے لگا۔ رفتہ رفتہ اس کی دولت اتنی بڑھ گئی کہ اس کے خزانوں کی کنجیاں اتنی وزنی ہو گئیں کہ طاقتور لوگوں کی ایک جماعت مشکل سے اُٹھا سکتی تھی۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اس کی دولت کا یہ مبالغہ آمیز بیان ہے جس سے محض یہ ظاہر کرنا ہے کہ وہ بہت ہی دولتمند تھا۔ لیکن خدا کے بیان کو مبالغہ آمیز کہنا ایمان سے ہاتھ دھونا اور خدا کے ساتھ انتہائی گستاخی ہے۔ ممکن ہے اُس زمانہ میں ایسے قفل ہوتے ہوں جن کی کنجیاں وزنی ہوتی ہوں۔ یہ کیا ضروری ہے کہ اُس زمانہ میں بھی ایسے ہی خوشنما مختصر سے تالے بنتے ہوں جیسے آج کل بنتے ہیں ہر زمانہ کی صنعتیں جُداگانہ رہی ہیں۔ اب سے سو سال پہلے بڑے بھاری تالے ہوتے تھے جو جھڑکے تالے کہلاتے تھے۔ اُن کی کنجیاں بڑی لمبی اور وزنی ہوتی تھیں آج کی نسبت کئی گنا زیادہ وزنی تھیں۔ پس اس قسم کے تالے اُس زمانہ میں بھی ہوتے ہوں گے اور ان کی کنجیاں وزنی ہوتی ہوں گی۔ جب وہ جمع کی جاتی ہوں گی تو کئی من وزنی ہو جاتی ہوں گی۔

قارون اپنی دولت پر بے حد مغرور ہو گیا تھا باوجود اس کثیر دولت کے بخیل بھی پرلے درجہ کا تھا۔ نہ تو زکوٰۃ دیتا تھا اور نہ محتاجوں کی خبر لیتا تھا۔ حضرت موسیٰؑ نے بار بار اس کو سمجھایا مگر وہ زکوٰۃ دینے پر راضی نہ ہُوا۔ کہتا تھا یہ سب دولت میں نے خود اپنے ہنر سے پیدا کی ہے خدا سے کچھ نہیں لیا پھر میں خدا کی راہ میں کیوں دوں۔

ایک دن بڑی شان و شوکت سے اپنے ٹھاٹ دکھانے کے لیے نکلا۔ زرّیں لباس۔ گھوڑا سونے کے ساز سے سجا ہُوا آگے پیچھے غلام زرّیں پٹکا باندھے دوڑتے ہوئے۔ اس کو دیکھ کر بہت سے کم ظرفوں کے ایمان لُوٹ گئے۔ اپنے دل میں کہنے لگے، موسیٰؑ کا ساتھ دے کر ہم نے کیا پایا۔ قارون کے خدا پر کیوں نہ ایمان لائیں کہ ہم بھی اس کی طرح مالدار ہو جائیں۔

جب حضرت موسیٰؑ نے اُسے ڈرایا دھمکایا تو وہ اُن کا دشمن بن گیا۔ اُسے یہ فکر تھی کہ کسی طرح میں موسیٰؑ کو ایسا بدنام کروں کہ قوم میں منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں۔ ایک روز ایک فاحشہ عورت کو بُلا کر کہا کہ میں تجھے دو تھیلے اشرفیوں کے بھرے ہوئے دوں گا اگر تو اُس وقت جبکہ موسیٰ وعظ دے رہے ہوں یہ کہہ دے کہ موسیٰؑ نے مجھ سے زنا کیا ہے۔ حضرت موسیٰؑ ایک روز وعظ فرما رہے تھے اور زنا کی مذمت کر رہے تھے۔ قارون نے کہا آپ دوسروں کو زنا سے بچانا چاہتے ہیں اور خود زنا کرتے ہیں۔ یہ سُن کر حضرت موسیٰؑ کو غصہ آیا۔ آپؑ نے فرمایا تو جھوٹا ہے۔ قارون نے اس عورت سے کہا، میرے قول کی تصدیق کر۔ اس عورت پر موسیٰؑ کی نبوّت کا ایسا رُعب چھایا، کہ خلافِ واقعہ بات کہنے کے لیے اس کی زبان نہ کھلی، اُس نے کھڑے ہو کر کہا، لوگو میں گواہی دیتی ہوں کہ قارُون جھوٹا ہے اور موسیٰؑ اس الزام سے بالکل بری ہیں۔ قارون نے دو تھیلے اشرفیوں کے مجھے اس لیے دیئے تھے کہ موسیٰؑ پر یہ تہمت لگاؤں۔ چنانچہ میں دونوں تھیلے ساتھ لائی ہوں۔ یہ کہہ کر اُس نے قوم کو دکھائے۔ اب تو ہر طرف سے اس پر پھٹکار پڑنی شروع ہو گئی۔ حضرت موسیٰؑ نے زمین کو حکم دیا کہ اس جھوٹے کو نگل لے چنانچہ وہ اپنے سارے خزانوں سمیت ٹخنوں تک زمین میں دھنس گیا۔ تب وہ توبہ تلّا کرنے لگا کہ موسیٰؑ میں ایمان لے آؤں گا مجھے اس عذاب سے نجات دو۔ جب باہر نکلا تو پھر وہی قارون کا قارون تھا۔ موسیٰؑ نے پھر بد دعا کی تو کمر تک دھنس گیا۔ پھر فریاد کی پھر نکل آیا۔ جب پھر بھی زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تو اب کی بار پُورا زمین میں دھنس گیا۔ "خس کم جہاں پاک"۔

اہلِ مکہ کو یہ مثال دے کر سمجھایا جا رہا ہے کہ تم کیا اور تمہاری دولت کیا، جس پر اتنا گھمنڈ کر رہے ہو۔ اور اہلِ ایمان کو بے مایہ ہونے کی وجہ سے ذلت و حقارت کی نظر سے دیکھتے ہو۔ قارون کی حالت پر نظر کرو کہ کتنی دولت اُس کے پاس تھی لیکن اس کے غرور و تکبر اور بے راہ روی کا آخر نتیجہ کیا ہُوا۔ نہ وہ خود رہا نہ اُس کی دولت رہی۔ جب عذابِ الٰہی اس پر آیا تو چشم زدن میں سارا کارخانہ ریت کا پہاڑ بن کر رہ گیا۔

خدا یہ نہیں کہتا کہ تم دولت نہ کماؤ اور مسکین و محتاج بن کر بیٹھ جاؤ۔ نہیں، حلال طریقہ سے اپنی معاش حاصل کرو پھر جو تم نے کمایا ہے اس میں سے اللہ کا اور اُس کے بندوں کا شرعی حق ادا کرتے رہو۔ ایسی صورت میں جو دولت تمہارے پاس ہوگی اُس پر کسی کو اعتراض نہ ہوگا۔ قارون بدبخت اگر حق اللہ اور حق الناس کو ادا کرتا رہتا تو اس عذاب میں کیوں گرفتار ہوتا۔ اُس کا یہ کہنا کہ جو دولت میں نے خود کمائی ہے اس میں زکوٰۃ کیوں دوں، محتاجوں کی خبر کیوں لوں انتہائی باغیانہ خیال تھا۔ اگر خدا اُسے اس قابل ہی نہ رکھتا کہ وہ دولت کما سکے بلکہ ایک لقمہ بھی اپنے منہ میں رکھ سکے تو وہ کیا کر لیتا۔

قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ۭ اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ
مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا ۭ وَلَا يُسْــَٔـلُ
عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ (۷۸) فَخَــرَجَ عَلٰي قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ ۭ
قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ
قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ (۷۹) وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ج وَلَا
يُلَقّٰهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ (۸۰) فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ قف فَمَا
كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ق وَمَا كَانَ مِنَ
الْمُنْتَصِرِيْنَ (۸۱)

(جب حضرت موسیٰؑ اس سے زکوٰۃ دینے کو کہتے تو کہتا کہ زکوٰۃ مانگتے ہو خدا نے مجھے کیا دیا ہے۔) یہ دولت جو میرے پاس ہے مجھے اپنے علم (کیمیا) کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے۔ کیا قارون نے یہ بھی نہ خیال کیا کہ اللہ نے اس سے پہلے اُن لوگوں کو ہلاک کر دیا ہے جو اس سے قوت و جمعیت میں کہیں بڑھ چڑھ کر تھے۔ اور گنہگاروں سے اُن کے گناہوں کی سزا کے وقت پوچھ گچھ نہیں ہوا کرتی ۔ ایک روز (قارون) اپنی قوم کے سامنے بڑی آرائش دار ٹھاٹ کے ساتھ آیا۔ (اسے دیکھ کر) جو زندگانیٔ دُنیا کے طالب تھے کہنے لگے، جو مال و دولت قارون کو ملا ہے کاش ہمارے لیے بھی ایسا ہی ہوتا ۔ بے شک قارون بڑا نصیبہ ور ہے۔ اور جن لوگوں کو ہماری بارگاہ سے علم عطا ہوا تھا کہنے لگے، تمہارا ناس ہو جائے۔ جو لوگ ایمان لائیں اور نیک اعمال کریں اُن کے لیے خدا کے یہاں اس سے کہیں بہتر اجر ہے اور یہ اجر صبر کرنے والوں کے سوا دوسرے نہیں پا سکتے۔ ہم نے قارون اور اس کے گھر بار کو زمین میں دھنسا دیا۔ پھر خدا کے سوا کوئی طاقت ایسی نہ تھی جو اس کی مدد کرتی اور نہ وہ خود اپنی مدد کر سکا۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ قارون کو حضرت موسیٰؑ سے اس بنا پر عداوت تھی کہ فرعون کے غرق ہونے اور قبطیوں کی تباہی کے بعد حضرت موسیٰؑ نے مصر کی حکومت حضرت ہارونؑ کے حوالے کر دی تھی۔ اگر قربانی کوئی کرنا چاہتا تو حضرت ہارونؑ اپنے ہاتھ سے اُسے قربان گاہ میں پہنچاتے۔ تب آسمانی آگ اُسے آ کر جلاتی۔ قارون کو اس پر حسد پیدا ہوا۔ حضرت موسیٰؑ سے گستاخانہ انداز میں کہنے لگا سب کچھ تو آپؑ نے ہارونؑ کے حوالے کر دیا مجھے کچھ بھی نہ دیا۔ حالانکہ میں قوم کا ایک دولتمند آدمی ہوں۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا، یہ میرے اختیار کی چیز نہیں خدا جسے چاہے دے

اس پر قارون بھڑک اُٹھا اور اسی دن سے حضرت موسیٰؑ کے درپے آزار ہوا۔

اس زمانہ میں جب بنی اسرائیل وادیٔ تیہ میں محصور تھے حضرت موسیٰؑ نے اُن سے توبہ کرنے کو کہا تو اسی نے اس حکم کو بے حقیقت سمجھا اور مذاق اُڑایا۔ پھر جب زکوٰۃ کا حکم آیا تو کہنے لگا یہ تو بہت مال ہوا میں تو نہ دوں گا۔ یہاں تک کہ حضرت موسیٰؑ نے ہزار دینار میں سے ایک دینار دینے کو کہا۔ وہ اس پر بھی راضی نہ ہوا اور کہنے لگا موسیٰؑ ہمیں غریب بنانا چاہتے ہیں۔ میں ان کے حکم کی تعمیل نہیں کر سکتا موسیٰؑ کو جو کرنا ہے کر لیں۔ اس کے بعد حضرت موسیٰؑ نے بددُعا کی۔ خدا نے وحی کی کہ اس کی ہلاکت کو میں نے تمہارے اختیار میں دیا جو چاہو کرو۔ قارون کے جھوٹ اور انکار زکوٰۃ پر آپ نے زمین سے فرمایا۔ اس کو نگل جا۔ غرضیکہ جیسا ہم پہلے لکھ چکے ہیں زمین نے اُس کو مع اُس کے تمام خزانہ نگل لیا۔

تب وہ لوگ جن کے ایمان میں خلل آ چکا تھا سمجھے کہ امیر و غریب بنانا سب کچھ خدا کے اختیار میں ہے ہمارے امکان کو اس میں کوئی دخل نہ تھا۔ حضرت موسیٰؑ کے پاس آ کر انہوں نے توبہ کی اور اپنی غلطی کا اقرار کیا۔ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا، خدا اُن دولتمندوں کو کبھی دوست نہیں رکھتا جو اُس کے محتاج اور غریب بندوں کے حقوق ادا نہیں کرتے۔ یہ سُن کر اُن تمام لوگوں نے جو اس زمانہ میں دولتمند تھے اپنی اپنی دولت سے اُن کے حقوق ادا کیے۔ جو محتاج تھے اور جس کی جو ضرورت تھی اُس کو پورا کیا۔

قرآن میں جو قصے بیان کیے گئے ہیں وہ اس لیے ہیں کہ لوگ عبرت حاصل کریں اور ایسے کام نہ کریں جن کی وجہ سے پہلی قوموں پر عذاب آیا تھا۔

وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ
الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ج لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ
بِنَا ط وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ (۸۲) ع تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا
لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ط وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (۸۳)
مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ج وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى
الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (۸۴)

۸ ع ۱۱

کل جن لوگوں نے اس (قارون) کے جاہ و مرتبہ کی تمنا کی تھی (یہ تماشہ دیکھ کر) کہنے لگے (ارے معاذ اللہ)

یہ تو اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں میں سے جس کی روزی چاہتا ہے کُشادہ کر دیتا ہے اور جس کی چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے اگر خدا ہم پر مہربانی نہ کرتا تو ہمیں بھی اسی طرح دھنسا دیتا (اے معاذ اللہ سچ ہے) کفّار ہرگز اپنی مراد نہ پائیں گے یہ آخرت کا گھر تو ہم اُن کے لیے خاص کر دیں گے جو زمین پر نہ تو سرکشی کرنا چاہتے ہیں اور نہ فساد برپا کرنا۔ پھر اچھا انجام تو پرہیزگاروں ہی کا ہے جو نیکی کرے گا وہ اس سے بہتر بدلہ پائے گا جو بُرائی کرے گا تو اُس کا اُسے اتنا ہی بدلہ ملے گا جو دُنیا میں کر چکا ہو گا۔

خدا فرماتا ہے کہ آخرت میں فلاح و بہبود انہی لوگوں کو نصیب ہوگی جو اپنی بلندی نہیں چاہتے۔ اپنے کو اوروں سے برتر نہیں سمجھتے۔ جناب امیر علیہ السلام فرمایا کرتے تھے، "جو شخص چاہے کہ میری جوتی کا تسمہ میرے دوست کی جوتی کے تسمہ سے بہتر ہو وہ بھی اس آیت میں داخل ہے۔"

حقیقت یہ ہے کہ دُنیا میں جتنے فسادات ہوتے ہیں ان میں سے زیادہ تر فوقیت و برتری کے خبط کی بنا پر ہوتے ہیں۔ فلاں شخص کے مکان سے ہمارا مکان اچھا ہو۔ ہمارا فرنیچر اچھا ہو، ہمارا لباس فلاں کے لباس سے اچھا ہو۔ ہماری دولت فلاں کی دولت سے زیادہ ہو۔ ایک دو کیا فوقیت و برتری کے ہزار ڈھنگ ہیں۔ اس کے شوق میں آدمی کیا نہیں کر گزرتا۔ ہر گناہ اس خبط میں قبول کر لیا جاتا ہے۔ فساد کے معنی یہ ہیں کہ احکام الٰہی کی خلاف ورزی کر کے اپنے من کی جوت جگا لی جائے۔ معاشرہ تباہ ہو یا برباد ہم جو چاہیں وہی ہو۔ لوگ ہم سے دب کر رہیں۔ اگر ہمارا منشا حکم خدا کے خلاف ہے تو ہوا کرے۔ یہی وہ زہر ہے کہ جس سوسائٹی کی رگوں میں سرایت ہوا پھر اس پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ دُنیا کے ساتھ آخرت بھی تباہ ہوئی۔

آخرت کی بہتری تو صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو پرہیزگار ہیں اور پرہیزگار وہ لوگ ہوتے ہیں جو بُرائیوں سے بچے رہیں احکام خدا کی خلاف ورزی نہ کریں۔

خدا کے لطف و کرم پر بھی ایک نظر ڈالو کہ اس نے ہماری عاقبت سنوارنے کا کیا ہی حوصلہ افزا وعدہ کیا ہے اور ہماری سزا کو کتنا ہلکا بنایا ہے۔ فرماتا ہے جو کوئی نیکی کرے گا میں اس کو دس گنا بدلہ دوں گا اور جو بُرائی کرے گا اس کو سزا اُس کی بُرائی کے مطابق ہی رہے گی۔ اب اس سے زیادہ رعایت کیا ہو سکتی ہے۔ سزا کم جزا زیادہ۔ ایک دیکر جہاں دس ملیں وہاں عقلمند ایسے سودے میں کیوں نہ بڑھ چڑھ کر حصّہ لے۔

اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ ؕ قُلْ رَّبِّیْۤ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰی وَمَنْ هُوَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۸۵﴾ وَمَا کُنْتَ تَرْجُوْۤا اَنْ

یُّلْقٰۤی اِلَیْکَ الْکِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّکَ فَلَا تَکُوْنَنَّ ظَهِیْرًا لِّلْکٰفِرِیْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَا یَصُدُّنَّکَ عَنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَیْکَ وَادْعُ اِلٰی رَبِّکَ وَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ﴿۸۷﴾ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ قف کُلُّ شَیْءٍ هَالِکٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ؕ لَهُ الْحُکْمُ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ع ﴿۸۸﴾

اے رسول جس خدا نے تم پر قرآن نازل کیا ہے ضرور تمہیں ٹھکانہ تک پہنچا دے گا۔ اے رسول تم کہدو کہ کون راہ پر آیا اور کون صریحی گمراہی میں پڑا رہا۔ اس سے میرا رب خوب واقف ہے۔ تم کو تو یہ امّید نہ تھی کہ تمہارے پاس خدا کی طرف سے کتاب نازل کی جائے گی مگر تمہارے پروردگار کی مہربانی سے نازل ہوئی تو تم کافروں کے پشت پناہ نہ بننا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ احکام خدا نازل ہونے کے بعد یہ لوگ تم کو اس کی تبلیغ سے روک دیں اور تم لوگ اپنے پروردگار کی طرف لوگوں کو بُلائے چلے جاؤ اور خبردار مشرکین میں سے ہرگز نہ ہو جانا اور خدا کے سوا کسی اور معبود کی پرستش نہ کرنا۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اس کی ذات کے سوا ہر شئے فنا ہونے والی ہے اس کی حکومت ہے اور اسی کی طرف تم لوٹ کر جاؤ گے۔

لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ کا مطلب یہ ہے کہ جس شہر سے تم کو نکالا گیا ہے اللہ تمہیں وہاں پہنچائے گا۔ اس سے فتح مکہ کی پیش گوئی ثابت ہوتی ہے۔ جب حضورؐ بوقت ہجرت مکہ سے چلے تھے تو حضرتؐ کے دل پر وطن کے چھوٹنے اور خانہ کعبہ کی زیارت سے محروم رہنے کا بڑا صدمہ تھا۔ چنانچہ جبریلؑ نے آکر جب یہ خوشخبری حضورؐ کو دی تو آپؐ بہت خوش ہوئے۔

پھر فرماتا ہے، یہ خدا کی رحمت ہی رحمت ہے کہ اُس نے قرآن جیسی کتاب تم پر نازل کی۔

پہلے گزر چکا ہے کہ کفّار مکہ کو یہ دھڑکا تھا کہ اگر ہم مسلمان ہو گئے تو بُت پرست قومیں ہمیں اس سرزمین سے نکال باہر کریں گی۔ خدا نے اُن کو یہ دکھا دیا کہ رسولؐ کس شان سے اس میں داخل ہوئے اور پھر کتنا

عروج ان کو حاصل ہوا۔ بُت پرستوں کی ناک رگڑی گئی اور سلاطین کے غرور خاک میں مِل گئے۔ کس کی طاقت تھی کہ مکہ سے ان کو نکال سکتا ابتک ہجرتِ نبوی کو چودہ سو برس ہو چکے ہیں۔ کوئی قوم مسلمانوں کو مکہ اور مدینہ سے نہیں نکال سکی۔ یہ اللہ کی خاص رحمت اور فضل ہے۔ پھر قرآن جیسی کتاب رسولؐ پر نازل کی۔ اس سے پہلے جو کتابیں آئی تھیں وہ منسوخ ہو گئیں۔ لیکن قرآن قیامت تک چلنے والا ہے اور ایسا مکمل قانون ہے کہ اس کی کوئی دفعہ نہ بدلی گئی ہے نہ بدلی جائے گی۔

رسولؐ کو یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ کافروں کی مخالفت کو اپنی نظر میں نہ لاؤ اور اپنے رب کی طرف لوگوں کو برابر بلاتے رہو۔ کیونکہ اس کے سوا کوئی معبود ہے ہی نہیں۔ یہ تمام مخالف قوتیں ایک روز تمہارے قدموں پر سر رکھے پڑی ہوں گی۔ تم مشرکوں سے کوئی تعلق نہ رکھو یہ تو ذلیل و خوار ہو کر رہیں گے۔ جن بُتوں کی یا جس چیز کی بھی یہ پرستش کرتے ہیں یہ سب ایک دن صفحۂ روزگار سے مٹ جائیں گے۔ سوائے خدا کی ذات کے کوئی بھی باقی رہنے والا نہیں۔ مشرکوں کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ معبود ایسا نہ ہونا چاہیئے جس کا گلا موت آکر گھونٹ دے اس کو اپنا معبود مانو جس کو کبھی فنا لاحق ہی نہ ہو۔ ہمیشہ سے ہو اور ہمیشہ رہے۔ نہ اس کی ابتدا ہو نہ انتہا۔ حکومت صرف اسی کی ہے اور سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

(۲۹) سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوْتِ مَكِّيَّةٌ (۸۵)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ (۱) اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ
لَا يُفْتَنُوْنَ (۲) وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ
صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ (۳) اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ
اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ (۴) مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ
اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (۵) وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا

يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ (۶) وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ
الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (۷)

الف۔ لام۔ میم۔ کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ اتنی بات کہنے پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا۔ حالانکہ جو لوگ ان سے پہلے گزر چکے ہیں اُس نے اُن کو بھی آزمایا تھا۔ اللہ کو تو یہ ضرور دیکھنا ہے کہ سچے کون ہیں اور جھوٹے کون ہیں۔ کیا جو لوگ بُرے کام کرتے ہیں انہوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم سے بچ کر نکل جائیں گے (ایسا ہے تو) یہ لوگ کیسا بُرا حکم لگاتے ہیں جو خدا سے (قیامت میں) ملنے کی امید رکھتا ہو تو اللہ کی (مقرر کی ہوئی) میعاد ضرور آنے والی ہے اور وہ سب کی سنتا اور جانتا ہے اور جو شخص (عبادت میں) کوشش کرتا ہے تو وہ اپنے واسطے کرتا ہے کیونکہ خدا تو سارے جہان (کی عبادت سے) بے نیاز ہے۔ جو ایمان لائے ہیں اور نیک عمل کیے ہیں تو ہم اُن کے گناہوں کا اُن کی طرف سے کفارہ قرار دیں گے اور اُس دُنیا میں جو نیک کام کیے ہیں اُس کی اچھی سے اچھی جزا دیں گے۔

واقعہ یہ ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں مشرکین مسلمانوں کو بُری طرح ستاتے تھے۔ نہ صرف جسمانی اذیتیں دیتے تھے بلکہ اُن کے مال و اسباب تک چھین لیتے تھے۔ اُن کے کاروبار میں رخنہ ڈالتے تھے۔ دکاندار اُن کے ہاتھ سودا نہیں بیچتے تھے۔ بدکلامی سے پیش آتے تھے۔ غرض جو کچھ اُن سے بن پڑتا تھا کرتے ہی رہتے تھے۔ مسلمانوں کی پوزیشن اس زمانہ میں اتنی کمزور تھی کہ کہیں سے اُن کو مدد بھی نہ ملتی تھی۔ ایک دن چند مسلمانوں نے آنحضرتؐ سے اپنی مصیبتیں بیان کر کے آپؐ سے عرض کی، آپؐ ہمارے لیے دعا نہیں کرتے۔ یہ سُن کر حضرتؐ کا چہرۂ اقدس غصہ سے تمتما اُٹھا۔ فرمایا، کیا تم اتنی سی بات پر ایمان لائے ہو اپنے کو جنت کا مستحق سمجھنے لگے ہو۔ تم سے پہلی اُمتوں پر تم سے کہیں زیادہ مصیبتیں پڑتی تھیں۔ اُن کو زمین میں آدھا دبا کر چیرا گیا تھا، اُن کے ہاتھ پاؤں کاٹے گئے تھے، اُن کی کھال کھینچی گئی تھی۔ خدا صبر میں تمہارا امتحان لے رہا ہے۔ اس کے متعلق ان آیات میں تذکرہ ہے۔ فرماتا ہے،

کیا تمہارے لیے اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ ہم ایمان لے آئے ہیں۔ بس اس کے بعد تمہارے ایمان کی آزمائش نہ کی جائے گی۔ تم سے پہلے لوگوں کی بھی آزمائش کی گئی تھی تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ سچے مومن کون ہیں اور جھوٹے کون ہیں۔ کیا بُرے کام کرنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ ہم سے بچ کر نکل جائیں گے اس کی اُن سے

کوئی باز پرس نہ ہوگی۔ اُن کا یہ فیصلہ اپنے حق میں بالکل غلط ہے۔ وقت آنے پر اُن کو پتہ چل جائے گا۔ جو لوگ قیامت میں خدا کے سامنے حاضر ہونے کی اُمید رکھتے ہیں ان کے اجر کا وقت بھی آنے والا ہے۔ خدا ہر ایک کی بات کو سُنتا اور ہر ایک کے حال کو جانتا ہے۔ جو لوگ خدا کی عبادت کرتے ہیں وہ اپنے فائدہ کے لیے کرتے ہیں۔ خدا کو کسی کی عبادت کی ضرورت نہیں۔ اس کی ذات غنی ہے وہ تمام عالموں کا خالق ہے، سب کا کارساز ہے کسی کا محتاج نہیں۔ نیکی کرنے والوں کو ہم اچھا بدلہ دیں گے اور بدی کرنے والوں کو اُن کی بدی کے لحاظ سے سزا دی جائے گی۔

جو لوگ مسلمان ہوگئے ہیں اُن کو جو تکالیف پہنچ رہی ہیں ہم اُن کو دیکھ رہے ہیں۔ ایک دن اُن کو بہت اچھا بدلہ ہماری سرکار سے ملے گا۔ انہیں صبر سے کام لینا چاہیئے۔ جو ستانے والے ہیں وہ ہمارے عذاب سے غافل نہ رہیں، اس چند روزہ زندگی کے بعد انہیں اپنے ظلم کا مزہ چکھنا پڑے گا۔ اس وقت اُن کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۭ وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا
لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۭ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ
تَعْمَلُوْنَ ۝۸ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي
الصّٰلِحِيْنَ ۝۹ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي
اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ۭ وَلَىِٕنْ جَاۗءَ نَصْرٌ مِّنْ
رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ۭ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ
الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۰ وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ۝۱۱

ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ احسان کرنے کا حکم دیا اور (یہ بھی کہدیا) اگر تجھے میرا شریک بنانے پر مجبور کریں جس کا تجھے علم بھی نہیں تو اُن کی اطاعت نہ کرنا۔ تمہاری بازگشت میری طرف تو ہے تب جو کچھ تم (دُنیا میں) کرتے تھے ہم بتا دیں گے۔ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور عملِ صالح کیے ہیں

انہیں ہم نیک بندوں میں ضرور داخل کریں گے۔ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں لیکن جب راہِ خدا میں ان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو لوگوں کی ایذا رسانی کو عذابِ خدا جیسا جانتے ہیں اور اگر تیرے رب کی مدد آجاتی ہے تو کہنے لگتے ہیں ہم تو تمہارے ساتھ ہیں جو کچھ سارے جہان (والوں) کے دلوں میں ہے کیا اللہ اس کو نہیں جانتا (ضرور جانتا ہے)۔ جن لوگوں نے ایمان قبول کیا ان کو بھی جانتا ہے اور منافقوں کو بھی۔

اس آیت کی شانِ نزول میں مفسرین نے لکھا ہے کہ سعدؓ بن ابی وقاص کا بیان ہے کہ جب میرے اسلام قبول کرنے کا حال میری ماں کو معلوم ہوا تو اس نے مجھ سے کہا کہ جو نیا دین تُو نے اختیار کیا ہے اسے ترک کر دے ورنہ میں کھانا پینا ترک کر دوں گی اور یوں ہی اپنی جان دے دوں گی اور لوگ تجھے ماں کا قاتل کہیں گے۔ میں نے کہا یہ ممکن نہیں کہ اس دین کو چھوڑ دوں۔ غرض اس نے کھانا پینا چھوڑ دیا۔ جب دو وقت گزر گئے تب میں نے کہا اے ماں، اگر تُو ہزار بار بھی یوں مرے گی اور زندہ ہوگی تب بھی میں اس دین کو ترک نہ کروں گا۔ جب اس نے مجھ کو اتنا سخت پایا تب کھانا پینا اختیار کیا۔

قرآن کریم نے ماں باپ کی اطاعت پر بڑا زور دیا ہے۔ اُن کے مقابل اُف تک کہنے کی اجازت نہیں دی لیکن یہ اطاعت اُس وقت تک ہے کہ دائرہ ایمان سے خارج نہ ہونے دے۔ اگر ماں باپ کہیں کہ خدا کے کسی شریک کی عبادت پہ ایمان لا۔ حالانکہ تمہارے علم میں ہے کہ خدا کا کوئی شریک نہیں تو ایسی حالت میں ہرگز ان کی اطاعت نہ کرو۔ کیونکہ اطاعت تو خدا کی خوشنودی کے لیے کی جاتی ہے۔ اور جب خدا پہ ایمان ہی صحیح نہ رہا تو پھر خوشنودی کس کی۔

جا بجا یہ یاد دلایا جا رہا ہے کہ تمہاری بازگشت خدا کی طرف ہونی ہے اور ضرور ہونی ہے۔ یہ اس لیے کہ لوگ روزِ قیامت کو بھول نہ جائیں۔ قیامت کی یاد ہی لوگوں کو بُرائیوں سے روک سکتی ہے۔ اگر باز پُرس کا خیال ہی ختم ہو جائے تو پھر بُرائی کرنے سے انسان کہاں باز رہے گا۔ ایمان لانا اور پھر اس پر استقامت بڑی کٹھن چیز ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں اور ہوتے رہتے ہیں جو زبان سے تو اپنے ایمان کا اظہار کرتے ہیں مگر اس عقیدہ میں بودے ثابت ہوتے ہیں جب مخالفین اسلام کی طرف سے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو بلبلا جاتے ہیں اور اسے اتنا بُرا سمجھتے ہیں گویا عذابِ خدا نازل ہو گیا۔ لیکن اے رسولؐ جب تمہیں کسی جنگ میں فتح حاصل ہوتی ہے اور مالِ غنیمت ملنے کا وقت آتا ہے تو جھٹ تمہارے پاس موجود ہو جاتے ہیں اور کہنے لگتے ہیں ہم تو آپ کے ساتھ ہیں یعنی مومن ہیں ہمارا حصّہ بھی دیجیئے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ ان کے دلوں میں چھپی ہوئی باتوں کو نہیں جانتا حالانکہ اللہ ایمان والوں اور منافقوں کو خوب جانتا ہے۔

کلمۂ شہادت زبان پر جاری کر کے ایک کافر مسلمان تو ہو جاتا ہے لیکن اس پر ثابت قدم رہنا اور آخر وقت

تک اس پر قائم رہنا بہت مشکل ہے۔ بعد رسالت بہت سے مسلمان ایسے تھے جو کہ عمر کا ایک حصّہ تک اعمالِ نیک کرنے والوں کے ساتھ شریک رہے لیکن آخر میں ان کی نیّتیں فاسد ہو گئیں تو ایسی حالت میں جو کیا کرایا تھا سب اکارت گیا۔ اور قیامت میں اجر کے مستحق تو وہی لوگ ہوں گے جو آخر وقت تک صراطِ مستقیم پر ثابت قدم رہے اور کسی وقت بھی احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی نہیں کی۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ⑫ وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ؗ وَلَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ⑬ ع وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ؕ فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ⑭ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ وَجَعَلْنٰهَاۤ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ⑮ ع

ع ١٣ / ١٤

کفار ایمان والوں سے کہتے ہیں ہمارے راستہ پر چلو ہم (قیامت میں) تمہارے گناہوں کا بوجھ اُٹھالیں گے حالانکہ وہ ان کے گناہوں کا ذرا سا بوجھ بھی نہ اُٹھائیں گے۔ یہ تو جھوٹے ہیں۔ وُہ تو اپنے گناہوں کا بوجھ بھی اُٹھائیں گے اور ان کے گناہوں کا بھی (جن کو گمراہ کیا ہے) اور یہ (دنیا میں) جو جو افترا پردازیاں کرتے رہے قیامت میں ان سب کے متعلق بازپُرس ہوگی۔ اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا وہ ان میں نو سو پچاس برس تک رہے۔ پھر انہیں طوفان نے آپکڑا کیونکہ وہ ظالم تھے۔ ہم نے نوح کو اور جو کشتی میں سوار تھے اُن کو طوفان سے بچا لیا اور اس واقعہ کو تمام عالموں (زمانوں) کے لیے اپنی نشانی بنایا۔

ایک روز ابوسفیان اور امیہ بن خلف نے حضرت رسولِ خدا سے عرض کی اگر آپؐ اپنے گڑھے ہوئے دین سے ہٹ جائیں اور اپنے سابقہ دین کی طرف آجائیں تو قیامت میں آپ کے جتنے گناہ ہوں گے ان سب کا بوجھ ہم اُٹھالیں گے۔ یہ آیت ان ہی کے رد میں نازل ہوئی ہے۔ یہ کہنے والے وہ لوگ تھے جنہیں اوّل تو قیامت کا یقین ہی نہ تھا۔ وہ کہا کرتے تھے یہ سب من گھڑت باتیں ہیں۔ لہٰذا جب مرنے کے بعد کچھ ہونا ہی نہیں تو ایسا وعدہ کرتے ہیں کہ ہم سارا بوجھ تمہارا اٹھالیں گے ہمارا بگڑتا ہی کیا ہے اور اگر بالفرض قیامت کا عقیدہ سچ ہے تو بھی ہم خدا سے کہہ دیں گے کہ انہیں چھوڑ دے اور ان کے گناہ کا سارا بوجھ ہماری گردن پر رکھ دے۔ ان احمقوں نے قیامت کے دن کو دنیا کے کسی قاضی کی عدالت سمجھ رکھا تھا کہ اس کے سامنے جو چاہا کہہ دیا۔ وہ یہ نہ سمجھے کہ وہاں کس کی طاقت ہوگی کہ بے اذنِ الٰہی ایک لفظ بھی زبان سے نکال سکے۔ جب فرشتے کشاں کشاں جہنّم کی بھڑکتی ہوئی آگ کی طرف لے جاتے ہوں گے، اس وقت کس کی طاقت ہوگی کہ زبان کھول سکے۔ اور اگر بالفرض کھول بھی سکے تو سُننے گا کون؟

حضرت نوحؑ کی عمر جو ساڑھے نو سو برس ظاہر کی گئی ہے۔ یہ ان کی تبلیغ و ہدایت کا زمانہ ہے۔ ورنہ ان کی عمر تو ڈھائی ہزار برس تھی۔ چالیس سال کی عمر میں اُن کو حکم تبلیغ ملا تھا۔ طوفان کے بعد پندرہ سو برس زندہ رہے اتنی بڑی عمر کسی اور نبی کی نہیں ہوئی۔

کس قدر تعجب کی بات ہے کہ اتنی طویل عمر پانے والے نے اپنے رہنے کے لیے کوئی گھر نہ بنایا۔ ساری عمر ایک پھونس کی بنی ہوئی جھونپڑی میں گزار دی۔ جس میں دُنیا کا کوئی سامان نہ تھا۔ اُن کی کافرہ بی بی اس وجہ سے اُن کے خلاف تھی کہ ان کے گھر میں کوئی آسائش اُسے نصیب نہ تھی۔ جب موت کا فرشتہ حضرت نوحؑ کے پاس آیا تو اس خیال سے کہ اتنی طویل عمر میں دُنیا کے متعلق ان سے زیادہ تجربہ کس کو ہوگا، اُس نے سوال کیا، اے نوحؑ، آپ نے اس دُنیا کو کیسا پایا۔ فرمایا لھا بابان من باب دخلت و من باب خرجت۔ (دنیا ایک گھر ہے جس کے دو دروازے ہیں ایک دروازہ میں سے داخل ہوا اور دوسرے سے نکل آیا)۔

حضرت نوحؑ کی قوم ایسی کٹر بُت پرست تھی کہ ساڑھے نو سو برس ہدایت کرنے کے باوجود صرف اسّی ٨٠ آدمی آپؑ پر ایمان لائے تھے۔

وَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ⑯ اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ⑰

اور ابراہیم نے جب اپنی قوم سے کہا، اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو اگر تم جانتے ہو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ تم اللہ کو چھوڑ کر بُتوں کی عبادت کرتے ہو اور جھوٹی باتیں اپنے دل سے گڑھتے ہو اللہ کو چھوڑ کر تم جن کی عبادت کرتے ہو وہ تمہاری رزق رسانی پر قادر نہیں۔ پس تم اپنا رزق اللہ سے مانگو اور اسی کی عبادت کرو اور اس کا شکر ادا کرو، اسی کی طرف تمہیں لوٹ کر جانا ہے۔

وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا
الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ⑱ اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ
اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ⑲ قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ
بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑳ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاِلَيْهِ
تُقْلَبُوْنَ ㉑ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ ۫
وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ㉒ ع ۹ ۱۴

(اے اہلِ مکہ) اگر تم نے ہمارے پیغمبر کو جھٹلایا (تو کوئی پروا نہیں) تم سے پہلے لوگ بھی ہمارے رسولوں کو جھٹلا چکے ہیں۔ ہمارے رسول کا فرض تو ہمارے احکام پہنچا دینا ہے۔ کیا ان لوگوں نے اس پہ غور نہیں کیا اللہ نے کس طرح مخلوق کو پیدا کیا ہے اور پھر اس کو دوبارہ پیدا کرے گا یہ بات اللہ کے لیے آسان ہے۔ (اے رسول) تم ان سے کہو کہ روئے زمین کی سیر کرو اور یہ دیکھو کہ اللہ نے مخلوق کو کیسے پیدا کیا ہے پھر اللہ قیامت کے دن دوبارہ پیدا کرے گا وہ ہر شے پر قادر ہے۔ جس پہ چاہے عذاب کرے جس پر چاہے رحم کرے۔ تم سب (ایک دن) اسی

کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور تم نہ تو خدا کو زمین ہی میں عاجز کر سکتے ہو نہ آسمان میں اور خدا کے سوا نہ کوئی تمہارا سرپرست ہے اور نہ مددگار۔

اے اہلِ مکہ اگر تم نے ہمارے رسولؐ کو جھٹلایا تو اس سے پہلے بھی اور لوگ بھی ہمارے رسولوں کو اسی طرح جھٹلاتے رہے ہیں تو کیا اس سے ہماری تبلیغ رُک گئی تھی۔ کیا ہمارے رسولوں نے اپنا کام بند کر دیا تھا پس جب ایسا نہیں ہوا تو اس پیغمبر کو جھٹلانے سے بھی تمہارا مقصد حاصل نہ ہوگا۔ تم قیامت میں خدا کے دوبارہ پیدا کرنے کو نہیں مانتے آخر کیوں جبکہ تم یہاں اُس کی قدرت کا تماشہ دیکھ رہے ہو وہ برابر لوگوں کو پیدا کر رہا ہے پس جو یہاں پیدا کرنے پر قدرت رکھتا ہے وہ قیامت میں دوبارہ پیدا کرنے پر کیوں نہیں قدرت رکھتا تم روئے زمین پر ذرا چلو پھرو۔ دیکھو کہ خدا نے کیسی کیسی مخلوق پیدا کی ہے اور پیدا کرنے کے بعد کس طرح سب کو مار دیتا ہے۔ پھر ایسا قادرِ مطلق دوبارہ تمہیں کیوں نہیں پیدا کر سکتا۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اس کے قبضہ سے نکل جاؤ گے جب تمہاری گردن اس کے ہاتھ میں ہے تو تم کیسے نکل جاؤ گے۔ کیا تم میں اتنی قوت ہے کہ اس پر غالب آجاؤ یا اس کی گرفت سے بچ سکو۔ پھر جب یہ سب کچھ نہیں تو پھر اس پر ایمان کیوں نہیں لاتے۔ اس کے عذاب کا ذکر کیوں نہیں کرتے۔ قیامت کے عقیدہ سے گریز کیوں کرتے ہو۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖٓ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ
وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ㉓ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ
قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ㉔ وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ
اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ
بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۫ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ
مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ㉕ قلا

جن لوگوں نے خدا کی آیات اور قیامت کے دن اس کے سامنے حاضر ہونے سے انکار کیا وہ میری رحمت سے مایوس ہوگئے ہیں اُن کے لیے دردناک عذاب ہے۔ غرض ابراہیم کی قوم کے پاس اس کے سوا اور کوئی جواب نہ تھا کہ باہم کہنے لگے اسے قتل کر ڈالو یا آگ میں جلا ڈالو۔ اللہ نے اُن کو آگ سے بچا لیا۔ اس میں ایمان لانے والوں کے لیے قدرت کی بیشمار نشانیاں ہیں۔ ابراہیم نے اپنی قوم سے کہا کہ تم لوگوں نے خدا کو چھوڑ کر بُتوں کو صرف دنیوی زندگی میں محبت کرنے کی وجہ سے خدا بنا رکھا ہے قیامت کے دن تم میں ایک ایک کا انکار کرے گا اور بعض بعض پر لعنت کرے گا اور تمہارا ٹھکانہ جہنم ہوگا اور وہاں تمہارا کوئی مددگار نہ ہوگا۔

جب حضرت ابراہیمؑ نے بتوں کو توڑا پھوڑا اور قوم کو پتہ چلا کہ یہ کام ابراہیمؑ کا ہے تو انہوں نے آپس میں طے کیا کہ ابراہیمؑ کو آگ میں جلا کر خاک کر دینا چاہیئے۔ چنانچہ ایک مقام پر لکڑیوں کا انبار لگا کر آگ لگا دی۔ اس کے شعلے بھڑکے تو دور دور تک پرندے جل جل کر گرنے لگے۔ ایک آلہ جس کو منجنیق کہتے ہیں ایسا بنایا تھا جس میں رکھ کر حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں پھینکا جا سکے۔ جب وہ منجنیق سے جدا ہو کر آگ کی طرف جا رہے تھے، تو جبرئیل امینؑ نے راستہ میں آ لیا اور ان سے کہا، اے ابراہیمؑ کوئی حاجت ہے۔ فرمایا ہے تو مگر تم سے نہیں ہے۔ کہا پھر جس سے ہے اُسی سے بیان کرو۔ فرمایا، اُس سے بیان کرنے کی حاجت نہیں۔ غرض جب آگ کے قریب پہنچے تو خدا کی طرف سے آگ کو ندا آئی یا نارُ کونی بردًا وسلامًا علیٰ ابراھیم (اے آگ ابراہیمؑ پر سلامتی سے ٹھنڈی ہو جا)۔ مودۃ بینکم کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں ہمیشہ ایسا ہوتا رہا ہے کہ لوگ حق کی بات تحقیق ہو جانے اور اپنی غلطیاں ظاہر ہو لے کے بعد کچھ شرم اور کچھ رشتے ناطے کے لحاظ سے اُس غلطی پر جمے رہتے ہیں۔ یا یہ کہ اپنے بزرگوں کی محبت کی وجہ سے کسی غلط فیصلہ پر قائم رہتے ہیں۔ انسان اگر کسی غلط عقیدہ سے تائب ہو کر صحیح عقیدہ کی طرف آنا چاہتا ہے تو اپنے رشتہ داروں سے ترکِ تعلق ہونے کا خوف اسے امرِ حق کے اظہار سے روک دیتا ہے۔

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّىْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّىْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۶﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِىْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِى الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِى

وقف غفران

الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾

تب حضرت لوطؑ ابراہیمؑ پر ایمان لائے تو ابراہیم نے کہا، میں تو دیس چھوڑ کر اپنے پروردگار کی طرف (جہاں اُسے منظور ہوگا) نکل جاؤں گا۔ اس میں شک نہیں کہ اللہ غالب اور حکمت والا ہے ہم نے ابراہیم کو اسحاق (جیسا بیٹا) اور یعقوب (جیسا پوتا) بخشا اور ان کی اولاد میں نبوّت اور کتاب کو رکھا اور ہم نے دُنیا میں بھی اُن کو اجر دیا اور آخرت میں بھی کہ ہمارے نیک بندوں میں سے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ کا آگ سے نجات پانا ایسا واقعہ نہ تھا کہ قوم مسلمان نہ ہو جاتی۔ مگر حضرت لوطؑ کے سوا جو حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجے تھے اور کوئی بھی ایمان نہ لایا۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ حضرت لوطؑ معاذ اللہ پہلے صاحبِ ایمان نہ تھے اور حضرت ابراہیمؑ کو آگ سے نجات پانے کے بعد ایمان لائے، ایسا نہیں کیونکہ خدا نے کبھی کسی مشرک کو نبی نہیں بنایا۔ یہاں مؤمن ہونے کے یہ معنی ہیں کہ انہوں نے حضرت ابراہیمؑ کی طاعت و پیروی اختیار کی۔

حضرت علیؑ کے ایمان لانے کے متعلق یہ کہنا غلط ہے کہ وہ پہلے صاحبِ ایمان نہ تھے بعد میں ہوئے وہ تو پیدا ہی مؤمن ہوئے تھے صرف اُس وقت اپنے ایمان کا اعلان کیا تھا جب حضورؐ کو رسالت کے اعلان کا حکم ہوا تھا۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت لوطؑ اُس وقت کم سن تھے جب حضرت ابراہیمؑ پر ایمان لائے تھے۔ پس اگر کم سنی میں حضرت لوطؑ کا ایمان لانا صحیح ہو سکتا ہے اور قرآن میں خدا اس کا ذکر ضروری سمجھتا ہے تو حضرت علیؑ کے کم سنی میں ایمان لانے پر اعتراض کرنا فضول ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں صرف حضرت اسحٰقؑ اور اُن کے بیٹے حضرت یعقوبؑ کا ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد کا جس میں صرف حضرت رسولِ خداؐ مبعوث بہ رسالت ہوئے ذکر نہیں کیا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ زیادہ انبیاء حضرت اسحٰقؑ کی نسل میں ہی ہوئے اور کتابیں اور صحیفے بھی اسی نسل میں آئے لہٰذا اس کو نسلِ حضرت اسماعیلؑ سے الگ کر کے دکھایا گیا ہے۔

یہ عزّت بھی حضرت ابراہیمؑ کو ہی حاصل ہوئی کہ اُن کی نسل سے ایک دو نہیں ہزاروں پیغمبر پیدا ہوئے۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ۘ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ

السَّبِيلَ ۙ وَتَأْتُونَ فِي نَادِيكُمُ الْمُنكَرَ ۖ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ
إِلَّا أَن قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللَّهِ إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ (۲۹) قَالَ
رَبِّ انصُرْنِي عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِينَ (۳۰) ع ۳ ۸ ۱۵

حضرت لُوط نے اپنی قوم سے کہا تم وہ بے حیائی کا کام کرتے ہو جو تم سے پہلے دُنیا میں کسی نے نہیں کیا کیا تم (عورتوں کو چھوڑ کر شہوت پُوری کرنے کے لیے) مردوں کی طرف گرتے ہو اور مسافروں کی راہ زنی کرتے ہو اور تم اپنی محفلوں میں بڑی بُری حرکتیں کرتے ہو۔ لُوط کی قوم کے پاس اس کے سوا اور کوئی جواب نہ تھا کہ وہ کہنے لگے، اگر تم سچے ہو تو ہم پر خدا کا عذاب لے آؤ۔ تب لوط نے دُعا کی، پروردگار! ان مفسدوں کے مقابلہ میں میری مدد فرما۔

دُنیا میں سب سے پہلے جس نے لواطت کا آغاز کیا وہ قومِ لُوط تھی۔ شیطان نے اُن کو یہ پٹی پڑھائی تھی کہ عورتوں کو خونِ حیض آتا ہے ان کے ساتھ صحبت کرنے میں انسان کی صحت خراب ہو جاتی ہے۔ یہ ایسے بے حیا لوگ تھے کہ کھلے جلسوں میں یہ شرمناک فعل بجالاتے تھے اور ایک دوسرے سے شرم نہیں کرتا تھا۔ دوسرا عیب ان میں یہ تھا کہ راستہ میں مسافروں کو لُوٹ لیتے تھے۔ حضرت لوطؑ ہر چند ان کو سمجھاتے تھے مگر یہ بدکار کسی طرح باز نہ آتے تھے۔ جب حضرت لوطؑ عذابِ الٰہی سے ڈراتے تو وہ کہتے اگر تم سچے ہو تو اس عذاب کو لاکر دکھاؤ۔

وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ لا قَالُوا إِنَّا مُهْلِكُو أَهْلِ
هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ ج إِنَّ أَهْلَهَا كَانُوا ظَالِمِينَ (۳۱) قَالَ إِنَّ فِيهَا لُوطًا ۚ قَالُوا
نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَن فِيهَا ۖ لَنُنَجِّيَنَّهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ كَانَتْ مِنَ
الْغَابِرِينَ (۳۲) وَلَمَّا أَن جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ
ذَرْعًا وَقَالُوا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۖ إِنَّا مُنَجُّوكَ وَأَهْلَكَ

إِلَّا امْرَأَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ (۳۳) إِنَّا مُنزِلُونَ عَلَىٰ أَهْلِ هَٰذِهِ
الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ (۳۴) وَلَقَد تَّرَكْنَا مِنْهَا
آيَةً بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (۳۵)

جب ہمارے رسول (فرشتے) ابراہیم کے پاس (اسحاق و یعقوب کی پیدائش کی) بشارت لے کر آئے تو انہوں نے کہا ہم اس بستی کے رہنے والوں کو ہلاک کرنے آئے ہیں اس کے باشندے یقیناً ظالم ہیں۔ حضرت ابراہیم نے کہا اس بستی میں تو لوط بھی رہتے ہیں۔ فرشتوں نے کہا جو رہتے ہیں، ہم اُن کو جانتے ہیں۔ ہم لوط اور اس کے گھر والوں کو بچالیں گے مگر اس کی بی بی (نہیں بچے گی) وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہوگی۔ جب (وہاں سے) یہ فرشتے لوط کے پاس آئے تو وہ اُن کے آنے سے بہت رنجیدہ اور تنگ دل ہوئے (کیونکہ وہ خوبصورت لڑکوں کی صورت میں آئے تھے) فرشتوں نے کہا آپ نہ ڈریں نہ رنج کریں ہم آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو بچالیں گے۔ سوائے تمہاری بی بی کے وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہوگی۔ چونکہ اس بستی کے رہنے والے بدکار ہیں لہٰذا ہم اُن پر آسمانی عذاب نازل کرنے والے ہیں۔ اور ہم نے (اس اُلٹی ہوئی بستی کو) سمجھ دار لوگوں کے لیے عبرت حاصل کرنے کی ایک روشن نشانی باقی رکھی ہے۔

فرشتے پہلے حضرت ابراہیمؑ کے پاس آئے تھے اور ان کو پہلے حضرت اسحاقؑ کی اور بعد میں حضرت یعقوبؑ کی ولادت کی خوشخبری دی۔ پھر کہا ہم اس لیے آئے ہیں کہ قومِ لُوط پر عذاب نازل کریں۔ انہوں نے کہا، وہاں تو لوطؑ بھی رہتے ہیں فرشتوں نے کہا ہم انہیں بچالیں گے۔ اس کے بعد وہ لوطؑ کے پاس آئے۔ چونکہ یہ فرشتے نہایت خوبصورت لڑکوں کی شکل میں آئے تھے اس لیے حضرت لوطؑ کو یہ خوف ہوا کہ خبر سنتے ہی وہ بدکار دوڑ پڑیں گے اور ان کو اٹھا کر لے جائیں گے فرشتوں نے جب ان کی پریشانی محسوس کی تو دلاسا دیا کہ آپ گھبرائیں نہیں۔ آپ اور آپ کے گھر والے عذاب سے بچ رہیں گے۔ مگر آپ کی بی بی ستوب ہو کر رہے گی۔ کیونکہ وہ کافرہ تھی اور کافروں کی اس بدکاری کو بُرا نہیں جانتی تھی اور حضرت لوطؑ پر ایمان نہیں لاتی تھی۔

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۙ فَقَالَ يَٰقَوْمِ ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ وَٱرْجُوا۟ ٱلْيَوْمَ
ٱلْءَاخِرَ وَلَا تَعْثَوْا۟ فِى ٱلْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿٣٦﴾ فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَتْهُمُ ٱلرَّجْفَةُ
فَأَصْبَحُوا۟ فِى دَارِهِمْ جَٰثِمِينَ ﴿٣٧﴾ وَعَادًا وَثَمُودَا۟ وَقَد تَّبَيَّنَ لَكُم مِّن
مَّسَٰكِنِهِمْ ۖ وَزَيَّنَ لَهُمُ ٱلشَّيْطَٰنُ أَعْمَٰلَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ ٱلسَّبِيلِ وَ
كَانُوا۟ مُسْتَبْصِرِينَ ﴿٣٨﴾

اور اہلِ مدین کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ اُنہوں نے کہا لے میری قوم، اللہ کی عبادت کرو اور روزِ آخرت کی امّید رکھو اور روئے زمین پر فساد برپا نہ کرو۔ انہوں نے شعیب کو جھٹلایا پس انہیں زلزلہ نے لے ڈالا اور وہ اپنے گھروں میں بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے اور عاد و ثمود کو بھی (ہم نے ہلاک کر ڈالا (لے اہلِ مکّہ) تم کو تو اُن کے اُجڑے ہُوئے گھر بھی (راستہ میں) دکھائی دیتے ہیں شیطان نے اُن کی بداعمالیوں کو اُن کی نگاہوں میں زینت دے دی تھی اس لیے انہوں نے راہِ خدا سے لوگوں کو روکا حالانکہ وہ ہوشیار لوگ تھے۔

وَقَٰرُونَ وَفِرْعَوْنَ وَهَٰمَٰنَ ۖ وَلَقَدْ جَآءَهُم مُّوسَىٰ بِٱلْبَيِّنَٰتِ فَٱسْتَكْبَرُوا۟
فِى ٱلْأَرْضِ وَمَا كَانُوا۟ سَٰبِقِينَ ﴿٣٩﴾ فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذَنۢبِهِۦ ۖ فَمِنْهُم
مَّنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا وَمِنْهُم مَّنْ أَخَذَتْهُ ٱلصَّيْحَةُ وَمِنْهُم مَّنْ
خَسَفْنَا بِهِ ٱلْأَرْضَ وَمِنْهُم مَّنْ أَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ ٱللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَٰكِن
كَانُوٓا۟ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٤٠﴾

اور قارون و فرعون و ہامان بھی (ہلاک ہوئے) ان کے پاس موسٰی روشن آیات لے کر آئے تھے مگر انہوں نے روئے زمین پر سرکشی سے کام لیا لیکن وہ ہم سے سبقت لے جانے والے نہ تھے ہم نے سب کو اُن کے گناہ کی وجہ سے لے ڈالا (یعنی ہماری گرفت سے نکل نہ سکے)۔ بعض تو ان میں وہ تھے جن پر ہم نے پتھّر والی آندھی بھیجی۔ بعض وہ تھے جنہیں ایک چنگھاڑ نے لے ڈالا۔ بعض وہ تھے جن کو ہم نے زمین میں دھانس دیا۔ بعض کو ڈبو کر رکھدیا اور یہ بات نہیں ہے کہ اللہ نے ان پر ظلم کیا ہو بلکہ وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے رہے۔

قومِ عاد پر مسلسل آٹھ دن ہوا کا طوفان آیا۔ قومِ ثمود کو زلزلہ نے ہلاک کیا۔ قارون زمین میں دھنسا۔ فرعون کو غرق کیا گیا۔ یہ قومیں جن پر عذاب آتے تھے بے وقوف نہ تھیں۔ دُنیوی معاملات میں کافی ہوشیار تھیں۔ تجارتی کاروبار خوب چلا رہے تھے۔ جو ہدایت انبیاء کرتے تھے وہ ان کے کان کو نہیں لگتی تھی۔ بات یہ تھی کہ وہ معاشرہ میں ایسی آزادی چاہتے تھے جس میں حرام و حلال کی قید نہ ہو۔ نیز زبردستوں کو زیردستوں پر ظلم و ستم سے نہ روکا جائے کمزور لوگ اُن کی حکومت کو ہر حالت میں تسلیم کرتے رہیں۔ اسلام ان باتوں کی اجازت نہیں دیتا تھا اس لیے وہ انبیاء کے دشمن بن جاتے تھے۔

یہاں تک جو قصے بیان کیے گئے وہ کفّار و مشرکین مکّہ کو یہ بتانے کے لیے تھے کہ جس طرح اقوامِ سابقہ کی سرکشی خدا کے سامنے نہ چلی اور وہ تباہ و برباد ہو گئے۔ اسی طرح تمہاری سرکشی بھی نہ چلے گی۔ وہ لوگ تم سے زیادہ طاقتور بھی تھے اور تعداد میں زیادہ تھے۔ پس جب وہ خدا کی گرفت سے باہر نہ جا سکے تو تمہاری تو ہستی ہی کیا ہے۔

مَثَلُ ٱلَّذِينَ ٱتَّخَذُوا۟ مِن دُونِ ٱللَّهِ أَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ ٱلْعَنكَبُوتِ ۚ
ٱتَّخَذَتْ بَيْتًا ۖ وَإِنَّ أَوْهَنَ ٱلْبُيُوتِ لَبَيْتُ ٱلْعَنكَبُوتِ ۘ لَوْ كَانُوا۟
يَعْلَمُونَ ﴿٤١﴾ إِنَّ ٱللَّهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُونَ مِن دُونِهِۦ مِن شَىْءٍ ۚ وَهُوَ
ٱلْعَزِيزُ ٱلْحَكِيمُ ﴿٤٢﴾ وَتِلْكَ ٱلْأَمْثَٰلُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۖ وَمَا
يَعْقِلُهَآ إِلَّا ٱلْعَٰلِمُونَ ﴿٤٣﴾ خَلَقَ ٱللَّهُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضَ بِٱلْحَقِّ ۚ إِنَّ فِى

۴ ع ۴ ۱۶

ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۴﴾ ع

جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اوروں کو اپنا سرپرست بنالیا ہے اُن کی مثال مکڑی کی سی ہے جو اپنا گھر بناتی ہے۔ اگر تم جانتے ہو تو سمجھو کہ سب سے کمزور گھر مکڑی کا ہوتا ہے۔ خدا کو چھوڑ کر یہ جن کو پکارتے ہیں خدا انہیں خوب جانتا ہے وہ غالب حکمت والا ہے۔ یہ مثالیں ہم عام لوگوں کے لیے بیان کیا کرتے ہیں ان کو عام لوگ بھی سمجھتے ہیں۔ اللہ نے آسمان و زمین کو ٹھیک ٹھیک پیدا کیا ہے۔ بے شک اس میں ایمان لانے والوں کے لیے اللہ کی نشانیاں ہیں۔

کفار و مشرکین جن بتوں کو اپنا معبود بنائے ہوتے ہیں اور اُن سے اپنی توقعات وابستہ کر رکھی ہیں وہ احمقانہ خیالات میں پھنسے ہوتے ہیں۔ ان میں کیا طاقت ہے کہ وہ کسی کی بھی حاجت برآری کر سکیں۔ اُن کے یہ خیالات اُن کے یہ واہمے، مکڑی کے جالے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ وہ جالا ہوتا ہی کیا ہے۔ ذرا انگلی لگ جائے تو فوراً ٹوٹ جاتا ہے پس یہ سب خیالات انتہائی کمزور ہیں۔ جب کوئی مصیبت پڑے گی تو ان کے یہ فرضی معبود انہیں کیا مدد دے سکیں گے۔ جس طرح مکڑی کے جالے سے کوئی کام نہیں ہو سکتا اسی طرح ان معبودوں سے کوئی غرض پوری نہیں ہو سکتی۔ جس طرح مکڑی اپنے جالے میں خود پھنس کر رہ جاتی ہے اسی طرح یہ لوگ اپنی بداعمالیوں میں مبتلا ہو کر اپنی بدبختی کا باعث خود ہی بن جاتے ہیں۔

◐

(۲۱) [illegible]

اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ
تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا
تَصْنَعُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ۖ اِلَّا
الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَاُنْزِلَ اِلَیْكُمْ
وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَآ
اِلَیْكَ الْكِتٰبَ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَمِنْ هٰٓؤُلَآءِ مَنْ
یُّؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَمَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۷﴾

(اے رسول) جو کتاب تمہارے اوپر نازل کی گئی ہے اس کی تلاوت کرو اور نماز پڑھتے رہو۔ بے شک نماز بے حیائی اور بُرے کاموں سے روکتی ہے۔ اور خدا کا ذکر سب سے بڑا ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو جانتا ہے۔ اہلِ کتاب (یہود و نصارٰی) سے مناظرہ نہ کرو مگر شائستہ طریقہ سے، ہاں ان میں سے جو ظالم ہیں ان سے نہیں (مسلمانو) تم ان سے کہو ہم تو جو کتاب ہم پر نازل کی گئی ہے اور جو تم پر نازل کی گئی ہے سب پر ایمان لے آئے ہیں۔ تمہارا اور ہمارا خدا ایک ہے اور ہم اس کے فرمانبردار ہیں۔ اور اے رسول ہم نے اسی طرح تم پر کتاب نازل کی جیسے تم سے پہلے پیغمبروں پر نازل کی تھی اور جن لوگوں کو ہم نے یہ کتاب عطا کی ہے وہ اس کتاب پر ایمان لے آئے ہیں اور ان میں (عربوں میں) سے بھی بعض ایمان لے آئے ہیں اور ہماری آیات کا کافروں کے سوا کوئی انکار نہیں کرتا۔

اگرچہ تلاوتِ کلامِ پاک اور نماز پڑھنے کا حکم بظاہر رسول کو دیا گیا ہے لیکن درحقیقت یہ حکم ہے سب مسلمانوں کے لیے۔ ان دو چیزوں کو اس لیے مخصوص کیا گیا ہے کہ تزکیۂ نفس اور رجوع الی اللہ میں ان سے بڑی مدد ملتی ہے۔

لیکن صرف زبان سے الفاظ ادا کرنا اور نماز میں صرف بدن کو حرکت دینا اس فرض کو پورا نہیں کر سکتے۔ مثلاً ایک شخص صرف الفاظ تو اپنی زبان سے نکالتا ہے مگر اس کے معانی سے کوئی غرض نہیں رکھتا تو اس تلاوت سے جو فائدہ اس کو ہونا چاہیئے وہ نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ صرف الفاظ کا تلاوت کرنا بھی مردِ جاہل کے لیے باعثِ ثواب ہے لیکن جب کسی بات کو سمجھا ہی نہیں تو دل پر اس کا اثر کیسے ہوگا۔ تلاوت کی غرض تو اسی وقت پوری ہوگی جبکہ ہر آیت کے معانی پر غور کیا جائے۔ اور ان کے بیان کا جو مقصد ہے اس کو عملاً پورا کیا جائے۔ ترتیل الفاظ کتاب اور تعمیلِ احکام کتاب میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ انسان کے دل میں ایک دو نہیں ہزارہا برائیاں چھپی بیٹھی ہیں جو اپنے اپنے وقت پر نکلنا چاہتی ہیں۔ ان کا نکلتے رہنا اس پھوڑے کی مانند ہے جس سے مواد برابر رِستا رہتا ہو۔ جب تک یہ رِسنا بند نہیں ہوگا پھوڑا اچھا نہیں ہو سکتا۔ لیکن یہ رِسنا پھوڑے کے منہ پر کپڑا باندھ دینے سے بند نہیں ہو سکتا جب تک پھوڑے کے اندر کوئی دوا نہ پہنچائی جائے۔ اگر قرآن کو غور سے پڑھا جائے اور اس کے احکام پر عمل کرنے کی کوشش کی جائے تو انسان کے دل سے برائیوں کی جڑ اُکھڑ جاتی ہے اور نزولِ قرآن کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ حضور سرکارِ دو عالم جب مبعوث ہوئے اُس وقت عربوں کی حالت اخلاقی لحاظ سے نہایت پست تھی۔ کون سی برائی تھی جو ان میں نہیں پائی جاتی تھی۔ قرآن نے ان کو کھود کھود کر نکالا اور مسلمانوں کو ہدایت کی کہ ان کے پاس بھی نہ جانا۔ نیز یہ کہ جو اخلاقِ حسنہ کی تعلیم قرآن دے رہا ہے ان سے آراستہ ہو کر ان بدو عربوں کے سامنے اپنے کو پیش کرو تاکہ تمہاری عملی حالت دیکھ کر اُن کے دل پر اچھا اثر ہو اور خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ بدلے۔ صرف خوش الحانی سے پڑھنا کافی نہیں تاوقتیکہ سمجھا نہ جائے۔

تلاوت کے حکم کے بعد نماز کو پابندی سے ادا کرنے کا حکم دیا ہے اور اس سے پھر جو فائدہ ہوتا ہے وہ بھی بتا دیا کہ یہ نماز بے حیائی اور بدکاری سے روکنے والی چیز ہے۔ صرف قیام وقعود اور رکوع وسجود کر لینا اس فرض کو پورا نہیں کرتا۔ نمازی کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ وہ بے حیائی اور بدکاری سے بچا یا نہیں۔ اگر نہیں بچا تو نماز کا صرف اعضا کی حرکت کا کام ہوا یہ تو ایک قسم کی ورزش ہوئی۔ جو شخص پانچ وقت اپنے معبود کے دربار میں حاضر ہوتا ہے اور ہر بار سیہ کاریوں کے داغ دھبے اس کے دامنِ دل پر لگے ہوتے ہیں تو اس کو شرم آنی چاہیئے۔ ایک غیرتمند ضرور اس بات کا خیال رکھے گا کہ برے کاموں سے بچا رہے۔ دُنیوی بادشاہوں کے دربار میں جانے والے صاف ستھرے لباس میں جانے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ دربار سے بذلت وخواری نکال نہ دیئے جائیں۔ پس بادشاہِ حقیقی کے دربار میں حاضر ہونے والوں کو بھی چاہیئے کہ اپنا دل صاف ستھرا بنا کر اس کے سامنے حاضر ہوں۔ جو شخص پابندی سے نماز پڑھے گا کبھی تو اُسے یہ خیال آئے گا کہ میں اپنے دل کی حالت درست کروں۔

فروعِ دین میں نماز کو اس لیے مقدم رکھا گیا ہے کہ ایک گنہ گار بندہ جب پانچ وقت اپنے معبود کے دربار میں حاضر ہو کر اپنے گناہوں کی معافی مانگے گا اور آئندہ گناہ کرنے سے توبہ کرے گا تو اس کے دل میں صفائی اور روشنی پیدا ہوگی اور نمازی کہلا کر لوگوں کے سامنے گناہ کرتے شرم آنے لگے گی۔ قیامت میں سب سے پہلے نماز ہی کے متعلق سوال ہوگا اور یہ جانچا جائے گا کہ مدت العمر میں اُس نے کتنی نمازیں پڑھیں اور کتنی چھوڑیں اور جو پڑھیں

ان میں قابلِ قبول کتنی ہیں اور کتنی نہیں۔ اللہ کی سرکار میں صرف متقیوں کی عبادت قبول ہوگی۔ پس جو برائیوں سے نہیں بچا، اس کی عبادت کسی اجر کی مستحق قرار نہیں پائے گی۔

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ
الْمُبْطِلُوْنَ (۴۸) بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ
وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَاۤ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ (۴۹) وَقَالُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ
اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاِنَّمَاۤ اَنَا نَذِيْرٌ
مُّبِيْنٌ (۵۰)

اے رسول قرآن نازل ہونے سے پہلے نہ تو تم کوئی کتاب ہی پڑھا کرتے تھے اور نہ اپنے داہنے ہاتھ سے لکھا ہی کرتے تھے۔ ایسا ہوتا تو ضرور یہ جھوٹے تمہاری نبوت میں شک کرنے لگتے مگر جن لوگوں کو خدا کی طرف سے علم عطا ہوا ہے اُن کے دلوں میں یہ (قرآن) واضح اور روشن آیتیں ہیں اور سرکشوں کے سوا ہماری آیتوں سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ (کفّارِ عرب) کہتے ہیں کہ اس (رسولؐ) پر خدا کی طرف سے معجزے کیوں نہیں نازل ہوتے۔ تم کہدو کہ معجزے تو بس خدا ہی کے پاس ہیں، میں تو صاف صاف (عذابِ خدا سے) ڈرانے والا ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم لکھنا پڑھنا سب کچھ جانتے تھے مگر آپؐ کو اجازت نہ تھی کہ کوئی کتاب پڑھیں یا کاغذ پر کچھ لکھیں۔ لوگوں نے اس سے یہ غلط نتیجہ نکالا کہ آپؐ کو لکھنا پڑھنا آتا ہی نہ تھا مبعوث برسالت ہونے کے بعد علوم کے خزانے یکایک آپؐ کو مل گئے۔ یہ بات کی تہ تک نہ پہنچنے کے نتیجے ہیں۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ اگر حضورؐ لکھتے پڑھتے ہوتے تو مشرکین یہ الزام لگاتے کہ توریت وانجیل اور آسمانی صحیفوں کو پڑھ کر قرآن بنا لیا ہے۔ یہ بھی اُن کا اعتراض تھا کہ ایک شخص رات کو آتا ہے اور وہ مضامینِ قرآن انؐ کو لکھوا دیتا ہے صبح ہی وہ صحابہ کرامؓ کے سامنے وحی کہہ کر پڑھ دیتے ہیں۔ ان تمام اعتراضات کے ردّ کے لیے خدا نے اُن کو لکھنے پڑھنے سے روک دیا تھا۔ جب کسی نے آپؐ کو لکھتے پڑھتے دیکھا ہی نہیں تھا تو یہ اعتراض بالکل احمقانہ تھا۔ لیکن اس کے بے

معنی نہیں کہ حضورؐ لکھے پڑھے آدمی نہ تھے اُمّی محض تھے۔ یہ تو ایک رسول کی کھُلی توہین ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ خدا ایک مردِ جاہل کو اپنی رسالت کے لیے منتخب فرمالے۔ اس کے ہمعصر تو پڑھے لکھے ہوں اور وہ علم سے کورے ہوں۔

جو شخص پہلی قوموں کے عقاید، اُن کی زندگی کے حالات، اُن پر عذاب کے واقعات، اُن کی اخلاقی و معاشرتی کیفیات کو نہایت مفصل اور وضاحت سے بیان کر رہا ہے اور وہ ایک ایسا شخص ہے جس کو کسی نے کبھی لکھتے پڑھتے نہیں دیکھا تو لامحالہ یہ علم اُسے وحی کے ذریعہ ہی سے ملا ہوگا۔ پس جس کا علم وحی پر منحصر ہو وہ ضرور نبی ہے۔ اس کی رسالت میں شک کرنے والے جو کچھ کہتے ہیں وہ ضرور اُس سے بُغض و عناد رکھتے ہیں۔

پھر فرماتا ہے کہ یہ قرآن ان آیاتِ بیّنات پر مشتمل ہے جو اُن لوگوں کے سینوں میں ہے جن کو خدا کی طرف سے علم دیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کتابِ خدا کا نزول قلبِ رسولؐ پر ہوتا رہا۔ کوئی لکھی ہوئی کتاب حضورؐ کے پاس یکبارگی نہیں آئی بس قلمِ قدرت نے قلبِ رسولؐ پر جو لکھ دیا وہی اصل کتاب ہے اور جو حضورؐ نے پڑھ کر سُنا دیا اور لوگوں نے لکھ لیا وہ قرآن ہے۔ پس کتابِ خدا کی ایک اصل کاپی ہر زمانہ میں موجود رہنی چاہیئے تاکہ اگر آیاتِ قرانی میں کوئی اختلاف کی صورت پیدا ہو تو اصل کتاب سے اس کو ملا لیا جائے۔ یہ اصل کتاب خدا نے اُن لوگوں کے سینوں میں رکھی ہے جن کو خدا کی طرف سے علم دیا گیا ہے۔ دُنیا کے کسی مدرسہ میں اُنھوں نے تعلیم نہیں پائی۔ نیز یہ کہ ایسے لوگ معصوم ہونے چاہئیں تاکہ کسی قسم کی غلطی کا صدور ان سے ممکن نہ ہو۔ اور ہر زمانہ میں ان میں سے کسی ایک کا وجود پایا جائے۔ یہ لوگ سوائے ائمہؑ اثنا عشر کے جن کے اوّل حضرت علی علیہ السلام ہیں اور آخر قائم آلِ محمدؐ ہیں ان کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا۔!

فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک جماعت ہے۔ عہدِ رسالتؐ سے اب تک مسلمانوں میں کوئی شخص اس کا مدعی نہیں ہوا کہ وہ خدا کے یہاں سے پڑھا ہوا آیا ہے سوائے اہلبیتِ رسولؐ کے۔ پس اوتوا العلم سے وہی مراد ہیں۔ کتابِ خدا کا علم انہی میں سینہ بہ سینہ چل رہا ہے۔ یہی ہر اختلاف کو مٹانے کے ذمہ دار بنائے گئے ہیں۔ انہی سے تمسک نہ کرنے کی وجہ سے مسلمانوں میں تہتّر فرقے بن گئے ہیں اور ہر فرقہ قرآن سے استدلال کرتا اور اپنے کو حق پر بتاتا ہے۔ قرآن تہتّر طریقوں سے تو نازل نہیں ہوا وہ تو ایک ہی طریق سے نازل ہوا ہے۔ اگر مرکزِ تعلیم نہ بدلا جاتا تو یہ اختلافی صورتیں پیدا نہ ہوتیں۔

آخر آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مشرکین جو اعتراض کیا کرتے تھے کہ یہ رسولؐ اپنے معجزے کیوں نہیں دکھاتے جیسے حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ وغیرہ نے دکھائے تھے۔ اُن کے جواب میں خدا نے اپنے رسولؐ سے فرمایا کہ معجزات دکھانا خدا کے اختیار میں ہے اور اُس کی مصلحت پر موقوف ہے۔ میں تو تم لوگوں کو عذابِ خدا سے ڈرانے والا بن کر آیا ہوں۔ اگر تم میری بات نہ مانوگے تو خدا جب چاہے گا تم پر اپنا عذاب نازل کرے گا۔ تمہاری حسبِ خواہش اگر میں معجزات دکھانے والا ہوتا تو اسی کا ہو رہتا۔ آج ایک شخص کہتا یہ معجزہ دکھاؤ کل دوسرا کہتا یہ دکھاؤ۔ تو تم معجزات کو ایک کھیل بنا دیتے۔

اَوَلَمْ یَکْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ یُتْلٰى عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ
لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ع ⑤① قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ ٥ع١
شَهِیْدًا ۚ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَ
كَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ⑤② وَیَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ
وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ ؕ وَلَیَاْتِیَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ
لَا یَشْعُرُوْنَ ⑤③

(جو لوگ معجزہ کے طالب ہیں) کیا اُن کے لیے یہ کافی نہیں کہ ہم نے تم پر کتاب (قرآن) نازل کی جو اُن کے سامنے پڑھی جاتی ہے۔ بے شک اس میں رحمت ہے اور ایمان لانے والی قوم کے لیے نصیحت ہے۔ اے رسول کہدو کہ میرے اور تمہارے درمیان گواہی کو اللہ کافی ہے اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ اس کو جانتا ہے اور جو باطل کو ماننے والے ہیں اور جنہوں نے اللہ کا انکار کیا ہے وہ نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہیں۔ یہ لوگ تم سے عذاب لانے میں جلدی کر رہے ہیں۔ اگر عذاب کے لیے ایک وقت معین نہ ہوتا تو عذاب اُن کے پاس آچکا ہوتا اور آخر ایک دن اُن پر اچانک ضرور آپڑے گا اور اُنہیں پتہ بھی نہ چلے گا۔

جو لوگ کہتے تھے کہ رسولؐ خدا کوئی معجزہ اور رسولوں کی طرح کیوں نہیں دکھاتے۔ ان سے کہا جا رہا ہے کہ قرآن تو رسولؐ کا معجزہ مستمرہ ہے اسے کیوں نہیں مانتے۔ اگر اس کا جواب لا سکتے ہو تو لے آؤ۔ مگر تم اس دعوےٰ کی تردید اب تک نہیں کر سکے اور نہ کر سکوگے۔ پھر اس معجزہ کے ہوتے ہوئے اور معجزہ کیوں طلب کر رہے ہو میں اپنی نبوّت پر اللہ کی گواہی پیش کر سکتا ہوں۔ وہ اس قرآن میں جابجا میری رسالت کا ذکر کر رہا ہے۔ اگر اسے اللہ کی کتاب مانتے ہو تو میری رسالت مانو اور اگر نہیں مانتے تو یہ ثابت کرو کہ میں نے دل سے گڑھ کر پیش کی ہے رہا تمہارا عذاب میں جلدی کرنا تو خدا نے جو وقت مقرر کر دیا ہے اُس پر ضرور نازل ہوگا اور جس وقت آئے گا تو ایسا اچانک آئے گا کہ تمہیں خبر ہی نہ ہوگی۔

يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ط وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ بِالْكٰفِرِيْنَ (۵۴)
يَوْمَ يَغْشٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَيَقُوْلُ ذُوْقُوْا
مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (۵۵) يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ
فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ (۵۶) كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ قف ثُمَّ اِلَيْنَا
تُرْجَعُوْنَ (۵۷) وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ
الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ط نِعْمَ اَجْرُ
الْعٰمِلِيْنَ (۵۸) صلے الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ (۵۹) وَكَاَيِّنْ
مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ق اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ صلے وَهُوَ
السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (۶۰)

یہ لوگ عذاب میں بڑی جلدی کر رہے ہیں (انہیں خبر نہیں کہ) دوزخ کافروں کو اس طرح گھیر کر رہے گا (کہ روک نہ سکیں گے) وہ وہ دن ہوگا کہ عذاب اُن کے سر کے اُوپر سے اور پاؤں کے نیچے سے اُن کو ڈھانک لے گا اور خدا (اُن سے) کہے گا، جو عمل تم دُنیا میں کرتے تھے اب اس کا مزہ چکھو۔ اے میرے ایماندار بندو، میری زمین تو یقیناً کشادہ ہے تو تم میری ہی عبادت کرو۔ (ایک نہ ایک دن) ہر شخص موت کا ذائقہ چکھنے والا ہے۔ پھر تم ہماری طرف لوٹائے جاؤ گے۔ جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور اچھے اچھے کام کیے اُن کو ہم بہشت کے جھروکوں میں جگہ دیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور وہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اچھے چلن والوں کی کیا اچھی مزدوری ہے جنہوں نے (دنیوی مصیبتوں میں) صبر سے کام لیا اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ زمین پر چلنے والوں میں بہتیرے ایسے ہیں جو اپنی روزی اپنے اُوپر لادے نہیں پھرتے۔ خدا ہی اُن کو بھی روزی دیتا ہے اور تم کو بھی اور وہ بڑا سننے والا اور جاننے والا ہے۔

یہ لوگ عذاب میں جلدی کر رہے ہیں انہیں خبر نہیں کہ جہنّم سے بچ کر کافر کہیں نہیں جا سکتے۔ ان پر عذاب آئے گا اور بلا کا عذاب آئے گا۔ اُوپر سے بھی اور نیچے سے بھی۔ اس وقت کہا جائے گا کہ اپنی بداعمالیوں کا مزہ چکھو۔ ایک دن ہر شخص کو مرنا ہے اور خدا ہی کی طرف جانا ہے پھر اس کے عذاب سے بچنا کیسا؟

نیچے کا حصّہ اُن مسلمانوں کے لیے ہے جو ہجرت کرنے کے بعد افلاس میں مبتلا ہو گئے تھے۔ اُن سے کہا جا رہا ہے کہ راہِ خدا میں جو تکالیف تم کو پہنچ رہی ہیں ان کو صبر سے برداشت کرو، خدا پر بھروسہ کرو۔ ہر زمین پر چلنے والے کا رازق اللہ ہے وہی تم کو بھی رزق بہم پہنچائے گا۔ اس صبر کا تمہیں روزِ قیامت بڑا اچھا بدلہ ملے گا۔ ایمان کی نگہبانی سب سے مقدّم ہے اس کے مقابل کسی چیز کو عزیز نہ سمجھو۔

مسلمانوں میں ایسے لوگ زیادہ تھے جو عسرت و تنگدستی سے گھبرائے ہوئے تھے اور کفّار و مشرکین کو آسودہ حالت میں دیکھ کر اُن کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ ہم نے مسلمان ہو کر کیا پایا۔ طرح طرح کی پریشانیاں اپنے لیے مول لے لیں۔ خدا اُن کو دلاسا دے رہا ہے اور بتا رہا ہے کہ جو کامل الایمان ہیں اور اللہ پر بھروسہ رکھتے ہیں وہ تنگدستی یا کسی اور مصیبت کو خاطر میں نہیں لاتے۔ اُن کی نظر میں ہر وقت آخرت کی نجات رہتی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جب تم کسی ایسی سرزمین میں ہو جہاں کے لوگ نافرمان ہوں تو وہاں سے ہجرت کر جاؤ۔ اللہ کی زمین بہت وسیع ہے۔ دوسری جگہ منتقل ہونے سے تمہاری پریشانیاں دُور ہو جائیں گی۔ مثل مشہور ہے: ”ملکِ خدا تنگ نیست، پائے گدا لنگ نیست“۔ خدا کے ایسے بندے بھی ہیں کہ اپنی روزی دوسرے دن کے لیے نہیں اُٹھا رکھتے یعنی جمع نہیں کرتے۔ یہ جمع کرنے کا خاصہ ذی حیات کے لیے ہے، چیونٹی، چوہا اور انسان۔ باقی تمام جانور اللہ پر بھروسہ رکھتے ہیں کہ وہ بھوکا اُٹھاتا ہے بھوکا سُلاتا نہیں۔ خدا پر رزق رسانی کا بھروسہ نہ کرنا ایمان کی کمزوری ہے۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَ
الْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ج فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ (۶۱) اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ
يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ط اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (۶۲) وَلَئِنْ

سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا
لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَمَا
هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ؕ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ
الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۴﴾

اگر تم ان لوگوں سے پُوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے اور سُورج اور چاند کو کس نے مسخّر کیا ہے۔ تو وہ ضرور کہیں گے اللہ نے۔ پھر یہ کہاں بہکے جا رہے ہیں۔ اللہ اپنے بندوں میں جس کا رزق چاہتا ہے بڑھا دیتا ہے جس کا چاہتا ہے گھٹا دیتا ہے اور بے شک اللہ ہر شے کا جاننے والا ہے۔ اور اگر تم اُن سے پوچھو کہ آسمان سے پانی برسانے والا کون ہے جس سے مردہ ہو جانے کے بعد زمین زندہ ہو جاتی ہے تو وہ ضرور یہی کہیں گے اللہ! اے رسول تم کہو الحمد للہ، لیکن اکثر لوگ سمجھتے ہی نہیں۔ دُنیا کی یہ زندگی لہو و لعب کے سوا اور کیا ہے۔ بے شک آخری زندگی کا گھر تو آخرت کا گھر ہے کاش یہ لوگ سمجھتے بُوجھتے ہوں۔

لوگ یہ تو مانتے ہیں کہ آسمان و زمین کا پیدا کرنے والا اور سورج اور چاند کو مسخّر کرنے والا خدا ہی ہے لیکن پھر یہ اس کی قدرت کے بارہ میں بہک کیوں جاتے ہیں۔ یہ کیوں نہیں مانتے کہ بندوں کے رزق کا کم و بیش کرنا خدا کے اختیار میں ہی ہے۔ وہی مینہ برساتا ہے جس سے زمین غلّہ اگانے کے قابل بنتی ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو پھر یہ کام کون کر سکتا ہے۔

سورج اور چاند کی تسخیر سے یہ مراد ہے کہ اُس نے ان دونوں کو تمہاری خدمت کے لیے معیّن کر دیا ہے صبح و شام ان کا طلوع ہونا اور غروب ہونا ہوتا رہتا ہے وہ اس سے رُک نہیں سکتے۔

جو خاصانِ خدا ہیں حقیقی معنوں میں چاند سورج اُن کی تسخیر میں پائے جاتے ہیں، جیسے حضرت رسولِ خدا نے شق القمر دکھایا اور حضرت علیؑ کے لیے ردِ شمس ہوا۔

ہر ملک میں منصوبہ بندی کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے کوشش اس وجہ سے جاری ہے کہ آدمیوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے اور غلّہ کی پیداوار کم ہے لیکن اس کمی کا ذمہ دار خدا نہیں بلکہ بندے خود ہیں۔ خدا تو جتنے انسان رُوئے زمین پر بستے ہیں ان کے لحاظ سے غلّہ پیدا کر دیتا ہے بلکہ ان کی ضرورت سے زیادہ ہی۔ لیکن انسان

اپنی غلط پالیسی کی وجہ سے خود اپنے پیروں پر کلہاڑی مارتا ہے۔ اگر ملک کے حکمرانوں کی کاشتکاری کی طرف زیادہ توجہ رہے تو غلّہ کی کمی کی شکایت نہ ہو۔ لیکن جب کاشتکار بجائے زراعت کرنے کے صنعتی اداروں میں بُلا لیے جائیں یا کاشتکاروں پر نئے نئے ٹیکس لگائے جائیں۔ آب پاشی کا پورا انتظام نہ کیا جائے تو غلّہ کی پیداوار میں اضافہ کیسے ہو؟ اگر زرِ مبادلہ میں غلّہ نہ دیا جائے یا کم دیا جائے تو کسی مُلک میں غلّہ گراں نہ ہو۔ لیکن بین الاقوامی نظام نے کچھ ایسے چکر میں ہر ملک کو ڈالا ہے کہ کوئی ملک اپنی پیداوار کو اپنی ہی رعایا کے لیے مخصوص نہیں کر سکتا۔ بہرحال جو ہو رہا ہے ہوتا رہے گا لیکن خدا کے اس ارشاد پر مطمئن رہنی چاہیئے کہ اللہ کی طرف سے کوئی کمی نہیں اس نے ہر اس مخلوق کا رزق جو روئے زمین پر چلنے والی ہے اپنے اُوپر لے رکھا ہے۔

لیکن ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر خدا نے رزق و پانی اپنے ذمّہ لیا ہے تو پھر قحط کی مصیبت میں کیوں مبتلا کرتا ہے۔ وہ وقتِ ضرورت پانی کیوں نہیں برساتا۔ جواب یہ ہے کہ خدا ظالم نہیں اور نہ ظلم پسند ہے وہ اپنی مخلوق پر ماں باپ سے زیادہ مہربان ہے لیکن جب کسی خطّہ کی مخلوق اس کی نافرمانی کرتی ہے، بداعمالیوں اور غلط کاریوں میں مبتلا ہو جاتی ہے اس کے نیک بندوں کو ستاتی ہے تب اُسے غصّہ آتا ہے اور وہ اُن کے رزق کو کم کرتا ہے لہٰذا قحط کا سبب خود بندے بنتے ہیں، خدا پر اس کا الزام عائد نہیں ہوتا۔ اگر نظامِ کائنات کے تحت کسی خطّہ میں غلّہ کی پیداوار رُک جاتی ہے یا قحط پڑ جاتا ہے تو خدا آس پاس کے خطّوں میں زیادہ غلّہ پیدا کر کے اس کمی کو پُورا کر دیتا ہے۔

اب رہا شخصی اعتبار سے کسی کا بھوکوں مرنا تو اس میں بھی کوتاہی بندہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔ جو حصولِ معاش میں سُست قدم اُٹھاتا ہے محنت مزدوری سے جان چُراتا ہے۔ اپنے کو دوسروں کی مدد کا محتاج بنا لیتا ہے اور در در بھیک مانگتا ہے تو یہ اس کا ذاتی فعل ہے۔ وہ اپنے اوپر رزق کا دروازہ خود بند کرتا ہے۔

آخر میں اپنے بندوں کو نصیحت کرتا ہے کہ دُنیا کی زندگی کھیل تماشا ہے۔ اس کے عشق میں دیوانے مت بنو، یہ تو چند روز کی بہار ہے جیسے مسافر کسی سرائے میں آ ٹھہرتا ہے یا کوئی راہرو پُل پر سے گزرتا ہے۔ یہی صورت دُنیا کی ہے۔ اس کا عیش دوامی ہے نہ تکلیف۔ اگر عیش میں یہ چند دن گزرے تو کیا اور اگر تکلیف میں گزر گئے تو کیا آخر ایک دن مرنا ہی ہے۔ مرنے کے بعد سب برابر ہو جاتے ہیں۔ اصلی زندگی تو آخرت کی زندگی ہے جس کی کوئی انتہا ہی نہیں اُسے سنبھالنا چاہیئے۔ ایسا بندوبست کرنا چاہیئے کہ وہاں تکلیف نہ ہو کیوں اُس تکلیف کا تو خاتمہ ہی نہیں ہوتا۔ جو خاصانِ خدا ہیں اور جنہوں نے زندگی کے اس راز کو سمجھ لیا ہے انہوں نے مزخرفاتِ دنیوی کی طرف کبھی توجہ نہیں کی اور آخرت کی زندگی کے سنوارنے میں مرتے دم تک لگے رہے۔

فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا

نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ (۶۵) لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚۙ
وَلِيَتَمَتَّعُوْا ۛ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ (۶۶) اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا
وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۭ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ
اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ (۶۷) وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ
كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَاۗءَهٗ ۭ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ (۶۸)
وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ
الْمُحْسِنِيْنَ (۶۹) ع

(لوگوں کا حال یہ ہے) جب کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو (خیریت سے کنارہ تک پہنچنے کے لیے) بڑے خلوص سے خدا کی عبادت کرنے والے بن جاتے ہیں لیکن جب صحیح سلامت خشکی پر پہنچ جاتے ہیں تو پھر خدا کا شریک بنانے لگتے ہیں "تاکہ جو نعمتیں ہم نے انہیں دی ہیں انکار کر بیٹھیں اور چند روزہ زندگی آرام سے گزاریں۔ عنقریب جو کچھ وہ کرتے ہیں اس کا نتیجہ معلوم ہو جائے گا۔ انہوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ ہم نے حرمِ مکّہ کو جائے امن بنایا ہے (حالانکہ اس سے پہلے) آس پاس کے لوگ انہیں اُچک لے جاتے تھے یعنی لوٹ مار کر کے تباہ و برباد کر ڈالتے تھے"۔ تو کیا جو لوگ باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں سے انکار کرتے ہیں تو اُن سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھے اور حق بات جب اس کے پاس آئے تو اُسے جھٹلائے۔ تو کیا کافروں کا ٹھکانہ جہنّم ہی نہیں ہے۔ جن لوگوں نے ہماری راہ میں جہاد کیا ہے ہم اُن کو اپنے راستہ پر لگا دیں گے اور خدا تو احسان کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

لوگوں کی حالت یہ ہے کہ جب کشتی پر سوار ہوتے ہیں اور کشتی گرداب میں پھنس جاتی ہے تو اُس وقت کیسے بلک بلک کر پُرخلوص دل سے دُعا مانگتے ہیں، یا اللہ تو ہی ہمیں اس طوفان سے نجات دینے والا ہے۔ لیکن جب خدا ان کی حالت پر رحم کر کے انہیں صحیح سلامت کنارہ پر پہنچا دیتا ہے تو پھر ان کے سر بُتوں کے سامنے جھکنے لگتے ہیں اور خدا کو بھول جاتے ہیں۔ اور ہماری نعمتوں سے انکار کر بیٹھتے ہیں۔ چند روزہ زندگی آرام سے گزارنے کے لیے ہمارے احکام کو پسِ پشت ڈال دیتے ہیں لیکن کیا ایسا کرنے کے بعد اپنی غلط کاریوں کی سزا سے بچ جائیں گے۔ اس بات پر غور نہیں کرتے کہ اسلام سے پہلے ان کی حالت کیا تھی۔ آئے دن قتل و غارت۔ ہم نے شہر مکّہ کو اس سے بچائے رکھا اور ان کفار و مشرکین مکّہ پر آنچ نہ آنے دی تو کیا اس احسان کا یہی بدلہ ہے کہ وہ بتوں پر ایمان لائیں اور ہمارے احسانات کو بھلا دیں۔ یہ بڑے ظالم لوگ ہیں کہ ہم پر افترا پردازی کرتے ہیں اور قرآن جو اُن کی ہدایت کے لیے آیا ہے اس کی تکذیب کرتے ہیں۔ کیا انہیں پتہ نہیں کہ مرنے کے بعد جہنّم ان کا ٹھکانہ ہو گا۔ ہاں جو لوگ ہماری راہ میں ان کافروں سے جہاد کرتے ہیں اور ہمیں خوش رکھنا چاہتے ہیں ہم ان کو اپنے راستہ پر لگائے رہتے ہیں، گمراہ نہیں ہونے دیتے۔

---

(۳۰) سُوْرَةُ الرُّوْمِ مَكِّيَّةٌ (۸۴)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ (۱) غُلِبَتِ الرُّوْمُ (۲) فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ
سَيَغْلِبُوْنَ (۳) فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ڛ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ۭ
وَيَوْمَىِٕذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ (۴) بِنَصْرِ اللّٰهِ ۭ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ
وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ (۵) وَعْدَ اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَ
لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (۶) يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا ښ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ (۷)

الف۔ لام۔ میم۔ بہت قریب کے ملک میں رومی نصاریٰ (اہلِ پارس آتش پرستوں سے) ہار گئے مگر یہ لوگ عنقریب ہی اپنے ہار جانے کے بعد چند سالوں میں پھر (اہلِ پارس پر) غالب آجائیں گے (اس سے) پہلے اور بعد (ہر زمانے میں) ہر امر کا اختیار خدا ہی کو ہے اور اس دن ایماندار لوگ خدا کی مدد سے خوش ہو جائیں گے۔ وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے وہ سب پر غالب اور رحم کرنے والا ہے یہ خدا کا وعدہ ہے اور خدا اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا لیکن اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے وہ تو بس دنیوی زندگی کی ظاہری حالت کو جانتے ہیں اور یہ لوگ آخرت سے غافل ہیں۔

ان آیتوں سے رسولؐ کی عظمت اور نبوت کی تصدیق ہوتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ بعثت کے نویں سال جبکہ روم نصاریٰ کے قبضہ میں تھا اور فارس آتش پرستوں کے زیرِ حکومت تھا۔ دونوں ملکوں میں فلسطین پر جنگ ٹھہری تھی۔ مسلمانوں کو رومیوں سے بہ نسبت اہلِ کتاب ہونے کے ہمدردی تھی وہ ان کی فتح کے خواہشمند تھے۔ لیکن ان کی خواہش کے خلاف ایرانیوں کو فتح ہوئی۔ جس سے مشرکین خوش ہوئے اور اپنے لیے فال نیک سمجھے اور مسلمانوں پر آوازے کسنے لگے کہ جس طرح آتش پرستوں کو اہلِ کتاب پر فتح ہوئی ہے اسی طرح ایک دن ہم بھی تم پر غالب آجائیں گے۔ مسلمان یہ سن کر غمگین ہوئے۔ خدا نے ان کی تشفی کے لیے یہ آیت نازل فرمائی اور یہ بتا دیا کہ چند سال میں رومیوں کو فتح ہوگی۔ مسلمان اس خوشخبری سے خوش ہوئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے اسی بنا پر اُبی بن کعب سے تین برس کے دس دس اونٹوں پر شرط کی۔ جب حضورؐ نے سنا تو فرمایا، اس میں مدت کی قید نہ لگاؤ کیونکہ بضع سنین تین برس سے نو برس تک کو کہتے ہیں۔ غرض سو اونٹوں پر نو برس کی شرط ہوئی۔ اور جنگ ہونے پر رومیوں نے ایرانیوں پر فتح پائی اور حضرت ابو بکرؓ نے اُبی بن کعب کے وارثوں سے سو اونٹ وصول کیے۔ شرط لگانا اس وقت تک حرام نہیں ہوا تھا۔ یہ پیش گوئی قرآن کے کتابِ خدا ہونے کی قطعی دلیل ہے۔ (منقول از ترجمہ قرآن مولانا فرمان علی صاحب مرحوم)

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ انسان جو رائے اپنے قیاسات کی بنا پر قائم کرتا ہے وہ کوئی قابلِ یقین چیز نہیں ہوتی۔ البتہ خدا جو وعدے کرتا ہے وہ پورے ہو کر رہتے ہیں خواہ وہ دنیا سے متعلق ہوں یا دین سے۔ پس لوگوں کو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ خدا نے جو وعدے آخرت کے عذاب یا ثواب کے متعلق کیے ہیں وہ ضرور پورے ہو کر رہیں گے ان سے بے خبر نہ رہنا چاہیئے۔

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۣ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا
بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَاۗئِ
رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ⑧

کیا اُنہوں نے اپنے نفسوں پر غور نہیں کیا۔ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے بالکل ٹھیک اور مقررہ میعاد کے لیے پیدا کیا ہے اور بہت سے لوگ روزِ قیامت اپنے رب کی ملاقات کا انکار کرنے والے ہیں۔

امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا ہے جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اُس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ اس سے سمجھ لینا چاہیئے کہ وجودِ انسانی میں نفس کا کیا مرتبہ ہے۔ یہ ایک غیر مرئی چیز ہے جو تمام انسانی بدن پر اپنا کنٹرول قائم کیے ہوئے ہے۔ اس ایک نفسِ انسانی کے اندر کتنی قوتیں ہیں اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ علمائے اخلاق نے فضائلِ نفسانی کی بنیاد چار چیزوں پر رکھی ہے: حکمت۔ عفت۔ عدالت۔ شجاعت! ان چاروں سے جو شاخیں نکلتی ہیں وہ سب مل کر ۴۸ ہو جاتی ہیں۔ جب انسان کا نفس ان منزلوں سے گزر جاتا ہے تو روحانیت کی پہلی منزل میں داخل ہوتا ہے یعنی حق الیقین کے درجہ پر پہنچ جاتا ہے۔ اس کے بعد دوسری منزل وجدان کی اور تیسری منزل جذب کی اور چوتھی منزل فنا کی آتی ہے۔ اس کے بعد نفس کی ترقی کے لیے کوئی درجہ باقی نہیں رہتا۔

ان تمام منزلوں کو سوائے اہلبیتؑ رسولؐ کسی نے طے نہیں کیا۔ اسی لیے صوفیائے کرام و مشائخ عظام کے تمام سلسلے حضرت علی علیہ السلام پر جا کر ختم ہو جاتے ہیں اور ان ہی کی پیروی کو سالکانِ راہِ طریقت اپنے نفس کا کمال سمجھتے ہیں۔ نفس کی ایک ایک منزل میں ہزار ہزار منزلیں اور ایسی سامنے آتی ہیں کہ ان کے درمیان جو لطیف فرق ہوتا ہے انسانی طاقت نہیں کہ انہیں بیان کر سکے۔

مثال کے طور پر ایک 'محبت' کو لیجیئے۔ یہ بھی نفس کی ایک قوت ہے مگر کوئی بتا سکتا ہے کہ محبت کے بیشمار دھارے جو قلبِ انسانی سے پھوٹتے ہیں ان کے درمیان کیا فرق ہے۔ ایک محبت وہ ہے جو ماں باپ کو اولاد سے ہوتی ہے۔ ایک محبت وہ ہے جو اولاد کو ماں باپ سے ہوتی ہے۔ ان کے درمیان کیا فرق ہے۔ ایک روشن دماغ حکیم بھی نہیں بتا سکتا۔ پھر ایک محبت رشتہ داروں سے ہوتی ہے۔ ایک اُستاد کو شاگرد سے اور شاگرد کو استاد سے ہوتی ہے۔ ایک محبت شوہر کو بی بی سے اور بی بی کو شوہر سے ہوتی ہے۔ پھر کھانے پینے کی اور لباس کی محبت۔ مکان کی محبت، اسبابِ خانہ داری کی محبت۔ اہلِ فنون کی اپنے اپنے فن سے محبت، غرض اس محبت کی ہزار ہا قسمیں ہیں اور ان سب کے دھارے ایک دل سے پھوٹ رہے ہیں۔ کیسا صاحبِ حکمت و قدرت ہے ہمارا خالق کہ اُس نے ایک کوزہ میں سمندر کو بند کر دیا ہے۔ غور کرو کہ جب اپنے نفس کی قوتیں ہماری سمجھ سے باہر ہیں تو خالقِ نفس کی قوتوں کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے۔ پھر ہمارے دل میں ایک جذبۂ محبت ہی تو نہیں ہے۔ جذبۂ عداوت بھی ہے پھر اُس کی بھی اتنی ہی دھاریں لیجئے۔ پھر جذبۂ نفرت و حقارت و تعظیم و تکریم بھی ہے۔ ۵۲ منزلیں جو بتائی گئیں ان کی اقسام کو جمع کیجئے، لاکھوں قوتیں ایک دل کے اندر سموئی ہوئی ہیں۔

پھر نفس کے تین رُخ ہیں۔ ایک کو نفسِ شہوی کہتے ہیں جس سے چیزوں کی طرف انسان کو رغبت ہوتی ہے۔ اگر یہ نہ ہو یا اس میں کوئی روگ لگ جائے تو سارا انظامِ حیات بگڑ کر رہ جائے۔ پھر دوسرا رُخ وہ ہے جسے نفسِ لوامہ کہتے ہیں۔ یعنی وہ ہر بُرے کام پر انسان کو ملامت کرتا رہتا ہے۔ چور چاہے چوری کا اقرار نہ کرے مگر اس کا ضمیر نیش زنی سے باز نہیں رہتا۔ اگر یہ نہ ہوتا تو اکتسابِ شر کے ہزاروں دروازے انسان پر کھل جاتے۔ تیسرا رُخ نفسِ مطمئنہ کہلاتا ہے جو ہر مصیبت میں اور ہر مقامِ آزمائش میں صبر کے جوہر دکھاتا ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو انسان کا نفس کمال کے درجہ پر پہنچ ہی نہ سکتا تھا۔

پس انسان کو چاہیئے کہ اپنے نفس کے اندر جو خدا کی صنعتیں ہیں ان پر غور کرے تاکہ اسے معرفتِ خدا حاصل ہو اسی کی طرف خدا توجہ دلا رہا ہے کہ خدا کی قدرت کی بیشمار نشانیاں پائی جاتی ہیں۔ ان سب کو چھوڑ کر اگر ایک اپنے نفس ہی پر غور کر لیا کرو تو معرفتِ باری تعالیٰ کا ایک خزانہ تم کو مل جائے گا۔

نفس کے تمام کاموں کے لیے قدرت نے حدود معیّن کی ہیں۔ ان میں سے صحیح راستہ سے اگر ذرا سا قدم ہٹ جائے گا تو روزِ قیامت اس کی باز پرس ہوگی اور ذرا ذرا سی بات معرضِ حساب میں آئے گی۔

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَأَثَارُوا الْأَرْضَ وَعَمَرُوهَا أَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوهَا وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ ۖ فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ⑨ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِينَ أَسَاءُوا السُّوأَىٰ أَن كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَكَانُوا بِهَا يَسْتَهْزِئُونَ ⑩ ع اللَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ⑪ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُونَ ⑫ وَلَمْ يَكُن لَّهُم مِّن شُرَكَائِهِمْ شُفَعَاءُ وَكَانُوا بِشُرَكَائِهِمْ كَافِرِينَ ⑬ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ

يَوْمَئِذٍ يَتَفَرَّقُونَ ⑭

کیا اُن لوگوں نے روئے زمین کی سیر نہیں کی تاکہ وُہ دیکھتے کہ اُن سے پہلے لوگوں کا انجام کیا ہوا وُہ اُن سے قوّت میں بہت زیادہ تھے اور جتنی زمین اُن لوگوں نے آباد کی تھی اُس سے زیادہ کاشت بھی کی تھی۔ اُن کے پاس اُن کے پیغمبر روشن آیتیں (معجزات) لے کر آئے۔ اللہ نے اُن پر ظلم نہیں کیا بلکہ اُن کے نفسوں نے خود اُن پر ظلم کیا پھر جن لوگوں نے بُرائی کی تھی اُن کا انجام بُرا ہی ہوا (بُرائی یہ تھی کہ) انہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا اور ان کا مذاق اُڑاتے تھے۔ اللہ نے سب سے پہلے مخلوق کو پیدا کیا پھر دوبارہ اُن کو پیدا کرے گا پھر وہ اس کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ جب قیامت آئے گی تو گنہگار لوگ مایوس ہو کر رہ جائیں گے اور جن لوگوں کو اُنہوں نے خدا کا شریک بنایا تھا وُہ اُن کے شفیع نہ بنیں گے اور یہ لوگ خود بھی اپنے شریکوں سے انکار کر جائیں گے اور جب قیامت آئے گی تو یہ سب ایک دوسرے سے جُدا ہو جائیں گے۔

کفّارِ مکہ سے کہا جا رہا ہے ذرا مکہ سے باہر نکل کر روئے زمین کی سیر کرو اور دیکھو کیسی کیسی بستیاں تباہ و برباد پڑی ہوئی ہیں۔ ان کے کھنڈرات بھی موجود ہیں۔ یہ اُن لوگوں کی بستیاں ہیں جو تم سے طاقت و قوت میں کہیں زیادہ تھے۔ جنہوں نے بہت سی عمارتیں بنائی تھیں، دور دور تک ان کے کھیت لہلہاتے تھے۔ ہزاروں من گندم پیدا ہوتا تھا۔ اور یہ سمجھتے تھے کہ ہم کافی عقلمند ہیں۔ جب ہم دُنیا میں ایسے بڑے بڑے کام کر رہے ہیں تو خدا ہم پر کیوں عذاب نازل کرے گا۔ ایسے لوگوں کے پاس جب ہمارے رسول آئے اور اُن کو اپنی نبوّت کے ثبوت یعنی معجزات بھی دکھلائے تو انہوں نے ان کی تکذیب کی نتیجہ میں ان پر عذاب نازل ہوا۔ یہ ظلم خود انہوں نے اپنے نفسوں پر کیا، خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ وہ تو سرکشی و بدکاری کی سزا میں عذاب نازل کرتا ہے۔ جو کوئی بُرائی کرے گا، اس کی سزا ضرور بھگتے گا۔ گندم از گندم بروید جو ز جو۔ بُرے کام کرنے کے بعد اچھے نتیجہ کی امید رکھنا حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔

بُتوں کے پجاری اس پر غور نہیں کرتے کہ اُن میں کیا کمال ہے جو اللہ کو چھوڑ کر ان کی پُوجا کی جائے۔ اللہ نے بغیر کسی نمونہ کو سامنے رکھے بغیر کسی سے مشورہ کیے سب سے پہلے مخلوق کو پیدا کیا اور پھر مار کر دوبارہ ایسا ہی بنا دے گا۔ پس جب اس کی ذات ایسی قادر و توانا ہے تو پھر اُسے چھوڑ کر کسی اور کو جو اس کی مخلوق ہے کیوں معبود بنایا جائے۔

یہ بھی یاد رکھو کہ جب قیامت تمہارے سر پر آ کھڑی ہوگی تو جتنے گنہگار ہیں ان پر ہر طرف سے مایوسی چھا جائے گی اور جن لوگوں کو انہوں نے خدا کا شریک بنا رکھا تھا، جیسے دیوی دیوتا، جن، شیطان، بُت، سورج، چاند سانپ، گائے، دریا وغیرہ۔ ان میں سے کوئی بھی اُن کی سفارش نہ کرے گا۔ سفارش تو کجا ان کو تو اپنی جان کے لالے

پڑے ہوں گے۔ وہ تو اپنے پجاریوں کو پہچانیں گے بھی نہیں اور صاف لفظوں میں کہہ دیں گے ہم نہیں جانتے کہ تم کون بلا ہو۔ ہم نے کب تم سے کہا تھا کہ ہمیں اپنا معبود بناؤ۔ ہم تو خود تم سے بیزار تھے۔ تب پتہ چلے گا کہ کیسا عذاب ان کے سر پر آ پڑا ہے۔ قیامت کے دن ان سب کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا جائے گا کوئی کسی کا پُرسانِ حال نہ ہوگا۔ نفسی نفسی کی صدائیں میدانِ حشر میں ہر طرف سے آ رہی ہوں گی نہ باپ بیٹے کا ہوگا نہ بیٹا باپ کا، نہ ماں اولاد کی نہ اولاد ماں کی۔ ایک دوسرے کی طرف سے گزرتا چلا جائے گا اور دیکھ کر تے نہ بنے گی۔

فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِیْ رَوْضَةٍ یُّحْبَرُوْنَ ⑮ وَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِی الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ⑯ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِیْنَ تُمْسُوْنَ وَحِیْنَ تُصْبِحُوْنَ ⑰ وَلَهُ الْحَمْدُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِیًّا وَّحِیْنَ تُظْهِرُوْنَ ⑱ یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَیُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَیُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ⑲ ۲ ع ۹ ۵ وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ⑳ وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَیْهَا وَجَعَلَ بَیْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ㉑

جو لوگ ایمان لائے اور عملِ صالح کیے پس وہ جنّت کے باغ میں نہال ہو کر جائیں گے اور

جنہوں نے کفر کیا اور ہماری نشانیوں کو اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا وہ عذاب کے لیے حاضر کیے جائیں گے۔ پس تسبیح کرو اللہ کی جس وقت تم لوگوں کی شام ہو اور جس وقت تمہاری صبح ہو اور وہی قابلِ حمد ہے آسمانوں میں زمین میں اور جس وقت تمہاری شام ہو اور جب دوپہر ہو جائے وہ زندہ کو مُردہ سے نکالتا ہے اور مُردہ کو زندہ سے اور زمین کو مرنے کے بعد وہی زندہ کرتا ہے اسی طرح تم لوگ بھی مرنے کے بعد نکالے جاؤ گے اور اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر تم آدمی بن کر زمین پر چلنے پھرنے لگے اور رب کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تمہارے لیے تمہاری ہی جنس کی بی بیاں پیدا کیں تاکہ تم ان کے ساتھ رہ کر چین کرو اور تم لوگوں کے درمیان پیار اور محبت پیدا کر دی اس میں شک نہیں کہ غور کرنے والوں کے لیے اس میں قدرت کی بہت سی نشانیاں ہیں

فَسُبْحَانَ اللّٰهِ کے معنی یوں تو مطلق ذکر ہے چاہے جس وقت ہو مگر یہاں مراد نماز پنجگانہ ہے۔ اسی بنا پر تمسون سے مراد ہے نماز مغرب و عشاء اور تصبحون سے نماز صبح اور عشیًّا سے نماز عصر اور تظہرون سے مراد نماز ظہر ہے۔

جو لوگ نماز کو کھڑاگ سمجھتے ہیں ان کا کہنا ہے خدا نے یہ پانچ وقت کی کسرت ہمارے پیچھے کیوں لگائی ہے۔ صرف ایک وقت رات کا دن کے تمام جھگڑوں سے نمٹنے کے لیے کافی تھا۔ یا صبح کا وقت ہوتا جیسے یہود و نصاریٰ اور زردشتی مذہب میں ہے۔ پانچ وقت کی قید کا کوئی فائدہ نظر نہیں آتا۔ ایسے لوگوں کو چونکہ معرفتِ خدا حاصل نہیں اور وہ دنیوی کاموں میں غرق ہو چکے ہیں اس لیے اُن کو اوّل تو نماز ہی بار ہے اور پھر پانچ وقت کی قید کے ساتھ ان کے اوپر وہی مثل صادق آتی ہے "گدھے کو دیا نون گدھا کہے میری آنکھیں پھوٹی جاتی ہیں" خدا چاہتا ہے کہ بندوں کے گناہوں کا بوجھ کم ہوتا جائے اور بندے چاہتے ہیں کہ ان کے شیشۂ دل پر خوب میل کچیل گرد و غبار جمتا چلا جائے تاکہ بعد میں رگڑنے سے بھی صاف نہ ہو۔

صبح کی نماز اس لیے رکھی گئی ہے کہ رات کے اس حصہ میں کہ جب تک وہ جاگتا رہا ہے اگر کچھ گناہ ہو گیا ہے تو صبح ہوتے ہی خدا کی بارگاہ میں استغفار کر لے۔ اس کے بعد ظہر کے وقت تک جو گناہ صادر ہوتے ہیں۔ نماز ظہر کے وقت اس کی بارگاہ میں حاضر ہو کر معافی مانگ لے، پھر شام تک جو گناہ سرزد ہوں نماز عصر میں ان کی معافی مانگے۔ رات کا آغاز ہونے سے پہلے جو گناہ ہوں ان کی معافی نماز مغرب کے وقت مانگے۔ پھر نماز عشا کے وقت ایسا ہی کرے۔ جب تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد معافی مانگتا رہے گا تو اس کے گناہوں کا بوجھ ہلکا ہوتا جائے گا اور بار بار معافی مانگنے کے سلسلہ میں گناہ کرنے کی جرأت کم ہوتی جائے گی۔

جو لوگ نماز کو کھڑاگ سمجھتے ہیں وہ کسی وقت کی نماز پڑھتے ہی نہیں یا جو نماز قضا ہو جاتی ہے اس کا انہیں اتنا بھی غم نہیں جتنا ایک مٹی کے آبخورہ کے ٹوٹنے کا وہ لوگ درحقیقت خدا کے بندے نہیں بلکہ شیطان کے

بندے ہیں۔ بظاہر اپنے کو مسلمانوں کے زمرہ میں اپنے ذاتی نفع کی وجہ سے شامل کیے رہتے ہیں ورنہ ان کو اسلام سے دُور کا تعلق بھی نہیں۔ دفتروں کے ملازم حکومت کے ہر حکم کی تعمیل ہر وقت کرنا اپنے فرائض میں داخل سمجھتے ہیں لیکن چونکہ خدا کو ایک دفتر کے حاکم سے بھی کم سمجھتے ہیں اس لیے وہ نماز کی پرواہ نہیں کرتے۔ ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ ایک دن اس غفلت کی سزا ان کو ضرور بھگتنی پڑے گی۔

اس کے بعد ان آیات میں خدا اپنی خاص خاص نشانیوں کی طرف توجّہ دلاتا ہے:

۱ - وہ زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے۔ خدا کے سوا اور کوئی یہ کام نہیں کر سکتا۔ نطفۂ انسانی تعجب خیز چیز ہے۔ یہ خدا کی قدرت ہے کہ رحمِ مادر میں لے جا کر اس سے چند ماہ کے بعد ایک زندہ بچّہ نکال کھڑا کرتا ہے۔ اسی طرح وہ ایک زندہ پرندے کے پیٹ سے بظاہر انڈے کو پیدا کرتا ہے یہ معمولی بات نہیں ہے۔ یہ قدرت کی ایک بہت بڑی نشانی ہے۔

۲ - زمین کو مردہ ہونے کے بعد پھر زندہ کر دیتا ہے۔ جب زراعت کے بعد کسی کھیت کی مٹّی بے جان ہو جاتی ہے اس کی انرجی ختم ہو جاتی ہے۔ دوبارہ اُگانے کی طاقت نہیں رہتی تو خدا آسمان سے مینہ برسا کر پھر اس میں قوتِ نمو پیدا کر دیتا ہے۔ اور جو بیج اس میں ڈالا جاتا ہے وہ اُگنا بڑھنا اور پھل پھول لانا شروع کر دیتا ہے۔ غور کرو یہ قوت کس طرح رازدارانہ طور پر اس کے اندر ودیعت کی جاتی ہے۔

۳ - اُس نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا لیکن کیا اس کے بدن کے کسی حصّہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ مٹی کا کھلونا ہے۔ اس کا گوشت پوست ہڈّی، خون، رگیں، اعصاب، کیا اس کا پتہ دیتے ہیں کہ وہ مٹی سے بنایا گیا ہے۔ اس قادرِ مطلق نے ایک مٹی سے کتنے اعضا اس کے بدن میں پیدا کر دیئے۔ جو اپنے حالات، کیفیات اور رنگ وغیرہ میں ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ دل والا گوشت جس طرح کا ہے پھیپھڑے کا گوشت اس سے الگ ہے گردہ کا گوشت جگر اور تلی سے الگ ہے۔ معدہ کا رنگ کچھ اور ہی ہے۔ اعصاب کی صورت کچھ اور۔ یہ سب پرزے ہیں مٹی ہی کے۔ اور یہ مٹی کی مشین کے پرزے بن کر کس خوبی سے اسے چلا رہے ہیں۔ دماغ ہی کو لو، مٹی کے اندر کیسی کیسی قوتیں رکھی ہیں۔ پھر جو غذا بھی آدمی کھاتا ہے وہ سب مٹی کی ہے۔ وہ قادرِ مطلق مٹی کو پلاؤ، قورمہ نان کباب اور شیرمال بنا کر کھلا رہا ہے۔ مرنے کے بعد جب آدمی قبر میں جاتا ہے اور چند روز بعد یہ راز کھل جاتا ہے، کہ جسے اشرف المخلوقات کہتے تھے جو کائنات کی تسخیر میں لگا ہوا تھا وہ مٹی کے ایک ڈھیر کے سوا کچھ نہ تھا۔ کیسی عجیب قدرتُ اللہ ہے، وہ مٹی کو سونا اور سونے کو مٹی بنا کر دکھاتا رہتا ہے۔ سُبحان اللہ۔

۴ - جو لوگ قیامت میں زندہ ہونے کو بعید از عقل سمجھتے ہیں وہ ذرا زمین کی اس حالت سے سبق لیں کہ ایک کھیت کٹنے کے بعد دوبارہ پھر ویسے ہی پودے زمین سے کس طرح اُگ آتے ہیں۔ پس جس خدا نے اوّل پیدا کیا تھا اُسے آخر میں پیدا کرنا کیا دشوار ہے۔

۵ - ہر طرف روئے زمین پر لوگ دوڑے دوڑے پھرتے ہیں۔ پہاڑ ہوں یا دریا، ہر جگہ انسان موجود ہے

کون سی جگہ روئے زمین پر ایسی ہے جہاں انسان کی دوڑ دھوپ نہیں ہے۔ اس کے بدن میں یہ طاقت کس نے دی ہے ہر اُونچی نیچی خشک تر، سرد و گرم جگہ پر اسے کس نے پہنچایا ہے۔ کیا ایسا خدا جو نظامِ حیاتِ انسانی کو اس خوبی سے چلا رہا ہے قابلِ عبادت نہیں؟

۶ - اُس نے یہ کمال بھی دکھایا ہے کہ مردوں ہی کی نوع سے ان کی بیبیوں کو بنایا ہے تاکہ وہ تنہا وحشیانہ زندگی بسر نہ کریں۔ ایک مخلوق اُس کے ساتھ ایسی رہے جس سے اُسے اُنس ہو۔ زندگی کے کاروبار میں اس سے مدد ملے۔ اسی نوع کی ایک فرد عورت ہے۔ دیکھو اپنی خصوصیات میں مرد سے کتنی جداگانہ ہے۔ مرد کا دل اس کی طرف کس طرح کھنچا ہوا ہے۔ دیکھو بچّوں کے پیدا کرنے اور ان کو پالنے میں کیسا کمال اس کو حاصل ہے۔

قدرت نے اپنی یہ سب نشانیاں اس لیے بیان کی ہیں کہ انسان کو اس کی معرفت حاصل ہو اور وہ کسی اور کو اُس کا شریک نہ بنائے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ؕ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ
وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَ
مِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَيُحْيٖ
بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَمِنْ
اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ؕ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖۗ
مِّنَ الْاَرْضِ ۖۗ اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۲۶﴾

اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا ہے اور زبانوں اور رنگوں کا اختلاف ہے

اس میں اہلِ عالم کے لیے نشانیاں ہیں خدا کی، اور اس کی نشانیوں میں رات اور دن ہیں۔ رات ہماری نیند کے لیے ہے اور دن روزی کی تلاش کے لیے ہے۔ جو لوگ بات کو سُنتے ہیں ان کے لیے اس میں خدا کی نشانیاں ہیں۔ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ تمہیں ڈرانے اور اُمید دلانے کے لیے بجلی چمکاتا ہے اور آسمان سے مینہ برساتا ہے جس سے مُردہ زمین میں جان آجاتی ہے۔ اس میں عقل والوں کے لیے خدا کی نشانیاں ہیں اور اس کی آیات میں سے یہ بھی ہے کہ آسمانُ زمین اس کے حکم سے قائم ہیں۔ پھر جب ایک بار تم سب کو بُلائے گا تو تم زمین سے نکل پڑو گے اور آسمان و زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے اور سب اسی کے تابع فرمان ہیں۔

ابھی خدا کی نشانیوں کا بیان جاری ہے:

۷ - اس کی نشانیوں میں آسمان و زمین کا پیدا کرنا بھی ہے۔ دیکھو آسمان کو اُس نے کیسا عجیب و غریب بنایا ہے۔ جب سے بنا ہے آج تک ویسا ہی ہے ذرا رنگ نہیں بدلا، کبھی ستونوں کی ضرورت نہیں پڑی۔ کبھی اپنی خصوصیات نہیں کھو بیٹھا۔ کبھی کسی کے سر پر آج تک اس کا کوئی حصہ ٹوٹ کر نہیں گرا۔ ستاروں کی ہزارہا مچھلیاں اس سمندر میں تیر رہی ہیں مگر کوئی مچھلی آج تک مری نہیں۔ راکٹوں اور ہوائی جہازوں سے لاکھوں میل تک لوگ اوپر گئے مگر یہ پتہ نہ چلا کہ اس کی موٹائی اور پہنائی کتنی ہے۔ اس کی حدود کیا ہیں۔ بتاؤ ایسا شامیانہ خدا کے سوا کوئی بنا سکتا ہے۔ زمین کو دیکھو اوّل روز سے آج تک جیسی تھی ویسی ہی ہے۔ نہ بڑھتی ہے نہ گھٹتی ہے۔ نہ کسی طرف کو جھکتی ہے نہ مُڑتی ہے۔ جو خصوصیات پہلے تھیں وہ اب بھی ہیں۔ معلوم ہوا اس کا بنانے والا ایک ہی حکیم مطلق ہے۔ دوسرا ہوتا تو ضرور کوئی تبدیلی کرتا۔

۸ - ایک نشانی یہ بھی ہے کہ ہر خطّہ کی زبان مختلف ہے۔ دُنیا میں کتنی زبانیں بولی جاتی ہیں اس کا اندازہ مشکل ہے۔ زبان ایک چھوٹا سا گوشت کا ٹکڑا ہے، اس سے پھر کروڑوں آوازیں نکل رہی ہیں۔ بڑی بڑی ڈکشنریاں، لغات کی کتابیں بنتی چلی جارہی ہیں۔ ہر باجہ سے ایک ہی لہجہ کی آواز نکلتی ہے۔ دیکھو یہ عجیب باجہ ہے کہ نہ اس کے الفاظ کی کوئی حد نہ سُروں کا کوئی ٹھکانہ۔ جس ملک میں جاؤ نئی زبان، نئے الفاظ، نئے محاورے، کیا یہ اس کی قدرت کی محیّر العقول نشانی نہیں؟

۹ - آگے پھر انسان کے رنگوں پر خیال کرو۔ افریقہ کے آدمیوں کا رنگ اور ہے یورپ والوں اور ایشیا والوں کا اور، بنگالی دُور سے پہچان لیا جاتا ہے، پنجابی اور سندھی کا رنگ ہی کچھ اور ہے۔ بلوچی اور سرحدی اپنے ہی رنگ میں رنگے ہیں۔ شمالی ہندوستان کے باشندے اپنا نیا رُوپ دھارے ہوئے ہیں۔ غرض ہر خطّہ کے رنگ میں اختلاف ہے اور ایسا بیّن فرق ہے کہ اہلِ نظر فوراً پہچان لیتے ہیں۔

۱۰ - اس کی ایک نشانی نیند بھی ہے۔ کہاں سے آتی ہے اور سکون دے کر کہاں چلی جاتی ہے اچھا خاصہ آدمی باتیں کرتا ہوا نیند آتے ہی دنیا و مافیہا سے غافل ہو جاتا ہے اور ہوش و حواس سب رخصت۔ خیالات کی دُنیا میں اندھیرا، احساسات غفلت کے سمندر میں غرق۔ نہ سر کا ہوش نہ تن کی خبر۔ یکایک یہ کیسا انقلاب آگیا۔ یہ رنگ ساری مخلوق پر چھایا ہوا ہے۔ نیند نہ آئے تو نظامِ حیات ابتر، آجائے تو صحت کی نشانی۔ سوائے خدا کے جسے نہ نیند ہے نہ غنودگی اور سب پر نیند غالب ہے۔

۱۱ - اس کی ایک نشانی بجلی کی چمک اور گرج ہے۔ جس میں خوف بھی ہے اور اُمید بھی۔ خوف اس کا کہ اگر گر جائے گی تو خرمنوں کو جلا کر خاک کر دے گی۔ جس آدمی پر گرے گی اُسے کالا کوئلہ بنا دے گی۔ لباسِ حیات میں آگ لگ جائے گی۔ غرض جس چیز پر گرے گی اس کی خیر نہیں۔ اُمید ہے تو یہ کہ اس کی گرج چمک بتاتی ہے کہ پانی برسے گا سُوکھے کھیت لہلہائیں گے۔

۱۲ - اس کی قدرت کی ایک نشانی آسمان سے پانی برسنا بھی ہے۔ سُورج کی کرنیں کس طرح الغاروں پانی سمندروں اور دریاؤں سے لے جا کر ہوا کے نرم و نازک دامن پر پھیلا دیتی ہیں اور پھر وہاں اُسے اُلٹ پلٹ کر زمین پر برساتی ہیں جو ہر مخلوقِ زمین کے لیے ایک حیاتِ نَو بن کر آتا ہے۔

کیا ان سب نشانیوں کو دیکھ کر بھی اس کی اُلوہیت کا انکار کیا جا سکتا ہے۔ اس کے خلاف سمجھنا عقل کا پھیر ہی ہو سکتا ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ۭ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۲۷ ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ۭ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَاۗءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَاۗءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝۲۸ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَاۗءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ۭ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝۲۹

ع ۳ ۸

اللہ وہ ہے جس نے پہلی بار لوگوں کو پیدا کیا، مرنے کے بعد پھر اُن کو (قبروں سے) اٹھا کھڑا کرے گا وہ اس پر آسان ہے۔ تمام آسمانوں اور زمین میں سب سے بالاتر اس کی شان ہے وہ سب پر غالب اور حکیم ہے۔ اُس نے تمہارے سمجھانے کے لیے تمہاری ہی ایک مثل بیان کی ہے۔ ہم نے جو کچھ تمہیں عطا کیا ہے کیا اس میں تمہارے لونڈی غلاموں میں سے کوئی بھی تمہارا شریک ہے کہ وہ اور تم اس میں برابر ہو جاؤ اور تم اُن سے اس طرح ڈرتے ہو جتنا تمہیں اپنے لوگوں کا (حق حصّہ نہ دینے کا) خوف ہوتا ہے (پھر بندوں کو خدا کا شریک کیوں بناتے ہو) عقلمندوں کے واسطے ہم یوں ہی تفصیل وار آیات بیان کرتے ہیں۔ سرکشوں نے بغیر سمجھے بُوجھے اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کر لی (اور خدا کا شریک ٹھہرا دیا) جسے خدا گمراہی میں چھوڑ دے اسے راہِ راست پر کون لا سکتا ہے اور ان کا کوئی مددگار بھی نہیں۔

خدا نے سب سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا۔ مارنے کے بعد پھر انہیں زندہ اٹھائے گا اور یہ کام اس کے لیے کوئی دشوار کام نہیں ہے۔ آسمان و زمین میں جتنی مخلوق ہے اس کی ذات سب سے اعلیٰ و برتر ہے۔ پھر تم کسی کو اُس کا شریک کیوں بناتے ہو۔ ایک مثال سے سمجھو جو رزق اللہ نے تمہیں دیا ہے کیا تم اپنے لونڈی غلاموں کو اس میں برابر کا شریک سمجھتے ہو اور کیا تم ان سے ایسا ہی ڈرتے ہو جیسا اپنے برابر والوں سے۔ تم نے اپنے لونڈی غلاموں کو پیدا نہیں کیا ہے صرف خریدا ہے اس پر تم ان کو اپنے رزق میں برابر کا شریک نہیں جانتے اور اُن کو اپنے برابر نہیں سمجھتے تو جس خدا نے تم کو اور سب کو پیدا کیا ہے اور سب کا رازق ہے کسی کو اُس کا شریک کیسے قرار دیتے ہو۔ مخلوق اپنے خالق کے برابر کیسے ہو جائے گی۔ جن سرکشوں نے بے سمجھے بوجھے اپنی خواہشوں کی پیروی کر کے خدا کا شریک بنا لیا ہے تو تم اُن کی پیروی کیوں کرو وہ تو شیطان کے پیرو ہیں اللہ نے اُن کو گمراہی میں چھوڑ دیا ہے اور جسے اللہ گمراہی میں چھوڑ دے بھلا اُس کی کوئی مدد کر سکتا ہے اور کوئی اس کا مددگار ہو سکتا ہے۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ
لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙۗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا
يَعْلَمُوْنَ ۞ ﴿۳۰﴾ مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا
مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۳۱﴾ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ؕ

كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۳۲﴾

(اے رسول) تم باطل سے کترا کے اپنا رُخ خدا کے دین کی طرف کیے رہو۔ خدا کی بناوٹ وہ ہے جس پر اُس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اور خدا کی بناوٹ میں تبدیلی نہیں ہو سکتی یہی مضبوط اور سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ اسے جانتے نہیں۔ اس کی طرف رجوع ہو کر اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو۔ اور مشرکین میں سے نہ ہو جانا جنہوں نے دین میں تفرقہ پردازی کی اور مختلف فرقے بن گئے۔ جو دین جس فرقہ کے پاس ہے اُسی میں خوش ہے۔

فطرت ان قوانینِ الٰہیہ کا نام ہے جن کے مطابق انسان کو پیدا کیا ہے ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ اصلی دین یہی ہے جس دین میں فطری قوانین کا لحاظ نہیں وہ خدا کا دین نہیں کہلایا جا سکتا۔ پس ہر انسان کو ان کی نگہداشت ضروری ہے قوانینِ فطرت کے خلاف کرنے والا ملزم اور مستوجب سزا ہے۔ ہر بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے ماں باپ اس کو یہودی نصرانی یا مجوسی وغیرہ بنا لیتے ہیں۔ جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہے كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ الْاِسْلَامِ وَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ وَيُنَصِّرَانِهٖ وَيُمَجِّسَانِهٖ ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی بچہ بغیر کسی دینی تعلیم کے چھوڑ دیا جائے تو وہ حدِ بلوغ کو پہنچ کر ضرور خدائے وحدہٗ لاشریک کی خالقیت کا اقرار کرے گا۔ کیونکہ اس کی فطرت اُس کی عقل و فکر کو اسی طرف لے جائے گی۔

انسان کی فطرت یا بناوٹ ہی کچھ اس قسم کی ہے کہ وہ خدا کی ربوبیت کے اقرار کی طرف لے جاتی ہے۔ فطرتِ انسانی یہ ہے کہ ایک ہی قلب تمام جسم پر کنٹرول کرتا ہے۔ اگر اس کے خلاف دو دل کسی کے اندر ہوتے تو نظامِ حیات بگڑ جاتا اور آدمی کی موت واقع ہو جاتی۔ خون، قلب سے دورہ کرتا ہوا جسم کی ایک ایک رگ سے ہوتا ہوا پھر قلب میں آجاتا ہے۔ اگر دو دل ہوں اور اُن میں سے ایک خون کو دوسری طرف جانے نہ دے تو نصف بدن خون سے محروم ہو کر خشک ہو جائے۔

دینِ اسلام میں بھی یہی خوبی ہے کہ اس کے تمام احکام موافقِ فطرت ہیں۔ یہی مطلب ہے اس آیت کا کہ خدا کسی نفس کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ رہبانیت کو اسلام میں اسی لیے نہیں رکھا گیا کہ دنیا سے الگ ہو کر بیک بینی دو گوش جب کوئی جنگلوں میں جا پڑتا ہے اور بنی نوع انسان کی سوسائٹی سے الگ ہو جاتا ہے تو فطرت پر ناقابلِ برداشت بوجھ پڑتا ہے۔ انسان مدنی الطبع ہے اور دوسروں کی امداد کا محتاج ہے، دوسروں کو اس کی امداد کی ضرورت ہے۔ اگر یہ سلسلہ قطع ہو جائے تو فطرت پر بار ہو گا یا نہیں۔ بیماری کی حالت میں کون اس کی خبر لے گا۔ کون دوا دارو کرے گا۔ کون اس کی خدمت میں رہ کر مرض کے علاج کی کوشش کرے گا۔ بجائے اس کے کہ خود کسبِ معاش کر کے دوسروں کو فائدہ پہنچاتا اب وہ خود دوسروں کا محتاج بن کر رہ گیا ہے۔ اگر وہ اپنے رشتہ داروں کے حلقہ میں رہتا

تو ہر حالت میں وہ اس کے معین و مددگار ہوتے۔

تمام عبادات میں خدا نے انسانی سہولت کو مدِ نظر رکھا ہے۔ جہاں فطرت پر دباؤ پڑتے دیکھا ہے وہیں اس میں سہولت پیدا کر دی ہے مثلاً اگر انسان بیمار ہو اور کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکے تو بیٹھ کر پڑھ لے۔ بیٹھ کر نہ پڑھ سکے تو لیٹ کر پڑھ لے۔ یہ بھی ممکن نہ ہو تو اشارات سے پڑھ لے۔ اسی طرح روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ تمام احکام میں سہولتیں رکھ دی گئیں۔ اصل میں سچا دین یہی ہو سکتا ہے۔ چونکہ خدا خالقِ فطرت ہے لہٰذا فطرت کی کمزوری پر نظر رکھتے ہوئے اُس نے تمام احکام دیئے ہیں۔ اللہ ہماری آسانی چاہتا ہے دشواری نہیں۔

پس جب فطرتِ انسانی یہ ہے کہ خدا کو پہچانے اور اسے واحد و یکتا جانے تو اس کے خلاف عمل کرنا تقاضائے فطرت کی گردن پر چھری پھیر دینا ہے۔ ہر گروہ جس دین پر ہے اس میں خوش ہے لیکن یہ اُس دین کی صداقت کی دلیل نہیں۔ یہ تقلیدی سودا ہے تحقیقی نہیں۔ دین تو سچا ایک ہی ہو سکتا ہے اس کی تحقیق لازم ہے۔

وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚ فَتَمَتَّعُوْا ۣ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾ اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ ﴿۳۶﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾ فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۡ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۳۸﴾

لوگوں کو جب کوئی نقصان پہنچتا ہے تو اپنے رب کو گڑگڑا کر پکارتے ہیں، جب وہ اپنی رحمت کا انہیں مزہ چکھاتا ہے تو اُن میں سے ایک گروہ اپنے رب کی ذات میں شریک بنانے لگتا ہے تاکہ جو کچھ ہم نے اُن کو نعمتیں دی ہیں اُن کا انکار کریں۔ خیر (چند روز) مزے اُڑا لیں اس کے بعد عنقریب وہ جان جائیں۔ کیا ہم نے اُن پر کوئی ایسی دلیل نازل ـــ کی جو اُن کے شرک کرنے کو حق بتاتی ہو۔ جب ہم نے لوگوں کو اپنی رحمت کی لذّت چکھائی تو خوش ہو گئے اور اُن کی کارستانیوں کے سبب سے جب کوئی مصیبت آپڑتی ہے تو رحمتِ خدا سے مایوس ہو بیٹھتے ہیں۔ کیا وہ اس پر غور نہیں کرتے کہ اللہ جس کا رزق چاہتا ہے بڑھاتا ہے جس کا چاہتا ہے گھٹاتا ہے ایمان لانے والوں کے لیے خدا کی بڑی نشانیاں ہیں پس ذوی القربیٰ کا حق ادا کرو اور مسکین کا و مسافر کا بھی۔ یہی بہتر ہے اُن لوگوں کے لیے جو اللہ کی خوشنودی چاہتے ہیں اور وہی کامیابی حاصل کرنے والے ہیں۔

مشرکوں کا حال یہ ہے کہ جب اُن پر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو بڑے خلوص سے خدا کے سامنے فریاد کرنے بیٹھ جاتے ہیں اور اس طرح اپنی نجات کی دُعا کرتے ہیں گویا خدا ہی بس اُن کا معبود ہے لیکن جب خدا اُن پر رحم فرما کر مصیبت کے اس شکنجہ سے اُن کو نکالتا ہے تو پھر وہی شرک، وہی بُت پرستی۔ جو نعمتیں ہم نے دی ہیں اُن سے انکار۔ اُن کو ہماری دی ہوئی سمجھتے ہی نہیں بلکہ بُتوں کا عطیہ جانتے ہیں۔ کیا اُن کے پاس کوئی ایسی قوی دلیل ہماری طرف سے ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ شرک جائز ہے۔ اگر ایسا نہیں تو پھر اُنہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ شرک اُن کا خود پیدا کردہ ہے ہماری طرف سے کوئی اجازت نہیں۔ ان مشرکوں کی ہٹ دھرمی دیکھو جب ہماری طرف سے کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو خوشی سے بغلیں بجانے لگتے ہیں اور جب کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو منہ پھیر کر ہماری رحمت سے مایوس ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔ یہ اس کا ثبوت ہے کہ اُنہوں نے ہمارے متعلق کوئی حتمی و اذعانی فیصلہ نہیں کیا ہے بلکہ اپنی غرض کے بندے اور مطلب کے یار ہیں۔ روزی کو گھٹانا بڑھانا خدا کے اختیار میں ہے پھر ہر حالت میں انسان کو اسی سے لَو لگانا چاہیئے اور اس کے ہر فیصلہ پر سرِ اطاعت خم کر دینا چاہیئے کمیٔ رزق کی حالت میں اسی سے دُعا کرنی چاہیئے۔ مایوس ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ خدا کی قدرت کو سمجھتے ہی نہیں۔ کاش وہ اپنے اعمال پر بھی ایک نظر ڈال لیتے۔

اے رسول، جو تمہارا حصّہ مالِ فئے سے ہم نے مقرّر کیا ہے اس میں سے اپنے رشتہ داروں کا حق ادا کرو اور تمہارے رشتہ داروں میں جو مسکین اور مسافر بھی ہوں اُن کا بھی حق دو۔

شانِ نزول اس کی یہ ہے کہ جنگِ خیبر میں جب مسلمانوں کو خیبر والوں پر فتح حاصل ہوئی اور اُن کا سب سے بڑا

قلعہ قموص فتح ہوگیا تو حضورؐ فتحیاب ہوکر وہاں سے چلے۔ راہ میں فدک کا علاقہ پڑتا تھا۔ یہاں بھی یہودی آباد تھے ۔ ان کی طرف حضرت علیؑ کو فوج کے ایک دستہ کے ساتھ بھیجا کہ اگر وہ مصالحت پر آمادہ ہوں تو اُن سے صلح کر لینا۔ غرض حضرت علیؑ وہاں پہنچے اور بات چیت کے بعد صلح کی یہ صورت طے ہوئی کہ جو باغات وہاں ہیں وہ کُل حضرت رسولِ خداؐ کی ملکیت قرار پائیں۔ زمین آدھی تو یہودیوں کے پاس رہے اور آدھی کے مالک رسولِ خداؐ ہوں ۔ غرض جب یہ صلح ہو چکی تو جبرئیلؑ امین حضرت رسولِ خداؐ کے پاس یہ آیت لے کر آئے۔ یعنی اپنے قرابت داروں کو اُن کا حق دے دو۔ پوچھا، وہ قرابت دار کون ہیں اور اُن کا حق کیا ہے ۔ حکم ہُوا، فدک، اس کے باغات اور وہ چیزیں جو خدا و رسولؐ کا حق ہوں، فاطمہؑ کو دے دو۔ چنانچہ آپؐ نے حضرت فاطمہؑ کو بُلا کر ایک دستاویز اس کے متعلق لکھ دی۔ یہ وہی وثیقہ تھا جو حضرت فاطمہؑ نے رسولِ خداؐ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے سامنے پیش کیا تھا اور فرمایا تھا کہ یہ رسول اللہؐ کا نوشتہ ہے جو آپؐ نے میرے اور حسنؑ و حسینؑ کے متعلق لکھ کر دیا تھا۔ (روضۃ الصفا جلد ۲ ص ۲۷)

اس آیت کے متعلق چند باتیں توجہ طلب ہیں :

۱۔ مالِ غنیمت اور مالِ فَے میں ایک فرق ہے۔ جنگ کے بعد دشمن کا جو اثاثہ مسلمانوں کے ہاتھ لگے اس میں سب مسلمان شریک ہوتے ہیں اور اس میں سے بقدر ان کی جد و جہد کے حصّہ دیا جاتا ہے۔ اور مالِ فَے وہ ہوتا ہے جو بغیر جنگ دشمن کا مال بصورت صلح ہاتھ لگے۔ یہ خالصتاً رسولؐ کا حق ہوتا ہے کیونکہ اس میں مسلمانوں کی جد و جہد کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔

۲۔ فدک کا علاقہ مالِ غنیمت نہیں تھا بلکہ مالِ فَے تھا۔ لہٰذا حقِ رسولؐ ہُوا۔ اب رسولؐ کو حق ہے جس کو چاہیں دے دیں۔

۳۔ جب رسول اللہؐ نے حضرت فاطمہؑ کے نام یہ علاقہ اپنی زندگی میں ہبہ کر دیا تو اب کسی کو اس کے ضبط کرنے کا حق نہ تھا مگر ضبط کر لیا گیا۔ اور وراثتِ رسولؐ سے حضرت فاطمہؑ کی محرومی کے متعلق حدیث نَحْنُ مَعَاشِرُ الْاَنْبِیَاءِ لَا نَرِثُ وَلَا نُوْرِثُ پیش کر کے جواز کی ایک صورت نکالی گئی تھی جو قطعاً غلط تھی، کیونکہ یہ ایک بینسیم الاسنا حدیث تھی جس کے راوی صرف حضرت ابوبکرؓ تھے۔ رہا ہبہ کا ضبط تو اس کے ضبط کے متعلق تو کسی جواز کا امکان ہی نہیں ۔

۴۔ تمام مسلمانوں کو جب مالِ غنیمتِ خیبر سے حصّہ مل گیا تو اب مالِ فَے سے اُن کا حق کیوں نکالا جائے ورنہ مالِ غنیمت اور مالِ فَے میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا ۔

۵۔ جناب فاطمہؑ صدیقہ طاہرہ تھیں وہ کوئی غلط دعویٰ نہیں کر سکتی تھیں۔ پھر اُنؑ کے دعویٰ کو کیوں رد کیا گیا جبکہ حضرت علیؑ بھی اس دستاویز پہ حاشیہ کے گواہ تھے ۔

۶۔ اس دستاویز پر رسولؐ کی مہر تھی۔ مسلمان اس مُہر کو بخوبی پہچانتے تھے پھر اس دستاویز کی تصدیق کیوں نہیں کی گئی ۔

۷۔ جب مقدمہ میں یہ دستاویز پیش کی گئی تو حضرت عمرؓ نے اس کو کیوں پھاڑ ڈالا۔ اگر وہ کوئی جھوٹی تحریر تھی تو جناب سیدہؑ مسلمانوں کو دکھا کر اپنی صداقت کے ثبوت میں پیش ہی نہ کر سکتی تھیں۔ معلوم ہوا کہ وہ سچی دستاویز تھی۔ —— یقین تھا کہ اگر یہ دستاویز باقی رہی اور مسلمانوں کی اس پر نظر پڑی تو وہ ضرور اس کی تصدیق کریں گے ۔

۸۔ اگر یہ کہا جائے کہ حضرت علیؑ نے یہ مُہر خود دستاویز لکھ کر لگا دی تھی تو ایسا جعلساز شخص کیا صدیق اکبر کا لقب پا سکتا تھا۔ کیا خلافتِ رسولؐ کے پانے کا اہل ہو سکتا تھا۔ کیا یہ شہرت نہیں دی جا سکتی تھی کہ (نعوذ باللہ) علیؑ نے جعلسازی کی ہے۔ حالانکہ یہ لفظ عدالت والوں نے بھی ان کے لیے کبھی نہیں کہا۔

۹۔ ہر بادشاہ کی اولاد کا کچھ حق ہوتا ہے اگر بحکم خدا رسولؐ نے اپنی اولاد کو اتنی سی چیز دے دی تھی تو مسلمانوں نے اسے کیوں نہ منظور کیا، حالانکہ اور لوگوں نے بڑی بڑی جائدادیں قبضہ میں کر رکھی تھیں ۔

۱۰۔ اگر جناب سیدہؑ کا دعویٰ غلط تھا تو پھر ایک اموی بادشاہ عمرؒ بن عبدالعزیزؒ نے اُن کا جائز حق سمجھ کر اُن کی اولاد کو کیوں واپس کیا تھا۔

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَاْ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ (۳۹) اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ۭ هَلْ مِنْ شُرَكَاۗىِٕكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (۴۰) ع ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (۴۱) ع ۴ ۱۲

تم لوگ جو سُود دیتے ہو تاکہ لوگوں کے مال و دولت میں ترقی ہو تو (یاد رہے کہ ایسا مال) خدا کے یہاں پھولتا پھلتا نہیں اور تم جو خدا کی خوشنودی کے لیے زکوٰۃ دیتے ہو تو ایسے لوگ (خدا کی بارگاہ میں سے) دوناؐ دوں لینے والے ہیں۔ اللہ وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہیں رزق دیا، پھر تمہیں مارتا ہے پھر وہی تم کو زندہ کرے گا۔ کیا تمہارے بنائے ہوئے خدا کے شریکوں میں سے

کوئی بھی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کچھ بھی کر سکے۔ جسے یہ لوگ شریک بناتے ہیں خدا اس سے پاک و پاکیزہ ہے۔ خود لوگوں کے ہاتھوں ان کی کارستانیوں کی بدولت خشکی اور تری میں فساد پھیل گیا۔ تاکہ جو کچھ یہ لوگ کر چکے ہیں خدا اُن میں سے بعض کو اُن کے کرتُوتوں کا مزہ چکھا دے تاکہ یہ لوگ (اب بھی) باز آجائیں۔

تفسیر قمی میں امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ سود کی دو صورتیں ہیں ایک حلال ہے دوسری حرام۔ حلال صورت یہ ہے کہ ایک شخص اپنے دینی بھائی کو اس بدلے میں قرض دے کہ وہ واپس کرتے وقت کچھ بڑھا کر واپس کرے گا۔ اس بڑھوتری کے متعلق دونوں میں کوئی شرط نہ ہو۔ پس اگر قرض واپس کرنے والا واپس کرتے وقت کچھ زیادہ دے دے آنحالیکہ زیادتی کی کوئی شرط نہ ہو تو یہ زیادہ رقم دینے والے کے لیے مباح ہو گی مگر اس کو اس قرض دینے کا خدا کی طرف سے کوئی ثواب نہ ملے گا۔ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ کا یہی مطلب ہے۔ اور حرام کی صورت یہ ہے کہ قرض دیتے وقت شرط کر لی جائے کہ ادائیگی کے وقت اتنا اور زیادہ لوں گا۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو کوئی اس نیت سے کسی کو تحفہ دے کہ وہ اس سے بڑھ کر تحفہ دے گا تو وہ ثواب سے محروم رہے گا۔

زکوٰۃ اگر خوشنودیٔ خدا کے لیے دی جائے گی تو اس کا دُونا ثواب ملے گا۔

اس کے بعد خدا اپنے بندوں کی اس طرف توجہ دلاتا ہے کہ میں نے بغیر کسی استحقاق کے تم کو پیدا کیا اور پھر انسان پیدا کیا پھر تم کو طرح طرح کے رزق دیئے۔ پھر میں تم کو مار دیتا ہوں، پھر قیامت میں تم کو دوبارہ زندہ کروں گا۔ کیا میرے سوا کوئی اور یہ کام کر سکتا ہے۔ تم جن چیزوں کو میرا شریک بنا کر اُن کی عبادت کرتے ہو کیا یہ قدرت ان کے اندر بھی پائی جاتی ہے (ہرگز نہیں)۔ دنیا میں خشکی اور تری کے اندر جو فسادات ہوتے رہتے ہیں وہ خود انسانوں نے اپنے اُوپر نازل کیے ہیں اگر بُرے کام نہ کرتے اور نکوکاری سے زندگی بسر کرتے تو یہ لڑائی جھگڑے کیوں ہوتے، قتل و غارت کے بازار کیوں گرم ہوتے، یہ عیاشی و بدکاری کے اڈے کیوں قائم ہوتے۔ بہرحال جیسا کرتے ہیں اسی کا مزہ چکھتے ہیں۔ اپنے پیر میں خود کلہاڑی مارنے والے دوسروں کو کیوں الزام دیتے ہیں۔

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ ۭ كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ ﴿۴۲﴾ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ يَوْمَئِذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ ﴿۴۳﴾ مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ

كُفْرُهٗ ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ ﴿۴۴﴾ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۵﴾

(اے رسول) لوگوں سے کہو روئے زمین کی سیر کرو اور یہ دیکھو کہ تم سے پہلے ان لوگوں کا انجام کیا ہوا جن میں سے اکثر مشرک تھے۔ اے رسول تم اپنا رُخ مضبوط اور سیدھے دین کی طرف کیے رہو، اس سے قبل کہ وہ دن آجائے جو خدا کی طرف سے آکر رہے گا اور جسے کوئی نہیں روک سکتا۔ اس روز سب الگ الگ ہو جائیں گے۔ جس نے کفر کیا ہے اس پر کفر کا وبال ہو گا اور جنہوں نے نیک کام کیے ہیں وہ اپنے ہی لیے آسائش کا سامان کر رہے ہیں تاکہ جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور جنہوں نے اچھے اچھے کام کیے ہیں خدا اُن کو اچھا بدلہ دے اور اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔

روئے زمین پر سیر کرنے کا جابجا قرآن میں حکم ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنے گھر میں بیٹھ کر انسان کو اس کا اندازہ نہیں ہو سکتا کہ جن لوگوں نے خدا سے سرکشی کی اور نافرمانی پر کمر باندھی خدا نے اُن کو کیسی سخت سزا دی۔ بڑے بڑے بادشاہوں کے تخت اُلٹ دیئے۔ اِن کے ان پُرغرور سروں کو جن پر تاج رکھے جاتے تھے ٹھوکروں میں رکھ دیا۔ اُن کے شہر تباہ کر دیئے، اُن کا نام و نشان صفحۂ روزگار سے مٹا دیا۔ کہاں گئے فرعون و ہامان، نمرود و شدّاد۔ زمین سب کو کھا گئی۔ نیک عمل کرنے والے مرتے نہیں ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔

قارون ھلاک شد کہ چہل خانۂ گنج داشت
نوشیرواں نمرد کہ نامِ نکو گذاشت

انسان کی زندگی کا مقصد ایمان و عملِ صالح ہے۔ اگر یہ نہیں تو کچھ بھی نہیں۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَاۗءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ۭ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾

اور خدا کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ (بارش کی) خوشخبری دینے والی ہواؤں کو چلاتا ہے تاکہ تمہیں اپنی رحمت کا مزہ چکھائے اور کشتیاں اُس کے حکم سے پانی میں چلیں اور اس کے فضل و کرم سے اپنی روزی تلاش کرو۔ ہم نے (اے رسول) تم سے پہلے بھی رسولوں کو اُن کی قوم کی طرف بھیجا تھا پس وہ معجزات لے کر اُن کے پاس آئے تو انہوں نے نہ مانا۔ ہم نے ان مجرموں سے خوب بدلہ لیا اور ہم پر مؤمنین کی مدد کرنا لازم تھا ہی۔

بارش سے پہلے ہوا کا چلنا اس کی خبر دیتا ہے کہ بارش آنے والی ہے۔ یہ بارش دریاؤں میں پانی جمع کرتی ہے اور اُن میں کشتیاں چلتی ہیں۔ اور کشتیوں کے ذریعہ سے لوگ روزی حاصل کرنے کے لیے اِدھر اُدھر آتے جاتے ہیں۔ خدا کی اس نعمت کا لوگوں کو شکرگزار ہونا چاہیئے۔ اگر یہ بارش نہ ہو اور دریاؤں کا پانی سوکھ جائے تو کھیتی باڑی کہاں سے ہو اور کشتیاں کیسے چلیں۔

رسولؐ سے کہا جا رہا ہے کہ سرکشوں کی سرکشی سے مت گھبراؤ۔ تم سے پہلے بھی ہم نے قوموں کے پاس رسول بھیجے تھے۔ پس جنہوں نے سرکشی کی ہم نے اُن پر عذاب نازل کر کے اُن کو سرکشی کی سزا دی اور جن مومنوں کا ہم پر ایمان تھا ہم نے اُن کی مدد کی۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَیَبْسُطُهٗ فِی السَّمَآءِ كَیْفَ
یَشَآءُ وَ یَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَاۤ اَصَابَ
بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اِذَا هُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ ۚ (۴۸) وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ
اَنْ یُّنَزَّلَ عَلَیْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِیْنَ (۴۹) فَانْظُرْ اِلٰۤى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ
كَیْفَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْیِ الْمَوْتٰى ۚ وَ هُوَ
عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (۵۰)

اللہ وہ ہے جو ہواؤں کو چلاتا ہے اور وہی ہوائیں بادلوں کو اُڑائے اُڑائے پھرتی ہیں۔ پس وہ جس طرح چاہتا ہے بادل کو آسمان میں پھیلا دیتا ہے اور (کبھی) اس کو ٹکڑے (ٹکڑے) کر دیتا ہے پس اس کے بیچ میں سے تم بوندوں کو گرتا دیکھتے ہو پھر اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے برسا دیتا ہے تو وہ خوش ہونے لگتے ہیں اگرچہ بارش ہونے سے پہلے وہ مینہ برسنے سے مایوس تھے پس اللہ کی رحمت کی نشانیوں کو دیکھو۔ زمین کے مُردہ ہونے کے بعد کس طرح اس کو زندہ کرتا ہے ایسے ہی وہ مُردوں کو زندہ کرے گا اور وہ ہر شئے پر قادر ہے۔

خدا کی قدرت کی بے شمار نشانیاں ہیں کس کی طاقت ہے کہ ان کا شمار کر سکے یا ان میں سے کسی ایک نشانی کے اسرار بھی کما حقہٗ بیان کر سکے۔ یہاں ایک نشانی کا حال بیان کرتا ہے۔

وہ ہواؤں کو چلاتا ہے جو بادلوں کو اُڑا کر لے جاتی ہیں اور اپنے نرم و لطیف دامنوں پر اُن کو چادروں کی طرح پھیلا دیتی ہیں۔ پھر اُن کو ٹکڑے کرتا ہے اور ان سے بوندوں کو ایسا لگاتار برساتا ہے کہ مینہ کی جھڑی لگ جاتی ہے۔ جہاں چاہتا ہے برساتا ہے، جہاں وہ برسانا نہ چاہے کوئی برسا نہیں سکتا، جہاں برسانا چاہے کوئی روک نہیں سکتا۔ اس پانی کو مُردہ زمینوں کی جان بنا دیتا ہے۔ جہاں گھاس کا ایک پتہ نظر نہ آتا تھا وہاں گھاس کا بن نظر آنے لگتا ہے۔ پھلواریاں لہلہانے لگتی ہیں، درختوں کے پودے جھومنے لگتے ہیں کس کی طاقت ہے کہ قدرت کے اس نظام کو بدل سکے۔

وَلَىِٕنْ اَرْسَلْنَا رِیْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ یَكْفُرُوْنَ (۵۱)
فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَ لَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ (۵۲) وَ مَاۤ اَنْتَ
بِهٰدِ الْعُمْیِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا فَهُمْ
مُّسْلِمُوْنَ ع (۵۳) اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ع ۵ ۱۲ ۸
ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّ شَیْبَةً ؕ یَخْلُقُ مَا
یَشَآءُ ۚ وَ هُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ (۵۴)

اگر ہم کھیتی کیلئے (نقصان رساں) ہوا بھیجیں اور وہ اُسے (بجائے ہرے بھرے کے) پیلے رنگ کا

دیکھیں تو اس کے بعد وہ فوراً ناشکری کرنے لگیں گے۔ اے رسول تم (اپنی آواز) نہ مردوں کو (مردہ دل کو) سُنا سکتے ہو نہ بہروں کو سُنا سکتے ہو خصوصاً جب وہ منہ پھیر کر بھاگ جائیں اور نہ تم اندھوں کو ان کی گمراہی سے پھیر کر راہ پر لا سکتے ہو، تم تو بس انہی کو (ہماری آیات) سُنا سکتے ہو جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں اور وہ ہمارے فرماں بردار ہیں۔ اللہ وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا کمزور چیز سے (نطفہ سے) پھر اس نے کمزوری کے بعد قوت عطا کی۔ قوت کے بعد پھر تمہیں کمزور بنایا اور بڑھاپا پیدا کر دیا۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ وہ ہر بات کا جاننے والا، قدرت والا ہے۔

یعنی لوگوں کا یہ حال ہے کہ اگر ہم ان کے کھیتوں کو سُکھا دیتے ہیں تو وہ ہم پر الزام لگا کر ہمیں ناسزا الفاظ سے یاد کرتے ہیں اور ہماری ان نعمتوں کو بھُول جاتے ہیں جو ہم نے ان کو دے رکھی ہیں، اپنے اعمال پر نظر نہیں رکھتے جو ان کی تباہی کا باعث ہوتے ہیں۔ اے رسول، تم اپنی آواز (ہدایت) کیسے سُناتے ہو، یہ کفار و مشرکین تو مُردوں جیسے ہیں۔ اُن کے کان ہیں مگر یہ بہرے بن بیٹھے ہیں۔ یہ تو تمہارے سامنے سے بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ ایسی حالت میں تمہاری نصیحت کا کیا اثر ہو، یہ تو اندھے ہیں انہیں کیسے راہِ راست پر لگاؤ گے۔

کیسے کوئی انہیں سمجھائے کہ اللہ نے تمہیں ایک نہایت حقیر کمزور پانی کی بُوند (نطفہ) سے پیدا کیا ہے۔ پھر اُس نے اپنی رحمت سے اس کمزور کو قوت والا بنایا، تم بچّہ سے جوان ہوئے۔ پھر جوانی کے بعد تمہاری قوتیں گھٹنے لگیں اور تم بُوڑھے ہو گئے۔ تم نے اس پر غور نہیں کیا کہ یہ کس کی قوت تمہیں ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف لا رہی ہے۔

وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُونَ ۙ مَا لَبِثُوا غَيْرَ سَاعَةٍ ۚ كَذَٰلِكَ كَانُوا يُؤْفَكُونَ ﴿٥٥﴾ وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَالْإِيمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِي كِتَابِ اللَّهِ إِلَىٰ يَوْمِ الْبَعْثِ ۖ فَهَٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلَٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٥٦﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَا يَنْفَعُ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿٥٧﴾

روزِ قیامت مجرم لوگ قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ ہم تو (دُنیا میں) گھڑی بھر سے زیادہ نہیں ٹھہرتے یہ تو ایسی ہی افترا پردازیاں کرتے رہے ہیں۔ جو لوگ ایمان اور علم والے ہیں وہ کہیں گے (غلط کہتے ہو) تم تو کتابِ خدا کے مطابق قیامت کے دن تک ٹھہرے ہو۔ پس یہ قبروں سے اُٹھنے کا دن ہے لیکن تم جانتے نہیں تھے۔ اُس روز سرکشی کرنے والوں کو اُن کی معذرت کوئی نفع نہ دے گی اور نہ اُن کی شنوائی ہو گی۔

جب یومِ محشر مجرموں کو قبر سے اُٹھایا جائے گا تو انہیں ایسا معلوم ہو گا جیسے گھڑی بھر سو کر اُٹھے ہیں۔ اگر قیامت پر ایمان لائے ہوتے تو ایسا نہ کہتے۔ ایسی ہی غلط باتیں یہ دنیاوی زندگی میں بھی کیا کرتے تھے قیامت کے قائل ہی نہ تھے۔ کہا کرتے تھے قیامت ویامت کچھ نہیں آنی، جو کچھ ہے یہ دُنیا ہی ہے۔ ان کی عقلوں پر یومِ محشر ایسے پردے پڑے ہوں گے کہ وہ یہ بتا ہی نہ سکیں گے کہ وہ قبر میں کتنے دن رہے ہیں۔ ہاں جو صاحبانِ علم و ایمان ہیں وہ بتا دیں گے۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۚ وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِآيَةٍ لَيَقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا مُبْطِلُونَ ﴿٥٨﴾ كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٥٩﴾ فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ ۖ وَلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِينَ لَا يُوقِنُونَ ﴿٦٠﴾ ع ٦ ٩

ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے (سمجھانے کے) لیے ہر طرح کی مثلیں بیان کر دی ہیں۔ اگر تم اُن کے پاس آؤ تو یہ کافر ضرور کہیں گے کہ تم لوگ باطل پرست ہو۔ جو لوگ عقل و فہم نہیں رکھتے اللہ اُن کے دلوں پر نظر کر کے یہ تصدیق کرتا ہے کہ یہ ایمان نہ لائیں گے۔ تم صبر سے کام لو، خدا کا وعدہ سچّا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ جو لوگ تمہاری تصدیق نہیں کرتے تمہیں بہکا کر خفیف کر دیں۔

آیات کے آخری حصہ میں اگرچہ مخاطب رسولؐ ہیں لیکن مراد مسلمان ہیں کیونکہ رسولؐ تو کسی کے بہکائے میں آ ہی نہیں سکتے۔

---

(۳۱) سُوْرَۃُ لُقْمٰنَ مَکِّیَّۃٌ (۵۷)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الٓمّٓ ① تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ② هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ③ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ④ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑤ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۚ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ⑥

الف۔ لام۔ میم۔ کتابِ حکیم کی یہ آیات نکوکاروں کے لیے سر تا پا ہدایت اور رحمت ہیں۔ جو پابندی سے نماز پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور قیامت پر یقین رکھتے ہیں، وہ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ قصہ کہانیوں کی کتابیں خریدتے ہیں تاکہ بے سمجھے بوجھے لوگوں کو راہِ خدا سے گمراہ کر دیں تاکہ وہ آیاتِ خدا سے مسخرہ پن کریں، ایسے لوگوں کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔

ابن حارث بغرضِ تجارت شام گیا اور وہاں سے رستم و اسفندیار کے قصے خرید لایا اور مکہ میں لوگوں کو سنا سنا کر کہنے لگا، اگر محمدؐ عاد و ثمود اور ملک سلیمان کے قصے بیان کرتے ہیں تو میں رستم و اسفندیار کے قصے سناتا ہوں بعض لوگ اس کی باتوں میں آجاتے۔ اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ بعض مفسرین نے لَهْوَ الْحَدِيْثِ سے گانا بجانا مراد لیا ہے۔ بعض مشرکین نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ خوبصورت لونڈیاں خرید لاتے اور اُن کو گانا بجانا سکھاتے۔ جب وہ لوگوں کے سامنے گاتیں تو وہ اُن پر فریفتہ ہو جاتے۔ وہ لونڈیاں اُن کو اپنا عاشق پاکر کہتیں، تم دینِ اسلام ترک کر دو تو ہم تمہارے پاس رہ کر تم کو روزمرّہ گانے سُناتی رہیں گی۔ اس لالچ میں آکر کچھ لوگ ترکِ اسلام پر آمادہ ہو جاتے تھے۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ⑦ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ⑧ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⑨ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ⑩ هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۚ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ⑪ ع

ع ۱ / ۱۰

جب اس پر ہماری آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو ایسا اکڑ کر بھاگتا ہے گویا اُس نے سُنا ہی نہیں گویا کانوں سے بہرا ہے۔ ان کو (اے رسول) دردناک عذاب کی خبر دو۔ جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں اُن کے لیے نعمتوں سے بھری جنّت ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ کا وعدہ سچّا ہے وہ سب پر غالب اور حکمت والا ہے۔ اُس نے آسمان کو بغیر ستونوں کے پیدا کیا جیسے تم دیکھ رہے ہو اور زمین پر (پہاڑوں کے بھاری بھاری) لنگر ڈال دیئے تاکہ تمہیں لے کر کسی طرف جھک نہ جائے اور زمین پر ہر طرح کے چلنے والے پھیلا دیئے اور آسمان

سے پانی برسایا اور اس سے زمین میں ہر رنگ کے نفیس پودے پیدا کیے۔ یہ ہے اللہ کا پیدا کرنا۔ پس مجھے دکھاؤ کہ خدا کے سوا جو شریک بنائے جاتے ہیں اُنہوں نے کیا پیدا کیا ہے۔ بات یہ ہے کہ ظالم لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔

کفار و مشرکین نے یہ حرکت اختیار کی تھی کہ جب آنحضرتؐ کے پاس آکر بیٹھتے اور حضرت آیاتِ قرآنی کی تلاوت شروع فرماتے تو از راہِ تکبر منہ پھیر لیتے اور ایسے بن جاتے گویا بہرے ہیں کچھ سنتے ہی نہیں۔ ان سے کوئی پوچھے کہ ان کے ایسا کرنے سے کیا خدا کی ہدایت رُک جائے گی۔ یہ بدبخت اس پر غور نہیں کرتے کہ خدا نے آسمانوں کا اتنا بڑا شامیانہ بغیر ستونوں کے ایسا بنایا ہے کہ کبھی اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ لاکھوں برس سے ایک رنگ اور ایک وضع پر چلا آرہا ہے۔ پھر زمین کو دیکھو اس پر پہاڑوں کا ایک سر بفلک سلسلہ قائم کر دیا ہے تاکہ اِدھر اُدھر ہلے ڈلے نہیں گویا یہ اس کے دامن پر میخیں ٹھوک دی ہیں۔ پھر اس کی قدرت کا کمال دیکھو کہ ہاتھی سے لے کر رینگنے والی چیونٹی تک اپنی بے شمار مخلوق اس پر پھیلا دی ہے جو اس کی قدرت کے سہارے بے خوف و خطر ہر طرف چل پھر رہی ہے پھر یہ لوگ قدرت کے اس کمال پر بھی نظر نہیں کرتے کہ آسمان سے پانی برسا کر زمین کے اوپر کیا گل بوٹے اور پھل پھلاری اگائی ہے۔ اے رسولؐ، ان لوگوں سے کہو کہ اگر خدا کے سوا کسی اور نے کوئی چیز پیدا کی ہے، تو مجھے دکھاؤ۔ مشرکوں کے ان بتوں نے تو ایک مکھی اور ایک جگنو تک بھی پیدا نہیں کی۔ یہ بیچارے کیا پیدا کرتے یہ تو خود خدا کی مخلوق ہیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ⑫ وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ⑬

وقف النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۱۲

ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی اور (حکم دیا کہ) اللہ کا شکر ادا کرو۔ جو شکر کرتا ہے وہ اپنے ہی فائدہ کے لیے کرتا ہے اور جو اس سے انکار کرتا ہے تو اللہ اس سے بے نیاز ہے اور لائق حمد ہے جب لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا درآنحالیکہ وہ اس کو نصیحت کر رہے تھے اے میرے بیٹے

اللہ کا کسی کو شریک نہ بنانا، بے شک شرک سب سے بڑا گناہ ہے۔

حضرت لقمانؑ بن باعور حضرت ابراہیمؑ کے بھائی باحور بن تارخ کے پوتے تھے اور حضرت ایوبؑ کے بھانجے تھے۔ حضرت داؤدؑ کے زمانہ سے حضرت یونسؑ کے زمانہ تک ایک ہزار برس زندہ رہے۔ پہلے بڑھئی کا کام کرتے تھے۔ نہایت پاکیزہ اعتقاد اور پرہیزگار بندے تھے۔ اکثر خاموش رہتے اور غور و فکر میں محو رہتے۔ دن کو کبھی نہ سوتے تھے۔ مجلس میں تکیہ لگا کر نہ بیٹھتے تھے۔ گناہ کے خوف سے کبھی نہ ہنستے۔ نہ کسی پر کبھی غصہ کیا نہ کسی کا مذاق اُڑایا۔ کہیں جھگڑا ہوتا تو صلح کرا دیتے۔ غرض انہی وجوہ سے خدا نے اُن کو حکمت عطا فرمائی۔ آپ کا سینہ علم و حکمت کے نور سے معمور تھا۔ غرض خدا کے پسندیدہ بندوں میں سے تھے۔ ہر وقت شکرِ خدا بجا لاتے۔

اُنہوں نے اپنے بیٹے سے کہا کہ کبھی ذاتِ باری تعالےٰ میں کسی کو شریک نہ بنانا کیونکہ شرک سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں۔

سوائے شرک کے ہر گناہ بخشا جا سکتا ہے۔ مشرک درحقیقت خدا کی توہین کرتا ہے۔ وہ خدا کے مقابلہ میں اس کی مخلوق کو لا کھڑا کرتا ہے۔ اس سے زیادہ خدا کی توہین کیا ہو سکتی ہے کہ انسان ایک پتھر کی مورتی اپنے ہاتھ سے گھڑ کے اُسے خدا کا شریک اور قابلِ عبادت قرار دیتا ہے۔ شرک انسان کی انتہائی کمزوری کا نتیجہ ہے جس کی کئی صورتیں ہیں:

۱۔ باوجود یہ بات دیکھنے کے کہ بتوں میں کوئی قوت نہیں نہ وہ کسی کو کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان۔ پھر بھی ان کی عبادت کرتا ہے کیا یہ عقل کی کمزوری نہیں۔

۲۔ عقلِ انسانی فطرۃً اپنے سے فاضل کی تعظیم بجا لانے پر مجبور ہوتی ہے کمتر کی نہیں۔ پس انسان اشرف المخلوقات ہوتے ہوئے اگر ارذل مخلوق کو اپنے سے بہتر سمجھنے لگے تو کیا یہ عقل کی کمزوری نہیں۔

۳۔ انسان میں خدا کی قدرت کی بے شمار نشانیاں ہیں۔ آنکھوں سے دیکھتا ہے اور ان کے حالات کانوں سے سنتا ہے۔ لیکن جن کو وہ خدا کا شریک قرار دیتا ہے ان میں سے کسی ایک کی مخلوق حتیٰ کہ ایک چیونٹی اور مکھی تک اس کی نظر کے سامنے نہیں ہوتی۔ پھر خدا جیسے قادر و قیوم خالق و رازق قہار و جبّار کے مقابلہ میں ایک ناکارہ چیز کو لا کھڑا کرنا اور خدا کو چھوڑ کر اس کی عبادت کرنا کیا بے عقلی نہیں۔

۴۔ بت پرست سب جاہل نہیں ہوتے۔ بڑے بڑے حکماء و فلاسفر ان میں پائے جاتے ہیں اور پہلے بھی ہو گزرے ہیں۔ کیا ان کی سمجھ میں اتنی بات نہیں آتی کہ یہ بے جان مورتیاں قابلِ عبادت کیسے ہو سکتی ہیں۔ مگر جو چیز اُن کو اس دائرہ سے باہر نہیں جانے دیتی اور ان کی عقل و فہم پر پردہ ڈالے ہوئے ہے وہ اُن کا ماحول ہے، اُن کا کنبہ قبیلہ ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم بتوں کو پوجا چھوڑ دیں گے تو اپنے سب رشتہ داروں سے چھوٹ جائیں گے۔ اور جس ماحول میں ہم آرام سے زندگی بسر کر رہے ہیں وہ ہمارے لیے مصیبت بن جائے گا۔ لیکن چند روزہ زندگی کی خاطر ابدی آرام کو چھوڑ دینا اور بندوں کی خوشنودی کے لیے خدا سے رشتہ قطع کر لینا کیا بے عقلی نہیں۔

۵۔ دیوی یا دیوتاؤں کے اندر خدا کا حلول کرنا اور بھی زیادہ بے عقلی ہے۔ اگر خدا حلول کرتا تو اس کے

کچھ تو آثار اُن سے ظاہر ہوتے۔ جب کوئی تغیّر اُن میں نہیں پایا جاتا تو کیسے سمجھا جائے کہ اُن کے اندر خدا سمایا ہُوا ہے اگر وہ ایک جگہ میں محدود ہو جائے تو کائنات پر اس کی حکومت کیسے ہو سکتی ہے۔ اگر خدا کسی شریک کا محتاج ہے تو وہ خدا بننے کے قابل ہی نہیں کیونکہ محتاج ہونا مخلوق کی شان ہے نہ کہ خالق کی۔

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ
فِیْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَیَّ الْمَصِيْرُ (۱۴) وَاِنْ جَاهَدٰكَ
عَلٰۤى اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِی
الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ؗ وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ ۚ ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ
فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (۱۵) يٰبُنَیَّ اِنَّهَاۤ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ
مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِیْ صَخْرَةٍ اَوْ فِی السَّمٰوٰتِ اَوْ فِی الْاَرْضِ يَاْتِ
بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ (۱۶) يٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ
بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَاۤ اَصَابَكَ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ
مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (۱۷) وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ
مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ (۱۸)

ہم نے انسان کو جس کی ماں نے اُسے دُکھ پر دُکھ سہہ کر پیٹ میں رکھا اور دو سال اس کی دُودھ پلانے کی الگ تکلیف اُٹھائی یہ تاکید کی کہ وہ میرا اور اپنے ماں باپ کا شکر ادا کرے اور یہ (بتایا) کہ میری طرف اس کی بازگشت ہے اور یہ کہ اگر تیرے ماں باپ کسی ایسے کو میرا شریک بنانے پر

مجبور کریں جس کا تجھے علم نہیں تو اُن کی (اس بارہ میں) اطاعت نہ کرنا اور دُنیا کے کاموں میں اچھی طرح اُن کا ساتھ دے اور اُس شخص کی راہ پر چل جو میری طرف رجوع کرتا ہے۔ تمہاری بازگشت تو میری طرف ہے ہی۔ پھر (دُنیا میں) جو کچھ تم کیا کرتے تھے اس سے تمہیں آگاہ کروں گا۔ لقمان نے کہا، اے میرے بیٹے! اگر کوئی عمل (اچھا ہو یا بُرا) رائی کے دانے کے برابر بھی ہوگا اور کسی پتھر کی چٹان کے نیچے بھی دبا پڑا ہوگا یا آسمان یا زمین میں ہوگا تو (قیامت میں) خدا اُسے برآمد کرے گا اور اللہ بڑا باریک بین خبردار ہے اے بیٹے، نماز کو قائم کرنا اور (لوگوں کو) نیکی کا حکم دے اور بُرائی سے منع کر۔ اور جو مصیبت آ پڑے اس پر صبر کر، یہ بڑی ہمّت کا کام ہے اور لوگوں کے سامنے غرور سے منہ پُھلا کر نہ چل اور زمین پہ اِترا کر نہ چل کیونکہ خدا کسی اکڑنے والے اور اِترانے والے کو دوست نہیں رکھتا۔

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ ۔ خدا نے انسان کو ماں باپ کے حق کی طرف توجّہ دلاتے ہوئے کہا ہے کہ اس کو اس پر غور کرنا چاہیئے کہ اس کی ماں نے بحالتِ حمل (نو ماہ تک) کیسی تکلیف اٹھائی ہے کہ اس کے وجود کا بوجھ پیٹ میں لیے لیے پھری ہے۔ پھر کیسی تکلیف سے اُسے جَنا ہے۔ پھر دودھ پلائی تک دو سال ماں باپ دونوں اس کی پرورش میں شریک رہے۔ ہر حالت میں اس کے آرام کو اپنے آرام پر ترجیح دی۔ پھر آگے چل کر بھی اس کی راحت میں لگے رہے۔ اس کی ضروریاتِ زندگی میں تن من دھن سے مصروف رہے۔ لہٰذا انسان کا فرض ہے کہ میرا ہی شکر ادا کرے کہ میں اس کو عدم سے وجود میں لایا اور میں نے ہی ماں باپ کو اس پر مہربان بنایا۔ میرے بعد ماں باپ کے شکر گزار رہو اور ہر امر میں ان کی اطاعت مدِّنظر رکھو۔

لیکن اگر وہ کافر ہوں اور خدا کی ذات میں کسی کو شریک بنانے پر تیرے اوپر زور دیں حالانکہ تیرے علم میں ہے کہ خدا کا کوئی شریک نہیں تو اُن کے اس حکم کو ہرگز نہ ماننا اور کسی چیز کو خدا کا شریک نہ مان لینا بلکہ خدا پرستوں کا راستہ اختیار کرنا۔ لیکن باوجود کافر ہونے کے اُنہیں تکلیف نہ دینا اور دنیوی معاملات میں اُن کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے رہنا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ماں باپ کا مرتبہ پیشِ خدا کیا ہے۔

کسی نے حضرت رسولِ خدا سے عرض کی، میرے ماں باپ مر گئے ہیں میں اُن کا حق ادا کرنا چاہتا ہوں، لہٰذا مجھے بتائیے کہ میں کیا کروں۔ فرمایا، اگر یہ پہاڑ جو تیرے سامنے ہے سونا بن جائے اور تُو اُسے اُن کے لیے راہِ خدا میں خرچ کر دے تب بھی ایک شمّہ اُن کے حق کا ادا نہیں کر سکتا۔ اُس نے عرض کیا، پھر کیا کروں؟ فرمایا، زندگی بھر اُن کی مغفرت کی دعا کیا کر۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ماں کا حق زیادہ ہے کیونکہ آیت میں اسی کی تکلیف

کا ذکر کیا گیا ہے۔ اسی بنا پر بھائی کو 'ماں جایا' کہتے ہیں۔ کیونکہ اُس کی تکلیف میں دونوں بھائی برابر کے شریک رہے ہیں۔

اب اس کے بعد لقمانؑ کی نصیحتوں کا پھر ذکر آتا ہے :

۱۔ کوئی عمل نیک ہو یا بد، چاہے مقدار میں کتنا ہی کم کیوں نہ ہو، چاہے کتنا ہی چھُپا ہوا ہو قیامت کے دن اُسے ضرور ظاہر کرے گا۔ لہٰذا بڑی احتیاط سے کوئی عمل کرنا چاہیئے اور اس پر نظر رکھنی چاہیئے کہ ایک دن یہ نامۂ اعمال میں لکھا ہوا ملے گا۔

۲۔ نماز پابندی سے پڑھا کرو کہ نماز سے ہزار بلائیں دُور رہتی ہیں۔

۲۔ لوگوں کو نیکی کرنے کی طرف رغبت دلاؤ اور بُرے کاموں سے روکو۔ اس فرض کے پُورا کرنے میں بے شمار لوگ غفلت کرتے ہیں۔ اپنے عزیزوں دوستوں کو دیکھتے ہیں کہ نماز نہیں پڑھتے روزہ نہیں رکھتے۔ مگر نہ تو اُن کو ٹوکتے ہیں نہ اُن سے اظہارِ نفرت کرتے ہیں۔ یہ اُن کے گناہوں میں ایک قسم کی شرکت ہے اور یہی وجہ ہے کہ لوگ گناہوں سے ڈرتے نہیں۔

۴۔ انسان کو مصیبتوں میں صبر کرنا چاہیئے کہ خدا کے یہاں اس کا بڑا اجر ہے۔ یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔ صبر نہ کرنے سے ایک مصیبت میں کئی مصیبتیں اور شامل ہو جاتی ہیں۔ صبر کے یہ معنی ہیں کہ خلافِ عقل انسان سے کوئی عمل سرزد نہ ہو۔ اللہ پر اعتراض نہ کرے اور اس کی طرف سے بدظن نہ ہو۔

۵۔ عزّت و وقار دجاہ و مال کے گھمنڈ میں انسان کو چاہیئے کہ اکڑ کر نہ چلے، اِترا کر نہ چلے۔ یہ باتیں خدا کو ناپسند ہیں۔ اُسے کل مروڑتے دیر نہیں لگتی ہے۔ جس نے انسان کو دولت دی ہے وہ واپس بھی لے سکتا ہے۔ ایسی چالوں سے دوسروں پر بُرا اثر پڑتا ہے۔ جو انسان ایک نطفۂ گندیدہ سے پیدا ہوا ہے اور ایک مردۂ گندیدہ بن جانا جس کی انتہا ہو، اور اپنی زندگی میں قدم قدم پر دوسروں کا محتاج ہے اُسے اکڑ تکڑ اور اترانا زیبا نہیں۔

وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ؕ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ
لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ ؑ ⑲ ع ۲/۱۱

اپنی چال میں میانہ روی اختیار کرو اور اپنی آواز دھیمی رکھو کیونکہ آوازوں میں سب سے بُری آواز گدھے کی ہے۔

جو شخص چال میں میانہ روی اختیار نہیں کرتا وہ احمق سمجھا جاتا ہے۔ اگر تیز چلتا ہے تو لوگ سمجھتے ہیں کہ کسی مصیبت میں گرفتار ہے جو یوں قدم اُٹھائے چلا جا رہا ہے اور اگر بہت نزاکت سے قدم اُٹھاتا ہے، اور میر بہین اور مرزا پھویا بن کر چلتا ہے تو لوگ سمجھتے ہیں یہ کچھ بیمار ہے۔ چلنے میں لوگوں کے ساتھ ساتھ قدم

اُٹھانا چاہیئے اسی طرح اگر دھیمی آواز سے بولو گے تو لوگوں کی سمجھ میں بات نہ آئے گی اور اگر زیادہ زور سے بولو گے تو لوگوں کو ناگوار ہوگا۔ حدیث میں ہے خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُهَا۔ درمیانی درجہ ہر امر میں بہتر ہوتا ہے۔ یہی صراطِ مستقیم ہے۔ اُدھر پیچھے جانا تو عیب میں شمار ہوتا ہے۔

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ
عَلَیْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ؕ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰهِ
بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِیْرٍ ⑳ وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا
مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ
الشَّیْطٰنُ یَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِیْرِ ㉑ وَمَنْ یُّسْلِمْ وَجْهَهٗۤ
اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ؕ وَاِلَى اللّٰهِ
عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ㉒

کیا تم نے اس پر غور نہیں کیا کہ اللہ نے تمہارے لیے ہر اُس چیز کو مسخّر کر دیا ہے جو آسمان و زمین میں ہے اور اُس نے اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں تم پر پُوری کر دی ہیں اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے بارہ میں جھگڑا کرتے ہیں بغیر علم اور ہدایت کے اور بغیر کسی روشن کتاب کے۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو اللہ نے نازل کیا ہے اُس کی پیروی کرو تو کہتے ہیں ہم تو وہی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ چاہے شیطان اُن کو عذابِ جہنّم کی طرف بُلاتا ہی ہو۔ جو شخص اللہ کی طرف سرِ تسلیم خم کرتا ہے اور وہ نیکوکار بھی ہے تو اُس نے خدا کی مضبوط رسّی کو تھام لیا اور تمام کاموں کا انجام خُدا ہی کی طرف ہے۔

آسمان و زمین اور ان کے اندر جو چیزیں ہیں اُن کو مسخر کرنے کے یہ معنی ہیں کہ انسان کے نظامِ حیات کو برقرار رکھنے کے لیے وہ سب اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں کسی کی طاقت نہیں کہ اپنے فرض کو بھول جائے۔

خدا نے اپنی ظاہری و باطنی نعمتوں کی انسان پر موسلا دھار رَو برسا دی ہے۔ کس کی طاقت ہے کہ انہیں شمار کر سکے۔ کھانے پینے کے لیے قسم قسم کی غذائیں موجود ہیں۔ مکان بنانے کو لکڑی پتھر موجود۔ لباس کے لیے ریشم، روئی اور اُون اور درختوں کی پیداوار موجود۔ آنکھیں دیکھ رہی ہیں کان سُن رہے ہیں زبان چکھ رہی ہے ناک سُونگھ رہی ہے اور یہ سب حواس پتہ دے رہے ہیں کہ فلاں چیز کیا ہے۔ پھر باطنی نعمتوں پر نظر کرو، اس کے قلب کو طرح طرح کے جذبات کا خزینہ دار بنا دیا ہے۔ نفس کو قسم قسم کی قوتیں دے دی ہیں۔ گو ہمیں کوئی قوت نظر نہیں آتی مگر وہ سب اپنے کام میں مصروف ہیں۔ دماغ کے اندر قوتِ حافظہ ہے۔ حسِّ مشترک ہے۔ قوتِ فکر ہے قوتِ تمیز ہے قوتِ مدرکہ ہے۔ پیٹ کے اندر قوتِ ممسکہ ہے، قوتِ دافعہ ہے، قوتِ ہاضمہ ہے۔ غرض جدھر دیکھو ایک طلسمات کا عالم ہے۔

باوجود ان سب باتوں کے بے وقوف انسان خدا سے لڑتا ہے۔ ایسے آدمی کے پاس نہ علم ہے نہ فہم۔ نہ کسی سے اس نے ہدایت حاصل کی ہے نہ خدا کی کسی کتاب کو پڑھا ہے۔ پھر بھی خدا سے لڑ رہا ہے۔ اس کے احکام کو ماننے سے انکار کر رہا ہے۔ اس کے رسولؐ کی بات پر کان نہیں دھرتا۔ یہ سب سرکشی اور برگشتگی اس بنا پر ہے کہ وہ لکیر کا فقیر ہے۔ جو کچھ اپنے باپ دادا کو کرتے دیکھا ہے اس سے بال برابر ہٹنا نہیں چاہتا۔ اس نے اپنی عقل کو معطل بنا رکھا ہے۔ شیطان نے اپنے جال میں اچھی طرح جکڑ لیا ہے وہ اس کو جہنم کا ایندھن بنا رہا ہے مگر بے وقوف انسان کی سمجھ میں کچھ آتا ہی نہیں۔ ہاں جو خدا کے نیک بندے اس کی رسّی کو مضبوط پکڑے ہوئے ہیں جادۂ ایمان سے بال برابر ہٹنا نہیں چاہتے ان کا انجام بخیر ہے۔

وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ؕ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (۲۳) نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ (۲۴)

اور جس نے ہماری نعمتوں سے انکار کیا تو اے رسول تم اُن کے کُفر سے غمگین نہ ہو۔ لوٹنا تو اُن کو آخر کار ہماری ہی طرف ہے۔ اُس وقت ہم بتا دیں گے جو کچھ اُنہوں نے کیا ہے۔ اللہ تو سینوں کے اندر کا حال بھی جاننے والا ہے۔ چند دن ہم انہیں آرام کرنے دیں گے پھر ہم انہیں ایک سخت عذاب

کی طرف کھینچ لائیں گے۔

اپنے رسول سے فرما رہا ہے کہ اے رسول، جو لوگ کفر پہ قائم ہیں تو ان کے کفر سے تمہیں رنجیدہ نہ ہونا چاہیئے۔ آخر یہ بچ کر جائیں گے کہاں، انہیں لوٹ کر تو ہماری ہی طرف آنا ہے۔ جب یہ قیامت کے دن ہمارے سامنے آئیں گے تب ہم انہیں بتائیں گے کہ بحالتِ کفر یہ کیا کیا بدکاریاں کرتے تھے اور ہمارے احکام کی کیا کیا خلاف ورزیاں انہوں نے کی تھیں۔ ان کے دلوں میں جو پاپ بسے ہوئے ہیں ہم کو سب معلوم ہیں۔ زندگانی دُنیا کے چند روز یہ آرام سے بسر کر لیں پھر تو انہیں سخت عذاب کا سامنا کرنا ہی ہے۔

سوال یہ ہے کہ جن قوموں پر خدا نے یہاں عذاب نازل کیا ہے اُن پر آخرت میں کیوں عذاب نازل ہوگا، انہیں جہنم میں کیوں جگہ دی جائے گی۔ دو دو بار عذاب کیسا؟ کسی جُرم کی سزا تو ایک ہی بار ہونی چاہیئے۔ جواب یہ ہے کہ جرم کی تین صورتیں ہیں: اوّل خدا کا شریک کسی کو قرار دینا، یہ اتنا بڑا جُرم ہے کہ اس کی سزا تو جہنم کے سوا ہو ہی نہیں سکتی۔ دوسرا جرم بدکاری ہے، جیسے شراب خوری، اغلام، زناکاری۔ اس کی سزا دُنیا میں مل جاتی ہے کیونکہ وہ معاشرہ کو تباہ کرتے ہیں، رسولؐ کی ہدایت پر عمل نہیں کرتے۔ تیسرا جرم لوگوں پر ظلم کرنا ہے۔ اس کی سزا قیامت میں ظالم و مظلوم کی موجودگی اور تمام لوگوں کی حاضری کے بعد ہوگی۔

مثلاً فرعون کو غرق کرنے کے متعلق فرماتا ہے فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا (۷۳/۱۶) فرعون نے ہمارے رسول کی نافرمانی کی پس ہم نے اُسے سختی سے دھر پکڑا۔ یعنی فرعون کو غرق کر کے ھلاک کرنے کی سزا دی گئی۔ وہ سزا تھی رسولؐ کی نافرمانی کی۔ اب رہا اس کا اپنے کو خدا کہلانا، اس کی سزا تو قیامت ہی میں اس کو ملے گی۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (۲۵) لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِىُّ الْحَمِيْدُ (۲۶)

اے رسول اگر تم ان سے پوچھو، آسمان و زمین کا خالق کون ہے تو وہ ضرور یہ کہیں گے کہ اللہ ہے تم کہو ہر قسم کی مدح و ثنا بس اللہ ہی کے لیے ہے لیکن بہت سے لوگ اسے جانتے ہی نہیں جو کچھ آسمان و زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے۔ بے شک اللہ سب سے بے پروا قابلِ حمد ہے۔

سوال یہ ہے کہ اگر اس سوال کا جواب کہ آسمان و زمین کا خالق کون ہے مشرکین یہ دیں کہ اللہ ہے، تو پھر وہ مشرک ہی کیوں رہے۔ جب وہ خدا کو مانتے ہی نہیں تو پھر یہ جواب کیسا؟

تفسیر صافی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس حدیث رسولؐ کے موافق کہ ہر بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے اس کے ماں باپ اسے یہودی نصرانی یا مجوسی بنالیتے ہیں۔ ہر انسان فطرۃً خدا کی وحدانیت کا اقرار کرنے والا پیدا ہوتا ہے بعد میں اس کے ماں باپ اُسے گمراہ کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ انسان کی فطرت ہی کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ اس سے خدا کا واحد و یکتا ہونا ثابت ہوتا ہے۔ کوئی بچہ مشرک و کافر پیدا نہیں ہوتا۔ مشرک و کافر تو بعد میں بنا لیا جاتا ہے جب اس کے سینہ میں دو دل نہیں ہوتے جب اس کے اوپر دو روحوں کا تصرف نہیں ہوتا تو کیسے مان لیا جائے کہ اس کائنات کے دو خالق ہیں۔ لوگوں سے سوال کرنے کے معنی ان کی فطرت سے سوال کرنا ہے۔

وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۷﴾ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۲۸﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۡ كُلٌّ يَّجْرِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۹﴾

اگر تمام روئے زمین کے درخت قلم بن جائیں اور سمندر اس کی سیاہی بنے اور اس کے ختم ہونے کے بعد اور سات سمندر سیاہی بن جائیں اور خدا کی باتیں لکھی جائیں تو بھی خدا کی باتیں ختم نہ ہوں گی۔ بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے۔ تم سب کا پیدا کرنا (مرنے کے بعد) پھر زندہ کرکے اُٹھانا اس کے لیے ایک شخص کے پیدا کرنے اور پھر جلا کر اُٹھانے کے برابر ہے، بے شک اللہ بڑا سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ کیا تم نے یہ خیال نہ کیا کہ خدا رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے اور دن کو بڑھا کر رات میں داخل کر دیتا ہے۔ اُس نے سورج اور چاند کو تمہارا تابعدار بنا دیا ہے کہ ایک مقررہ میعاد تک یوں ہی چلتا رہے گا۔ اور جو کچھ تم کر رہے ہو خدا اس سے خبردار ہے۔

کَلِمَاتُ اللّٰہِ سے بعض مفسرین نے مخلوقات مراد لی ہے یعنی خدا نے اتنی مخلوق پیدا کی ہے کہ اگر تمام دُنیا کے درخت قلم بن جائیں اور سات سمندر سیاہی بن جائیں تو ان کا شمار نہیں ہو سکتا۔

بعض مفسرین نے یہ مراد لی ہے کہ ہر مخلوق کے اندر قدرت کے جو راز پوشیدہ ہیں اور جن سے ان کا حیاتی نظام قائم ہے وہ حدِ شمار سے باہر ہے۔ اس کی ایک ایک مخلوق میں ہزار ہزار راز اُس کی قدرت کے مخفی ہیں۔ کہاں تک کوئی ان کے متعلق لکھ سکتا ہے۔ اُس نے اٹھارہ ہزار عالم پیدا کیے اور ہر عالم میں لاتعداد اس کی مخلوق آباد ہے اور ہر مخلوق اس کی ہزارہا صنعتوں کا مجموعہ ہے تو پھر دُنیا کے درختوں کے قلم اور سات سمندروں کی سیاہی ان کے حالات لکھنے کے لیے کیسے کافی ہو سکتی ہے۔ خوردبین سے دیکھو تو پانی کے ایک قطرہ کے اندر اُس کی ہزارہا مخلوق تیرتی نظر آتی ہے اور ان کے اندر حیات ہے اُن کے اندر تیرنے کی قوت ہے۔ جب ایک قطرہ کا یہ حال ہے تو پورے سمندر کا کیا حال ہوگا۔ یہ تمام مخلوق جو اٹھارہ ہزار عالموں میں پائی جاتی ہے ان سب کا پیدا کرنا اُس کے لیے اتنا ہی آسان ہے جیسے ایک جان کا پیدا کرنا۔

پھر ذرا اس پر بھی غور کرو کہ کبھی رات کو دن میں داخل کرکے دن کو بڑھا دیتا ہے اور کبھی دن کو رات میں داخل کرکے رات کو بڑھا دیتا ہے۔ گرمیوں میں دن بڑھ جاتا ہے جاڑوں میں رات۔ اُس کے سوا کوئی یہ کام کر سکتا ہے؟

پھر یہ بھی دیکھیے کہ اُس نے چاند اور سورج کو ایسا مسخر کر دیا ہے کہ جو وقت اُن کے طلوع کا ہے ہمیشہ اسی پر طلوع کرتے ہیں جو غروب کا وقت ہے اُسی پر غروب ہوتے ہیں۔ جو اُن کی معینہ منزل ہے اُسی پر حکم الٰہی کے مطابق چلتے رہتے ہیں۔ اُس نے یہ سب نظام مخلوق کی بقائے حیات اور اُن کی ضروریات پوری کرنے کے لیے کیا ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۳۰﴾ ع

ع ۳ ۱۱ ۱۲

یہ سب باتیں اس سبب سے ہیں کہ خدا معبود برحق ہے اور اس کے سوا جن کو پکارتے ہیں بالکل باطل ہے اور بے شک اللہ عالی شان والا اور بڑے رُتبے والا ہے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ ؕ
إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۱﴾ وَإِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ
دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ۬ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ إِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ
مُّقْتَصِدٌ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ إِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۲﴾

کیا تم اس پر غور نہیں کرتے کہ اللہ کے فضل سے کشتیاں دریاؤں میں چلتی ہیں تاکہ وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھائے۔ بے شک ہر صبر و شکر کرنے والے کے لیے اس میں خدا کی بہت سی نشانیاں ہیں۔ جب اُن کو سائبان کی طرح پانی کی موجیں ڈھک لیتی ہیں تو خدا کو کیسے سچے دل سے پکارتے ہو۔ لیکن جب خدا انہیں نجات دے کر خشکی پر لے آتا ہے تو اُن میں سے بعض تو کچھ روز اعتدال پر رہتے ہیں (اور بعض پکے کافر بنے رہتے ہیں) ہماری قدرت کی نشانیوں سے نہیں انکار کرتے مگر بدعہد اور ناشکرے لوگ

ایک روز ایک دہریہ امام جعفر صادق علیہ السّلام کی خدمت میں آیا۔ اور کہنے لگا جس خدا کو ہم نے دیکھا ہی نہیں اُس پر ایمان کیسے لائیں۔ آپؑ نے فرمایا، تُو نے کبھی دریائی سفر کیا ہے؟ اُس نے کہا بارہا کیا ہے۔ فرمایا کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ تیری کشتی طوفان میں پھنس گئی ہو اور تجھے اپنے ڈوبنے کا یقین ہو گیا ہو۔ اس نے کہا، ایسا بھی ہوا ہے فرمایا، اس وقت تیرا دل کیا چاہا کرتا ہے۔ اُس نے کہا، ایک ایسی ذات کو دل ڈھونڈنے لگتا ہے جو کشتی کو طوفان سے نکال دے۔ فرمایا، بس وہی خدا ہے۔ لیکن بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ جب مصیبت سے نجات پا جاتے ہیں تو پھر اپنے نجات دہندہ کو بھول جاتے ہیں یا یاد رکھتے بھی ہیں تو چند روز۔

کشتیوں کا دریا میں چلنا۔ ہواؤں کا اُسے کھینچ کر منزلِ مقصود کی طرف لے جانا۔ طوفان سے کشتیوں کو نکال کر ساحل تک پہنچانا۔ یہ سب خدا کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔ ان حوادث سے بچنے کے بعد بھی لوگ بجائے خدا کے شکرگزار ہونے کے اس پاک ذات پر ایمان نہیں لاتے تو ان سے زیادہ غدار اور ناشکرا کون ہے۔

يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ز

وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْئًا ؕ إِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا
تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ٝ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۳۳﴾ إِنَّ اللّٰهَ
عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ ؕ وَمَا
تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۳۴﴾ ع

ع ۳ ۱۲/۱۴

لوگو! اللہ سے ڈرو اور اُس دن کا خوف دل میں رکھو جب نہ کوئی باپ اپنے بیٹے کے کام آئے گا نہ کوئی بیٹا اپنے باپ کے کچھ کام آسکے گا۔ بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ (قیامت ضرور آئے گی) اور کہیں تم کو دُنیا کی چند روزہ زندگی دھوکہ میں نہ ڈالے اور کہیں تمہیں فریب دینے والا (شیطان) اللہ کے معاملہ میں دھوکہ نہ دے۔ خدا ہی کے پاس قیامت (کے آنے) کا علم ہے اور وہی (جب مناسب سمجھتا ہے) پانی برساتا ہے۔ وہی جانتا ہے کہ عورتوں کے رحموں میں (نر یا مادہ) کیا ہے اور کوئی شخص یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا۔ اور نہ کوئی یہ جانتا ہے کہ کس سرزمین پر مرے گا۔ بے شک اللہ ہی جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے۔

قیامت کا دن ایسا سخت ہوگا کہ کسی کو کسی کی خبر نہ ہوگی۔ ہر شخص کو اپنی اپنی جان کی پڑی ہوگی۔ باپ نہ بیٹے کا پُرسانِ حال ہوگا نہ بیٹا باپ کا۔ اس دُنیا کی چند روزہ زندگی پر کسی کو دھوکا نہ کھانا چاہیئے۔

وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ خدا کی بخشش کی امید پر گناہ کرنے پر دلیر نہ ہو جاؤ اور توبہ کے بھروسہ پر گناہ نہ کرنے لگو اور زندگی میں موہوم امید پر توجہ بھی نہ کرو۔

امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ آدمی کے تین دن ہیں، کل جو گزر گیا وہ تو نکل گیا پھر ہاتھ نہیں آسکتا۔ اور کل جو آنے والا ہے اس کے ملنے کا یقین نہیں کیونکہ موت ہر وقت موجود ہے۔ رہا تیسرا دن جو آج کا ہے اُس میں جو کچھ کرنا ہے کر لو۔

چند چیزیں ایسی ہیں جن کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں

۱۔ قیامت کب آئے گی، خدا ہی جانتا ہے، انبیاء و مرسلین بھی اس کا وقت نہیں بتا سکتے تھے۔

۲۔ مینہ کا برسنا وہی جانتا ہے کہ جو بادل آسمان پر چھایا ہوا ہے وہ کب برسے گا اور کہاں برسے گا اور کتنا برسے گا؟

۳۔ خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ جو بچہ ماں کے پیٹ میں ہے وہ کالا ہے یا گورا۔ لڑکا ہے یا لڑکی۔ شقی ہے یا سعید۔ کامل الخلقت ہے یا ناقص الخلقت۔

۴۔ سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا کہ کوئی شخص کل کو کیا عمل کرے گا۔ نیکی کرے گا یا بدی۔ یا کسی کا ظلم سہے گا یا کسی پر ظلم کرے گا۔

۵۔ کوئی شخص یہ بھی نہیں جانتا کہ کس سر زمین پر مرے گا اور کیسے مرے گا؟

جناب امیر علیہ السّلام نے فرمایا ہے کہ ان پانچ باتوں کا خاص خیال رکھو۔ (نہج البلاغہ)

---

③② سُوْرَةُ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ ⑦⑤

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ① تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ②
اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ
اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ③ اَللّٰهُ الَّذِيْ
خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى
عَلَى الْعَرْشِ ۗ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ ۗ اَفَلَا
تَتَذَكَّرُوْنَ ④ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ
فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ⑤

الف لام میم۔ رب العالمین کی طرف سے یہ وہ کتاب (قرآن) نازل کی گئی ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ خود گڑھ کر (تم نے) بنا لی ہے (ہرگز نہیں) بلکہ یہ تو تمہارے رب کی طرف سے برحق کتاب اس لیے نازل ہوئی ہے کہ تم اس قوم کو ڈراؤ جس کے پاس تم سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تاکہ وہ لوگ ہدایت پائیں۔ اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دن میں پیدا کیا۔ پھر وہ عرش بنانے پر متوجہ ہوا اس کے سوا تمہارے لیے نہ کوئی سرپرست ہے نہ شفاعت کرنے والا۔ کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ خدا آسمان سے لے کر زمین تک ہر امر کی تدبیر کرتا ہے۔ پھر یہ بندوبست اُس دن جس کی مقدار تمہارے شمار سے ایک ہزار برس ہوگی اُس کی بارگاہ میں پیش ہوگا۔

لِتُنْذِرَ قَوْمًا ..... الخ چونکہ آنحضرتؐ سے پہلے حضرت عیسٰیؑ کے بعد قوم عرب کو ڈرانے والا کوئی اور پیغمبر نہیں آیا تھا اس لیے آخر میں آنحضرتؐ کو اس لیے بھیجا گیا کہ اس قوم کو عذاب خدا سے ڈرائیں۔

فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ۔ سے مراد یہ ہے کہ آسمان و زمین اور جو چیزیں ان کے درمیان ہیں چھ دن میں بنائی گئی ہیں یعنی ان کا تعلق عالم امری سے نہیں ہے جہاں اسباب و وسائط کی ضرورت نہیں ہوتی بس کُنْ کہا اور ہو گیا۔ بلکہ عالم خلقی سے ہے۔ جہاں کوئی چیز بتدریج ظہور میں آتی ہے یعنی اسباب و وسائط کے ذریعہ سے چھ دن کے اندر یہ چیزیں وجود میں آئیں۔ چونکہ دُنیا والے کسی چیز کا حساب تعمیر و تخلیق دنوں سے لگاتے ہیں لہٰذا ان کو سمجھانے کے لیے ایسا کہا گیا ورنہ وہی بہتر جانتا ہے کہ کس طرح اور کتنی مدت میں پیدا کیا۔ ہفتہ میں سات دن ہوتے ہیں لہٰذا ان میں سے چھ دن میں ان کی تخلیق ہوئی اور ایک دن ان کی تنظیم میں صرف ہوا۔ اس طرح ایک ہفتہ پورا ہوا۔

والعلم عند اللّٰہ۔

عرش پر غالب آیا۔ عرش کے کئی معنی لُغتِ عرب میں ہیں۔ زیادہ تر تخت کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ لیکن اس سے یہ مراد نہیں کہ خدا تخت پر بیٹھ گیا۔ اس کی پاک ذات مکان و مکانیات سب سے مبرّا ہے۔ عرش کو بھی لوگوں نے کوئی مادی چیز سمجھ رکھا ہے اس لیے خدا کو اس پر بٹھا دیا ہے۔ اور روزِ قیامت اسی عرش پر اس کو بیٹھا ہوا دیکھیں گے اور آمنے سامنے بات چیت کریں گے۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ مِنْ هٰذِهِ الْهَفَوَاتِ۔

عرش عالم نور سے تعلق رکھنے والی چیز ہے۔ جو جہاتِ عالم امکاں سے بالکل الگ ایک مخلوق ہے۔ عالم نُور میں ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ شش جہات کا تعلق عالم مادی سے ہوتا ہے نہ کہ عالم نُوری سے۔ عالم امکاں میں تین چیزوں کے بغیر نہ وقت بنتا ہے نہ مکان یعنی جب کوئی چیز ایک نقطہ سے دوسرے نقطہ کی طرف جاتی ہے تو وقت کا تعین آتا ہے مثلاً ہماری گھڑی جب بارہ کے ہندسہ سے چل کر ایک والے ہندسہ پر پہنچے گی تو ہم کہیں گے کہ ایک گھنٹہ ہو گیا۔ یعنی وقت کا تعین ہوا۔ اور یہاں گھڑی کی سوئی جہاں تک چلی وہ جگہ ہوئی۔ تو معلوم ہوا جگہ اور وقت مادی چیزوں کے

لیے ضروری ہوتا ہے۔ اگر عالمِ نوری میں بھی ایسا ہی ہو تو پھر دونوں میں فرق کیا رہا ہے۔ بس عرش کے لیے کسی جگہ کا تعین نہیں ہو سکتا۔ نہ اس پر شبے کا سوال ہوتا ہے کیونکہ جس پر بیٹھا جاتا ہے اس کے لیے جہات ضرورت ہو جائیں گے۔ چونکہ یہ تمام کائنات سے بالاتر ہے اس لیے ہم اُس کی طرف دونوں ہاتھ وقتِ دُعا اُٹھاتے ہیں تو اس لیے نہیں کہ وہ عرش پر بیٹھا ہے، وہ تو ہر جگہ موجود ہے۔

اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۔ قیامت کا دن ہمارے حساب سے ایک ہزار برس کا ہوگا۔ صرف اس کی اہمیت کو سمجھانے کے لیے ایسا کہا گیا ہے ورنہ وہ الوہی سال کا ایک دن ہوگا۔ تمام عالموں کے دن یکساں نہیں ہوتے بلکہ ان میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔

ہم مولانا امداد حسین صاحب کاظمی کے مترجمہ قرآن کے حاشیہ سے اس فرق کو واضح کرتے ہیں؛

"زمین کا ایک سال ۳۶۵ دن کا ہوتا ہے۔ عطارد کا ۸۸ دن کا۔ زہرہ کا ۲۲۵ دن کا۔ لیکن مشتری کا ہمارے ۱۲ سال کے برابر یعنی ۴۳۸۰ دن کا۔ زحل کا ایک دن ہمارے ۲۸ سال کے برابر ہوتا ہے یعنی ہمارے ۱۰۶۷۲ دن کے برابر۔ نیپچون کا سال ہمارے ۱۶۰ سال کے برابر ہے یعنی ۶۰۲۲۵ دن کے برابر۔"

ہمیں سمجھانے کے لیے یہ بتایا گیا ہے کہ جسے تم قیامت کا ایک دن سنتے ہو وہ تمہارے دنوں کے حساب سے ایک ہزار سال کا ہوگا۔ ایک ہزار دن نہیں بلکہ ایک ہزار سال اور اس طویل مدت میں ہر انسان کو اپنا حساب کتاب چکانا ہوگا۔ سمجھئے کیا حال ہوگا وہاں ہم انسانوں کا۔ اللہ تعالیٰ اپنا فضل و کرم فرمائے، ہم بے چاروں پر۔

ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۙ ⑥ الَّذِيْٓ اَحْسَنَ
كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ۚ ⑦ ثُمَّ جَعَلَ
نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۚ ⑧ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ
وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا
تَشْكُرُوْنَ ⑨

وہی پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے سب پر غالب و مہربان ہے۔ اُس نے جو چیز بنائی ہے خوب دُرست بنائی ہے۔ انسان کی ابتدائی خلقت مٹی سے کی۔ پھر اس کی نسل ذلیل پانی

(نطفہ) سے بنائی پھر اس (پتلے) کو دُرست کیا اور اس میں اپنی طرف سے رُوح پھونکی اور تم لوگوں کو (سننے کے لیے) کان اور (دیکھنے کے لیے) آنکھیں اور (سمجھنے کے لیے) دل بنائے (اس پر بھی) تم لوگ بہت کم شکر کرتے ہو۔

جب خدا ہر چیز کا جاننے والا اور ہر شے پر غالب ہے تو قیامت کے دن کوئی اس سے بچ کر کہاں جائے گا۔ وہ تو ایسا صاحبِ قدرت ہے کہ اس نے ہر چیز کو بہترین خلقت عطا فرمائی ہے اور ایسی بنائی ہے کہ اس میں کمی زیادتی کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ ہر حیثیت سے مکمل ہے۔

اُس نے بغیر کسی نمونہ کے انسان کو مٹی سے پیدا فرمایا پھر ایک نطفۂ گندیدہ سے اس کی نسل کو چلایا۔ پھر رحمِ مادر میں اس کو ٹھیک ٹھاک کر کے اس میں اپنی پیدا کردہ رُوح ڈالی۔ پھر تمہیں کان آنکھ اور دل جیسی قوتیں دیں۔ تو کیا یہ اس کی قدرت کے معمولی کرشمے ہیں جن پر تم اس کا شکر ادا نہیں کرتے۔ جو اعضا اُس نے تم کو دیئے ہیں اگر ان میں سے ایک بھی خراب ہو جائے تو کیا دنیا کی کوئی صنعت اس جیسا عنصر بنا سکتی ہے۔ اور کیا اس میں وہ قوت پیدا ہو سکتی ہے جو خدا کا عطیہ ہے۔ اگر تمہارے بدن سے ایک بال اُکھڑ جائے تو کیا جن و انس مل کر بھی اُسے اُس جگہ پر جما سکتے ہیں۔ باوجود ان سب باتوں کے اس کا شکریہ ادا نہیں کرتے۔

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۥ بَلْ هُمْ
بِلِقَاۗئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ⑩ قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ
بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ⑪ ع وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا ع ۱ ۱۴
رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا
اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ⑫ وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ
الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ⑬

لوگ کہتے ہیں کیا جب ہم زمین میں ناپید ہو جائیں گے تو پھر ہم ایک نیا جنم لیں گے (ایسا کیسے

ہوسکتا ہے)۔ (بات یہ ہے) کہ یہ لوگ اپنے رب کی حضوری سے انکار کرنے والے ہیں۔ تم ان سے کہہ دو کہ ملک الموت جو تم پر تعینات ہے وہی تمہاری رُوح قبض کرے گا۔ پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ اے رسول (تم کو بہت افسوس ہوگا) جب تم مجرموں کو اس حال میں دیکھو گے کہ اُن کے سر اُن کے رب کے سامنے جھکے ہوئے ہوں گے (اور وہ کہتے ہونگے) اے ہمارے رب ہم نے خُوب دیکھ لیا اور سُن لیا، اب ہم کو دُنیا کی طرف پھر لوٹا دے تاکہ ہم نیک کام کریں، ہم قیامت پر یقین لے آئے (خدا کہے گا) ہم تو دنیا میں ہر شخص کو راہِ راست پر لے آتے مگر (میری طرف سے) یہ بات طے ہو چکی ہے کہ میں انسانوں اور جنوں سے جہنم کو بھر دوں گا۔

لوگ اس خبط میں مبتلا ہیں کہ مرنے کے بعد جب ہم مٹی میں مل کر مٹی ہو جائیں گے تو پھر دوبارہ جی اُٹھنا اور زندگی بھر کے اعمال کا حساب دینا کیا معنی رکھتا ہے۔ چونکہ یہ بڑی خوف دلانے والی چیز ہے لہٰذا وہ قیامت ہی سے انکار کر دیتے ہیں۔ لیکن ان کی سمجھ میں اتنی بات نہیں آتی کہ خدا نے ان کو کیا یوں ہی کھیل تماشے کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ تمام عظیم الشان کارخانہ جو اس کے لئے بنایا گیا ہے وہ محض اس لیے ہے کہ آدمی یہاں رہ کر خوب کھائے پیئے۔ اچھے اچھے مکانوں میں رہے۔ عمدہ لباس پہنے۔ بال بچے پیدا کرے اور خوب رنگ رلیاں منا کر یہاں سے چلتا بنے۔ نہ اس کے ظلم و ستم کی پُوچھ گچھ ہو نہ لُوٹ مار اور بدکرداریوں کی گرفت۔ پُوری آزادی کے ساتھ حیوانوں کی طرح جو چاہے کرتا پھرے۔ مظلوم روتے پیٹتے یہاں سے چلے جائیں کوئی اُن کی فریاد سُننے والا نہ ہو۔ تو پھر اس دُنیا کا مدبّر و منتظم ایک عدل گزار اور انصاف پسند تو نہ ہُوا۔ اُس نے قیامت کا ایک دن اسی لیے رکھا ہے کہ اس دُنیا میں جس نے جو کچھ کیا ہے اُس کی باز پُرس کے بعد ظالموں کو سزا دے مظلوموں کو جزا دے۔ نیکوں کو جنت میں جگہ دے اور بدوں کو دوزخ میں ڈالے۔ جا بجا قرآن میں قیامت کے دن سے اسی لیے ڈرایا گیا ہے کہ لوگ بدکاریوں سے بچیں اور اعمالِ صالحہ کی طرف توجہ کریں۔

موت کا فرشتہ جب سینہ پر سوار ہو کر گردن مروڑے گا تو کوئی چیز اس سے بچانے والی نہیں ہو سکتی۔ پس جب پکڑے جاؤ گے تو پھر اپنے بچاؤ کی کیا صورت سوچی ہے؟ وہاں تو نہ کوئی سفارش چلے گی نہ رشوت دے کر جان چھوٹے گی۔ نہ خاندان والوں کی چیخ و پکار مفید ہوگی۔ نہ یاور نہ مددگار ہوں گے۔ اُس وقت اگر خدا کے سامنے قیامت کا اقرار بھی کرو گے تو کیا فائدہ۔ اگر تم یہ درخواست کرو گے کہ پھر دُنیا کی طرف لوٹا دیئے جاؤ تو یہ درخواست ہرگز منظور نہ ہوگی۔ جب دُنیا ہی نہ رہے گی تو تم جاؤ گے کہاں؟ دوسرے یہ تجربہ ہو چکا کہ دنیا میں جا کر پھر تم وہی کرو گے جو زندگانی دُنیا میں کرتے رہے تھے۔ جب تمہیں وہاں برسوں رہ کر ہوش نہ آیا تو اب کیا آئے گا۔ لہٰذا توبہ کا وقت نکل گیا۔ استغفار کی گھڑی بیت گئی۔ اب تو تم ہو اور جہنم کے لپکتے ہوئے شعلے۔ تمہیں

بارہا سمجھایا گیا، مہلت دی گئی، بدکار لوگوں کے انجام کا نقشہ تمہارے سامنے پیش کیا گیا مگر تم تھے کہ کسی طرح ہوش میں آتے ہی نہ تھے۔ بس اب ہم سے کچھ نہ کہو اور اپنے کیے کی سزا بھگتو۔

فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ
الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑭ اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا
بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ⑮ السجدة
تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۫
وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ⑯ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ
اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑰

تم نے آج کے دن ہماری حضوری کو جھٹلا دیا تھا۔ ہم نے بھی قصداً تمہیں نظر انداز کر دیا اب اس بھُولنے کا مزہ چکھو۔ دُنیا میں جو کچھ تم کرتے رہے تھے (اس کی سزا میں) اب دائمی عذاب کا مزہ چکھو۔ ہماری آیات پر وہی ایمان لاتے ہیں کہ اُن کو جب وہ یاد دلائی جاتی ہے تو فوراً سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی حمد و تسبیح کرتے ہیں اور وہ تکبّر نہیں کرتے۔ اور رات کو اُن کے پہلو بستروں سے آشنا نہیں ہوتے (خدا کے عذاب کے) خوف سے اور اُس کی رحمت کی اُمید پر اُسے پکارتے ہیں اور جو رزق ہم نے دیا ہے اُسے راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں۔ ان لوگوں کی کارگزاریوں کے بدلے میں کیسی کیسی آنکھوں کی ٹھنڈک ان کے لیے رکھی ہے اس کو تو کوئی جانتا ہی نہیں۔

اِذَا ذُكِّرُوْا ..... الخ یہ آیت اگرچہ بظاہر عام ہے لیکن حقیقتاً ہمارے آئمہ معصومینؑ کی شان میں ہے۔ تفسیر صافی میں امام محمد باقر علیہ السّلام سے منقول ہے کہ یہ آیت امیر المومنین علیہ السّلام اور اُن کے اُن تابعین کی شان میں

نازل ہوئی ہے جو آنؑ کی سیرت پر چلنے والے ہیں۔ وہ اوّل شب میں سوتے ہیں اور جب دو تہائی رات یا جتنی خدا کو منظور ہو گزر جاتی ہے تو اُٹھ کر اللہ کے حضور گڑگڑاتے ہیں اور امید و بیم کی حالت میں اس سے دُعا کرتے ہیں۔ پس اللہ نے اپنی کتاب میں اُن کا ذکر کر دیا۔

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ؕ لَا يَسْتَوٗنَ ﴿۱۸﴾ اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى ؗ نُزُلًاۢ بِمَا كَانُوْا
يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا
اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ
الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى
دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ
بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ؕ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۲۲﴾ ع ۲ ۱۵

جو شخص مومن ہو کیا وُہ کسی فاسق کی مثل ہو گا دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے اُن کے لیے اُن کے اعمال کی جزا جنّت کے باغات ہیں ضیافت کا سامان ہے اور جو لوگ بدکار ہیں اُن کا ٹھکانہ جہنّم میں ہے جب اس سے نکلنا چاہیں گے پھر اسی میں دھانس دیئے جائیں گے اور اُن سے کہا جائے گا، اس آگ کا مزہ چکھو جسے تم جھٹلایا کرتے تھے ہم انہیں (قیامت کے) عذابِ اکبر سے پہلے (اس دُنیا میں ہی) عذابِ ادنیٰ کا مزہ چکھا دیں گے تاکہ وہ میری طرف رجوع کریں اور اس سے زیادہ ظالم کون ہو گا جس کو اس کے رب کی آیات یاد دلائی جائیں اور وہ ان سے منہ پھیر لے۔ ہم مجرموں سے ضرور بدلہ لینے والے ہیں۔

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا.... الخ کی شانِ نزول یہ ہے کہ ایک روز ولید بن عقبہ بن ابی معیط حضرت علی علیہ السلام سے کہنے لگا، اے علیؑ! تم بچے ہو میں جوان ہوں۔ میں تم سے قوت اور زبان دانی میں بھی زیادہ ہوں نیز نیزہ بازی میں بھی تم سے بہتر ہوں لشکر میں ثابت قدم ہوں۔ حضرت علیؑ نے فرمایا، تیری یہ مجال ہے کہ میرا مقابلہ کرے اور مجھ پر فخر کرے۔ کہیں مومن و بدکار برابر ہو سکتے ہیں۔ خدا نے بھی آپؑ کی تائید فرمائی اور یہ آیت نازل فرمائی۔ اس روایت کو ابنِ مردویہ خطیب خوارزمی اور ابنِ عساکر نے ابنِ عباسؓ کی سند سے بیان کیا ہے۔ (کتاب الاغانی۔ واحدی) یہ وہی حضرت ولید ہیں جن کو حضرت عثمانؓ نے کوفہ کا گورنر مقرر فرمایا تھا اور جنہوں نے نشہ میں صبح کی چار رکعت پڑھا کر کہا تھا، اس وقت طبیعت جوش میں ہے کہو تو اور پڑھا دوں۔

عذابِ ادنیٰ وہ ہے جو اس دُنیا میں نازل ہو۔ جیسے قومِ عاد و ثمود و قومِ فرعون پر نازل ہوا۔ اور عذابِ اکبر وہ ہے جو قیامت میں نازل ہو گا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَجَعَلْنٰهُ
هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۳﴾ۚ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا
لَمَّا صَبَرُوْا ؕقف وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۲۴﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ
بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۲۵﴾ اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ
كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ
فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ؕ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۶﴾

ہم نے موسیٰ کو کتاب (توریت) عطا کی پس تم بھی اس کتاب (قرآن) کے منجانب اللہ ہونے کے بارے میں شک میں نہ پڑو۔ ہم نے توریت کو بنی اسرائیل کے لیے ہدایت قرار دیا تھا۔ ہم نے اُن میں سے بعض کو اُن کے صبر کرنے کی وجہ سے امام بنایا تاکہ ہمارے حکم کے مطابق لوگوں کو ہدایت کریں اور وُہ ہماری آیات پر یقین کرنے والے تھے۔ بے شک تمہارا رب روزِ قیامت جن باتوں

میں وہ اختلاف کرتے تھے اُن کے درمیان فیصلہ کرے گا۔ کیا ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی اُمتوں کو ہلاک کر دیا جن کے گھروں میں لوگ چلتے پھرتے ہیں۔ اس میں ہماری نشانیاں ہیں تو کیا یہ لوگ سُنتے نہیں۔

توریت بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے نازل ہوئی تھی اور قرآن مجید قیامت تک ہونے والے لوگوں کے لیے نازل ہوا ہے۔ جس طرح بنی اسرائیل میں خدا نے کچھ لوگوں کو امام بنایا تھا اسی طرح ہمارے رسولؐ کے عہد میں بھی خدا نے کچھ لوگوں کو امام بنایا جن سے تاقیامت ہدایتِ خلق وابستہ رہے گی۔ حضرت موسیٰؑ کے نقبا یعنی اوصیاء کی تعداد بارہ تھی۔ اسی طرح اوصیائے رسولِ خدا کی تعداد بھی بارہ ہے۔ اکثر واقعات حضرت موسیٰؑ اور حضرت رسولِ خداؐ کے ملتے جلتے ہیں۔

حضرت موسیٰؑ کو توریت ملی تو آنحضرتؐ کو قرآن ملا۔ موسیٰؑ کی معراج طور پر ہوئی تو حضرت رسولِ خدا کی معراج قابَ قوسین او ادنیٰ تک۔ حضرت موسیٰؑ کو جہاد کا حکم ہوا تو حضرت رسولِ خداؐ کو بھی۔ حضرت موسیٰؑ کے بھائی حضرت ہارونؑ وصی تھے اور حضرت رسولِ خداؐ کے بھائی حضرت علیؑ ان کے وصی تھے۔ حضرت ہارونؑ کے دو بیٹے شبر و شبیر تھے، اُن کے بعد بنی اسرائیل کے امام ہوئے۔ اور حضرت علیؑ کے دو بیٹے حسنؑ و حسینؑ امامِ خلق ہوئے۔ حضرت موسیٰؑ کو فرعون پر فتح ہوئی اور حضرت علیؑ کو قومِ قریش پر۔ حضرت موسیٰؑ کے مقابل تین شخص خصوصیت سے تھے، فرعون، ہامان اور قارون۔ حضرت رسولِ خداؐ کے مقابل بھی تین خاص آدمی تھے، ابوجہل، ابولہب اور ابوسفیان۔ حضرت موسیٰؑ کی بی بی صفورا اُن کے وصی سے لڑیں اور حضرت رسولِ خداؐ کی ایک بی بی اُن کے وصی حضرت علیؑ سے لڑیں۔ حضرت موسیٰؑ کے بارہ اوصیا اسباط و نقیب کہلائے اور حضرت رسولِ خداؐ کے بارہ اوصیا امام کہلائے۔ اشقیائے بنی اسرائیل کے ہاتھوں جس طرح اوصیائے موسیٰؑ کو طرح طرح کی تکالیف برداشت کرنا پڑیں اُسی طرح اوصیائے رسولِ خداؐ کو اُن کی اُمت کی دشمنی کی وجہ سے بڑے بڑے مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑا۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ ۔ تمہارا رب ان کے درمیان روزِ قیامت فیصلہ کرے گا۔ یعنی بنی اسرائیل مسائلِ توریت کے متعلق جو آپس میں اختلافات رکھتے تھے جس کی وجہ سے یہودیوں میں اکہتر فرقے بن گئے۔ اسی طرح روزِ قیامت اُمتِ رسولِ خداؐ میں اختلاف کی بنا پر جو تہتر فرقے بن گئے ہیں ان کا فیصلہ بھی ہوگا اور خدا بتائے گا کہ ان فرقوں میں کونسا حق ہے۔

کفارِ مکہ کو بتایا جا رہا ہے کہ تم سے پہلی اُمتوں پر عذاب نازل ہوتے رہے تھے اور اُن کی بستیوں کو تباہ و برباد کر کے اُن کے گھروں کو کھنڈر بنا کے چھوڑ دیا گیا تھا۔ تم کو ان سے عبرت حاصل کرنا چاہیئے۔ ہمارے رسولؐ کی مخالفت کرنے میں تم کو بھی اسی طرح سخت نقصان پہنچے گا۔ چنانچہ بدر، احد، خندق وغیرہ کی لڑائیوں میں کفارِ قریش کے بڑے بڑے نامی سردار کتّے کی موت مارے گئے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ ؕ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ﴿٢٧﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٢٨﴾ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿٢٩﴾ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ﴿٣٠﴾ ع ۳ ۸ ۱۶

کیا یہ لوگ اس پر غور نہیں کرتے کہ ہم چٹیل میدانوں میں پانی کو بہاتے ہیں اور پھر اس سے کھیتی اُگاتے ہیں جسے ان کے چوپائے بھی کھاتے ہیں اور وہ خود بھی۔ تو کیا وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے نہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں اگر تم سچے ہو تو بتاؤ یومِ فتح کب آئے گا۔ (اے رسول) تم ان سے کہہ دو جس روز وہ آئے گا تو کفر کرنے والوں کو ان کا ایمان کوئی فائدہ نہ دے گا۔ اور نہ اُن کو مہلت دی جائے گی۔ اے رسول تم ان لوگوں سے درگزر کرو اور اس وقت کا انتظار کرو وہ بھی انتظار کر رہے ہیں۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ ۔ تفسیرِ صافی اور تفسیرِ قمی میں ہے کہ یہ ایک مثال ہے جو اللہ تعالیٰ نے رجعت کے بارہ میں اور ظہورِ قائم آلِ محمدؐ کے بارہ میں بیان فرمائی ہے۔ جب منکروں کو حضرت رسولِ خداؐ نے رجعت کی خبر دی تو انہوں نے کہا کہ یہ فتح کا دن کب ہوگا اور ان کا یہ قول اللہ تعالیٰ کے اس قول پر معطوف ہے، وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ (عذابِ اکبر سے پہلے ہم انہیں عذابِ ادنیٰ کا مزہ چکھائیں گے) پس عذابِ ادنیٰ اسی زمانۂ رجعت میں ان پر ہوگا۔ مولانا فرمان علی صاحب مرحوم نے یوم الفتح کا ترجمہ روزِ قیامت لیا ہے۔ لیکن یہ درست نہیں۔ جو لوگ کافر ہیں قیامت میں ان کے ایمان کے اظہار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ اس سے مراد تو وہی ایمان ہے جو زمانۂ رجعت میں ظہورِ قائم آلِ محمدؐ کے بعد لوگ زبان سے کہنے لگیں گے کہ ہم ایمان لے آئے۔ اس وقت ایمان لانا مقبول نہ ہوگا۔ دوسرے مہلت نہ دیا جانا اور انتظار کرنا یہ سب باتیں اس کی مؤید ہیں کہ یوم فتح سے مراد زمانۂ رجعت ہے نہ کہ روزِ قیامت۔

(۳۳) سُوْرَۃُ الْاَحْزَابِ مَدَنِیَّۃٌ (۹۰)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰہَ وَلَا تُطِعِ الْکٰفِرِیْنَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ
کَانَ عَلِیْمًا حَکِیْمًا ۙ ① وَّاتَّبِعْ مَا یُوْحٰٓی اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ
کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ۙ ② وَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ ؕ وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلًا ③
مَا جَعَلَ اللّٰہُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَیْنِ فِیْ جَوْفِہٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَکُمُ
الّٰٓیْٔ تُظٰھِرُوْنَ مِنْھُنَّ اُمَّھٰتِکُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِیَآءَکُمْ اَبْنَآءَکُمْ ؕ
ذٰلِکُمْ قَوْلُکُمْ بِاَفْوَاھِکُمْ ؕ وَاللّٰہُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَھُوَ یَھْدِی
السَّبِیْلَ ④ اُدْعُوْھُمْ لِاٰبَآئِھِمْ ھُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰہِ ۚ فَاِنْ
لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَھُمْ فَاِخْوَانُکُمْ فِی الدِّیْنِ وَمَوَالِیْکُمْ ؕ وَلَیْسَ
عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ فِیْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِہٖ ۙ وَلٰکِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُکُمْ ؕ
وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ⑤

اے نبی اللہ سے ڈرو اور کافروں اور منافقوں کی اطاعت نہ کرو۔ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا ہے اور حکمت والا ہے اور تمہارے رب کی طرف سے جو تم پر وحی کی گئی ہے

اُس کی پیروی کرو۔ جو کچھ تم کرتے ہو بے شک اللہ اس سے باخبر ہے اور اللہ پر بھروسہ کرو اللہ کی وکالت تمہارے لیے کافی ہے۔ اللہ نے کسی آدمی کے سینہ میں دو دل نہیں پیدا کیے۔ اور نہ اُس نے تمہاری بی بیوں کو جن سے تم ظہار کرتے ہو تمہاری مائیں بنا دیا ہے اور نہ تمہارے لے پالکوں کو تمہارے بیٹے بنا دیا ہے یہ تو تمہاری منہ بولی بات ہے (زبانی جمع خرچ) اور اللہ تو سچی بات کہتا ہے اور سیدھی راہ دکھاتا ہے۔ لے پالکوں کو اُن کے اصلی باپوں کے نام سے پکارا کرو یہی خدا کے نزدیک بہت ٹھیک ہے۔ ہاں اگر تم ان کے اصلی باپوں کو نہ جانتے ہو تو وُہ تمہارے دینی بھائی اور دوست ہیں اور ہاں اگر کسی وقت بھول چُوک ہو جائے تو تم پر کوئی الزام نہیں۔ مگر جب تم دل سے جان بوجھ کر عمداً ایسا کرو تو ضرور گناہ ہے۔ اور خدا تو بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

آیت نمبر ۱، ۲ میں بظاہر خطاب رسولؐ سے ہے لیکن درحقیقت مخاطب اُمت ہے۔ خدا نے کسی آدمی کے سینہ میں دو دل نہیں رکھے۔ یہ بہت بڑا ثبوت اس بات کا ہے کہ اس تمام کائنات کا مدبر و منتظم صرف ایک ہی ہے اگر دو ہوتے تو یہ سب کارخانہ تباہ و برباد ہو جاتا۔ جب جسم کی مختصر سی دنیا دو دل برداشت نہیں کر سکتی تو بھلا یہ اتنا بڑا عالم دو مدبروں کے تحت کیسے صحیح رہ سکتا ہے۔ اگر دو دل ہوتے تو ایک دائیں طرف اور ایک بائیں طرف ہوتا۔ اگر دونوں کا کام ہر حیثیت سے ایک ہی ہوتا تو دو کی ضرورت کیا ہوتی، اگر مختلف ہوتا تو تباہی آجاتی۔

اس سورہ کا نام احزاب اس لیے ہے کہ اس میں جنگِ احزاب کا ذکر ہے۔ احزاب جمع حزب کی ہے۔ حزب کے معنی گروہ کے ہیں۔ چونکہ جنگِ خندق میں قریش کے علاوہ اور بہت سے قبائل بھی شامل ہو گئے تھے اس لیے اس کا نام جنگِ احزاب ہے۔

ایک سینہ میں دو دل ہونے کا یہ مطلب بھی ہے کہ ایک وقت میں ایک شخص مومن و منافق، جھوٹا اور سچا، مشرک و مسلمان نہیں ہو سکتا۔ ایک دل سے تو اس کی ایک ہی حالت ظاہر ہو گی۔

زمانۂ جاہلیت میں ایک رسم تھی کہ اگر کوئی شخص غصہ میں اپنی بی بی سے یہ کہہ دیتا کہ تیری پشت میری ماں کی سی ہے تو پھر وہ عورت اس پر حرام ہو جاتی تھی۔ اس کو ظہار کہتے ہیں۔ خدا فرماتا ہے کہ ایسا کہنے سے بی بی، ماں نہیں بن جاتی۔ ماں تو وہی ہے جس نے اُسے جنا ہے۔ لہٰذا یہ عقیدہ فاسد ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ عرب میں یہ بھی دستور تھا کہ اپنے لے پالک کو اپنا اصلی بیٹا سمجھتے تھے اور اس کی ابنیت اپنی طرف منسوب کرتے تھے اُس کے باپ کا نام نہیں لیتے تھے۔ چنانچہ زیدؓ بن حارثہ کو جو حضورؐ کا پروردہ تھا، لوگ زیدؓ بن محمدؐ کہتے تھے۔ خدا فرماتا ہے کہ ایسا نہ کہو۔ لے پالک صلبی فرزند نہیں ہو سکتا۔ اُس کو اُس کے باپ کے نام سے

ہی پکارو یعنی زیدؓ بن حارثہ کہو۔ زیدؓ بن محمدؐ نہیں۔ ایسی باتیں خود تمہاری وضع کردہ ہیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں اگر کسی لے پالک کے باپ کا نام معلوم نہ ہو تو اُسے اپنا دینی بھائی یا دینی دوست کہو۔ اگر بھول چوک میں اپنی ابنیت سے پکار لو تو معاف کر دیے جاؤ گے ورنہ عمداً ایسا کرنا گناہ ہوگا۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُهٰجِرِیْنَ اِلَّاۤ اَنْ تَفْعَلُوْۤا اِلٰۤی اَوْلِیٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِی الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ⑥ وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ ۪ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا ⑦ لِّیَسْـَٔلَ الصّٰدِقِیْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا اَلِیْمًا ⑧ ع ٨/١٧

نبی تو مومنین سے خود اُن کی جانوں سے بھی بڑھ کر حق رکھتے ہیں (کیونکہ وہ گویا اُمّت کے مردوں کے باپ ہیں) اور اُن کی بی بیاں گویا اُمّت کی مائیں ہیں اور مومنین و مہاجرین میں کچھ (لوگ باہم) قرابت دار ہیں۔ کتابِ خدا کی رُو سے تو غیروں کی نسبت (ایک دوسرے کے ترکہ کے) زیادہ حقدار ہیں لیکن اگر تم اپنے دوستوں کے ساتھ سلوک کرنا چاہو (تو دوسری بات ہے) یہ تو خدا کی کتاب میں لکھا ہُوا موجود ہے۔ (وُہ وقت یاد کرو) جب ہم نے پیغمبروں سے اور تم سے اور نوح و ابراہیم و موسٰی اور مریم کے بیٹے عیسٰی سے عہد و پیمان لیا اور اُن لوگوں سے ہم نے سخت عہد لیا تھا تاکہ (قیامت کے دن) سچّوں (پیغمبروں) سے ان کی سچائی (تبلیغِ رسالت) کا حال دریافت کریں اور کافروں کے لیے تو

اُس روز دردناک عذاب ہے ہی۔

اِن آیات میں چند باتوں پر غور کرنا ہے:

١۔ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ ۔ یعنی لوگوں پر اُن کے نفسوں سے زیادہ نبی کی حکومت ہے۔ کسی کو یہ حق نہیں کہ نبی کے حکم کے خلاف کوئی امر کر سکے۔

یہاں اَوْلٰی کے معنی اولیٰ بالتصرف ہیں۔ ان کا قول واجب الاطاعت اور ان کا ہر فعل واجب العمل اور لائقِ تقلید ہے۔ غدیرِ خم کے موقع پر جو خطبہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا تھا اس میں اپنی اولویت کا ذکر ان الفاظ میں کیا تھا اَوْلٰی بِکُمْ مِنْ اَنْفُسِکُمْ ۔ کیا میں تمہاری جانوں پر تم سے زیادہ حقِّ تصرف نہیں رکھتا۔ یعنی کیا میں تم پر اللہ کی طرف سے حقِ حکومت نہیں رکھتا۔ ہر طرف سے آواز آئی بے شک آپؐ ہم پر حاکم ہیں۔ جب یہ حکومت تسلیم کرا لی تو فرمایا، مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَهٰذَا عَلِیٌّ مَوْلَاهُ ۔ جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علیؑ بھی مولا ہے۔ ایسی صورت مولا کے معنی دوست کے لینا عربی زبان پر کتنا ظلم ہوگا۔ ایسا کہنے والا یا تو عربی سے واقف نہیں یا پھر ازراہِ تعصب ایسا کہہ رہا ہے۔

٢۔ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ۔ نبی کی بی بیاں اُمّت کی مائیں ہیں۔ یعنی جب نبی اُمّت کے لیے مثل باپ کے شفیق و مہربان ہے تو لامحالہ اُس کی بی بیاں اُمّت کی مائیں ہوئیں۔ ان کی عزّت کرنا اُمّت کا فرض ہے۔ نبی کے بعد کوئی شخص نبی کی کسی بی بی سے نکاح نہیں کر سکتا۔

٣۔ مومنین اور مہاجرین کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ جو تمہارے رشتہ دار ہوں تمہارے احسان کے وہ سب سے پہلے مستحق ہیں۔ اُن کے ہوتے غیر سے سلوک نہ کیا جائے تاکہ صلۂ رحم میں خلل نہ پڑے۔

٤۔ خدا نے تمام انبیاءؑ سے بالخصوص آنحضرتؐ سے یہ پکّا عہد لیا تھا کہ وہ احکامِ الٰہی کی تبلیغ میں کوئی کسر نہ چھوڑیں گے۔ خود بھی عمل کریں گے اور دوسروں سے بھی عمل کروائیں گے۔ ہر حکمِ خدا کے نافذ کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھیں گے۔ احکامِ الٰہی کے جاری کرنے میں کسی مصیبت کی پرواہ نہ کریں گے۔ یہ عہد یہاں اس لیے یاد دلایا جا رہا ہے کہ نبی کو چند مواقع ایسے پیش آنے والے ہیں جن سے اُمّت کے خلاف ہونے کا قوی اندیشہ تھا۔ لہٰذا یہ بتایا جا رہا ہے کہ میں تم سے پکّا عہد لے چکا ہوں پس ایسے موقعوں پر اُمّت کی مخالفت کے خوف سے میری نافرمانی نہ کر بیٹھنا۔ تمہاری نظر میں خدا کا خوش رکھنا ہونا چاہیئے نہ کہ اُمّت کا۔ میں نے یہ معاہدہ صرف زبانی کر کے ہی نہیں چھوڑ دیا ہے بلکہ اس کے متعلق ہر ایک سے سوال بھی کروں گا "تاکہ وہاں سچّوں کی سچائی ظاہر ہو۔

ایک نبی کی ذمّہ داریاں بہت سخت ہوتی ہیں۔ پہلے یہ کہ بے کم و کاست بیان کرے۔ اپنی طرف سے ایک لفظ دکھائے نہ بڑھائے۔ پھر وقت پر اس حکم کو پہنچائے کسی خطرہ کی وجہ سے رُکے نہیں۔ پھر خود عمل کرے دوسروں سے عمل کرائے۔ تبلیغ کا کام ہر حالت میں جاری رکھے۔ یہ معمولی باتیں نہیں۔ ان کی تبلیغ میں انبیاءؑ کی جانوں پر

بن جاتی تھی۔ قوم کی دشمنی سے جان اجیرن ہو جاتی تھی مگر وہ کسی بات کی پرواہ کیے بغیر اپنے فرائض انجام دیتے تھے اسی لیے ان کی اطاعت کو امت پر واجب کیا گیا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ
فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
بَصِيْرًا ⑨ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ
الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ⑩
هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ⑪ وَاِذْ
يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ
رَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ⑫

اے ایمان والو، اللہ کی نعمتوں کا جو تم کو ملیں اُن کا ذکر کیا کرو (جنگِ خندق میں) جب تم پر کافروں کا لشکر آ پڑا تو ہم نے تمہاری مدد کی، آندھی بھیجی اور (فرشتوں کا) ایسا لشکر بھیجا جسے تم نے دیکھا تک نہیں اور جو کچھ تم کر رہے تھے خدا اُسے دیکھ رہا تھا۔ جس وقت وہ لوگ تمہارے اوپر سے بھی آ پڑے اور تمہارے نیچے کی طرف سے بھی اور جس وقت ان کی کثرت سے تمہاری آنکھیں خیرہ ہو گئی تھیں اور خوف سے تمہارے کلیجے منہ کو آ گئے تھے اور خدا کے بارے میں بُرے خیالات کرنے لگے تھے۔ یہاں پر مومنوں کا امتحان لیا گیا تھا اور خوب اچھی طرح جھنجھوڑے گئے تھے۔ جب منافق اور جن کے دل میں (کفر کا) مرض ہے کہنے لگے کہ خدا نے اور اُس کے رسول نے جو وعدے ہم سے کیے تھے وہ بالکل دھوکے کی ٹٹی تھے۔

جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا۔ مفسرین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ اس نظر نہ آنے والے لشکر سے کیا مراد ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ اس سے مراد وہ اندرونی قوتیں ہیں جو انسان میں سچائی کی نئی رُوح پھونکتی ہیں۔ اور چونکہ یہ کام فرشتوں کے ذریعہ سے ہوتا ہے لہٰذا اس کو فرشتوں کا لشکر بھی کہہ سکتے ہیں۔

بعض نے لکھا ہے کہ جس طرح جنگِ بدر میں خدا نے فرشتوں سے مدد کی یہاں بھی اسی طرح کی مدد تھی یعنی دشمنوں کو فرشتوں کی مسلح فوجیں نظر آتی تھیں۔

بعض نے لکھا ہے کہ یہاں جنگِ بدر کی طرح مسلمانوں کا اطمینانِ قلب مقصود ہے یعنی بڑے اطمینان سے وہ لڑے یہی وہ لشکر تھا جس سے خدا نے مدد کی نہ کہ حقیقتاً فرشتے مدد کو آئے تھے۔ چونکہ یہ باطنی قوتیں بھی نظر نہیں آتیں لہٰذا یہ کہا گیا کہ تم ان کو دیکھتے نہ تھے۔

واقعہ یہ ہے کہ یہودیوں کا ایک قبیلہ جو بنی نضیر کہلاتا تھا اپنی سرکشی اور سازشی کارروائیوں کی بدولت جب مدینہ سے نکالا گیا اور شام پہنچا تو اُن کی تباہ حالی دیکھ کر وہاں کے یہودیوں کے دل بھر آئے اور ان کے سردار ابی الحقیق زرخی بن اخطب اور کنانہ بن ربیع بن نصر کی ایک جماعت کو لے کر مکہ میں آئے اور ابوسفیان وغیرہ سردارانِ قریش کو آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خلاف جنگ کرنے پر آمادہ کیا۔ قریش نے کہا، تم تو اہلِ کتاب ہو تم نے مذہبی معاملہ کو خوب تحقیق کیا ہوگا۔ بتاؤ ہمارا دین بہتر ہے یا محمدؐ کا۔ اُن کی تو غرض اَڑی ہوئی تھی کہنے لگے، دین تو تمہارا بہتر ہے یہود ان سے مطمئن ہو کر قبیلۂ غطفان کے پاس پہنچے، اُن کو بھی آمادہ کیا اور اس کے بعد اور قبائل کو بھی سبز باغ دکھا کر اپنا ہم خیال بنایا۔ غرض دس ہزار کا لشکر تیار ہوا اور مدینہ پر حملہ کے لیے چلا۔ جب حضرتؐ کو پتہ چلا تو آپؐ ایک ہزار سات سو آدمیوں کو لے کر مدینہ سے باہر نکلے۔ اور جبل سلع کے سامنے قیام فرمایا۔ دشمن کی فوجوں کی تعداد کا حال سُن کر لوگوں کے حواس جاتے رہے۔ اگرچہ حضرت رسولِ خداؐ نے فتح کا وعدہ بھی کیا مگر اُن کو قرار نہ تھا۔ آخر صحابہؓ سے اس بارے میں مشورہ کیا۔ حضرت سلمانؓ نے خندق کھودنے کی رائے دی۔ چنانچہ سب نے مل کر خندق کھودی۔ حضرت رسولِ خداؐ نے سب سے زیادہ حصہ کھودا۔ اس خندق کے آٹھ دروازے تھے جہاں سے آجا سکتے تھے۔ ان دروازوں پر پہرہ دار بٹھا دیئے گئے۔

اس اثنا میں حی بن اخطب بنی قریظہ کے پاس پہنچا باوجودیکہ ان سے کفار کی مدد نہ کرنے کا معاہدہ تھا مگر وہ لوگ حی بن اخطب کی باتوں میں آ گئے اور کفار کے ساتھی بن گئے۔ خندق تیار ہونے کے چار دن بعد کفار کا لشکر بھی آ گیا اور مسلمانوں کے رہے سہے حواس بھی جاتے رہے۔ کفار کا لشکر مدینہ سے پچھمی میدان میں خیمہ زن ہوا۔ مسلمان خندق کے قلعہ میں تھے اور کفار محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ ۲۷ روز گزر گئے اور طرفین سے پتھر اور تیر چلتے رہے اور موقع پا کر شبخون بھی ہوئے۔ حضرتؐ اس کا دفعیہ کرتے رہے۔ مگر جب سختی انتہا کو پہنچی اور مسلمانوں کی وہ حالت ہوئی جس کا ذکر آیت میں ہے تو آپؐ نے سعدؓ بن معاذ اور سعدؓ بن عبادہ سے مشورہ کیا اور فرمایا، ان لوگوں کو کچھ دے دلا کر واپس کیا جائے ان دونوں نے نہایت دلیری اور جوش کے ساتھ جواب دیا اگر اس بارے میں وحی آ چکی ہے تب تو جائے دم زدن نہیں ورنہ ہم ہرگز اس کو پسند نہیں کرتے۔ ان کو تلوار کی کاٹ کے سوا اور کچھ نہ دیں گے۔ یہ سُن کر آپؐ کو ان کی طرف سے اطمینان ہوا۔

اب اُدھر کا حال سنیئے۔ عمرو بن عبدِ وُد نے جو عرب کا نامور پہلوان تھا اپنے ساتھیوں سے کہا، ہم کہاں تک محاصرہ کیے رہیں گے ہم میں اب تابِ ضبط باقی نہیں۔ چلو خندق پھاند کر حملہ کریں۔ غرض چند آدمیوں کو لے کر ایک دروازہ سے اس پار آ پہنچا اور اپنا نیزہ گاڑ کر بجوشِ شجاعت میں اپنا گھوڑا کُدانے لگا۔ اور مقابل طلب کیا۔ حضرتؐ نے اپنے اصحاب سے اس کے مقابلہ کے لیے جانے کو کہا۔ سب نے اپنے سر جھکا لیے۔ حضرت علیؑ کھڑے ہو گئے۔ آپؐ نے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ دوسری بار حضورؐ نے پھر یہی فرمایا، لہٰذا اس بار بھی سب چُپ ہو رہے۔

حضرت عمرؓ نے کہا یا رسولؐ اللہ، کس کو اپنی جان عزیز نہیں کہ اس کے مقابلہ کو جائے۔ میں ایک دفعہ اس کے ساتھ سفر میں تھا کہ ایک ہزار آدمیوں نے ہم پر حملہ کیا، یہ خالی ہاتھ تھا۔ اس نے ایک اونٹ کے بچہ کو اپنی سپر بنا لیا اور ایک کھجور کے درخت کو ہتھیار بنا کر اُن پر حملہ آور ہوا اور سب کو مار کر بھگا دیا۔ اور اُن کو لوٹ بھی لیا۔ اس سے صحابہؓ پر جو اثر ہوا اُس کا آیت میں بیان ہے۔ الغرض سوائے حضرت علیؑ کے اور کوئی اس کے مقابلہ پہ جانے کی ہمت نہ کر سکا جب حضرت علیؑ جانے کے لیے کھڑے ہوئے تو حضرت رسولِ خداؐ نے فرمایا، اے علی سمجھ لو کہ یہ عمرو ہے۔ فرمایا، تو میں بھی علی ہوں۔ غرض تین دفعہ یہ فرمانے کے بعد حضورؐ نے اپنی زرہ حضرت علیؑ کو پہنائی اور اپنا عمامہ باندھا اپنی تلوار دی روانہ کرتے وقت دعا کی، خدایا تُو اس کا ہر طرف سے نگہبان رہنا۔ خدایا میرے تین نگہبان تھے۔ عبیدہؓ کو تُو نے جنگِ بدر میں اُٹھا لیا۔ حمزہؓ کو اُحد میں لے لیا۔ اب یہی ایک باقی رہ گیا ہے تُو ہی اس کا محافظ ہے اور چلتے وقت فرمایا، آج کُل ایمان کُل کفر کے مقابل جا رہا ہے۔

غرض جب شیرِ خدا جنابِ امیر علیہ السّلام اُس کے پاس پہنچے تو پہلے اُس نے آپؑ کے مقابلہ سے انکار کیا۔ حضرت علیؑ کے سرزنش کرنے کے بعد وہ مقابل ہوا۔ دونوں میں حملوں کی ردّ و بدل ہوتی رہی۔ اس قدر غبار بلند ہوا کہ دونوں چھپ گئے۔ آخر اُس نے جھنجھلا کر ایک وار کیا جسے آپؑ نے سپر پر روکا جس سے آپؑ کا سرِ مبارک زخمی ہو گیا۔ پھر آپؑ نے زخم باندھ کر ایک وار ایسا کیا کہ اُس کا پیر کٹ گیا اور وہ بے قابو ہو کر زمین پر گر پڑا۔ آپؑ فوراً اُس کے سینہ پر سوار ہو گئے اور اُس کا سر کاٹنے کے بعد نعرۂ تکبیر بلند کیا اور اس کا سر لے کر خدمتِ رسولؐ میں حاضر ہوئے۔ حضورؐ نے فرمایا،

ضَرْبَةُ عَلِيٍّ يَوْمَ الْخَنْدَقِ اَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ الثَّقَلَيْنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔

(علیؑ کی ایک ضرب خندق کے روز دو جہاں کی عبادت سے بہتر ہے روزِ قیامت تک)

عمرو کے قتل ہونے کے بعد اُس کے ساتھی تتر بتر ہو گئے۔ نوفل بن عبداللہ خندق میں گرا اور اس پر مسلمانوں نے پتھروں کا مینہ برسا دیا۔ جنابِ امیرؑ لوگوں کو ہٹا کر خندق میں کُودے اور اس سے لڑے اور اس کو قتل کیا باقی لوگ بھاگ گئے۔

لشکرِ کفّار میں پھوٹ پڑنے اور ناکام واپس جانے کا سبب یہ ہوا کہ ان لوگوں کے آنے سے تین روز قبل نعیم بن مسعود اشجعی حضرتؐ کے پاس آ کر ایمان لایا اور عرض کی اگر مجھے حضرتؐ کا حکم ہو تو اس کے لیے حاضر ہوں اور اگر اس کی اجازت نہ ہو تو اُن کے درمیان پھوٹ ڈال دوں۔ مگر ممکن ہے کہ اس سلسلہ میں کچھ نازیبا کلمات آپؐ کے متعلق میری زبان سے نکلیں اس کی معافی چاہتا ہوں۔ فرمایا تجھے اختیار ہے۔ غرض وہ پہلے ابوسفیان کے پاس آیا اور کہنے لگا،

خدا تجھے دشمن پر فتح دے۔ تجھے کچھ خبر بھی ہے کہ بنی قریظہ نے جو بدعہدی محمدؐ سے کی ہے اس پر سخت نادم ہیں اور محمدؐ کو یہ کہلا بھیجا ہے کہ ہم عرب لوگوں میں سے کچھ اشراف کو آپؐ کے پاس بطور یرغمال بھیجتے ہیں اگر ہم سے بدعہدی سرزد ہو تو آپؐ ان کو قتل کر دیں اور پھر ہم آپؐ کے ساتھ ہو کر ان سب کو شہر سے نکال باہر کر دیں گے۔ پس اے ابوسفیان اس دھوکہ میں نہ آ جانا، ان سے کچھ لوگ طلب کرو اور انہیں بطور ضامن رکھ کر مکّہ بھیج دو تاکہ اطمینان ہو۔ ابوسفیان یہ سُن کر بہت خوش ہوا اور نعیم کو دعائیں دیں۔

اس کے بعد نعیم بنی قریظہ کے پاس آیا اور ان سے کہا، تمہیں کچھ خبر بھی ہے۔ ابوسفیان یہ کہتا ہے کہ ہم ان یہودیوں کی محمدؐ سے لڑائی کروا دیں گے اور انہی کو آگے کر دیں گے۔ اگر فتح ہوئی تو اور شکست ہوئی تو یہ مارے جائیں گے۔ دیکھو جب تک تم ان کے کچھ لوگ اپنے پاس رہن نہ رکھ لو ان کو اپنے میں شامل نہ کرنا ورنہ دھوکہ کھاؤ گے۔

غرض یوں ایک کو دوسرے سے غیر مطمئن بنانا چاہا۔ یہ خیالات تو فریقین کے دماغ میں چکر کھا ہی رہے تھے اب جو ابوسفیان نے بنی قریظہ کو بُلایا تو وہی دس آدمیوں کے رہن کی شرط پیش کی۔ انہوں نے انکار کیا۔ ابوسفیان برافروختہ ہوا اور نعیم کے بیان کی اُسے تصدیق ہو گئی اور دوستی مخالفت سے بدل گئی۔ یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ خدا نے ان پر آندھی بھیجی۔ جو بہت سرد اور سخت تھی جس سے بہت سے خیمے اکھڑ گئے طنابیں ٹوٹ گئیں گھوڑے بھاگ گئے آنکھوں میں کوڑا کرکٹ پڑ گیا اور آگ بجھ گئی۔ کفّار کے دل خوف سے دہل گئے، سب کے قدم اُکھڑ گئے۔ ابوسفیان بدحواس ہو کر اپنے اونٹ پر سوار ہوا اور اس کے ساتھ سب چلتے ہوئے۔ یوں مسلمانوں کو کامیابی ہوئی۔

جہاں تک تاریخی واقعہ کا تعلق تھا ہم نے مختصراً نقل کر دیا۔

اب ذرا حضرت علی علیہ السّلام کے فضائل پر نظر ڈالیے:

۱۔ عمرو کا ایسا رعب لشکرِ اسلام پر چھایا ہوا تھا کہ مسلمانوں کا خوف سے یہ حال تھا کہ ان کی آنکھیں پتھرا گئی تھیں اور ان کے دل منہ کو آ رہے تھے۔ یہ خوف کی انتہائی صورت ہے۔ کوئی عمرو کا مقابلہ کرنے پر تیار نہ تھا۔ عمرو کی بہادری کے افسانے سنا کر مسلمانوں پر اور زیادہ ہیبت طاری کی جا رہی تھی اور حضرت رسولِ خداؐ کو پریشانی میں ڈالنے کی فکر تھی۔ کیا اس کو اسلامی حمیت کہا جائے گا۔ کیا اس پر حضورؐ کی ہمدردی کا اطلاق ہوتا ہے۔

۲۔ بروایت طبری اس طرح سر جھکائے بیٹھے تھے گویا اُن کے سروں پر چڑیاں بیٹھی ہیں۔ یہ حال صرف ایک شخص کی بہادری سے خوف کھانے کا تھا۔

۳۔ حضرت رسولِ خداؐ کا یہ فرمانا کہ اے علی جس کے مقابلہ کو جاتے ہو یہ عمرو ہے اور علیؑ کا برابر یہ جواب دینا کہ میں بھی علی ہوں اپنی بہادری پر کتنا اعتماد ظاہر کرتا ہے۔

۴۔ علیؑ کو اپنے دستِ مبارک سے سلاحِ جنگ پہنانا اس کی دلیل ہے کہ حضورؐ کو یہ یقین تھا کہ علی علیہ السلام ناکام واپس نہ آئیں گے۔

۵۔ چلتے وقت آنحضرتؐ کا یہ فرمانا، بَرَزَ الْاِیْمَانُ کُلُّهٗ اِلَی الْکُفْرِ کُلِّهٖ (آج پورا پورا ایمان پورے

کفر کے مقابل جا رہا ہے، ایمانِ علیؑ کی انتہائی معراج ہے۔ کُل ایمان کا لفظ سوائے حضرت علیؑ کے اور کسی صحابی کے متعلق کبھی رسولِ خداؐ کی زبانِ اقدس سے نہیں نکلا۔

۶۔ عمرو کے قتل کرنے کے بعد اس کا اسلحہ اور قیمتی لباس اُس کے جسم سے نہ اُتارنا اور لاش برہنہ نہ کرنا بے غرض جنگ کا بہترین ثبوت ہے۔

۷۔ علیؑ کی ایک ضرب کو قیامت تک عبادت ثقلین سے بہتر فرمانا بڑا معنی خیز جملہ ہے۔ اگر اس روز خاکم بدہن رسول قتل ہو جاتے تو اسلام ختم ہو جاتا اور قیامت تک اسلامی دائرہ کے اندر جو عبادت کی جاتی وہ بھی ختم ہو جاتی۔

۸۔ خدا کے متعلق مسلمانوں کا بُرے بُرے گمان کرنا اور خدا و رسولؐ کے وعدوں کو دھوکہ قرار دینا اسلامی کفر نوازی کی ایک زلزلہ خیز داستان ہے جس کے لیے مزید تشریح کی ضرورت نہیں۔

۹۔ اس فتح کا سہرا اگر علیؑ کے سر نہ بندھتا تو مسلمان تجویز کریں کہ اور کس کے سر بندھتا۔ ہے کوئی اور سر جو اس سہرے کے بندھوانے کے لائق ہو۔

وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا
وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا
هِيَ بِعَوْرَةٍ ۛ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ⑬ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ
اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ
اِلَّا يَسِيْرًا ⑭

ایک گروہ کہنے لگا تھا، اے مدینہ والو، اب دشمن کے مقابلہ میں تمہارا کہیں ٹھکانہ نہیں بہتر ہے کہ اب پلٹ چلو اور اُن میں سے کچھ لوگ گھر لوٹ جانے کی اجازت مانگنے لگے تھے اور کہتے تھے ہمارے گھر (مردوں سے) بالکل خالی (غیر محفوظ) پڑے ہوئے ہیں حالانکہ وہ خالی (غیر محفوظ) نہ تھے، وہ تو بس بھاگنا چاہتے ہیں۔ اور اگر ایسا ہی لشکر ان لوگوں پر مدینہ کی طرف سے آپڑے اور ان سے فساد (خانہ جنگی) کی درخواست کی جائے تو یہ لوگ اس کے لیے فوراً آموجود ہوں گے

مغ عند المتقدمين ۱۲

اور اپنے گھروں میں بہت کم توقف کریں گے۔ (اگر جہاد سے گریز ہے)۔

منافق تو ایسے مواقع تلاش کرتے رہتے تھے کہ کسی بہانہ سے جہاد میں شریک نہ ہوں۔ جب بنی قریظہ لشکرِ قریش میں شامل ہو گئے تو انہیں یہ خوف ہوا کہ وہ مدینہ پر حملہ کر دیں گے۔ لہٰذا انہوں نے جہاد پر جانے والوں کو روکنے کے لیے یہ کہنا شروع کیا کہ اب مدینہ غیر محفوظ ہے۔ تم لوگ جاؤ اور واپس آجاؤ۔ بظاہر قرآن کا یہی مطلب تھا لیکن حقیقتاً ان کی مراد یہ تھی کہ دینِ اسلام ترک کر دو کیونکہ اس میں جان و مال کا تحفظ نہیں۔ آئے دن کی لڑائیاں ہیں کہاں تک لڑتے جاؤ گے۔ اور اپنے لیے یہ عذر تراشا کہ جب سب مرد جہاد پر چلے آئے اور ہمارے گھر مردوں سے خالی ہو گئے تو دشمن ہماری عورتوں پر حملہ کر کے ہمیں تباہ و برباد کر دے گا۔ حالانکہ ان کا یہ خیال غلط تھا حملہ کا کوئی خطرہ نہ تھا۔ دوسرے یہ بندوبست حضورؐ کے ذمہ تھا جس کی حفاظت کے لیے آپؐ نے کچھ لوگ چھوڑ دیئے تھے۔ پھر سب سے بڑی خدا کی نگہبانی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ جنگ سے فرار کرنا چاہتے تھے۔ خانہ جنگی کے لیے تو ہر وقت تیار رہتے تھے مگر باہر جانے اور راہِ خدا میں قتال سے جان چُراتے تھے۔

وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ۭ وَكَانَ عَهْدُ
اللّٰهِ مَسْئُوْلًا ⑮ قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ
الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ⑯ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ
مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ۭ وَلَا يَجِدُوْنَ
لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ⑰

حالانکہ ان لوگوں نے پہلے خدا سے عہد کیا تھا کہ دشمن کے مقابلہ میں ہم پیٹھ نہ پھیریں گے اور خدا کے عہد کی پوچھ گچھ تو ایک روز ہو کر رہے گی اے رسول تم ان سے کہہ دو کہ اگر موت یا قتل کے خوف سے بھاگے ہو تو یہ بھاگنا تمہارے لیے مفید نہ ہو گا۔ بس اس دُنیا میں چند روز چین کر لو گے۔ تم ان سے کہو اگر خُدا تم سے بُرائی کا ارادہ کرے تو تم کو اس سے کون بچائے گا اور اگر تم سے بھلائی کرنا

چاہے تو کون روک سکتا ہے اور یہ لوگ خدا کے سوا نہ کسی کو اپنا سرپرست پائیں گے اور نہ مددگار۔

منافقوں نے جنگِ خندق سے پہلے قسمیں کھائی تھیں اور اقرار کیا تھا کہ ہم اس جہاد میں ضرور شریک ہوں گے اور میدانِ جنگ سے ہرگز منہ نہ موڑیں گے لیکن جب سُنا کہ دشمن کی کثرت ہے تو میدانِ جنگ سے فرار کرنے کی سُوجھی اور لگے بہانے تلاش کرنے۔ ان کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ اگر خدا کسی کو ہلاک کرنا چاہے گا یا اس پر کوئی مصیبت نازل کرنی چاہے تو بھلا کس کی مجال ہے کہ اُسے روک سکے۔ کیا وہ گھر میں بستر پر نہیں مار سکتا۔ دُنیا کی جس چند روزہ زندگی پر وہ مرمٹے ہیں وہ ہے کیا، ایک ہوا کا جھونکا ہے، ایک بجلی کی چمک ہے۔

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا ۚ
وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۸﴾ اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۖۚ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ
رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ
فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ؕ
اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ
عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۹﴾

جو لوگ تم میں سے دُوسروں کو جہاد سے روکتے ہیں اللہ ان کو خوب جانتا ہے اور ان کو بھی جانتا ہے جو اپنے بھائی بندوں سے کہتے ہیں ہمارے پاس چلے آؤ اور خود بھی (الزام مٹانے کو) لڑائی کے میدان میں ذرا رُکے اور چلے آئے۔ تم دیکھتے ہو کہ جب لڑائی میں سخت موقع آپڑا تو تمہاری طرف دیکھتے ہیں اور ان کی آنکھیں اس طرح گھومتی ہیں جیسے کسی پر موت کی بیہوشی چھا رہی ہو۔ جب خطرہ ہٹ جاتا ہے (اور ایمانداروں کی فتح ہوتی ہے) تو مالِ غنیمت پر گرنے لگتے ہیں اور تم پر اپنی تیز زبانیں طعنہ کے لیے کھولنے لگتے ہیں۔ یہ لوگ ایمان نہیں لائے۔ اللہ نے

ان کے تمام اعمال ضبط کر لیے اور یہ کام اللہ کے لیے آسان ہے۔

منافقوں کی حالت یہ تھی کہ شرما حضوری کو حضرتؐ کے ساتھ چلے تو جاتے لیکن فکر یہ ہوتی کہ کسی طرح چھپ چھپا کر یہاں سے رفو چکر ہو جائیں۔ لوگوں کو اپنے ساتھ میدانِ جنگ سے نکل بھاگنے کی طرف رغبت دلاتے۔ اگر لڑائی زور پکڑ جاتی اور دشمن کا ذرا سا غلبہ دیکھتے تو اُن کے اوسان خطا ہو جاتے اور اس طرح آنکھیں پھرا کر دیکھتے جیسے مرنے والا دیکھتا ہے۔ یعنی اُن پر سکراتِ موت کا عالم طاری ہو جاتا اور جب خطرہ ٹل جاتا اور مسلمانوں کو فتح ہو جاتی تو شیخی بگھارنے کے لیے آ جاتے اور لفاظی سے کام لینے لگتے کہ ہم نے یہ کیا وہ کیا۔ مالِ غنیمت سے ہمیں اچھا حصّہ دیجئے۔ خدا جانتا ہے کہ یہ لوگ مومن نہیں اس لیے ان کے اعمال ضبط ہو جاتے ہیں۔

يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ
اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ ؕ وَلَوْ كَانُوْا
فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۲۰﴾ ع لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ ع ۲ ۱۸
حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿۲۱﴾
وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ
وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۫ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴿۲۲﴾

(مدینہ کا محاصرہ کرنے والے چل بھی دیئے) مگر یہ لوگ یہی سمجھ رہے ہیں کہ کافروں کے لشکر ابھی نہیں گئے اور اگر کہیں کفار کا لشکر پھر آ پہنچے تو یہ لوگ چاہیں گے کہ کاش وہ جنگلوں میں گنواروں میں جا بستے اور (وہیں بیٹھے بیٹھے) سب حالات دریافت کرتے رہتے اور اگر ان کو تم میں رہ کر کہیں رہنا پڑتا تو (چھدا چھڑانے کو) ذرا دیر کہیں لڑ لیتے۔ مسلمانو، تمہارے لیے تو خود رسول کا (خندق میں بیٹھنا) ایک اچھا نمونہ تھا مگر ہاں یہ اُس شخص کے واسطے ہے جو خدا سے ملنے روزِ آخرت کی

اُمید رکھتا ہو اور خدا کی بکثرت یاد کرتا ہو اور جب سچے مسلمانوں نے کفّار کے جمگھٹوں کو دیکھا تو (بے تکلّف) کہنے لگے یہی چیز تو ہے جس کا خدا اور اُس کے رسول نے وعدہ کیا تھا (اور اس کے دیکھنے سے) اُن کا ایمان اور اُن کی اطاعت اور زیادہ ہو گئی۔

اِن آیات میں مسلمانوں کی اس افسوسناک حالت کا اظہار کیا جا رہا ہے جس کا مظاہرہ اُن سے جنگِ خندق میں ہُوا۔ حالت اُن کی یہ تھی کہ دشمن محاصرہ ہٹا کر چلا بھی گیا مگر یہ لوگ سمجھتے رہے کہ ابھی موجود ہے۔ اور اس ارادہ سے پر تولے بیٹھے رہے کہ موقع ملے تو یہاں سے چل چھپت ہوں اور بدّو عربوں سے مل کر جنگلوں میں اپنی بود و باش اختیار کر لیں تاکہ ان جہادوں کے قصّہ سے نجات مل جائے اور وہیں سے مسلمانوں کی جنگ کی خبریں لوگوں سے معلوم کرتے رہیں۔ اور اگر میدانِ جنگ میں بہ مجبوری انہیں رہنا پڑتا بھی تو بزدلی کا الزام مٹانے کے لیے یُوں جھوٹ مُوٹ تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھ کر دشمن کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہوتے اور دو چار چوٹیں کر کے پھر لشکر میں آ چھپتے۔

کاش یہ لوگ رسولؐ کے رویہ کو اپناتے اور جیسا رسولؐ کو کرتے دیکھتے ویسا ہی خود بھی کرتے۔ رسولؐ نے خندق کھودنے میں سب سے زیادہ حصّہ لیا تھا اور سردی اور بھوک پیاس کی حالت میں محاذِ جنگ پر ڈٹے رہے تھے اپنے بچانے کی کوئی تدبیر نہیں کی۔ دشمن کی کثرت دیکھ کر کبھی خوف و ہراس کو اپنے دل میں جگہ نہیں دی۔ مدینہ میں لوگوں کے ال بچوں کے بچانے کے لیے جو تدبیر سب کے لیے کی وہی اپنے بال بچوں کے بچانے کے لیے کی تھی۔ اپنے گھر کی حفاظت کا خصوصیت سے کوئی اہتمام نہ کیا تھا۔ نہ محاصرہ میں اپنے بچاؤ کے لیے کوئی خاص تدبیر فرمائی تھی۔ وہ ہر حالت میں مسلمانوں کے ساتھ تھے۔

جو صاحبِ ایمان تھے اُنہوں نے تو کبھی ایسے احمقانہ منصوبے نہیں بنائے وہ تو ذرا بھی نہیں ڈرے جب کفّار کو محاذِ جنگ پر دیکھتے تھے تو کہتے تھے یہ وہی وعدہ ہے جسے اللہ و رسولؐ سے ہم نے کیا تھا۔ یعنی اگر ہم اس جنگ میں شہید ہو جائیں گے تو اس کے صلہ میں ہم کو جنّت مل جائے گی اور اگر فتح نصیب ہو گی تو اسلام کا بول بالا ہو گا۔ جب رسولؐ فتح کی پیش گوئی کر چکے ہیں تو پھر کیا وجہ کہ ہم فتحیاب نہ ہوں اور وسوسہ کیسا۔ جو خدا اور رسولؐ کا وعدہ ہے وہ پورا ہو کر رہے گا۔ جنگ کی سختی میں اُن کا ایمان کمزور نہیں ہُوا بلکہ زیادہ ہی ہوتا رہا۔ اور خدا و رسولؐ کی اطاعت و فرمانبرداری کا جذبہ بڑھتا ہی رہا۔

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى
نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾ لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ

الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ
اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۴﴾ ۚ وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا
خَيْرًا ۭ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ﴿۲۵﴾ ۚ وَ
اَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ
قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ﴿۲۶﴾

اور مومنین میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ خدا سے اُنہوں نے (فرمانبرداری کا) جو عہد کیا تھا اُسے پُورا کر دکھایا اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو (مر کر) اپنا وقت پُورا کر گئے اور ان میں سے بعض حکمِ خدا کے منتظر بیٹھے ہیں اور ان لوگوں نے اپنی بات ذرا بھی نہیں بدلی (یہ امتحان) اس لیے تھا کہ سچے ایمانداروں کو ان کی سچّائی کی جزائے خیر دے اور اگر چاہے تو منافقوں کو سزا دے (اگر وہ لوگ توبہ کریں تو) خدا ان کی توبہ قبول فرمائے، بے شک خدا غفور و رحیم ہے اور خدا نے کافروں کو مدینہ سے نکال دیا (اور یہ لوگ) غصّہ میں بھرے ہوئے (نکل گئے) اور اُنہیں کچھ فائدہ بھی نہ ہُوا اور خدا نے مومنوں کو لڑنے کی نوبت نہ آنے دی اور خدا تو (بڑا) زبردست غالب ہے۔ اور اہلِ کتاب میں جن لوگوں (بنی قریظہ) نے کفّار کی مدد کی تھی اُن کو اُن کے قلعوں سے (بے دخل کر کے) نیچے اُتار دیا اور اُن کے دلوں میں تمہارا رعب بٹھا دیا۔ تم اُن کے کچھ لوگوں کو قتل کرنے لگے اور کچھ کو قیدی بنا لیا۔

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ ...... الخ بعض تفاسیر میں ہے کہ جنگِ خندق میں جن لوگوں نے خُدا سے کیے ہوئے وعدہ کو پُورا کیا اُن کے پیشوا جنابِ امیر علیہ السلام ہیں۔ جنہوں نے سب سے پہلے عمرو بن عبدِ ود کو قتل کیا۔

نیچے کی آیات اس واقعہ سے متعلق ہیں کہ جنگِ خندق فتح کرنے کے بعد جب مسلمان مدینہ واپس آئے اور آنحضرتؐ ہتھیار کھول کر ہاتھ پاؤں دھو رہے تھے تو حضرت جبریلؑ بنی قریظہ پر چڑھائی کرنے کا تاکیدی حکم لے کر آئے۔ آپؐ نے

مسلمانوں کو ندا کرائی کہ نمازِ عصر وہیں پڑھیں گے۔ چنانچہ لشکر روانہ ہوا جب وہاں پہنچے تو بنی قریظہ گھبرا گئے۔ اُن کے سردار حی بن اخطب نے کہا، اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو خود مسلمان ہو جاؤ یا اپنے بچوں اور عورتوں کو قتل کر کے دلیری سے مقابلہ کرو۔ آج کی رات شنبہ کی رات ہے۔ محمدؐ ہم سے مطمئن ہیں کہ عبادت کا دن ہونے کی وجہ سے ہم اُن سے جنگ نہ کریں گے لہٰذا ان پر شبخون مارو۔ مگر اُنہوں نے اس رائے کو پسند نہ کیا اور صلح کے درپے ہوئے۔ حضورؐ نے فرمایا، تم پہلے اپنے قلعوں سے باہر نکلو تب مناسب حکم دیا جائے گا۔ مگر وہ باہر نہ آئے یہاں تک کہ پچیس روز ان کو محاصرہ میں گزر گئے اور رسد جو اُن کے پاس تھی ختم ہو گئی۔ تب خود ہی اُتر آئے اور معافی مانگنے لگے۔ حضرتؐ نے فرمایا، تم لوگوں نے معاہدہ کو توڑا اور کافروں کے ساتھ ہو کر ہماری تباہی کے درپے ہوئے۔ پھر میں نے حکم دیا تھا کہ قلعہ سے نکل آؤ، تم نے اُس کو نہ مانا۔ اچھا اب تم اپنے واسطے ایک پنچ مقرر کرو اور جو وہ حکم دے وہ مانو۔ انہوں نے سعدؓ بن معاذ کو پنچ بنایا۔ اُنہوں نے فیصلہ سُنایا کہ اگر یہ ایمان نہ لائیں تو ان کے مرد قتل کیے جائیں اور عورتیں اور بچے قید کر کے لونڈی اور غلام بنائے جائیں۔ غرض اس حکم کی تعمیل کی گئی اور یوں بنو قریظہ کا خاتمہ ہوا۔

وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَـُٔوْهَا ؕ
وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۷﴾ ع ۷ ۱۹

اور پھر خدا نے تم لوگوں کو اُن کی زمین اُن کے گھروں اُن کے مالوں اور اُس زمین (خیبر) کا تمہیں مالک بنا دیا جس پر تم نے قدم تک نہیں رکھا تھا اور خدا تو ہر شے پر قادر ہے۔

خدا کے ان احسانات کو دیکھنے کے بعد بھی اگر تم اُس کے احکام کو نہ مانو اور اُس کے رسولؐ کے فرمانبردار نہ بنو تو تم سے زیادہ ناشکرا کون ہو گا۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا
وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾ وَاِنْ
كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ
لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾ يٰنِسَآءَ النَّبِىِّ مَنْ يَّاْتِ

مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ؕ وَكَانَ
ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾

اے نبی اپنی بی بیوں سے کہو اگر تم زندگانیِ دُنیا اور اس کی آرائش و زینت کی خواستگار ہو تو آؤ میں تم کو کچھ ساز و سامان دے دوں اور بعنوانِ شائستہ رخصت کر دوں اور اگر تم خدا اور اُس کے رسول اور دارِ آخرت کی خواہاں ہو تو خیال رکھو کہ تم لوگوں میں نکوکار عورتوں کے لیے خدا نے یقیناً بڑا اجر و ثواب رکھا ہے۔ اے پیغمبر کی بی بیو، تم میں سے جو کوئی کسی صریحی ناشائستہ حرکت کی مرتکب ہو گی تو (یاد رہے) اُس کا عذاب بھی دوگنا کر دیا جائے گا اور یہ اللہ کے اُوپر آسان ہے۔

ان آیات کی شانِ نزول یہ ہے کہ جب جنگِ خندق کے بعد مالِ غنیمت کے ساتھ حضورؐ مدینہ واپس آئے تو حضرتؐ کی بی بیوں نے کہا کہ جو کچھ آپ کو ملا ہے ہم لوگوں کو دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا میں نے اسے حکمِ خدا کے مطابق مسلمانوں پر تقسیم کر دیا۔ اس پر وہ غصہ سے بولیں کہ کیا آپؐ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر آپؐ ہم کو طلاق دیدیں گے تو ہم کو کوئی دوسرا شوہر نہ ملے گا۔ یہ سُن کر حضرتؐ کو بڑا رنج ہوا اور آپؐ ان سے کنارہ کش ہو کر ۱۹ دن تک مشربۂ اُمِّ ابراہیم میں رہے۔ اسی کے متعلق یہ آیت ہے۔

ان آیات کو پڑھ کر دل پر چوٹ لگتی ہے کہ ازواجِ رسولؐ اور یہ سخت حکم۔ بات یہ ہے کہ خدا نہیں چاہتا تھا کہ رسولؐ کی کوئی بی بی بھی عام عورتوں کی طرح سجی بنی رہے اور اس طرح اپنے گھر میں ساز و سامان رکھنا چاہے جس طرح عام گھروں میں ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر رسولؐ کے گھر میں یہ چیز پائی جائے گی تو پھر اُمّت کی عورتوں کا کیا بنے گا۔ کھُلی ہوئی بُری باتیں جب خدا عام گھروں میں پسند نہیں کرتا تو بھلا رسولؐ کے گھر میں کیوں کر پسند کرے گا۔ اس لیے تنبیہ کی گئی کہ اگر ایسا ہو گا تو تم کو دُگنا عذاب ملے گا۔

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا
مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ
مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ
قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۳۲﴾ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ
تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ
اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ
الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ
اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ﴿۳۴﴾ ۴ ع ۱

تم میں سے جو بی بی خدا اور اس کے رسول کی تابعداری اور اچھے اچھے کام کرے گی تو ہم اُس کو دوہرا ثواب عطا کریں گے اور ہم نے اس کے لیے جنّت میں عزّت کی روزی تیار رکھی ہے۔ اے نبی کی بی بیو تم معمولی عورتوں جیسی نہیں ہو اگر تم کو پرہیزگاری منظور ہے (تو اجنبی آدمی سے) بات کرنے میں نرم نرم (لگی لپٹی) بات نہ کرنا کہ جس کے دل میں (بدکاری) کا مرض ہے وہ کچھ اور آرزو تم سے نہ کرے اور بعنوان شائستہ بات کیا کرو اور اپنے گھروں میں قرار سے رہا کرو اور زمانۂ جاہلیت کی طرح اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھاتی پھرو۔ پابندی سے نماز پڑھا کرو، زکوٰۃ دیا کرو اور خدا اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اے اہلبیت، خدا تو بس یہ چاہتا ہے کہ تم کو ہر قسم کی بُرائی سے پاک رکھے اور جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے ویسا پاک و پاکیزہ رکھے اور تمہارے گھروں میں جو خدا کی آیتیں

اور عقل و حکمت کی باتیں پڑھی جاتی ہیں اُن کو یاد رکھو بے شک خدا بڑا باریک بین اور واقف کار ہے ۔

ازواجِ محرمات کو جو کچھ تنبیہہ ان آیات میں کی گئی ہے ان کے متعلق کچھ لکھنا گستاخی ہوگی ۔ رسولؐ کے گھر کا معاملہ ہے ۔ رسولؐ جانیں اور اُن کی ازواج جانیں ۔ کہا جاتا ہے یہ کسی گناہ کے متعلق تنبیہہ نہ تھی بلکہ اُن کو بتایا جا رہا ہے کہ تم کو بحیثیتِ عمل تمام مسلمان عورتوں کے لیے نمونۂ عمل بننا چاہیئے ۔ بے شک ہونا تو یہی چاہیئے لیکن قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ کی خلاف ورزی اور آیہ اِنْ تَتُوْبَآ اِلَی اللّٰہِ (۴/۶۶ تحریم) کا نزول اس خیال پر جمنے نہیں دیتا ۔

ان آیات کے بیچ میں جو ازواجِ محرمات کے متعلق ہیں ہم کو آیتِ تطہیر بھی نظر آ رہی ہے ۔ بہت کچھ غور کرنے کے بعد بھی یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ آیتِ تطہیر کے اوپر اور نیچے جو آیات ہیں ان کو آیۂ تطہیر سے کیا نسبت ہے اوّل و آخر تنبیہہ اور بیچ میں اُن کی انتہائی فضیلت کا اظہار ایک بے جوڑ بات ہے ۔ آیۂ تطہیر کے اوپر جتنے افعال آئے ہیں وہ سب جمع مؤنث کے صیغے ہیں جیسے : اِنِ اتَّقَیْتُنَّ ۔ فَلَا تَخْضَعْنَ ۔ قَرْنَ ۔ لَا تَبَرَّجْنَ ۔ اَقِمْنَ ۔ اٰتِیْنَ ۔ اَطِعْنَ ۔ اس کے بعد یکایک جمع مذکر حاضر کی ضمیریں استعمال ہونے لگیں عَنْکُمْ ۔ یُطَهِّرَکُمْ ۔ پھر جمع مؤنث کے فعل آنے لگے وَاذْکُرْنَ ۔ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ ۔

اگر آیۂ تطہیر میں ازواجِ رسولؐ شامل ہوتیں تو بجائے مذکر کے اس آیت میں بھی جمع مؤنث حاضر کی ضمیریں ہوتیں ۔ ایسی بے ربطی تو فصیح و بلیغ انسان کے کلام میں بھی نہیں پائی جاتی ، چہ جائیکہ ملکِ العلّام کے کلام میں ۔ سیاق و سباق سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آیتِ تطہیر کا ٹکڑا کہیں اور کا ہے ۔ جو یہاں جامعِ قرآن نے مصلحتاً لا کر رکھا ہے ۔ اس آیت کا مصداق تو وہ گروہ ہونا چاہیئے جس میں اکثریت مردوں کی ہو ۔ چنانچہ جن کی شان میں یہ آیت ہے اُن میں چار مرد ہیں ، آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ۔ حضرت علی علیہ السلام ۔ امام حسنؑ اور امام حسینؑ اور ایک عورت بھی یعنی حضرت فاطمہؑ ۔ پس بقاعدۂ تغلیب ۔ یعنی مردوں کی تعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے ضمیر جمع مذکر حاضر عَنْکُمْ و یُطَهِّرَکُمْ میں لائی گئی ۔

آیتِ تطہیر کا مفہوم بتاتا ہے کہ ان حضراتؑ کو خدا نے ہر قسم کے عیب سے خواہ جسم سے متعلق ہو یا نفس و رُوح سے پوری پوری طرح پاک کر دیا ہے ۔ چنانچہ ان حضراتؑ کے سوانح حیات کو پڑھنے والا ان میں شمہ بھر عیب بھی تلاش نہیں کر سکتا ۔ ان کے سوا اور کسی نے معصوم ہونے کا دعوٰی نہیں کیا ۔

اہلِ بیت کے لفظ سے یہ دھوکا ہوتا ہے کہ اس میں ازواج بھی شامل ہیں ۔ لیکن واقعات بتاتے ہیں ، کہ رسولؐ نے خود اس شبہ کا ازالہ فرما دیا ہے ۔

بالاتفاق تمام مفسرین نے لکھا ہے کہ آیتِ تطہیر خانہ جنابہ ام سلمہ میں نازل ہوئی ۔ اُس وقت جبکہ پنجتن علیہم السلام ایک چادر میں جمع تھے ۔ مباہلہ سے پہلے ۔ اور حضرتؐ نے فرمایا تھا اَللّٰهُمَّ هٰٓؤُلَآءِ اَهْلَبَیْتِیْ (خداوندا یہ میرے اہلبیت ہیں) جناب ام سلمہ نے چادر کا ایک کونہ اُٹھا کر اندر داخل ہونا چاہا ۔ مگر حضورؐ نے اُن کو یہ کہہ کر داخلہ سے

روک دیا اَنْتِ اِلَی الْخَیْرِ (تم نیکی پر ہو) مگر اس مجمع میں شامل نہیں ہو سکتیں ۔ پس اگر ازواج کا شمول ہوتا تو ایک نیک بی بی اس چادرِ تطہیر میں کیوں نہ داخل کر لی جاتی ۔ معلوم ہوا کہ اہلِ بیتؑ کی کوئی صفت نیکی سے بالاتر تھی یعنی یہ سب معصوم تھے ۔ ازواج میں کسی کی عصمت کا دعوٰی کبھی نہیں کیا گیا ۔

دُوسرا عملِ رسولؐ یہ تھا کہ اس آیۂ تطہیر کے نزول کے چند ماہ بعد تک جب نمازِ صبح کے لیے مسجد کو تشریف لے جاتے تو حضرت علیؑ و فاطمہؑ کے دروازہ پر دستک دے کر فرماتے ، اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَهْلَ الْبَیْتِ اَلصَّلٰوةُ اَلصَّلٰوةُ ۔ (تفسیر درمنثور جلد ۵) ۔

تیسرا عملِ رسولؐ یہ تھا کہ جب مباہلہ کے لیے تشریف لے چلے تو آپؐ کے ساتھ سوائے حضرت علی علیہ السلام و حضرت فاطمہؑ اور حضرت امام حسنؑ و حضرت امام حسینؑ ، ازواج میں سے کوئی نہ تھا ۔ معلوم ہوا ، اہلبیتؑ صرف یہی تھے ۔ رسولؐ میں دو جنبہ تھے ۔ ایک جنبہ بشریت تھا دوسرے جنبہ رسالت تھا ۔ بلحاظ بشریت آپؐ کے اہلبیت اور تھے جن میں ازواج شامل ہیں ۔ دوسرے بلحاظ رسالت آپؐ کے اہلبیتؑ اور تھے اور یہ وہی تھے جن کو اپنی رسالت کی تصدیق کرانے کے لیے مباہلہ میں لے کر چلے تھے ۔ کیا وجہ تھی کہ عورتوں میں سوائے حضرت فاطمہؑ کے اور کسی عورت کو ساتھ نہ لیا ۔ اس کی کوئی وجہ بتائی نہیں جا سکتی سوائے اس کے کہ ان کے چہروں پر انوارِ رسالت چمک رہے تھے ۔ پس معلوم ہوا کہ ابنائے محمدؐ اور ہیں اور ابنائے رسالت اور ہیں ۔ نسائے محمدؐ اور ہیں نسائے رسالت اور ہیں ۔ نفسِ محمدؐ اور ہے نفسِ رسالت اور ہے ۔

اہلبیتِ رسولؐ کے فضائل میں جتنی آیات نازل ہوئی ہیں ان سب کو کوئی نہ کوئی من گھڑت تاویل کر کے اس کی فضیلت سے ہٹانے کی کوشش کی گئی ہے مگر آیۂ مباہلہ میں کوئی تاویل بن نہیں پڑی کیونکہ اس میں عملی صورت شامل تھی ۔

علمائے اسلام میں امام احمد حنبلؒ ۔ ابنِ مردویہؒ ۔ ثعلبیؒ اور سیوطیؒ وغیرہ نے تقریباً بیس حدیثیں اس مضمون کی تحریر فرمائی ہیں کہ جب آنحضرتؐ امّ سلمہؓ کے گھر میں آئے اور حضرت علیؑ و فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ کو بلا کر اپنے پاس بٹھایا اور پھر اپنے سمیت سب کو ایک چادر اوڑھا دی اور دعا کی ، خداوندا یہ میرے اہلبیت ہیں ان کو ہر بُرائی سے دُور رکھ اور ہر طرح پاک و پاکیزہ رکھ ۔ یہ سُن کر امّ سلمہؓ نے بھی داخل ہونا چاہا تو روک دی گئیں اور حکم ہوا تم اہلبیت میں نہیں ہو ۔ بلکہ ازواج میں ہو ۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی ۔ اس کے بعد مدتوں ہر نماز کے وقت جب آنحضرتؐ حضرت علیؑ کے مکان کے پاس آتے تو چوکھٹ کو تھام کر فرماتے ، اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَهْلَ الْبَیْتِ ۔ (تفسیر درمنثور سیوطی جلد ۵ ، مطبوعہ مصر) ۔

زید بن ارقم کا قول ہے کہ ازواج اہلبیت نہیں ۔ کیونکہ آج ہیں کل ان کو طلاق ہو گئی الگ ہو گئیں بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جن پر اللہ نے صدقہ حرام کیا ہے ۔

حضرت رسولِ خدا نے حدیثِ ثقلین میں قرآن کے ساتھ اہلِ بیتؑ کو کیا ہے اور اس سے پہلے عِتْرَتِیْ کا لفظ بھی فرمایا ہے جس کے معنی ایک واحد کی اولاد کے ہیں ۔ پس ازواج خاندان سے نہیں تھیں ۔ دوسرے قرآن

جب تک باقی ہے اہلبیتؑ میں سے کسی ایک کا اُس کے ساتھ ہر زمانہ میں باقی رہنا ضروری ہے۔ اس لیے ازواج اہلبیتؑ میں داخل نہیں کیونکہ وہ تو پہلی صدی ہجری ہی میں وصال فرما گئی تھیں۔

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ
وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ
وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ
وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ
كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۳۵﴾

بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور ایماندار مرد اور ایماندار عورتیں، فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں، راست باز مرد اور راست باز عورتیں، صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں، فروتنی کرنے والے مرد اور فروتنی کرنے والی عورتیں، خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں، روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں، شرمگاہوں کی حفاظت کرنیوالے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں، خدا کو بکثرت یاد کرنے والے مرد اور بکثرت یاد کرنے والی عورتیں۔ بے شک خدا نے ان سب کے لیے مغفرت اور بڑا اجر مہیّا کر رکھا ہے۔

تمام مومنین اور مومنات کو ان کے اعمالِ خیر کی طرف توجّہ دلائی جا رہی ہے اور یہ بتایا جا رہا ہے کہ جو لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے ہیں اُن کو صرف کلمۂ طیبہ زبان پر جاری کرنے پر اکتفا نہ کرنی چاہیئے۔ چاہے مرد ہو یا عورت، بلکہ وہ نظامِ حیات اختیار کرنا چاہیئے جو اسلام کا طرۂ امتیاز ہے۔ اسلام نام ہے زندگی بھر عمل نیک کرنے کا۔ روزِ قیامت اللہ ایسے لوگوں کو بہت بڑا اجر دے گا اور ایک ایک نیکی کا دس گنا ثواب دے گا۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ

يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴿۳۶﴾ وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ
اَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِيْ فِيْ
نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ
فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى
الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَ
طَرًا ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۳۷﴾ مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ
فِيْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ؕ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ؕ
وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَا ۙ ﴿۳۸﴾

نہ کسی ایماندار مرد کو یہ مناسب ہے نہ کسی ایماندار عورت کو، کہ جب خدا اور اس کے رسول کسی امر کا حکم دیں تو اُن کو اس کام کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہو۔ جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو وہ کھلم کھلا گمراہی میں مبتلا ہو گیا۔ اے رسول وہ وقت یاد کرو جب اس شخص (زید) سے کہہ رہے تھے جس پر خدا نے بھی احسان کیا تھا اور تم نے بھی کہ اپنی بی بی (زینب) کو اپنی زوجیت میں رہنے دے اور اللہ سے ڈر، اور تم اس بات کو اپنے دل میں چھپاتے تھے جس کو خدا ظاہر کرنے والا تھا اور تم لوگوں سے ڈرتے تھے اور اللہ اس کا زیادہ حقدار تھا کہ تم اس سے ڈرو۔ بس جب زید اپنی ضرورت پوری کر چکا (طلاق دے دی) تو ہم نے (حکم دے کر) اس عورت (زینب) کا نکاح تم

سے کر دیا تاکہ تمام مومنوں کو اپنے لے پالکوں سے نکاح کرنے میں جب اپنا مطلب ان عورتوں سے پورا کر چکیں (طلاق دے دیں) کسی طرح تنگی نہ رہے اور خدائی حکم تو کیا کرایا ہوا (قطعی) ہوتا ہے۔ جو حکم خدا نے پیغمبر پر فرض کر دیا اس کے کرنے میں اس کے لیے کوئی حرج نہیں۔ جو لوگ پہلے گزر چکے ہیں ان کے بارے میں بھی خدا کا یہی حکم تھا (کہ نکاح میں تنگی نہ کی) اور خدا کا حکم تو ٹھیک انداز سے کیا ہوا ہوتا ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں عرب قوم کے اندر کچھ ایسی رسوم پائی جاتی تھیں جن کو اسلام نے جاری نہیں رکھا۔ جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے وہ ان رسوم کو جاری رکھنے پر مُصر تھے اور کسی طرح چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ درصورت اس کی روک تھام میں حضورؐ کو مسلمانوں کی مخالفت کا خوف رہتا تھا۔ لہٰذا پہلی آیت میں یہ حکم نافذ کیا گیا کہ جب کسی معاملہ کا فیصلہ خدا و رسولؐ کر دیں تو پھر کسی مومن و مومنہ کو اس کا اختیار نہیں ہوگا کہ وہ اپنے معاملہ کو اپنی مرضی کے موافق انجام دے۔ جو لوگ نافرمانی کریں گے تو وہ کھلی گمراہی میں مبتلا ہوں گے۔ اس حکم نے کھُلم کھُلا مخالفت سے عملاً تو روک دیا لیکن جو لوگ منافق تھے وہ درپردہ طعنہ زنی کرتے رہتے۔

اگلی آیت کے متعلق واقعہ یہ ہے کہ زید بن حارثہ بن شرجیل کلبی کے بیٹے تھے اور ان کی ماں بنی طے کی شاخ بنی معن سے تعلق رکھتی تھیں۔ ایک قبائلی جنگ میں زید جن کا سن اس وقت آٹھ برس کا تھا قید ہو گئے اور پھر بازار عکاظ کے میلہ میں فروخت کر دیئے گئے۔ حکیم بن خرام نے جو حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے بھتیجے تھے مکہ میں لا کر جناب خدیجہؓ کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کر دیا۔ جناب خدیجہؓ نے زید کو آپؐ کی نذر کر دیا۔ آپؐ نے بیٹے کی طرح زید کو بڑی شفقت و محبت سے پالا یہاں تک کہ لوگ زید کو زید بن محمدؐ کہنے لگے۔ اس وقت عرب میں یہ رسم رائج تھی کہ جس کسی کو لے پالک بنا لیا جاتا تھا اس کو ابنیت کے تمام حقوق حاصل ہو جاتے تھے یعنی وہ ترکہ کے وارثوں میں شامل ہو جاتا تھا اور مرنے کے بعد یا طلاق کے بعد اس کی بی بی اس شخص پر حرام ہو جاتی تھی جس کا وہ لے پالک ہوتا تھا۔ مسلمان ہونے کے بعد بھی وہ لوگ اس رسم پر شدت سے قائم تھے۔

جب زید بالغ ہوئے اور ان کے ماں باپ کو خبر ملی کہ ان کا بیٹا آنحضرتؐ کے پاس ہے تو زید کا باپ اور چچا حضورؐ کی خدمت میں آ کر کہنے لگے کہ ہمارا بیٹا زید آپؐ کے پاس ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس کا معاوضہ جو کچھ آپؐ تجویز فرماویں وہ ادا کر کے زید کو حاصل کر لیں۔ آپؐ نے فرمایا، میں زید کو بلاتا ہوں، اگر وہ تمہارے ساتھ جانے پر راضی ہو تو میں بخوشی بغیر کسی معاوضہ کے تمہارے ساتھ جانے کی اجازت دے دوں گا۔ چنانچہ زید بلائے گئے۔ حضورؐ نے ان کی رائے معلوم کی۔ انہوں نے کہا میں کسی صورت میں بھی آپؐ کے قدموں سے جدا ہونا پسند نہیں کرتا۔ ان کے باپ نے کہا مجھے تعجب ہے کہ تُو اپنے باپ اور اپنے خاندان کو چھوڑ کر ایک شخص غیر کے پاس رہنا چاہتا ہے۔ انہوں نے کہا، ہاں! جن کے پاس میں رہنا چاہتا ہوں وہ نوع انسان کی بہترین فرد ہیں۔ انہوں نے اخلاقِ حسنہ کی جس طرح مجھے تعلیم دی ہے

اور جس شفقت سے مجھے رکھا ہے کسی دوسرے سے ایسا کرنے کی مجھے امید نہیں۔ آخر زید کا باپ مایوس ہو کر چلا گیا اور آپؐ نے زید کو آزاد کر دیا اور ایک بھرے جلسے میں آپؐ نے زید کی آزادی کا اعلان کر دیا۔ چونکہ زید کا تعلق اس خاندانِ گرامی سے قطع ہو گیا تھا لہٰذا حضورؐ نے چاہا کہ اس کی شادی کر دیں تاکہ وہ بفراغت اپنی زندگی بسر کر سکے۔

اب سوال یہ تھا کہ زید کی شادی کہاں ہو؟ عرب غلام کو اپنی بیٹی دینا اپنی انتہائی ذلت سمجھتے تھے اور کسی کنیز سے شادی کرنا حضورؐ زید کی نیک نفسی اور ماں باپ کو چھوڑ دینے کی قربانی پر نظر رکھتے ہوئے پسند نہیں فرماتے تھے۔ لہٰذا آپؐ نے چاہا کہ اپنی پھوپھی کی لڑکی زینب بنت جحش سے زید کی شادی کر دیں۔ اس سے حضرتؐ کا خاص مقصد یہ تھا کہ عرب کی اس رسم کو توڑ دیا جائے کہ لے پالک مثل صلبی فرزند ہوتا ہے اور زید کا مقام بلند ہو جائے اور اپنے خاندان کو چھوڑ دینے سے جو دل شکنی اس کی ہوئی ہے اس کی تلافی ہو جائے۔ نیز یہ رسم توڑ دی جائے کہ غلام کو بیٹی دینا خاندان کے لیے بدنامی کا باعث ہوتا ہے۔

مگر دقت یہ تھی کہ زینب اور ان کے قریبی رشتہ دار اس رشتہ پر کسی طرح راضی نہ تھے اور کہتے تھے کہ ہم عالی نسب ہیں ہماری لڑکی ایک غلام سے نہیں بیاہی جا سکتی۔ لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ و رسولؐ جو فیصلہ فرما دیں کسی مومن و مومنہ کو اس کے خلاف کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ ورنہ درصورت نافرمانی وہ سخت گمراہی میں مبتلا ہو جائیں گے۔ تب وہ راضی ہو گئے اور حضرت زیدؓ کا عقد زینبؓ کے ساتھ پڑھا دیا گیا۔

زینبؓ نے حضورؐ کے حکم کے مطابق زیدؓ کو اپنا شوہر بنانا گوارا تو کر لیا مگر کسی وجہ سے زیدؓ کے ساتھ ان کے تعلقات خوشگوار نہ رہے۔ اول تو یہ کہ زینبؓ حد درجہ حسین تھیں اور زید معمولی شکل و صورت کے تھے۔ دوسرے قریش کی عورتیں ہر مجمع میں طعنہ زنی کرتی تھیں اور کہتی تھیں حضرتؐ نے تمہاری آبرو خاک میں ملا دی۔ تیسرے زید اور ان کے مزاج میں بھی فرق تھا جس کی شکایت اکثر اوقات وہ رسولؐ سے کیا کرتی تھیں۔ غرض ان وجوہ کی بنا پر زید نے ان کو طلاق دے دی۔

اب زینبؓ کی دوسری شادی کا معاملہ بہت زیادہ سخت ہو گیا۔ اول تو وہ ایک غلام کی مطلقہ تھیں۔ کوئی اچھے خاندان والا ان سے رشتہ کرنے پر آمادہ نہ ہوتا تھا۔ دوسرے وہ زید کے رشتہ سے بہت دل شکستہ ہو چکی تھیں۔ تیسرے حضورؐ اس رسمِ بد کا انسداد چاہتے تھے کہ لے پالک مثلِ صلبی فرزند ہوتا ہے، طلاق کے بعد لے پالک بنانے والا اس کی بی بی سے نکاح نہیں کر سکتا۔ ان تمام باتوں پر نظر رکھ کر آپؐ نے زینبؓ کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔ اس سے دو فائدے ہوئے، ایک تو یہ کہ زینبؓ کی دل شکستگی دور ہوئی اور عورتوں میں جو مرتبہ ان کا گر گیا تھا اس کی تلافی ہو گئی۔ دوسرے ایک رسمِ بد کا خاتمہ ہو گیا۔

منافقوں اور یہودیوں نے اس کو خوب اچھالا اور حضرتؐ پر خوب طعنہ زنی کی۔ جس سے حضورؐ کو یہ خوف پیدا ہوا کہ کچھ لوگ دائرۂ اسلام سے خارج نہ ہو جائیں۔ خدا نے اس کے متعلق رسولؐ کو تسلی دی کہ تم لوگوں سے کیوں ڈرتے ہو۔ ڈرنا تو خدا سے چاہیئے نہ ان دشمنانِ دین سے جو خدا کی مصلحتوں کو نہیں سمجھتے۔ جو طریقہ خدا رائج کرنا چاہتا ہے رسولؐ کا

فرض ہے کہ اس کو پورا کرے۔

ان آیات نے چند مسائل پر روشنی ڈالی ہے:

۱۔ مسلمان مسلمان کا کفو ہے۔ مولا و آزاد۔ آقا و غلام سب برابر ہیں۔ حضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے رشتہ کی ایک لڑکی کا عقد زید سے کر کے یہ ثابت کر دیا۔
۲۔ لے پالک فرزند صلبی فرزند کی طرح نہیں ہوتا۔ میراث میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔
۳۔ لے پالک کی مطلقہ بی بی سے اس کا منہ بولا باپ عقد کر سکتا ہے۔
۴۔ غلام سے عقد کے بعد کسی عورت کی خاندانی پوزیشن میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔
۵۔ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خیال کیے بغیر جو امرِ حق ہو اس کو بجا لانا چاہیئے اور طعنہ زنوں کی طعنہ زنی سے خوف نہ کرنا چاہیئے۔

ـ عیسائیوں آریوں اور یہودیوں نے اس سلسلہ میں بہت کچھ حضرتؐ کو موردِ الزام قرار دینے کی مذموم کوشش کی ہے انہوں نے یہ پروپیگنڈا کیا کہ چونکہ حضرت زینبؓ نہایت حسین تھیں اس لیے حضرتؐ اُن سے عقد کرنا چاہتے تھے۔ اور عیسائیوں نے تو یہ بے پَر کی اُڑائی کہ حضورؐ نے ایک دن زینبؓ کو نہاتے ہوئے دیکھ لیا وہ بس اس روز سے اُن پر عاشق ہو گئے۔ چاہتے تھے کہ جب زید طلاق دے دے تو میں زینب سے شادی کر لوں۔ جب زید نے طلاق دینے کا ارادہ کیا تو بظاہر آپؐ نے منع کیا لیکن حقیقتاً آپؐ یہی چاہتے تھے چنانچہ آیت کا یہ حصہ تُخْفِیْ فِیْ نَفْسِکَ مَا اللّٰہُ مُبْدِیْہِ اس کا مؤید ہے یعنی آپؐ عقد کرنے کا خیال چھپائے ہوئے تھے اللہ نے اُسے ظاہر کر دیا۔ (استغفر اللہ نقلِ کفر، کفر نہ باشد)۔ رسولؐ کی بشریت کو اپنی بشریت جیسا سمجھنا ضعفِ عقل و بصیرت ہے۔

ـ ایسے اعتراضات محض بر بنائے تعصب آنحضرتؐ کی عداوت میں کیے جاتے ہیں۔

ان دشمنانِ عقل سے کوئی یہ پوچھے کہ زینبؓ کوئی غیر نہ تھیں جنہیں کبھی دیکھا نہ تھا۔ اپنے خاندان کی لڑکی تھیں بارہا دیکھا ہوگا۔ اگر آپؐ چاہتے تو ان سے پہلے ہی شادی کر سکتے تھے۔ جس عورت پر کسی کا دل ریجھا ہوگا وہ کیسے گوارا کرے گا کہ اس کی شادی کسی دوسرے سے کرا دے۔ رہا دل میں چھپانے کا معاملہ تو خدا نے زید کے طلاق دینے کے بعد آپؐ کو حکم دیا تھا کہ زینبؓ سے شادی کر لو۔ مگر آپؐ اس حکم کو دل میں اس لیے چھپائے ہوئے تھے کہ منافقوں اور دشمنانِ اسلام کے مطعون کرنے کا اندیشہ تھا۔ کیونکہ لے پالک کی مطلقہ بی بی سے عقد کرنا خلافِ رسم تھا۔ پس خدا نے ظاہر کر دیا اور اپنے حکم کی تعمیل کا حکم دے دیا۔ اور فرما دیا کہ سوائے خدا کے کسی سے نہ ڈرو اور جو امرِ حق ہے اسے ظاہر کرتے رہو۔

اَلَّذِیْنَ یُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰہِ وَیَخْشَوْنَہٗ وَلَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰہَ ؕ

وَکَفٰی بِاللّٰہِ حَسِیْبًا ﴿۳۹﴾ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَ لٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ﴿۴۰﴾ ع ۵ ۲

جو لوگ خدا کے احکام لوگوں تک پہنچاتے تھے وہ خدا سے ڈرتے تھے اور اس کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے (پھر تم کیوں ڈرتے ہو) اور اللہ حساب کے لیے کافی ہے۔ محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں بلکہ اللہ کے رسول ہیں اور رسولوں کی مُہر ہیں (اُن پر نبوت ختم ہوتی ہے) اور خدا تو ہر شے سے خوب واقف ہے۔

عرب کا یہ دستور تھا کہ جب اُن کی مروجہ رسوم کے خلاف کوئی عمل ہوتا تھا تو وہ بڑی سختی سے اس کا مواخذہ کرتے تھے، اسے مطعون کرتے تھے۔ اس کا بائیکاٹ کرتے تھے۔ بعض اوقات اس کو اپنے قبیلہ سے خارج کر دیتے تھے۔ لہٰذا جب حضورؐ نے اپنے لے پالک زید کی مطلقہ بی بی سے عقد کیا اور لوگوں نے اس کے خلاف شورش کی، تو حضرتؐ اس بات سے ڈرے کہ ان لوگوں کے غلط پروپیگنڈے کا مسلمانوں پر جو ابھی بہت تھوڑی تعداد میں ہیں، بُرا اثر پڑے گا تو خدا آپؐ کی تسلّی کے لیے فرماتا ہے کہ تم ان سے ڈرو نہیں (یہ امر اللہ کی سنّت ہے اُن لوگوں کے لیے) جو اللہ کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے سوا اور کسی سے نہیں ڈرتے اور محاسبہ کرنے والا تو اللہ ہے۔ جب کسی رسمِ بد کا انسداد منظور ہوتا ہے تو انبیاءؑ اس کی ابتدا اپنے گھر سے ہی کرتے ہیں۔ لوگ زید کو ابنِ محمدؐ کہہ کر پکارتے تھے۔ لہٰذا خدا نے اس کی روک تھام کے لیے فرمایا کہ ہمارے رسولؐ تمہاری امت میں سے کسی کے باپ نہیں اور تم زید کو ابنِ رسولؐ نہ کہا کرو۔ وہ تو حسنؑ و حسینؑ کے باپ ہیں۔ حضرت رسولِ خداؐ نے فرمایا ہے اِنَّ اللّٰہَ جَعَلَ ذُرِّیَّۃَ کُلِّ نَبِیٍّ فِیْ صُلْبِہٖ وَجَعَلَ ذُرِّیَّتِیْ فِیْ صُلْبِ عَلِیِّ ابْنِ اَبِیْ طَالِبٍ۔ (اللہ نے ہر نبی کی اولاد اُس کے صلب میں قرار دی ہے اور میری اولاد صلب علی سے ہے) "ارجح المطالب"

آیہ اَبْنَآءَنَا کی عملی تفسیر میں آپ نے امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو ساتھ لے جا کر ثابت کیا کہ میرے بیٹے یہ ہیں۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اُمت میں کسی کو کوئی نسبی تعلق رسولؐ سے نہیں سوائے حسنینؑ علیہما السلام کے۔

یہ بھی کس قدر لطیف بات ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی دونوں شاخوں میں جو آخری ہادیؑ ہوئے ہیں اُن کا نسبی سلسلہ عورت سے رکھا گیا ہے۔ حضرت اسحاقؑ کے سلسلہ کی آخری کڑی حضرت عیسیٰؑ بھی جو ذریّتِ ابراہیمؑ ہیں ماں کی طرف سے شامل ہوئے یعنی آخری حجت حضرت مریمؑ کے بیٹے ہوئے۔ اسی طرح اسماعیلیؑ سلسلہ کے آخری ہادی حضرت فاطمہؑ کی اولاد میں حضرت امام مہدی علیہ السلام ہوئے۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بیان تو اس بات کا ہو رہا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تمہارے مردوں میں سے

کسی کے باپ نہیں۔ اس کے بعد لٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ کا کیا تعلق ہے۔ بات یہ ہے کہ دو رسموں کا خاتمہ کیا جا رہا ہے اور لوگ مخالف ہیں۔ ان سے کہا جا رہا ہے کہ حکمِ خدا جو شخص تمہیں سنا رہا ہے وہ معمولی آدمی نہیں اللہ کا رسولؐ ہے۔ اور چونکہ وہ خاتم انبیاء ہے۔ اس کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں لہٰذا وہ اپنے سامنے تمام جاہلانہ رسموں کو ختم کر کے جائے گا تاکہ بعد میں کسی نبی کے آنے کی ضرورت ہی نہ رہے۔ چنانچہ حضورؐ نے اپنے عہد میں عرب کی تمام جاہلانہ رسموں کا خاتمہ کر دیا۔

نام نہاد مسلمانوں کا ایک گروہ بجائے خاتَم النّبیّٖن کے خاتِم النّبیین پڑھتا ہے جس کے معنی ہوئے آپ نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں۔ حالانکہ یہ صفت خدا کی ہے خدا ختم کرنے والا ہے نہ کہ نبی آخر الزمان۔ آپؐ تو خاتم ہیں یعنی وہ ذات جن پر نبوت ختم کی گئی ہے۔ یعنی ما تختم بہ۔

حضورؐ کی حدیث جو تمام علمائے اسلام نے لکھی ہے کہ آپؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا یَا عَلِیُّ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰى اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ (اے علی تمہاری منزلت میرے نزدیک وہی ہے جو ہارون کی منزلت موسیٰ کے نزدیک تھی مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا)۔

اب ایک اور طریقہ سے سمجھئے۔ تمام انبیاء احکامِ اخلاق کی تعلیم کے لیے بھیجے گئے کیونکہ معاشرہ کے حسنِ نظام کا تعلق اور دینی و دنیوی فلاح کا انحصار اسی تعلیم پر ہے۔ حضورؐ نے فرمایا ہے اِنِّیْ بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ (میں اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ مکارمِ اخلاق کو مکمل کر دوں)۔ معلوم ہوا کہ بعثت انبیاء کی یہ غرض ہے۔ بعثت رسول سے پہلے تک یہ تعلیم پوری نہ ہوئی تھی۔ اس کی تکمیل کے لیے حضورؐ کو بھیجا گیا جب حضورؐ نے اس کو مکمل کر دیا تو رسالت کے آخری دور میں آیہ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ کی سند حاصل ہوئی جب دین کامل ہو گیا تو پھر اور کسی نبی کے آنے کی ضرورت کیا باقی رہی۔ شریعت محمدیؐ میں چھوٹی چھوٹی چیز کا بھی ذکر کر دیا گیا ہے۔ رفتار، گفتار، کھانے پینے کے اور اُٹھنے بیٹھنے کے طریقے۔ مسواک کرنے کا طریقہ، پاخانہ میں جانے اور بالوں میں کنگھی کرنے تک کے آداب جب بتا دیئے گئے تو اب کیا چیز باقی رہ گئی جس کے بیان کرنے کے لیے کسی نبی کو بھیجا جائے۔ ظلّی یا —— نبی اسلام کی کوئی اصطلاح نہیں بنی ظلّ اللہ یعنی خدا کا سایہ ہوتا ہے۔ پس سایہ کا سایہ کیسا؟ نبی نے اپنے بعد اپنی شریعت کی تبلیغ اور دینِ الٰہی کی ترویج کے لیے اپنے قائم مقام بارہ مقرر کر دیئے ہیں جو سب معصوم ہوئے۔ ان کے ہوتے کسی مرزا یا شیخ کی تعلیم کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ ایک جماعتی نظام کو الٰہی نظام سے کیا تعلق؟

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴿۴۱﴾ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۴۲﴾ هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ

الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ﴿۴۳﴾ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۚۖ وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ﴿۴۴﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۴۵﴾ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿۴۶﴾ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ﴿۴۷﴾ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۴۸﴾

اے ایمان والو، اللہ کا بہت زیادہ ذکر کیا کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح کیا کرو۔ وُہ، وُہ ہے جو تم پر اپنی رحمت بھیجتا ہے اور اس کے ملائکہ بھی تاکہ تمہیں تاریکی سے نکال کر نُور کی طرف لے جائے اور وہ ایمان داروں پر بڑا مہربان ہے جس دن اُس کے حضور میں حاضر ہوں گے اُس دن ان کی مدارات اس کی طرف سے ہر قسم کی سلامتی ہوگی اور خدا نے ان کے لیے بہت اچھا بدلہ (جنت میں) تیار کر رکھا ہے۔ اے نبی ہم نے تم کو گواہی دینے والا، خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا اور خدا کی طرف اُسی کے حکم سے بُلانے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔ اور (اے رسول) مومنوں کو بشارت دو کہ ان کے لیے خدا کی طرف سے بڑی مہربانی اور بخشش ہے اور کافروں اور منافقوں کی اطاعت نہ کرنا اور اُن کی ایذا رسانی کا خیال چھوڑ دو اور اللہ پر بھروسہ کرو اور اللہ کی حمایت تمہارے لیے کافی ہے۔

صَلٰوۃ کے معنی رحمت کے ہیں۔ جب مومنین درود بھیجیں تو اس کے معنی طلبِ رحمت کے ہیں۔ ملائکہ کا درود مومنین کے لیے طلبِ مغفرت ہے اور اللہ کا درود نزولِ رحمت ہے۔

یٰۤاَیُّھَا النَّبِیُّ ۔ یہاں رسالت پر نبوت کو مقدم کر کے خطاب کیا ہے۔ سب سے پہلا جو عہدہ آنحضرتؐ کو

بارگاہِ ایزدی سے عطا ہوا تھا وہ عہدۂ نبوت تھا۔ جیسا کہ حضورؐ نے فرمایا ہے کُنْتُ نَبِيًّا وَّاٰدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ (میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدمؑ آب و گِل میں تھے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ الخ یہ آیت حضور سرکارِ دو عالمؐ کی شان میں ایک بہت بڑا قصیدہ ہے۔ اب اس کے الفاظ پر غور کیجئے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ۔ نبوت رسالت سے پہلے ہوتی ہے۔ کہا جا رہا ہے کہ اے ہمارے نبی کہ جس کی نبوت سب سے پہلے ہے ہم تم کو رسولؐ بنا کر ان اوصاف کے ساتھ بھیجتے ہیں۔

شَاهِدًا۔ تم گواہ ہو ہماری توحید کے۔ اور ہماری طرف سے لوگوں پر بھی گواہ ہو جیسا کہ سورۂ مزمل میں ہے اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا (۷۳/۱۵) (ہم نے تمہاری طرف ایک نبی کو بھیجا جو تم پر گواہ ہوگا جیسے ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا)۔ یعنی تم ہماری وحدانیت کے بھی گواہ ہو اور لوگوں کے اعمال کے بھی۔

مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا۔ یعنی تم اُن لوگوں کو جو اعمال نیک کرنے والے ہیں بہشت کی خوشخبری دینے والے ہو اور بد اعمالوں کو ہمارے عذاب سے ڈرانے والے بھی۔

وَدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ۔ اور خدا کے حکم سے خدا کی طرف لوگوں کو بلانے والے بھی ہو، یہ رد ہے اُن لوگوں کی لن ترانی کا جو کہتے تھے کہ معاذ اللہ حضورؐ سچے نہیں۔ حضورؐ کی دعوت بصیرت کے ساتھ تھی یعنی یوں ہی اندھا دھند لوگوں کو اسلام میں داخل نہیں کرتے تھے بلکہ بصیرت کی روشنی میں مسلمان بناتے تھے جیسا کہ اس آیت سے واضح ہوتا ہے قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ (۱۲/۱۰۸ یوسف) (میں لوگوں کو خدا کی طرف عقل کی روشنی میں بلاتا ہوں، میں بھی اور جو میرا اتباع کریں وہ بھی)۔ اس سے یہ امر واضح ہوا کہ اسلام فطری اور عقلی دین ہے جیسا کہ حدیث میں ہے كُلَّمَا حَكَمَ بِهِ الْعَقْلُ حَكَمَ بِهِ الشَّرْعُ۔ یعنی جو حکم عقل ہے وہی حکم شرع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں عقل انسان کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے شریعت بھی ساتھ چھوڑ دیتی ہے۔ چنانچہ نابالغ انسان جس کی عقل پختہ نہیں اور مجنون سے تکلیف شرعی ساقط ہوتی ہے۔

سِرَاجًا مُّنِيْرًا۔ یعنی ہم نے تم کو روشن چراغ بنایا۔ تمام روشنیوں میں چراغ ہی ایک ایسی روشنی ہے جو امیر و غریب سب کے گھروں کو روشن کرتا ہے چونکہ حضورؐ کی رسالت کا تعلق امیر و غریب سب سے یکساں ہے اس لیے سراجِ منیر آپؐ کی شان میں فرمایا گیا ہے۔

اب غور کیجئے ایک رسولؐ کے لیے جتنی صفات درکار ہوتی ہیں اور اس کی عظمت و جلالت کا پتہ دیتی ہیں وہ سب ان چند الفاظ میں بیان کر دی گئیں۔ کسی نبی کی تعریف اس شان سے نہیں کی گئی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ

قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۴۹﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ز وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ز خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵۰﴾ تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَآ اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا ﴿۵۱﴾

اے ایمان والو، اگر تم مؤمنہ عورتوں سے (بغیر مہر مقرر کیے) نکاح کر لو، اس کے بعد ان کو ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دو تو پھر تم کو ان پر کوئی حق نہیں کہ ان سے عدہ پورا کراؤ۔ ان کو کچھ (کپڑے یا روپے دے کر) عنوان شائستہ سے رخصت کر دو۔ اے نبی ہم نے تمہارے واسطے تمہاری

ان بی بیوں کو حلال کر دیا ہے جن کو تم مہر دے چکے ہو اور تمہاری ان لونڈیوں کو بھی جو خدا نے (بغیر لڑے بھڑے) مالِ غنیمت میں عطا کی ہیں اور تمہارے چچا کی بیٹیاں اور تمہاری پھوپھیوں کی بیٹیاں اور تمہارے ماموں کی بیٹیاں اور تمہاری خالاؤں کی بیٹیاں جو تمہارے ساتھ ہجرت کر کے آئی ہیں (حلال کر دیں) اور ہر وہ ایماندار عورت بھی (حلال کر دی) جو اپنے کو بغیر مہر نبی کو دے دے اگر نبی بھی اس سے نکاح کرنا چاہتے ہوں۔ اے رسول یہ حکم خاص تمہارے ہی لیے ہے مومنین کے لیے نہیں اور ہم نے جو (مہر یا قیمت) عام مومنین پر اُن کی بی بیوں اور اُن کی لونڈیوں کے بارے میں مقرر کر دیا ہے ہم خوب جانتے ہیں (اور تمہاری رعایت اس لیے ہے) کہ تم کو بی بیوں کی طرف سے کوئی دقت نہ ہو اور خدا تو بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ ان میں سے جس کو جب چاہو الگ کر دو، جس کو (جب تک) چاہو رکھو اور جن عورتوں کو تم نے الگ کر دیا تھا اگر پھر ان کے خواہاں ہو تو بھی تم پر کوئی گناہ نہیں یہ (اختیار جو تم کو دیا گیا ہے) ضرور اس لیے ہے کہ تمہاری بی بیوں کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور آزردہ خاطر نہ ہوں اور جو کچھ تم انہیں دے دو سب کی سب اس پر راضی رہیں اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے خدا اُسے خوب جانتا ہے اور خدا تو بڑا واقف کار بردبار ہے۔

ان آیات میں نکاح کے متعلق چند مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی زن مومنہ سے عقد کرے اور وہ اس کو پسند نہ آئے پس اگر خلوت سے قبل وہ اس کو طلاق دے دے تو ایسی صورت میں عورت پر عدت لازم نہیں بلکہ وہ بعد طلاق جس سے چاہے عقد کر سکتی ہے۔ لیکن اس صورت میں لازم ہے کہ مرد اس عورت کو کچھ روپیہ یا جو شادی کا جوڑا وغیرہ اُسے دیا تھا واپس نہ لے اور اسے عزّت و آبرو کے ساتھ رخصت کر دے اور اس کے متعلق دوسروں سے کوئی عیب اس کا بیان نہ کرے تاکہ دوسرے لوگ اس سے عقد کر سکیں۔ آگے چل کر ان عورتوں کا ذکر کیا گیا ہے جن سے نکاح کرنا حضورؐ کے لیے جائز تھا۔ حضورؐ نے جناب خدیجہؓ کے بعد جناب سودہ سے نکاح کیا۔ قبل ہجرت حضرت عائشہؓ سے رخصتی ان کی سنہ ۱ھ میں ہوئی سنہ ۳ھ میں حضرت حفصہؓ سے پھر سنہ ۴ھ میں حضرت اُمّ سلمہؓ سے نکاح کیا اور ان سب کے مہر ادا کیے۔

منافقین یہ اعتراض کرتے تھے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ عام مسلمانوں کو تو بیک وقت چار بی بیاں رکھنے کی اجازت ہو اور حضورؐ کو نو بی بیاں رکھنے کی اجازت دی گئی۔ چونکہ نبی کے ہر عمل کی تاسّی امت پر فرض ہے لہٰذا اس بنا پر امت کے ہر فرد کو نو بی بیاں رکھنے کی اجازت ہونی چاہیے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرتؐ کی کچھ خصوصیات ہیں۔ امت کو ان میں کوئی دخل نہ تھا۔ ان خصوصیات کا عطا کرنے والا خدا تھا اور اسے اختیار ہے کہ اپنے نبیؐ کے لیے کچھ ایسے احکام مخصوص کرے جن کا تعلق اوروں

سے نہ ہو مثلاً نماز تہجد حضرتؐ پر واجب تھی امت کے لیے نفل تھی۔ صدقہ آپؐ پر اور آپؐ کے اہلبیتؑ پر حرام تھا۔ امت کے لیے ایسا نہ تھا۔ عقدِ ہبہ آپؐ پر حلال تھا امت کے لیے نہ تھا۔ آپؐ کے وصال یا طلاق دینے کے بعد امت کے کسی فرد کے لیے حلال نہ تھا کہ آپؐ کی کسی بی بی سے نکاح کر سکے۔ پس نبی کے تمام معاملات میں امت کا مساوی ہونا لازمی نہیں۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ حضورؐ کو نو بی بیاں رکھنے کی اجازت کیوں دی گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ (نعوذ باللہ) آپؐ کی خواہشِ نفسانی زیادہ تھی۔

اس کا جواب چند طریقے سے ہے:

۱۔ حضرتؐ کی پہلی شادی حضرت خدیجہؓ سے ہوئی جبکہ آپؐ کی عمر ۲۵ سال تھی۔ یہ شباب کا زمانہ تھا اس وقت سے لے کر ۵۰ سال کی عمر تک آپؐ نے کوئی دوسری شادی نہیں کی۔ اگر سرکارِ رسالتؐ کو ہوس رانی مقصود ہوتی تو یہ زمانہ چند شادیاں کرنے کے لیے زیادہ موزوں تھا۔ حضرت خدیجہؓ کے بعد آپؐ نے حضرت سودہؓ سے عقد کیا جو ایک سن رسیدہ خاتون تھیں۔ ان کے بعد حضرت عائشہؓ سے عقد کیا۔ جو خواتین آپؐ کی زوجیت میں آئیں وہ سب سن رسیدہ اور بیوہ تھیں ایک عیش پرست انسان ایسی عورتوں سے عقد کرنا پسند نہیں کر سکتا۔

۲۔ آپؐ کے مشن کا تعلق جس طرح مردوں سے تھا اسی طرح عورتوں سے بھی تھا اور قبائلِ عرب میں مختلف تہذیبیں پائی جاتی تھیں لہٰذا ضرورت تھی کہ مختلف قبائل کی عورتوں سے عقد کر کے اُن کے ذریعہ سے اسلامی تہذیب پھیلائی جائے۔ مختلف قبائل کی عورتیں حضورؐ کی ازواج محترمات سے نمونۂ عمل حاصل کریں۔

۳۔ مختلف قبائلِ عرب کی خواتین سے رشتہ کرنے میں ایک خاص فائدہ یہ تھا کہ قبائل کی سرکشی کا سدِّ باب کر کے اُن کی ہمدردی حاصل کی جائے۔

۴۔ مسلمانوں کو چار بی بیاں رکھنے کی اجازت اس صورت میں دی گئی ہے جبکہ وہ چاروں کے درمیان عدل و انصاف سے کام لے سکیں۔ ورنہ پھر ایک ہی کی اجازت ہے۔ لوگ چار بی بیاں کر لیتے تھے لیکن ان کے درمیان انصاف نہیں کرتے تھے اور یہ عذر پیش کرتے تھے کہ انصاف ممکن ہی نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے عملاً دکھایا تھا کہ آدمی اگر چاہے تو چار کیا نو بی بیوں کے درمیان بھی انصاف کر سکتا ہے۔

۵۔ تعدادِ ازواج کے ساتھ امت کو یہ سبق بھی دیا گیا ہے کہ باوجود بی بیوں کی کثرت کے آپؐ دینی اور دنیوی امور کے انجام دینے میں کسی وقت بے خبر نہیں ہوئے۔ جہاد بھی فرماتے تھے معاشرہ کی درستی پر بھی نظر تھی، مسلمانوں کی فلاح و بہبود بھی پیشِ نظر تھی۔ امورِ دینی کی طرف توجہ دلانا بھی مقصود تھا۔ آپؐ کی یہی وہ خصوصیات تھیں جنہوں نے لوگوں کو اسلام کی طرف اس طرح کھینچا جیسے مقناطیس سوئی کو کھینچتا ہے۔

اس کے بعد اُن رشتہ داروں کی ایک فہرست بیان کی گئی ہے جن کی لڑکیوں سے عقد کرنا جائز ہے۔ یہودیوں اور عیسائیوں میں یہ دستور تھا کہ سات پشت تک رشتہ داری کے تعلقات مانع عقد رہتے تھے۔ اس کے معنی یہ تھے کہ خاندان کے اندر کوئی رشتہ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے نسبی تعلقات منقطع ہوتے گئے۔ اور کسی کو کسی سے ہمدردی باقی نہ رہی۔ اسلام نے اس کو ناپسند کیا کہ اپنوں کو چھوڑ کر غیروں سے ناطہ جوڑا جائے۔

نکاح کی ایک اور صورت بھی رسولؐ سے مخصوص کی گئی وہ یہ کہ اگر کوئی عورت بغیر مہر کے اپنے نفس کو رسولؐ کی زوجیت میں دینا چاہے اور رسولؐ بھی اس سے عقد کرنا چاہیں تو کر لیں۔ اس کو نکاح ہبہ کہتے ہیں۔ اس کا واقعہ یہ ہے :

ماہ رمضان سنہ ۲ھ میں قبیلہ بنی اسد کی ایک عورت جس کا نام ام شریک بنت جابر تھا، نفیس جوڑا پہنے اور ہر قسم کی زینت سے آراستہ ہو کر جبکہ حضورؐ حضرت حفصہؓ کے گھر میں تھے آپؐ کے پاس آ کر کہنے لگی، میں ایک کنواری عورت ہوں کسی مرد نے مجھے ہاتھ نہیں لگایا اگر آپؐ مجھے قبول فرما لیں تو میں اپنے نفس کو بخشتی ہوں۔ حضرتؐ نے اُسے دعا دی اور فرمایا اے انصار کی بہن، خدا تجھے جزائے خیر دے۔ تمہارے مردوں نے میری نصرت کی اور عورتوں نے رغبت کی۔ میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا جو خدا کا حکم ہوگا وہ میرے پاس پہنچے گا۔ حضرت حفصہؓ نے کہا اے عورت تو کس قدر بے حیا اور دلیر ہے کہ مردوں پر گری پڑتی ہے۔ حضرتؐ نے اُن سے فرمایا، یہ تجھ سے بہتر ہے کہ اُس نے خدا کے رسولؐ کی طرف رغبت کی ہے اور تو ہے کہ اس سے نفرت کرتی ہے اور حضرتؐ نے اس عورت سے فرمایا کہ اس رغبت کی وجہ سے خدا نے بہشت کو تیرے اوپر واجب کیا۔ غرض یہ آیت نازل ہوئی تو آپؐ نے اسے قبول فرما لیا۔ وہ بے چاری چند ماہ زندہ رہ کر راہیٔ جنت ہوئی۔

زیادہ ازواج کی اجازت حضورؐ کو یوں بھی دی گئی کہ حضرتؐ ازواج کی طرف سے تنگدل نہ ہوں۔ اگر ان میں سے بعض نافرمانی پر کمر باندھیں تو دیگر ازواج سے حضرتؐ کی دلبستگی باقی رہے اور حضرتؐ کو یہ اختیار دیا گیا کہ جس کو چاہیں الگ کر دیں اور جس کو چاہیں رکھیں اور جن کو الگ کر دیا ہے اُن کو پھر اپنے تصرف میں لے سکتے ہیں تاکہ وہ خوش ہوں اور بی بیوں کو یہ ہدایت کی گئی کہ جو کچھ رسولؐ حکم دیں اس پر اعتراض نہ کریں بلکہ بخوشی اُسے مان لیں۔

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ
اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
رَّقِيْبًا ﴿۵۲﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ
لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ۙ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا
طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي
النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۫ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ

مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ؕ
وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ
بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ﴿۵۳﴾

اب ان (نو بی بیوں) کے بعد اور بی بیاں تمہارے لیے حلال نہیں اور نہ یہ جائز ہے کہ ان میں سے کسی کو چھوڑ کر ان کے بدلے اور کسی کو کر لو چاہے اُن کا حسن تم کو کیسا ہی بھلا کیوں نہ معلوم ہو مگر تمہاری لونڈیاں (اس کے بعد بھی تمہارے لیے جائز ہیں) اور خدا تو ہر چیز کا نگہبان ہے۔ اے ایمان والو، تم لوگ پیغمبر کے گھروں میں نہ جایا کرو مگر جب تم کو کھانے کے لیے (اندر آنے کی) اجازت دی جائے مگر اس کے پکنے کا انتظار (نبی کے گھر میں بیٹھ کر) نہ کرو۔ جب تم کو بلایا جائے تو ٹھیک وقت پر جاؤ اور جب کھا چکو تو (فوراً اپنی اپنی جگہ) چلے جایا کرو اور باتوں میں نہ لگ جایا کرو کیونکہ اس سے پیغمبر کو اذیت ہوتی ہے۔ وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں (اور تم سے چلے جانے کو نہیں کہتے) اور خدا تو ٹھیک بات کہنے میں نہیں شرماتا اور جب پیغمبر کی بی بیوں سے کچھ مانگنا ہو تو پردہ کے باہر سے مانگا کرو۔ یہ تمہارے دلوں اور اُن کے دلوں کے لیے بڑی صفائی کی بات ہے۔ تمہارے واسطے یہ جائز نہیں کہ رسول کو کسی طرح کی اذیت دو اور نہ یہ جائز ہے کہ تم اس کے بعد کبھی اس کی بی بیوں سے نکاح کرو یہ خدا کے نزدیک ایک بڑا گناہ ہے

رسولؐ کے لیے یہ حکم تھا کہ جو نو بی بیاں آپؐ کے تصرف میں ہیں اور عسرت کے ساتھ دینی فلاح پر نظر کر کے اپنی زندگی بسر کر رہی ہیں ان ہی کو رہنے دیں۔ یہ جائز نہیں کہ انہیں طلاق دے کر ان کی جگہ دوسری بی بیاں لا بسائیں کیونکہ اس میں بدنامی کی صورتیں پیدا ہو جائیں گی۔ ان نو کے علاوہ جو کنیزیں ہیں ان سے تصرف کر سکتے ہو لیکن ان کی تعداد بھی تھوڑی سی ہونی چاہیئے ورنہ منافقین عیاشی کا الزام عاید کریں گے۔

بعض مسلمان ایسے بے تکلف تھے کہ رسولؐ کے گھر میں بے تحاشا بغیر اجازت لیے گھس جاتے تھے یہ کس قدر بدتمیزی کی بات تھی۔ خدا نے حکم دیا کہ جب گھر کے اندر جانا چاہو چاہے کسی بی بی کے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو پہلے دروازہ پر کھڑے ہو کر اجازت حاصل کرو۔ اگر وہ بلائیں تو اندر جاؤ ورنہ واپس لوٹ جاؤ۔

بدو عرب تہذیب شائستگی سے کوسوں دور مسلمان تو ہو گئے تھے مگر جو پرانی عادات تھیں ان پر عمل کیے چلے

جاتے تھے۔ اس پر بار بار اُن کو ٹوکا جاتا تھا اور ان کو اسلامی تہذیب کے درس دیئے جاتے تھے۔ ایک بار کا قصّہ سنو: جب حضرت زینبؓ بنت جحش سے نکاح فرمایا تو بہت سے لوگوں کو دعوتِ ولیمہ دی۔ جب سب لوگ کھا کر چلے گئے تو دو تین آدمی آپس میں باتیں کرنے لگے اور کیے ہی چلے جا رہے تھے۔ حضرتؐ اس انتظار میں تھے کہ یہ لوگ اُٹھیں لیکن تہذیب اجازت نہ دیتی تھی کہ ان سے کہیں کہ اب تم لوگ باہر جاؤ۔ جب بہت دیر ہوگئی تو آپؐ ٹہلتے ہوئے ازواج کے گھروں کی طرف چلے گئے وہاں سے واپس ہوئے تو بھی ان لوگوں کو بدستور باتیں کرتے پایا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اسی طرح جب کسی کو کوئی چیز ازواجِ رسولؐ سے مانگنی ہوتی تھی تو گھر کے اندر جا کر مانگتا تھا۔ حکم ہوا کہ دروازہ کے باہر سے مانگو۔ اس میں نہ کوئی قباحت ازواج کے لیے ہے نہ مسلمانوں کے لیے۔

ایک بار حضورؐ حضرت عائشہؓ کے ساتھ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے کہ حضرت عمرؓ آ گئے۔ آپؐ نے حضرت عمرؓ سے کھانے کے لیے کہا تو بیٹھ گئے۔ اتفاقاً حضرت عمرؓ کی اُنگلی حضرت عائشہؓ کی اُنگلی سے لگ گئی تو حضورؐ کو ناگوار ہوا۔ اسی وقت آیتِ حجاب نازل ہوئی۔ (تفسیر درمنثور سیوطی جلد ۵)

بعض بدتمیز ایمان سے عاری لوگ کہا کرتے تھے کہ حضورؐ کے وصال کے بعد ہم حضرت عائشہؓ کو اپنی زوجیت میں لے لیں گے۔ خدا نے یہ حکم بھیجا کہ رسولؐ کی کسی بی بی سے اُنؐ کے وصال کے بعد کوئی شخص نکاح نہیں کر سکتا۔ خدا کے نزدیک یہ سب سے بڑا گناہ ہے۔

دنیوی بادشاہوں کے محلات کے بھی کچھ آداب ہوتے ہیں جن کی خلاف ورزی کرنے والے سخت سزا کے مستوجب ہوتے ہیں۔ ان کے محلات کے دروازہ پر پہرہ دار بیٹھے ہوتے ہیں اور کسی کی کیا مجال کہ ڈیوڑھی کے اندر ایک قدم تو بے اجازت رکھ لے یا شاہی بیگمات کی طرف آنکھ اُٹھا کر تو دیکھ لے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بادشاہِ دین و دُنیا تھے وہ اگرچہ عالیشان محلات میں تو نہ رہتے تھے نہ کوئی دربان یا چوکیدار دروازہ پر بیٹھا ہوتا تھا بلکہ وہ عام لوگوں کی سی سادہ زندگی بسر کرتے تھے لیکن نبوت کا ادب و لحاظ رکھنا ہر مسلمان کے لیے ضروری تھا ورنہ توہینِ نبوت تھی۔ اس لیے کچھ قواعد معین کیے گئے تاکہ عام آدمیوں سے پیغمبرؐ کو امتیاز حاصل ہو۔ ان میں سے چند ان آیات میں مذکور ہیں۔

١۔ جو چیز مانگنی ہو باہر سے آواز دے کر مانگو۔
٢۔ بے اجازت رسولؐ کے گھر میں داخل نہ ہو۔
٣۔ جب رسولؐ کھانے پر بُلائیں تو کھانے کے بعد فوراً وہاں سے چل دو۔
٤۔ حضورؐ کی کسی بی بی کے چاہے کتنے ہی قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہو مگر اس کے بدن کو مس نہ کرو۔
٥۔ کسی بی بی سے بے تکلفانہ بات نہ کرو۔
٦۔ حضورؐ سے زیادہ دیر بات چیت میں نہ لگے رہو۔
٧۔ انؐ کے وصال کے بعد انؐ کی کسی بی بی سے نکاح کا ارادہ بھول کر بھی نہ کرو۔

اِنْ تُبْدُوْا شَيْـًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا (٥٤) لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآئِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآئِهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا (٥٥)

تم کسی چیز کو ظاہر کرو یا چھپاؤ اللہ ہر چیز سے بخوبی آگاہ ہے عورتوں کو نہ اپنے باپ داداؤں کے سامنے ہونے میں گناہ ہے نہ اپنے بیٹوں کے نہ اپنے بھائیوں کے نہ اپنے بھتیجوں کے نہ اپنے بھانجوں کے اور نہ اپنی قسم کی عورتوں سے اور نہ اپنی لونڈیوں کے سامنے ہونے میں گناہ ہے (اے پیغمبر کی بی بیو) تم خدا سے ڈرتی رہو اس میں شک نہیں کہ (جو اعمال تم بجا لاتی ہو) خدا ہر چیز سے واقف ہے۔

اس سلسلہ میں وہ تمام رشتہ دار آجاتے ہیں جن سے نکاح حرام ہے۔ خواہ نسبی ہوں یا رضاعی۔ چچا اور ماموں کا ذکر اس لیے نہیں کیا گیا کہ وہ بمنزلہ باپ کے ہیں یا پھر اس لیے ذکر نہیں کیا گیا کہ جب بھتیجے اور بھانجے سے پردہ نہ ہوا تو ان کے باپ سے تو بدرجۂ اولیٰ نہ ہوگا۔

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (٥٦) اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا (٥٧) وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا (٥٨) ع يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى

ع ٦

اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵۹﴾

بے شک اللہ اور اُس کے ملائکہ دُرُود بھیجتے ہیں نبی پر۔ اے ایمان والو تم بھی اُس پر درود بھیجو اور سلام بھیجو جو سلام بھیجنے کا حق ہے۔ جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں اُن کے لیے اللہ کی لعنت دُنیا میں بھی ہے اور آخرت میں بھی۔ اور خدا نے ان کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب مہیّا کر رکھا ہے۔ جو لوگ ایماندار مَردوں اور ایماندار عورتوں کو بغیر کچھ کیے ستاتے ہیں تو وُہ ایک بُہتان اور صریحی گناہ کا بوجھ اپنی گردن پر اُٹھاتے ہیں۔ اے نبی تم اپنی بی بیوں اور اپنی لڑکیوں اور مومنوں کی عورتوں سے کہدو کہ (باہر نکلتے وقت) اپنے (چہروں اور گریبان پر) چادروں کا گھونگھٹ نکال لیا کریں۔ یہ ان کی (شرافت کی) پہچان کے واسطے بہت مناسب ہے تو انہیں کوئی چھیڑے گا نہیں۔ اور خدا تو بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

آیۂ دُرُود کے متعلق چند باتیں قابلِ غور ہیں :

۱۔ صرف نبی پر درود بھیجا جائے یا آل کو بھی شامل کیا جائے۔ لوگوں نے آل کو درود سے الگ کر دیا۔ محض اس لیے کہ شیعہ حضرات آل کو شامل کرتے ہیں۔ ضِد کی تو دوسری بات ہے ورنہ آل کو کسی طرح جُدا نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ محمّد و آلِ محمّدؐ ایک جان دو قالب ہیں۔ جس طرح وہ عالمِ نُور میں شریکِ نورِ رسالت تھے اسی طرح عالمِ ظہور میں بھی شریک ہیں۔ اس کے ثبوت میں ملاحظہ ہو

ل۔ امام فخر الدین رازی نے تفسیرِ کبیر میں لکھا ہے آنحضرتؐ کے اہلبیتؑ پانچ چیزوں میں آپؐ کے برابر ہیں۔ منجملہ ان کے تشہد میں درود بھیجنا۔

ب۔ امام بیہقی نے سنن میں لکھا ہے، مَنْ لَّمْ يُصَلِّ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتِهٖ فَلْيُعِدْ صَلٰوتَهٗ۔ جو نماز میں اہلبیتؑ رسولؐ پر درود نہ بھیجے اُس کو چاہیئے کہ اپنی نماز کا اعادہ کرے۔

ج۔ تفسیر درِ منثور میں امام شافعی کے یہ اشعار موجود ہیں :

يَا اَهْلَ بَيْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ حُبُّكُمُ   فَرْضٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفِى الْقُرْاٰنِ اَنْزَلَهٗ
كَفَاكُمْ بِعَظِيْمِ الْقَدْرِ اَنَّكُمُ   مَنْ لَّمْ يُصَلِّ عَلَيْكُمْ لَا صَلٰوةَ لَهٗ

(اے اہلبیتؑ رسولؐ تمہاری محبت اللہ کی طرف سے فرض ہے اور قرآن میں اس کا ذکر ہے تمہاری عظمتِ قدر کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ جو تم پر دُرُود نہ بھیجے اس کی نماز نہیں ہوتی۔)

د۔ صواعقِ محرقہ میں ہے کہ حضرت رسولِ خدا نے فرمایا ہے لَا تُصَلُّوْا عَلَیَّ الصَّلٰوةَ الْبَتْرَاءَ۔ (میرے اوپر دم بریدہ صلوات نہ بھیجا کرو)۔ لوگوں نے کہا، دُم بریدہ صلٰوۃ کیسے ہوتی ہے۔ فرمایا صرف اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ کہہ کر نہ رہ جایا کرو۔ بلکہ یوں کہو اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ۔

ہ۔ سنن ابوداؤد میں ابنِ شیبہ سے روایت ہے اور اس کی تصحیح امام ترمذی۔ حاکم۔ ابوالقاسم۔ ابنِ خزیمہ اور ابنِ مسعود بدری نے کی ہے کہ لوگوں نے حضرت رسولِ خدا سے پوچھا، آپؐ کو سلام کرنا تو ہم جانتے ہیں مگر ہم آپؐ پر درود کیسے بھیجیں۔ آپؐ نے فرمایا، یوں کہو: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَاٰلِ اِبْرَاهِيْمَ۔

و۔ مواہب الدنیہ میں ہے کہ رسولؐ نماز میں فرماتے تھے، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ۔

۲۔ جب طہارت و تحریمِ صدقہ میں اور وجوبِ محبت میں رسولؐ کے ساتھ آلِ رسولؐ شریک ہیں تو کیا وجہ ہے کہ دُرُود میں شریک نہ ہوں۔

۳۔ جب قرآن میں تمام مومنین پر صلوات بھیجنے کا حکم ہے وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۣ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ (البقر آیت ۵۷)۔ "ان لوگوں کو بشارت دے دو جن پر جب کوئی مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں انا للہ و انا الیہ راجعون، یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی صلوات اور رحمت ہے اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں"

تو کیا آلِ رسولؐ عام لوگوں سے بھی گئے گزرے ہوگئے کہ ان کو درود میں شامل نہ کیا جائے۔

۴۔ کتب احادیث اہلسنت میں امام ترمذی و نسائی وغیرہ نے ایسی احادیث نقل کی ہیں جن میں محمدؐ کے ساتھ آلِ محمّدؐ کو شامل کیا ہے لیکن بعض اہلسنت نے وہاں آل سے مراد تمام امّت لی ہے اور اس کے ثبوت میں واغرقنا اٰلِ فرعون کی آیت پیش کی ہے اور کہا ہے کہ یہاں تمام پیروانِ فرعون مراد ہیں نہ کہ اولادِ فرعون، کیونکہ فرعون تو صاحبِ اولاد تھا ہی نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ وہاں خصوصیت سے ذکر خاندانِ فرعون کے ڈوبنے کا کیا گیا ہے جو برسرِ حکومت تھا۔ اس ڈوبنے کے تحت میں فرعون کے پیرو بھی آجاتے ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے بنی امیہ کا خاندان تباہ کر دیا تو اس تباہی میں ان کی رعایا بھی شامل رہتی ہے لیکن رعایا کا ذکر نہیں کیا جاتا بلکہ حکمران خاندان والوں کا ذکر ہوتا ہے۔ بس آلِ فرعون سے فرعون کے خاندان والے مراد ہیں۔ ان کے ضمن میں تمام فرعون کے پیرو بھی آجاتے ہیں۔

اگر آل کے معنی پیرو یا امّت مراد لیے جائیں تو کیا معنی ہوں گے اس آیت میں وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ کے معنی بنی اسرائیل کے پاس جو تابوتِ سکینہ تھا اس میں بقیہ تھا ان تبرکات کا جو آلِ موسیٰؑ و ہارونؑ نے چھوڑا تھا تو کیا اس سے مراد یہ ہے کہ موسیٰؑ کے تمام پیروؤں نے یا اُن کی امّت نے جو تبرکات چھوڑے تھے اُن سب کا بقیہ اس صندوق میں تھا جسے تابوتِ سکینہ کہتے تھے۔ کوئی ذی عقل اسے کیسے مان سکتا ہے۔ یہاں مراد صرف موسیٰؑ و ہارونؑ کے خاندان والے ہیں یعنی ہارونؑ کی اولاد کے تبرکات تھے یا خود موسیٰؑ و ہارونؑ کے۔ تمام امّت سے کیا واسطہ۔ جب حضرت موسیٰؑ کے اولاد نہ تھی تو لامحالہ ان کی اولاد اولادِ ہارونؑ ہی کہی جائے گی۔ بنی اسرائیل میں ایک نبی ایسے ہوئے کہ ان کے بھائی کی اولاد اُن کی اولاد کہلائی۔ بنی اسمٰعیل میں ایک نبی ایسے ہوئے جن کے بھائیؑ کی اولاد ان کی اولاد کہلائی

یعنی حضور سرکارِ دو عالمؐ کی۔ جیسا کہ حضورؐ نے فرمایا ہے، ہر نبی کی اولاد اس کے صلب سے قرار پائی اور میری اولاد صلبِ علیؑ میں ودیعت ہوئی۔ (ارجح المطالب)۔

پس جب اولادِ علیؑ اولادِ رسولؐ کہلائی تو درود میں انہیں کیوں نہ شریک کیا جائے فاطمہؑ تو بیٹی ہیں ہی۔ رہے علیؑ تو آیۂ مباہلہ بتا رہی ہے کہ وہ نفسِ رسولؐ ہیں پس وہ یوں داخلِ صلوات ہوتے۔

آل و اہل ایک ہی چیز ہیں جیسا کہ اس آیت سے واضح ہوتا ہے۔ جناب موسیٰؑ کی بہن نے کہا، هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ (۲۸/۱۲ قصص) کیا میں ایسا خاندان بتا دوں جو اس لڑکے کو شفقت و محبت سے پالے) یہاں خاندانِ موسوی مراد ہے نہ کہ تمام بنی اسرائیل۔

اسی طرح جب فرشتے جناب ابراہیمؑ کے پاس آئے اور انہوں نے حضرت اسحاقؑ کی پیدائش کی خوشخبری دی تو بی بی سارہؑ کو اس پر تعجب ہوا تو فرشتہ نے کہا، اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ (۷۳/۱۱ ھود) (اے اہلِ بیت کیا تم اس امر سے تعجب کرتی ہو حالانکہ اے اہلِ بیت تم پر اللہ کی برکت ہمیشہ نازل ہوتی رہی یہاں اہلِ بیت سے مراد خاندانِ رسالت ہے نہ کہ پیروانِ جناب ابراہیم علیہ السلام۔

آیہ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ (۳۳/۳ عمران) میں کیا تمام پیروانِ ابراہیم و عمران مراد ہیں۔ کیا سب کے سب چھوٹے بڑے اچھے بُرے انتخاب ہی میں آگئے تھے۔ کیا کوئی عقل اس رائے پر صاد کر سکتی ہے۔

پس یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ جہاں کسی حدیث میں محمدؐ و آلِ محمدؐ ہے وہاں آلِ محمدؐ سے مراد پیروانِ محمدؐ ہیں جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ جملہ امتِ محمدؐ۔ جس میں ہر قسم کے فاسق و فاجر بھی شامل ہیں اللہ اور ملائکہ کے درود کے مستحق ہیں۔

ذرا اس پر اور غور کیجیے آیہ قَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ (۲۸/۴۰ مومن) میں مومن آلِ فرعون جس کی شان میں یہ آیت ہے فرعون کا چچا زاد بھائی تھا یعنی اس کے خاندان سے تھا۔ یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ وہ پیروانِ فرعون میں سے تھا۔ وہ فرعون کا ہرگز پیرو نہ تھا بلکہ موسیٰؑ پر ایمان لانے والوں میں سے تھا۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ جہاں کہیں احادیث میں محمدؐ کے ساتھ آلِ محمدؐ ہے وہاں مراد اہلبیتؑ رسولؐ ہی ہیں۔

اس درود میں اللہ اور ملائکہ بھی چونکہ مومنین کے ساتھ شامل ہیں لہٰذا ہر ایک کے لحاظ سے درود کے معنی الگ ہوں گے۔ مومنین کا درود طلبِ رحمت ہے ملائکہ کا طلبِ مغفرت اور خدا کا نزولِ رحمت۔ پس ملائکہ جیسی معصوم ہستیاں کیا تمام پیروانِ رسولؐ کے لیے جن میں ہر قسم کے لوگ شامل ہیں طلبِ مغفرت کر سکتی ہیں؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ تو صرف انہی کے لیے طلبِ مغفرت کریں گے جو معصوم ہوں اور شریکِ کارِ رسالت ہوں۔

درود کے ساتھ سلام بھیجنے کا بھی حکم ہے مسلمان سلامٌ علیٰ آلِ یٰسین کی جگہ الیاسین پڑھتے ہیں۔ یعنی سلام ہو الیاس کی اولاد پر۔ تعجب کی بات ہے کہ الیاس کی اولاد تو اتنی پیاری کہ اُن پر سلام بھیجنے میں کوئی تکلف نہیں لیکن اپنے نبی کی اولاد سے اتنی دشمنی کہ ان پر درود نہ سلام۔

ایک مفسر صاحب نے لکھا ہے کہ جہاں احادیث میں اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ ہے، وہاں آل سے مراد تابعین رسولؐ ہیں۔ ان سے عرض ہے کہ صلوات بھیجنا واجب ہے کیونکہ صَلُّوْا وَسَلِّمُوْا دونوں امر کے صیغے ہیں جو وجوب پر دلالت کرتے ہیں۔ تو اگر تابعین سے مراد عام تابعین ہیں تو ان کا مرتبہ آنحضرتؐ کے برابر تسلیم کرنا پڑے گا۔ کیونکہ جب ہم کہیں گے اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ تو ایک ہی فعل کے تحت دونوں داخل ہوں گے اور یہ تو رسالت کی کھلی توہین ہے کہ امت کے تمام لوگوں کو اس اعزازی شان میں رسول کے برابر سمجھا جائے۔

صلوات محمدؐ و آلِ محمدؐ کے لیے ایک اعزازی شان ہے۔ کفار و مشرکین آپؐ کو اپنی ذلیل نظروں سے دیکھتے تھے۔ اس آیت نے بتایا کہ خدا کے نزدیک اور فرشتوں کے نزدیک آپؐ کا یہ مرتبہ ہے کہ قیامِ قیامت تک اللہ آپؐ پر نزولِ رحمت کرتا رہے گا اور فرشتے بھی انؐ کے لیے طلبِ مغفرت کرتے رہیں گے۔ محمدؐ و آلِ محمدؐ علیہم السلام رحمتِ الٰہی کا بے بہا خزانہ ہیں۔ مومنین کے لیے طلبِ رحمت کی درخواست پر جو رحمت نازل ہوتی ہے وہ اس خزانہ میں جمع ہوتی ہے اور وہیں سے اُن مومنوں پر تقسیم ہوتی ہے جو ان پر درود و سلام بھیجتے ہیں۔

امام شافعیؒ نے اپنے اشعار میں جو ہم پہلے لکھ آئے ہیں یہ ظاہر فرمایا ہے کہ اے آلِ محمدؐ تمہاری محبت کو خدا نے واجب کیا ہے کیا اہلبیتِ رسولؐ کے سوا مسلمانوں میں کوئی اور گروہ ایسا ہے جس کی محبت واجب ہو۔ اگر ایسا نہیں ہے تو ان پر درود و سلام بھیجنا واجب نہ ہوگا۔

ان آیات کی آخری آیت نمبر ۵۹ میں فرمایا گیا ہے، اے رسولؐ اپنی ازواج و بنات و نساء مومنین سے کہہ دو کہ وہ اپنی چادروں کو اپنے منہ اور گردن پر ڈال لیا کریں۔ اس میں لفظ بنات سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ اگر حضورؐ کی صرف ایک ہی صاحبزادی جناب فاطمہؑ ہوتیں تو بنات بصورت جمع نہ لایا جاتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کئی لڑکیاں تھیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر بنات سے مراد صرف لڑکیاں ہی لی جائیں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ نواسیاں اور پوتیاں اس پردہ کے حکم سے خارج ہیں، حالانکہ ایسا نہیں۔ پوتیاں اور نواسیاں چونکہ اولاد ہی میں داخل ہیں لہٰذا ان کے لحاظ سے بنات بصورت جمع لایا گیا ہے۔ اس سلسلہ کی آیت ۵۵ ملاحظہ ہو جہاں یہ بتایا گیا ہے کہ عورتوں کو کس کس سے پردہ نہ کرنا چاہیئے۔ ان میں بھتیجے اور بھانجے بھی شامل ہیں لیکن چچا اور ماموں کا ذکر نہیں اس لیے کہ وہ مثل باپ کے ہوتے ہیں۔ اس لیے اسی طرح بنات میں پوتیوں اور نواسیوں کا ذکر چھوڑ دیا گیا ہے کیونکہ وہ بنات میں داخل ہیں ورنہ درصورت استثنا ان کے لیے پردہ کا حکم ثابت کیا جائے۔

آخری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیہ حجاب کے نازل ہونے سے پہلے کی ہے۔ اس وقت صورت یہ تھی کہ شرفا کی عورتیں جب پیشاب یا پاخانہ کے لیے گھر سے باہر جاتیں تو شریر لوگ لونڈیاں سمجھ کر چھیڑتے۔ اس لیے ان کے لیے یہ شناخت رکھی گئی کہ وہ اپنا منہ اور چہرہ چھپا کر نکلیں۔ چنانچہ ایسا کرنے کے بعد لوگ احتیاط سے کام لینے لگے۔

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي

الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا (۶۰) مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ
اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا (۶۱) سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ
قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا (۶۲)

(اے رسول) منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں (کفر کا) مرض ہے اور جو لوگ مدینہ میں بُری خبریں اُڑایا کرتے ہیں اگر یہ لوگ (اپنی شرارتوں سے) باز نہ آئیں گے تو ہم تم کو اُن پر مسلط کر دیں گے۔ پھر وُہ تمہارے پڑوس میں چند روز کے سوا ٹھہرنے نہ پائیں گے۔ یہ لعنت کے مارے جہاں کہیں ہتھے چڑھے پکڑے گئے اور پھر بُری طرح قتل کیے گئے۔ جو لوگ پہلے گزر گئے اُن کے بارے میں خدا کی یہی عادت جاری رہی ہے اور یہ کہ خدا کی عادت میں تم ہرگز تبدیلی نہ پاؤ گے۔

منافقین اس کوشش میں رہتے تھے کہ کسی طرح اسلام کی ترقی کو روک دیں اور مسلمانوں کو سرکارِ دوؐ عالم کا مخالف بنا دیں۔ منجملہ ان کی شرارتوں کے ایک شرارت یہ بھی تھی کہ جب کوئی لشکر مدینہ سے باہر جاتا تو یہ جھوٹی خوفناک خبریں اُڑانا شروع کر دیتے تاکہ جو لوگ مدینہ میں ہیں وہ خائف ہو جائیں اور جو مجاہد اپنے بال بچوں کو چھوڑ کر گئے ہیں ان کے اہل و عیال میں ایک اضطرابی صورت پیدا ہو جائے اور وہ مسلمان ہو کر پچھتانے لگیں۔ کبھی یہ خبر اُڑاتے کہ فلاں فلاں شخص مارے گئے۔ کبھی یہ مشہور کرتے کہ دشمن کی فوج بے پناہ ہے اور کبھی کہتے عنقریب مدینہ پر حملہ ہونے والا ہے۔ خدا مسلمانوں کی تسکین کے لیے فرما رہا ہے کہ یہ ملعون لوگ ہیں یہ تمہارے ساتھ زیادہ نہیں رہ سکیں گے۔ ان کا بُرا حشر ہوگا، پکڑے جائیں گے، مارے جائیں گے۔ پچھلے زمانوں میں بھی ایسا ہوتا رہا ہے اور ہم ان لوگوں کو ذلیل و خوار کرتے رہے ہیں۔ خدا کی سنت یہ ہی تھی اب بھی ویسا ہی ہوگا۔ یہ بچ کر جا نہیں سکتے۔ یہ شریر الطبع لوگ بظاہر اپنے کو مسلمان کہتے تھے لیکن ان کے دلوں میں کفر بسا ہوا تھا اور ٹٹی کی آڑ میں شکار کھیلتے تھے۔ مسلمانوں کو بہکاتے رہتے تھے۔

يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَمَا يُدْرِيْكَ
لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا (۶۳) اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا (۶۴)
خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا (۶۵) يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ

فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا (۶۶) وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ
اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاۗءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا (۶۷) رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ
الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا (۶۸) ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ
اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ۭ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا (۶۹)

ع ۸

(اے رسول) لوگ تم سے قیامت کے بارے میں پوچھا کرتے ہیں۔ تم ان سے کہو کہ اس کا علم خدا کے پاس ہے اور تم کیا جانو شاید قیامت قریب ہی ہو خدا نے تو کافروں پر لعنت کی ہے اور ان کے لیے جہنّم کو تیار کر رکھا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور وہاں نہ کسی کو اپنا سرپرست پائیں گے اور نہ کوئی مددگار۔ اس دن اُن کے منہ جہنّم کی طرف پھیر دیئے جائیں گے تب وہ کہیں گے کاش ہم نے اللہ کی اطاعت کی ہوتی اور رسول کی اطاعت کی ہوتی اور یہ بھی کہیں گے، ہم نے اے ہمارے پروردگار اپنے سرداروں اور اپنے بزرگوں کا کہنا مانا تو انہوں نے ہمیں گمراہ کر دیا۔ اے ہمارے پروردگار، ان لوگوں پر دُہرا عذاب نازل کر اور ان لوگوں پر بڑی سے بڑی لعنت کر۔ اے ایمان والو! تم لوگ ان جیسے نہ ہو جانا جنہوں نے موسٰی کو اذیت دی تو خدا نے اُن کی تہمتوں سے موسٰی کو بری کر دیا اور موسٰی خدا کے نزدیک ایک وجیہہ شخص تھے۔

کفار، مشرکین اور منافقین اکثر حضرتؐ سے ازراہِ تمسخر سوال کرتے تھے کہ ہاں صاحب تو قیامت کب آئے گی کوئی دن اس کا مقرر تو کیجیے۔ یوں خالی دھمکی سے کیا فائدہ۔ ان کا یہ مقصد نہیں تھا کہ قیامت کا وقت معلوم کر کے نیکیوں کی طرف مائل ہوں بلکہ حضوؐر سے مذاق کرنا تھا۔ خدا نے فرمایا، اے رسولؐ تم کہہ دو کہ اس کا علم تو خدا کے پاس ہے لیکن اگر میں کہوں کہ وہ قریب ہے تو تم کیا نیک اعمال کرنے پر آمادہ ہو جاؤ گے (ہرگز نہیں) پھر تمہیں اس سے کیا بحث ہے جب آئی ہوگی آ جائے گی۔

مگر یہ سمجھ لو کہ جو لوگ قیامت سے انکار کرنے والے ہیں اُن کا ٹھکانہ جہنّم ہوگا جہاں وہ ہمیشہ اس حال میں رہیں گے کہ کوئی ان کا بچانے والا نہ ہوگا۔

دنیا میں وہ جن سرداروں اور امیروں کے بہکانے میں ساری عمر بسر کرتے رہے قیامت میں پیشِ خدا اُس پر افسوس کرتے نظر آئیں گے لیکن اس ندامت سے ہوگا کیا۔ اب پچھتائے کیا ہوت ہے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔

آخر آیت میں حضرت موسیٰؑ کے متعلق جس اذیت کا ذکر کیا گیا ہے وہ قارون کا اتہام زنا تھا۔ اُس نے ایک عورت کو بہت سی دولت دے کر اس پر آمادہ کیا تھا کہ جب موسیٰؑ بھری مجلس میں ہوں زنا پر وعظ کر رہے ہوں، کہہ دینا آپ نے مجھ سے زنا کیا ہے۔ لیکن وہ ایسا کہہ نہ سکی اور قارون کی اس مکاری کا اظہار کر دیا جو موسیٰؑ کو بدنام کرنے کے لیے اس نے سوچی تھی۔ خدا نے موسیٰؑ کو اس الزام سے بری کر دیا۔

مسلمانوں سے کہا جا رہا ہے کہ تم ہمارے رسولؐ کو ہرگز ایسی افترا پردازی کر کے اذیت نہ دینا۔ غالباً یہ اشارہ ہے منافقوں کی اسی طعنہ زنی پر جو زینبؓ بنت جحش سے عقد کے بعد انہوں نے شروع کر رکھی تھی۔ اوّل یہ کہ اپنے لے پالک بیٹے کی مطلقہ سے نکاح کر لیا۔ دوسرے زیدؓ کو طلاق دینے پر مجبور کیا۔ تیسرے آنحضرتؐ زینبؓ پر عاشق تھے۔ یہ واقعہ پہلے گزر چکا ہے تفصیل وہاں دیکھئے۔

جن لوگوں نے انبیاء پر جھوٹے الزام لگائے وہ خود ذلیل ہوئے اور اللہ نے انبیاءؑ کو ان الزاموں سے بری ثابت کیا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا (۷۰) يُّصْلِحْ لَكُمْ
اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ
فَوْزًا عَظِيْمًا (۷۱) اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ
فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ
ظَلُوْمًا جَهُوْلًا (۷۲) لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ
وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ
غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (۷۳) ع ۹ ع ۵ ۶

اے ایمان والو، اللہ سے ڈرو اور درست بات بولا کرو تو خدا تمہارے اعمال کو درست کر دے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اور جس نے اللہ و رسول کی اطاعت کی وہ اپنی مراد کو اچھی طرح

پہنچ گیا۔ بے شک ہم نے (روزِ اوّل) اپنی امانت آسمانوں۔ زمین اور پہاڑوں کو پیش کی انہوں نے اس کے اُٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے۔ انسان نے اس کو اُٹھا لیا اس لیے کہ وہ (اپنے حق میں) ظالم اور نادان ہے۔ (اس کا) نتیجہ یہ ہوا کہ خدا منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو (ان کے کیے کی) سزا دے گا اور ایمان دار مردوں اور ایماندار عورتوں کی (تقصیرِ امانت کی) توبہ قبول فرمائے گا اور خدا تو بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

اس آیت کے متعلق چند سوالات پر غور کرنا ہے:

۱۔ وہ کیا امانت تھی جس کو خدا نے آسمان و زمین اور پہاڑوں کو پیش کیا۔ اکثر مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ امانت سے مراد نیابتِ الٰہیہ ہے۔ یہ عہدہ چند شرائط کے ساتھ کسی کے سپرد کرنا تھا۔ اپنی تمام کائنات کو اس شخص کے سپرد کرنا تھا جو اس امانت کا امین ہوگا۔ اس کو افعال میں مختار بنایا جائے گا۔ وقتاً فوقتاً اس کا امتحان بھی لیا جاتا رہے گا۔ افعالِ بد کی سزا ملے گی اور افعالِ نیک کی جزا۔ ذرہ بھر نیکی کی ہوگی تو اور ذرہ بھر بدی کی ہوگی تو، سب کا حساب لیا جائے گا۔ غور کیجئے کتنی سخت ذمہ داریاں اس امین پر عاید ہوتی ہیں۔ یہ ذمہ داریاں بتا رہی ہیں کہ اُسے پھونک پھونک کر قدم رکھنا ہوگا۔ راہِ اعتدال پر قائم رہنا ہے کہ درصورتِ نافرمانی اس کو جہنم کا ایندھن بنایا جائے گا جہاں وہ ہمیشہ رہے گا۔

یہ امانت روزِ ازل پیش کی گئی اور وہیں اس کا فیصلہ کیا گیا۔

۲۔ آسمان و زمین اور پہاڑوں پر اس امانت کو کیوں پیش کیا گیا جبکہ خلافتِ ارضی کے فرائض انجام دینے کی ان میں اہلیت نہ تھی۔ اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ آسمان سے مراد اہلِ آسمان یعنی فرشتے اور زمین سے مراد اہلِ زمین یعنی انسان و دیگر مخلوق ہے اور اہلِ جبال سے مراد قومِ جن ہے جن کو خدا نے پہاڑوں پر آباد کیا ہے۔ چونکہ یہ سب ذی عقل و ذی شعور ہیں۔ لہٰذا اتمامِ حجت کے لیے ان تینوں گروہوں کے سامنے امانتِ الٰہیہ کو پیش کیا گیا۔

۳۔ مذکورہ بالا شرائط پر نظر رکھتے ہوئے اہلِ آسمان و اہلِ جبال نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر انکار کر دیا اور وہ ڈر گئے۔ کہ ایسے بال سے باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز راستہ پر کون چلے گا۔ ہماری توبہ ہے ہمارے بس کا یہ روگ نہیں۔ آزادی سے اپنی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ یہ تاج اپنے سر پر رکھ کر کون بے شمار مصیبتوں میں اپنے کو پھانسے۔

اب حضرتِ انسان کی سنئے اس امانت کے اندر حکومت کی چمک دیکھ کر رال ٹپک گئی اور جھٹ اقرار کر لیا کہ اس بار کو اُٹھا لوں گا۔ ایسا کیوں کیا اس لیے کہ قوتِ شہوی کی بنا پر جاہل تھا اور قوتِ غضبی کی بنا پر ظالم نے فوراً ہاتھ ڈال دیا اور یہ امانت کا تاج اپنے سر پر رکھ لیا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس کام کو اس کے سوا دوسرا کر بھی نہیں سکتا تھا۔ ظالم اور جاہل ضرور تھا لیکن اس کے ساتھ عقل کا پتلا بھی تھا۔ ان سرکش قوتوں کا گلا گھونٹنا بھی جانتا تھا۔ گرنے پر آئے تو حیوانوں سے بدتر ہو جائے۔ اُبھرنے پر آئے تو فرشتوں سے اونچا جائے۔ نیک و بد دونوں راستوں کو سمجھنے والا بھی ہے، صاحبِ اختیار بھی ہے۔ جس

راستہ کو چاہے اختیار کرلے۔ جو لوگ غور و فکر سے کام نہیں لیتے اُن کی تو بلا جانے۔ رہے منازلِ حیات پر سوچ سمجھ کر چلنے والے تو وہ جانتے ہیں کہ انسان کیسے خطرناک موڑ پر کھڑا کیا گیا ہے۔ اس کے ایک طرف بدبوؤں کا انبار ہے اور دوسری طرف خوشبوؤں کا ذخیرہ۔ اس کو بیچ میں کھڑا کر دیا گیا ہے اور اختیار دیا گیا ہے کہ ان میں سے جس طرف کی جو چیز پسند ہو، اٹھاتا ہوا زندگی کی آخری منزل تک پہنچ جائے۔ اس کا دامنِ دل دونوں طرف کھنچ رہا ہے۔ اب اپنے اختیار کو صحیح طریقہ سے صرف کرنا اس کی فلاح کا باعث ہوگا ورنہ ذرا سی چوک میں جہنم رسید۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ امانت سے مراد معرفتِ الٰہی ہے یہ انسان کے سوا کسی دوسری مخلوق کو اس مقام تک نہیں پہنچا سکتی جس سے بالاتر کوئی مقامِ معرفت نہیں۔ انسان سے کمتر حیوان ہے اس کا معرفت سے کوئی تعلق نہیں اس لیے وہ مکلف نہیں۔ اس کے اندر شوقِ معرفت کا بھی فقدان ہے۔ انسان سے بالاتر ملائکہ ہیں ان کی معرفت محدود ہے جو جس مقام پر ہے قیامت تک اسی جگہ رہے گا جو قیام میں ہے وہ قیام ہی میں رہے گا جو رکوع میں ہے وہ رکوع میں ہی رہے گا جو سجدہ میں ہے وہ سجدہ میں ہی رہے گا۔ معرفت میں کوئی ترقی اس کے لیے نہیں۔ ان دونوں کے بیچ میں انسان ہے، جو اگر شوقِ معرفت نہیں رکھتا تو حیوانوں سے جا ملتا ہے اور مکلف ہونے کے باوجود وہ قلادۂ تکلیف اپنی گردن سے نکال دیتا ہے۔ اور اگر شوقِ معرفت ہے تو ترقی کرتا کرتا کُن فیکون کی دولت پالیتا ہے اور فرشتے اس کی منزلِ معرفت کو تکتے رہ جاتے ہیں۔

ایک اہم سوال یہ ہے کہ یہاں تک مفسرین نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ نوعِ انسان سے من حیث الانسان متعلق ہے۔ لیکن امانت یا خلافت الٰہیہ کا تعلق تو انبیاء و مرسلین سے ہوتا ہے اور آیت میں ظلم و جہول کا لفظ ہے۔ انبیاءؑ میں یہ عیب ہوتے نہیں پھر امانت کا تعلق اُن سے کیسے ہوگا۔

ظَلُوۡمًا جَهُوۡلًا کا لفظ نوعِ انسانی کی فطرت و جبلت کی بنا پر کہا گیا ہے یعنی قوتِ غضبی اور شہوی کے لحاظ سے اور یہ دونوں قوتیں ہر نبی و رسول میں ہوتی ہیں۔ اگر یہ دونوں قوتیں نہ ہوں تو وہ حکومتِ الٰہیہ کے فرائض انجام دے ہی نہیں سکتا۔ پھر ان کو جو روحِ نبوتی دی جاتی ہے اس سے وہ ان قوتوں پر اس طرح کنٹرول کرتے ہیں کہ ان کا ایک قدم جادۂ اعتدال سے نہیں ہٹتا۔ وہ ان دونوں قوتوں سے کام لیتے ہیں مگر بہت سوچ سمجھ کر۔ اگر ان میں قوت غضبی نہ ہوتی تو کفار و مشرکین سے جنگ نہ کر سکتے اور اگر شہوی نہ ہوتی تو ان کے اولاد نہ ہوتی اور کھانے پینے کی طرف رغبت نہ ہوتی۔

بہرحال آیت میں الانسان سے مراد تمام انسان نہیں بلکہ الف لام تخصیصی کی بنا پر وہ انسان مراد ہوگا جو انتخابِ الٰہی میں آچکا ہوگا۔ عام انسانوں میں تو فاسق و فاجر ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ وہ امانت و خلافتِ الٰہیہ کے امین کیسے بن سکتے ہیں۔

(۳۴) سُوۡرَةُ سَبَاٍ مَّكِّيَّةٌ (۵۱)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ وَلَهُ الۡحَمۡدُ فِی الۡاٰخِرَةِ ؕ وَهُوَ الۡحَكِیۡمُ الۡخَبِیۡرُ (۱) یَعۡلَمُ مَا یَلِجُ فِی الۡاَرۡضِ وَمَا یَخۡرُجُ مِنۡهَا وَمَا یَنۡزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعۡرُجُ فِیۡهَا ؕ وَهُوَ الرَّحِیۡمُ الۡغَفُوۡرُ (۲) وَقَالَ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا لَا تَاۡتِیۡنَا السَّاعَةُ ؕ قُلۡ بَلٰی وَرَبِّیۡ لَتَاۡتِیَنَّكُمۡ ۙ عٰلِمِ الۡغَیۡبِ ۚ لَا یَعۡزُبُ عَنۡهُ مِثۡقَالُ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الۡاَرۡضِ وَلَاۤ اَصۡغَرُ مِنۡ ذٰلِكَ وَلَاۤ اَكۡبَرُ اِلَّا فِیۡ كِتٰبٍ مُّبِیۡنٍ (۳) ۙ لِّیَجۡزِیَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّرِزۡقٌ كَرِیۡمٌ (۴)

حمد صرف اُسی اللہ کے لیے ہے کہ آسمان و زمین میں جو کچھ ہے اسی کا ہے اور آخرت میں حمد اسی کے لیے ہے اور وہ صاحبِ حکمت اور واقف کار ہے۔ جو چیز زمین میں داخل ہوتی ہے اُسے بھی جانتا ہے اور جو اس سے نکلتی ہے اُسے بھی اور جو آسمان سے برستا ہے اُسے بھی اور جو چیز اس پر چڑھتی ہے (بخارات، فرشتے وغیرہ) اُسے بھی جانتا ہے اور وہ بڑا رحم کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔ کافر لوگ کہتے ہیں ہم پر تو قیامت آئے گی ہی نہیں۔ اے رسول تم کہدو قسم ہے اپنے رب کی وہ تم پر ضرور آئے گی۔ وہ غیب کا عالم ہے۔ آسمانوں میں یا زمین میں کوئی چیز ذرہ برابر بھی اُس سے

چھُپی ہوئی نہیں کوئی چیز ذرّہ سے بھی چھوٹی ہو یا بڑی وُہ روشن کتاب کے اندر لکھی ہوئی ہے تاکہ جو لوگ ایمان والے ہیں اور جنہوں نے نیک کام کیے ہیں ان کو اجر دے یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے بخشش ہے اور اچھّا رزق ہے۔

جو گنہ گار لوگ چھُپ کر گناہ کرتے ہیں اور اس پر خوش ہوتے ہیں کہ ہمیں کسی نے دیکھا نہیں اس آیت سے ان کو عبرت حاصل کرنی چاہیئے۔ ایک گناہ بندوں سے تو چھُپ سکتا ہے لیکن وہ خدا سے کیسے چھُپ سکتا ہے۔ اگر ایک بال بھی کسی کا چرایا ہے اور کسی نے دیکھا نہیں تو خدا نے اس کو دیکھ لیا ہے اور روز قیامت نامۂ اعمال میں وہ بھی درج ہوگا اور اُس کا حساب بھی دینا ہوگا۔

وَالَّذِينَ سَعَوْ فِيٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِينَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ⑤
وَيَرَى الَّذِينَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ
وَيَهْدِيٓ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ⑥ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ
نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ اِنَّكُمْ لَفِيْ
خَلْقٍ جَدِيْدٍ ⑦ اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ۭ بَلِ الَّذِيْنَ
لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ ⑧

جن لوگوں نے ہماری آیتوں کی تحقیر کی کوشش کی ہے ان ہی کے لیے دردناک عذاب کی سزا ہوگی۔ اے رسول جن لوگوں کو ہماری بارگاہ سے علم عطا کیا گیا ہے وہ جانتے ہیں کہ جو قرآن تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل ہوا ہے وہ بالکل ٹھیک ہے اور سزاوارِ حمد و ثنا غالب خدا کی راہ دکھاتا ہے۔ کفار (ازراہِ تمسخر باہم) کہتے ہیں کہ کہو تو ہم تمہیں ایسا آدمی (محمدؐ) بتا دیں جو تم سے بیان کرے گا کہ جب تم (مرکر) ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو تم لوگ ایک نئے جنم میں آؤ گے کیا اس شخص (محمدؐ)

نے خدا پر جھوٹ طوفان باندھا ہے یا اسے جنوں ہوگیا ہے (نہ محمدؐ جھوٹا ہے نہ اُسے جنوں ہے) بلکہ وہ خود جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے عذاب اور پرلے درجہ کی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔

عہدِ رسالت میں بہت سے لوگ اس کوشش میں لگے رہتے تھے کہ کسی طرح کسی آیت کے مضمون کو جھوٹا ثابت کر دیں مگر یہ توان کے بس کی بات نہ تھی۔ اپنی کوششوں میں ناکام رہتے تھے۔ جن لوگوں کو خدا کی طرف سے علم دیا گیا تھا وہ کہتے تھے جو کچھ خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے وہ بالکل ٹھیک ہے اس میں چون وچرا کی گنجائش نہیں۔ ایسے لوگ جن کو خدا کی طرف سے علم دیا گیا ہے یا تو انبیاءؑ ہوتے ہیں یا اہلبیتؑ طاہرین۔ ان کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ کسی وقت ان کے دل میں احکامِ الٰہی کے متعلق کبھی کوئی شائبہ بھی پیدا نہیں ہوتا۔ برخلاف اس کے جن کو دُنیا والوں سے علم حاصل ہوتا ہے ان کے دلوں میں چھوٹے بڑے بہت سے شبہے پیدا ہوتے رہتے ہیں۔

ساتویں آیت میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ کافر لوگ حضرت رسولِ خداؐ کو جھٹلانے میں تو کامیاب نہ ہوتے تھے، کیونکہ مشرکینِ مکہ آنحضرتؐ کو صادق اور امین تسلیم کر چکے تھے۔ البتہ قیامت کے مسئلہ میں ان کو مذاق اڑانے کا موقع ملتا تھا۔ آپس میں کہتے تھے یہ شخص کہتا ہے کہ جب ہم مرکر گل سڑ جائیں گے، ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو قیامت میں ہمیں پھر ایک نیا جنم دے کر اُٹھایا جائے گا۔ بھلا یہ بھی کوئی عقل میں آنے والی بات ہے۔ پس یا تو یہ شخص اللہ پر افترا پردازی کرتا ہے یا اُسے جنون ہوگیا ہے۔ غرض اس طرح حضرتؐ کی بات اُکھاڑنا چاہتے تھے لیکن کس کی طاقت تھی کہ خدا کی ہدایات کا دروازہ بند کر سکتا۔

اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۭ
اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَاۗءِ ۭ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ⑨ ع ۹

کیا ان لوگوں نے زمین و آسمان میں جو کچھ ان کے آگے پیچھے ہے کبھی غور سے نہیں دیکھا اگر ہم چاہیں تو زمین میں ان کو دھنسا دیں یا آسمان کا کوئی ٹکڑا ہی ان پر گرا دیں۔ پھر خدا کی طرف رجوع کرنے والے ہر بندے کے لیے اس میں خدا کی نشانیاں ہیں۔

نافرمان بندے کبھی اس پر غور نہیں کرتے کہ خدا باوجود ان کی نافرمانی کے اُن کو مہلت دے رہا ہے اگر وہ چاہتا تو

بات کہتے ان کو ہلاک کر دیتا۔ بہت سے لوگ ہیں کہ کبھی اس پر غور نہیں کرتے کہ خدا نے ان پر کیا کیا احسان کیے ہیں۔ کیا اُن کا یہی بدلہ ہے کہ اس پر ایمان نہ لایا جائے اور اس کے احکام کی تعمیل میں سرکشی سے کام لیا جائے۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ط یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَهٗ وَالطَّیْرَ ج وَ
اَلَنَّا لَهُ الْحَدِیْدَ ⑩ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِی السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا
صَالِحًا ط اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ⑪ وَلِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ غُدُوُّهَا
شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ج وَاَسَلْنَا لَهٗ عَیْنَ الْقِطْرِ ط وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ
یَّعْمَلُ بَیْنَ یَدَیْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ط وَمَنْ یَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ
مِنْ عَذَابِ السَّعِیْرِ ⑫ یَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا یَشَآءُ مِنْ مَّحَارِیْبَ وَ
تَمَاثِیْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِیٰتٍ ط اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ
شُكْرًا ط وَقَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّكُوْرُ ⑬

اور ہم نے داؤد کو اپنی بارگاہ سے بزرگی عطا کی (اور پہاڑوں کو حکم دیا) اے پہاڑو تسبیح کرنے میں اُن کا ساتھ دو اور پرند کو اس کا تابع کر دیا اور ان کے لیے لوہے کو نرم کر دیا کہ فراخ و کشادہ زرہیں بناؤ اور (کڑیوں کے) جوڑنے میں اندازہ کا خیال رکھو اور تم سب اچھے اچھے کام کرو، جو کچھ تم کرتے ہو میں اس کو دیکھ رہا ہوں۔ اور ہوا کو سلیمان کا تابعدار بنا دیا۔ اس کی صبح کی رفتار ایک مہینہ کی راہ تھی اور شام کی بھی ایک ماہ کی مسافت اور ہم نے اس کے لیے تانبے کو پگھلا کر چشمہ جاری کر دیا تھا اور جنّات کو ان کا تابع کر دیا تھا کہ ان میں سے کچھ جنّ ان کے پروردگار کے حکم سے ان کا کام کاج کرتے تھے ان میں سے جس نے ہمارے حکم سے انحراف کیا اسے ہم جہنّم کے عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ غرض

سلیمان کو جو کچھ بنوانا منظور ہوتا یہ جنّات ان کے لیے بناتے تھے۔ مسجدیں۔ محل۔ قلعے اور (فرشتوں اور انبیاء کی) تصویریں اور حوضوں کے برابر پیالے اور بڑی بڑی دیگیں ایک جگہ گڑی ہوئی۔ اے اولادِ داؤد اللہ کا شکر کرتے رہو۔ میرے بندوں میں شکر کرنے والے بہت کم ہیں۔

ان آیات میں چند باتوں پر روشنی ڈالنا ضروری ہے :

۱۔ حضرت داؤدؑ ایک غریب آدمی کے بیٹے تھے اور پتلے سے جسم والے تھے لیکن جب طالوت کے لشکر میں شامل ہو کر انہوں نے اپنی گوپھن سے ایک پتھر مار کر جالوت جیسے گرانڈیل دشمن کو قتل کر دیا تو ان کا وقار بہت بلند ہو گیا۔ طالوت کے مرنے کے بعد ایک چھوٹی سی سلطنت کے مالک ہوئے اس کے بعد تمام بنی اسرائیل پر ان کی حکومت قائم ہو گئی۔

۲۔ حضرت داؤدؑ پر زبور نازل ہوئی۔ جو مناجات کا مجموعہ تھی۔ جب بستی سے باہر جا کر کھلے میدان میں نہایت خوش الحانی سے تلاوت کرتے تھے تو پرندے ان کے گرد جمع ہو جاتے تھے اور نہایت شوق سے ان کی تلاوت سنتے تھے۔ ان کی تسبیح کے ساتھ پہاڑوں سے بھی تسبیح کی آواز آتی تھی۔ یہاں یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ پہاڑ بے زبان ہیں ان کا تسبیح سے کیا تعلق۔ اگر بطور صدائے بازگشت کوئی آواز آتی ہو گی تو وہ پہاڑوں کی تسبیح نہیں کہی جا سکتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ صدائے بازگشت ہوتی تو خدا اس کو اپنے ان احسانات کی فہرست میں نہ رکھتا جو اُس نے داؤدؑ پر کیے تھے۔ اگرچہ ہمارے نزدیک پہاڑ قابلِ تسبیح نہیں لیکن ان کے خالق نے تو ان کو قابلِ تسبیح بنایا ہے۔ جیسا کہ فرماتا ہے (کوئی شے ایسی نہیں جو خدا کی تسبیح نہ کرتی ہو لیکن تم اس کی تسبیح کو سمجھتے نہیں)۔ سورۂ ص میں حضرت داؤدؑ کے لیے پہاڑوں کی تسخیر کا ذکر ہے۔ سورۂ انبیاء میں بھی یہ ذکر ہے۔ اگر پہاڑ ان کے ساتھ تسبیح نہ کرتے ہوتے تو بار بار اس کا ذکر کیوں ہوتا۔

۳۔ "ہم نے ان کے لیے لوہے کو نرم بنا دیا"۔ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کا خاص معجزہ تھا کہ لوہا ان کے ہاتھ میں آتے ہی موم کی طرح نرم ہو جاتا تھا اور وہ اس سے تار بنا کر زرہ کی کڑیاں بناتے تھے اور اس میں چھوٹے چھوٹے حلقے ہونے کی وجہ سے حضرت داؤدؑ کی زرہ بہترین زرہ سمجھی جاتی تھی۔ لوگ اس کو بڑی خوشی سے خریدتے تھے۔ حضرت داؤدؑ زرہ کی قیمت میں سے بقدر قوت لایموت اپنے پاس رکھتے تھے باقی راہِ خدا میں دے دیتے تھے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو خدا نے ایسی خوش الحانی عطا کی تھی کہ جب آپؑ زبور پڑھتے تھے تو جنگل کے چرند پرندے اور درندے سب نکل آتے تھے اور آپؑ کے گرد جمع ہو جاتے تھے اور سننے میں ایسے محو ہو جاتے تھے کہ ایک کو دوسرے کی خبر نہ رہتی تھی۔ درندے کسی پر حملہ نہ کرتے تھے۔

ایک بار حضرت داؤد علیہ السلام کو یہ شوق ہوا کہ میں ایسی جگہ خدا کی تسبیح کروں جہاں میرے سوا کوئی عبادت کرنے والا نہ ہو۔ بڑی تلاش کے بعد ایک لق و دق صحرا میں ایک تالاب کے کنارے مصلیٰ بچھایا اور ذکرِ الٰہی میں مشغول ہوئے۔ تالاب سے ایک مینڈک کے ٹرّانے کی آواز آئی۔ آپؑ نے فرمایا، اے مخلوقِ خدا خاموش ہو جا مجھے ذکرِ خدا

کرنے دے۔ اُس نے کہا، اے نبی اللہ، کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ یہاں صرف آپ ہی ذکرِ خدا کر رہے ہیں۔ اس تالاب میں ہزارہا مخلوقِ خدا یادِ خدا میں مصروف ہے۔ ان میں سے ایک میں بھی ہوں۔ یہ سُن کر حضرت داؤدؑ سجدہ میں گر گئے اور عرض کی کہ اے میرے معبود کس کی طاقت ہے کہ تیری حمد کر سکے۔

۴۔ حضرت سلیمانؑ حضرت داؤدؑ کے بیٹے تھے۔ خدا نے ان کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا تھا۔ ہوا آپؑ کے بساط کو وقتِ صبح ایک ماہ تک اُڑا کر لے جاتی تھی اور ایک ماہ کی راہ شام کو۔

اس بارہ میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ ایک ماہ کی راہ لیجانے سے کیا مراد ہے۔ سورۂ نحل میں اس کے متعلق ہم کچھ لکھ آئے ہیں۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت سلیمانؑ کی سلطنت اتنی وسیع تھی کہ ہوا آپؑ کے بساط کو اپنی پوری رفتار کے مطابق ایک ماہ میں جتنی مسافت طے کرتی ہے وہ صبح سے شام تک طے کر لیتی ہے۔ ہوا کی رفتار کتنی تیز ہوتی ہے اس سے ان کی وسعتِ سلطنت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اتنی ہی مسافت وہ شام کو طے کرتی تھی۔

بعض نے لکھا ہے کہ ایک تیز رفتار سے تیز رفتار سواری ایک مہینہ میں جہاں تک پہنچ سکتی ہے وہاں تک ہوا وقتِ صبح بساطِ سلیمانی کو لے جاتی تھی اور اسی طرح شام کو۔ یعنی صبح کو اپنی سلطنت کے مشرقی حصّہ کو دیکھتے تھے اور شام کو مغربی حصّہ۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ آپؑ ہر روز ہی ایسا کرتے تھے بلکہ جب آپؑ کا ارادہ ہوتا تب یہ صورت اختیار کرتے۔

۵۔ ہم نے ان کے لیے تانبے کا چشمہ نکالا۔ اس کے دو معنی مفسرین نے لکھے ہیں۔ بعض کے نزدیک پگھلے ہوئے تانبے کا ایک چشمہ پھوٹا۔ بعض کے نزدیک آپؑ کی سلطنت میں بکثرت تانبا پایا جاتا تھا جس کو پگھلا کر بڑی بڑی دیگیں بنائی جاتی تھیں۔

۶۔ اس تانبے سے جنّات ان کے لیے بڑے بڑے ظروف بناتے تھے۔ ایک ایک دیگ اتنی بڑی ہوتی تھی کہ ایک ہزار آدمیوں کے لیے اس میں سالن پک سکے۔ چونکہ آپؑ کا لشکر بروایتے سو کوس تک پھیلا ہوا تھا۔ ۲۵ کوس تک آدمی تھے ۲۵ کوس تک جنّ ۲۵ کوس تک پرندے اور ۲۵ کوس تک چوپائے۔ لہٰذا ۲۵ کوس تک پھیلے ہوئے آدمیوں کے لیے کھانا اتنی ہی بڑی دیگوں میں پکنا چاہیئے تھا۔

۷۔ خدا نے جنّات کو حضرت سلیمانؑ کا تابع بنا دیا تھا۔ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ جنّات سے کیا مراد ہے بعض نے لکھا ہے کہ قوی ہیکل سرکش اور غصّہ ور انسان مراد ہیں جو کسی کے قابو میں نہیں آتے تھے لیکن یہ قول صحیح نہیں۔ اگر جنّ علیٰحدہ سے کوئی قوم نہیں ہے تو خدا نے ان کو نوعِ انسانی سے الگ کر کے کیوں بیان کیا ہے۔ جنّات کی خلقت آگ سے کیوں بیان کی ہے وہ انسانوں میں شامل ہوتے تو ان کی خلقت عام انسانوں کی طرح مٹی سے ہونی چاہیئے تھی۔ الغرض جن جنّات کو جنابِ سلیمانؑ کی تسخیر میں دیا تھا وہ ضرور نوعِ انسانی سے الگ نوع تھی۔ سورۂ جنّ کی تلاوت سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں سے الگ ایک مخلوق ہے۔

۸۔ جنّات سے جو کام حضرت سلیمانؑ لیتے تھے ان میں بڑی بڑی مسجدیں بنوانا بھی شامل تھا اور انبیاءؑ کے مجسمے بھی ان کی یاد دلانے کے لیے بنواتے تھے۔

تماثیل کے معنی میں بھی مفسرین کا اختلاف ہے۔ بعض نے تصاویر مراد لی ہے۔ بعض نے مجسمے۔ کہا جاتا ہے کہ جب دونوں چیزیں بنانا اسلام میں ناجائز ہیں تو حضرت سلیمانؑ نبی ہو کر ایسا کیوں کرتے تھے۔ پس پہلے تو یہ طے

ہونا چاہیے کہ تماثیل سے مراد تصاویر ہیں یا مجسمے۔

سورۂ انبیاء (۲۱/۵۲) میں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے منہ بولے باپ اور اپنی قوم سے کہا مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ (یہ کیسی مورتیاں ہیں جنہیں تم گھیرے بیٹھے ہو)۔ اس سے معلوم ہوا کہ تمثال مجسمہ کو کہتے ہیں۔ حضرت سلیمانؑ کا انبیاء کے مجسمے بنوانا اس لیے نہ تھا کہ ان کی پرستش کی جائے بلکہ برائے تذکر اور یادگار تھا۔ مقامِ ابراہیمؑ جس پر حضرت ابراہیمؑ کے قدم کا نشان ہے آج تک بطور تذکر خانۂ کعبہ میں موجود ہے اور وہاں دو رکعت نماز پڑھنا ارکانِ حج میں شامل ہے۔ ممکن ہے اس وقت جواز کی کوئی صورت نکلتی ہو لیکن بعد میں یہ دیکھتے ہوئے کہ لوگ ان مورتیوں کو پُوجنے لگے ہیں ان کا بنانا حرام قرار دیا گیا ہو۔

۹۔ بڑے بڑے پیالے حوضوں کے برابر اس لیے بنوائے گئے کہ دعوت کے وقت ان میں سالن رکھ کر کھلایا جائے اور بڑی بڑی دیگیں جو زمین میں گڑی رہتی تھیں اسی مقصد کو پیشِ نظر رکھ کر بنوائی جاتی تھیں۔

۱۰۔ یہ روایت صحیح نہیں لگتی کہ حضرت سلیمانؑ کے تخت پر چھ ہزار سونے چاندی کی کرسیاں رکھی جاتی تھیں جن پر ان کے درباری بیٹھتے تھے۔ ایک آرائشی دربار بادشاہانِ دنیا کو تو زیب دیتا ہے لیکن انبیاءؑ کے درباروں کا اس طرح سجایا جانا قرینِ عقل نہیں۔ وہ تو خرافاتِ دُنیا سے لوگوں کا دل ہٹانے آتے تھے نہ کہ اس لیے کہ لوگوں کی للچائی نگاہیں سونے چاندی کی کرسیوں پر پڑیں اور انہیں عیش پرستی کی طرف راغب کریں۔ اگر دنیاوی شان و شوکت اللہ کے پیاروں کو زیبا ہوتی تو امیرالمؤمنین حضرت علیؑ مسجد کے ننگے فرش پر جَو کی سُوکھی روٹی نہ کھا رہے ہوتے۔

۱۱۔ یہ روایت بھی غلط ہے کہ حضرت سلیمانؑ کی تین سو بیبیاں تھیں اور ان کے لیے تین سو محل تھے۔ ایک نبی کا گھر کیا ہوا کہ بیبیوں کی چھاؤنی بن گیا۔ ایک مرد کو خدا نے اتنی بیبیوں کی اجازت کیسے دے دی۔

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿۱۴﴾

جب ہم نے سلیمان پر موت کا حکم جاری کیا تو وہ مر گئے مگر لکڑی کے سہارے کھڑے رہے اور جنّات کو کسی نے اُن کے مرنے کا پتہ نہ بتایا مگر زمین کی دیمک نے کہ وہ سلیمان کے عصا کو کھا رہی تھی پھر (جب کھوکھلا ہو کر ٹوٹ گیا اور) سلیمان کی لاش گری تب جنّات نے جانا۔ اگر وہ غیب دان ہوتے تو (اس) ذلیل کرنے والی

(کام کرنے کی) مصیبت میں مبتلا نہ رہتے۔ (فوراً الگ ہو جاتے۔)

حضرت سلیمانؑ جنات کو برابر کام میں لگائے رہتے تھے اور جو سرکشی کرتا تھا اُسے زنجیروں میں جکڑ کر دریا میں ڈال دیتے تھے۔ بیت المقدس کی مسجد بھی انہی سے بنوائی۔ اس کی ابتدا حضرت داؤدؑ نے کی تھی لیکن جب قدِ آدم اس کی دیواریں بلند ہوگئیں اور ان کی عمر ۱۲۰ سال کی ہوئی تو حکمِ خدا ہوا کہ اب اس کی تعمیر بند کر دو۔ چنانچہ اسی سال اُن کا انتقال ہوگیا اور حضرت سلیمانؑ ۱۳ سال کی عمر میں اُن کے جانشین ہوئے۔ آپؑ نے قیمتی پتھر لگوا کر اُسے مزین کیا۔ بخت النصر اس کے جواہرات اکھاڑ کر عراق لے گیا اور خدا کا گھر تباہ و برباد کر گیا۔ جو عمارت اب ہے یہ بعد کی بنوائی ہوئی ہے۔ مسجد بیت المقدس ابھی زیرِ تعمیر تھی کہ حضرت سلیمانؑ نے ارکانِ سلطنت سے فرمایا، خدا نے مجھے اتنی بڑی سلطنت عطا فرمائی لیکن میں ایک دن آرام سے نہ بیٹھا۔ آج فلاں محل میں جاتا ہوں میرے پاس کوئی نہ آئے۔ غرض آپؑ محل کے بالاخانے پر گئے۔ اطراف و جوانب کا نظارہ کر رہے تھے اور عصا پر سہارا لیے کھڑے تھے کہ ملک الموت نے اسی حالت میں آپؑ کی روح قبض کر لی اور آپؑ اسی طرح کھڑے رہے۔ جنات اس خیال سے کہ آپؑ زندہ ہیں اور کھڑے کھڑے دیکھ رہے ہیں، اپنے اپنے کام میں مشغول رہے۔ جب ایک رات گزر گئی اور مسجد بھی مکمل ہوگئی تب دیمک نے آپؑ کے عصا کو کھا کر کھوکھلا کر دیا اور آپؑ کی لاش گر پڑی۔ جنات کو جب پتہ چلا تو وہ اسی وقت تسخیر سے آزاد ہو کر چلتے بنے۔

جنات کے متعلق لوگوں کا یہ خیال اس وقت بھی تھا اور اب بھی ہے کہ یہ لوگ غیب دان ہوتے ہیں مگر اس واقعہ سے ثابت ہوگیا کہ انہیں غیب کا علم نہیں ہوتا۔ ورنہ حضرت سلیمانؑ کی موت کا علم ہوتے ہی وہ بھاگ کھڑے ہوتے اور مسجدِ بیت المقدس کی تعمیر کو نا تمام چھوڑ دیتے۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ ۖ جَنَّتَانِ عَنْ يَمِينٍ وَشِمَالٍ ۖ كُلُوا مِنْ رِزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ ۚ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ ﴿۱۵﴾ فَأَعْرَضُوا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنَاهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ أُكُلٍ خَمْطٍ وَأَثْلٍ وَشَيْءٍ مِنْ سِدْرٍ قَلِيلٍ ﴿۱۶﴾ ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُمْ بِمَا كَفَرُوا ۖ وَهَلْ نُجَازِي إِلَّا الْكَفُورَ ﴿۱۷﴾ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَقَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ ۖ سِيرُوا فِيهَا

لَيَالِيَ وَأَيَّامًا آمِنِينَ ﴿۱۸﴾ فَقَالُوا رَبَّنَا بَاعِدْ بَيْنَ أَسْفَارِنَا وَظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ وَمَزَّقْنَاهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴿۱۹﴾

سبا والوں کے لیے ان کے مساکن میں ہماری (قدرت کی) نشانی تھی۔ داہنے بائیں دو (ہرے بھرے) باغ تھے (ہمارا حکم تھا) اپنے رب کے رزق کو کھاؤ اور خدا کا شکر ادا کرو۔ (دنیا میں) پاک صاف شہر دیا ہے اور (آخرت میں) خدا جیسا بخشنے والا (جنت میں گھر دے گا) پس انہوں نے (پیغمبروں کے کہنے سے) منہ پھیر لیا (جس کی سزا میں) ہم نے بڑے زور کا سیلاب بھیجا اور ہم نے ان کے دونوں باغوں کو ایسے دو باغوں میں تبدیل کر دیا جن کے پھل کڑوے تھے اور ان میں جھاڑ کے درخت تھے اور تھوڑی سی بیریاں تھیں یہ ہم نے ان کی ناشکری کی سزا دی اور ہم تو بڑے ناشکروں ہی کو سزا دیا کرتے ہیں۔ اور ہم نے اہلِ سبا اور شام کی بستیوں کے درمیان جن کو ہم نے برکت عطا کی تھی، چند بستیاں (سرِراہ) تھیں جو باہم نمایاں تھیں اور ہم نے ان میں آمد و رفت کی راہ مقرر کی تھی کہ رات اور دن میں جب چاہو امن کے ساتھ چلو پھرو۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ پروردگارا (قریب کے سفر میں لطف نہیں) تو ہمارے سفروں میں دوری پیدا کر دے اور اُن لوگوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا تو ہم نے بھی اُن کو (تباہ کر کے) افسانے بنا دیا اور (اُن کی دھجیاں اُڑا کے) تتر بتر کر دیا۔ اس میں بے شک ہر صبر و شکر کرنے والے کے لیے بڑی عبرتیں ہیں۔

یہ شہر سبا وہی ہے جہاں بلقیس کی حکومت تھی۔ یمن سے شام تک بستیوں کا ایک سلسلہ چلا گیا تھا۔ شہر سبا یمن کا علاقہ تھا نہایت سرسبز و شاداب دو پہاڑوں کے درمیان واقع تھا۔ شہر کے دونوں طرف ایسے گنجان باغ تھے کہ مسافر دس روز کی مسافت تک سایہ میں چلا جاتا تھا۔ ایک دریا سے پانی لیتے تھے اور اس کا مضبوط بند بندھا ہوا تھا۔ یہ بند ملکہ بلقیس نے تعمیر کرایا تھا۔ ایک عرصہ دراز کے بعد ان لوگوں نے پیغمبروں کو جھٹلانا شروع کیا اور خدا کے احکام کا مضحکہ اڑانے لگے نتیجہ یہ ہوا کہ اس دریا کا بند ٹوٹ گیا اور سخت سیلاب آیا کہ تمام باغات تباہ ہوگئے اور باغوں کی جگہ جنگلی درخت اُگ آئے۔ ان لوگوں کی یہ خواہش کہ لمبے سفروں کے راستے بن جائیں۔ یا تو اس بنا پر ہوگی کہ جا بجا گنجان آبادی کی وجہ سے غلہ کی قلت ہوئی ہوگی یا آپس کے جھگڑوں کی وجہ سے دُور دُور رہنا چاہتے ہوں گے۔ غرض سیلاب آنے کے بعد جب ان

کی بستیاں تباہ ہوئیں تو وُہ لوگ متفرق ہو کر دُور دُور جا بسے اور جو آرام اُن کو یکجائی میں حاصل تھا وہ ختم ہو گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان جب خدا کی نعمتوں کی قدر نہیں کرتا تو اُسے ایسی ہی تباہی و بربادی کا سامنا ہوتا ہے۔ زوالِ نعمت کے بعد پچھتانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (۲۰)
وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ
مِنْهَا فِيْ شَكٍّ ؕ وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ (۲۱) ع۱۲ ۸

شیطان نے اپنے خیال کو جو ان کے بارے میں کیا تھا سچ کر دکھایا۔ ان لوگوں نے اس کی پیروی کی مگر ایمانداروں کا ایک گروہ نہ بھٹکا اور شیطان کا اُن لوگوں پر کچھ قابُو تو تھا نہیں مگر یہ (مطلب تھا) کہ ہم ان لوگوں کو جو آخرت پر یقین رکھتے ہیں اور ان کو جو اس کے بارے میں شک میں پڑے ہوتے ہیں جان لیں اور تیرا رب ہر شے کا نگران ہے۔

پانچ سو سال قبل مسیح شہر سبا میں دو قسم کے لوگ بستے تھے۔ ایک جو خدا پرست تھے اور بُت پرستی کو بُرا جانتے تھے۔ دوسرا گروہ وہ تھا جن پر شیطان نے قابُو پا کر اُن کو گمراہ کر دیا تھا۔ اور خدا فرماتا ہے، شیطان جبراً تو کسی کو گمراہ کرتا نہیں۔ اس کا کام تو یہ ہے کہ ان کے دلوں میں وسوسہ ڈال دے یا اپنے چیلوں چانٹوں میں سے ایسے لوگوں کو ان کے پیچھے لگا دے جو ان کو صحیح عقیدے سے ہٹا دیں۔ اس کے ایسا کرنے کے بعد خدا فرماتا ہے، ہمیں پتہ چل جاتا ہے کہ کون مومن ہے اور کون شک میں پڑا ہوا ہے۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي
السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ
ظَهِيْرٍ (۲۲) وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ؕ حَتّٰٓى اِذَا
فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوا الْحَقَّ ۚ

وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ (۲۳) قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ
اللّٰهُ ۙ وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (۲۴)

(اے رسول) تم ان سے کہدو کہ جن لوگوں کو تم خدا کے سوا معبود سمجھتے ہو انہیں پکارو تو (معلوم ہو جائے گا) کہ وہ ذرّہ برابر نہ تو آسمانوں میں اختیار رکھتے ہیں نہ زمین میں اور نہ ان کی ان دونوں میں شرکت ہے اور نہ ان میں سے کوئی خدا کا مددگار ہے اور خدا کی بارگاہ میں کسی کی شفاعت فائدہ نہ دے گی مگر جس کو خدا چاہے عطا فرمائے (اس کے دربار کی ہیبت) یہاں تک ہے کہ جب شفاعت کا ذکر ہو گا تو گھبرا جائیں گے۔ جب گھبراہٹ دُور ہو گی تو وہ سفارش کرنے والوں سے پوچھیں گے کہ تمہارے رب نے کیا جواب دیا وہ کہیں گے ٹھیک جواب دیا ہے اور وہ بزرگ و برتر ہے۔ اے رسول اُن سے کہو کہ تمہیں آسمانوں اور زمین سے کون روزی دیتا ہے (وہ کیا کہیں گے) تم کہدو خدا دیتا ہے۔ ہم اور تم دونوں میں سے ایک تو ضرور راہِ راست پر ہے دوسرا کھلی گمراہی میں پڑا ہے۔

مشرکین حضرتؐ کے پاس آکر اکثر کج بحثیاں کیا کرتے تھے اور اپنے بتوں کی تعریفوں کے پُل باندھا کرتے تھے۔ خدا کہتا ہے اے رسولؐ، ذرا تم ان سے یہ تو پوچھو کہ ان کے معبودوں کی زمین یا آسمان میں کہیں ذرّہ برابر بھی ملکیت ہے۔ پھر یہ عبادت میں خدا کے شریک کیسے ہو گئے اور نہ یہ مدد دینے والوں میں سے ہیں۔ جب تک خدا اجازت نہ دے کوئی کسی کی شفاعت نہیں کر سکے گا۔ وہاں ہیبت کا یہ عالم ہو گا کہ لوگ گھبرائے ہوئے ہوں گے۔ یہ لوگ جو بُت پرستی کر رہے ہیں ان سے پُوچھو کہ آج تمہیں رزق کون دے رہا ہے۔ آسمان سے مینہ کون برساتا ہے اور زمین سے غلّہ کون اُگاتا ہے۔

اے رسولؐ، تم ان سے کہو کہ میں تم سے معقول بات کہتا ہوں تو تم سے اس کا جواب تک نہیں بن پڑتا تو بتاؤ کہ ہم دونوں میں کون ہدایت یافتہ ہے اور کون گمراہ ہے۔ دونوں تو حق پر ہو نہیں سکتے نہ باطل پر۔ ضرور ایک حق پر ہو گا، ایک باطل پر۔ میری بات کا تو معقول جواب دو ورنہ یہ مانو کہ تم باطل پر ہو۔ ضد پر اَڑے رہنے سے مقصد حاصل نہیں ہوتا۔

قُلْ لَّا تُسْــَٔلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْــَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (۲۵) قُلْ يَجْمَعُ
بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ؕ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ (۲۶) قُلْ

اَرُوْنِیَ الَّذِیْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَآءَ كَلَّا ؕ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۲۷﴾
وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ
النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾

ان سے کہدو نہ ہمارے گناہوں کی تم سے پُوچھ گُچھ ہوگی نہ تمہارے گناہوں کی ہم سے۔ اے رسولؐ ان سے یہ بھی کہدو کہ قیامت کے دن ہمارا پروردگار سب کو اکٹھا کرے گا پھر ہمارے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ کردے گا اور وہ تو بڑا ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرنے والا واقف کار ہے۔ اے رسول تم کہدو کہ جن کو تم (خدا کا شریک بنا کر) خدا کے ساتھ ملاتے ہو انہیں مجھے بھی تو دکھا دو۔ (ہرگز کوئی اُس کا شریک نہیں) بلکہ وہی غالب حکمت والا ہے۔ اے رسول ہم نے تم کو دُنیا کے لوگوں کے لیے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

تمام انبیاءؑ میں جن کی تعداد بروایتے ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے کوئی ایک نبی بھی ایسا نہیں جس کو تمام لوگوں پر بشیر و نذیر بنا کر بھیجا گیا ہو۔ آپؐ سے پہلے جتنے انبیاء و مرسلین آئے ان کا حلقۂ تبلیغ و ہدایت محدود تھا صرف سرکار رسالتؐ ہی ایسے رسول ہیں جن کی اُمت میں قیامت تک کے تمام لوگ شامل ہیں۔ خواہ وہ کسی خطۂ زمین پر کسی ملک میں بستے ہوں کسی بھی قوم سے تعلق رکھتے ہوں۔ کالے ہوں یا گورے۔ آپؐ کی ہدایت کسی نہ کسی طرح سے اُن تک پہنچ چکی ہے اور جہاں نہیں پہنچی وہاں پہنچ کر رہے گی۔

وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۲۹﴾ قُلْ لَّكُمْ مِّیْعَادُ یَوْمٍ
لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۰﴾ ع وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَنْ ۳ ع ۹
نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ ؕ وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ
مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖۚ یَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ ِۨ الْقَوْلَ ۚ یَقُوْلُ

الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَاۤ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِیْنَ ﴿۳۱﴾

اور یہ لوگ کہتے ہیں اگر تم سچّے ہو تو بتاؤ (قیامت) کا دن کب آئے گا۔ تم ان سے کہہ دو کہ تم لوگوں کے لیے ایک خاص دن مقرر ہے جسے ایک گھڑی نہ تم پیچھے ہٹا سکو گے نہ آگے بڑھا سکو گے۔ جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم اس قرآن پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے اور نہ اس کتاب پر جو اس سے پہلے آچکی ہے۔ اے رسول، کاش تم ان ظالموں کو دیکھتے جب وہ اپنے رب کی بارگاہ میں (ذلیل و خوار) کھڑے ہوں گے اور ایک دوسرے پر الزام لگائیں گے۔ کمزور زبردستوں سے کہیں گے اگر تم ہمیں نہ بہکاتے تو ہم ایمان والے ہوتے۔

یہ سوال بار بار لوگ کرتے تھے کہ قیامت کب آئے گی۔ مسلمانوں سے کہتے تھے اگر تم سچے ہو تو اس کا دن اور وقت بتاؤ۔ خدا نے اُن کو بتایا نہیں بلکہ یہ کہدیا کہ وہ آئے گی ضرور۔ پھر ایک منٹ آگے ہوگا نہ پیچھے، ٹھیک وقت پر آجائے گی۔ بالفرض اگر انہیں وقت بتا بھی دیا جاتا تو چونکہ ان کو یقین نہ تھا لہٰذا سوائے مذاق اُڑانے کے اور کیا کرتے۔ کفارِ مکہ نے یہودیوں سے پوچھا، تمہاری توریت میں قیامت کے متعلق کیا لکھا ہے۔ اُنہوں نے کہا محمدؐ کا یہ کہنا تو سچّا ہے قیامت آئے گی اور ضرور آئے گی۔ ہماری کتاب میں تو محمدؐ کی تعریف بھی لکھی ہے۔ یہ سُن کر ابوجہل نے جھلا کر کہا تو ہم تمہاری کتاب کو کب مانتے ہیں، دونوں جھوٹی ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

آگے اُن کمزوروں کی گفتگو کا ذکر ہے جن کو اُن کی قوم کے سرداروں نے بہکایا تھا۔ وہ کہیں گے یہ مصیبت ہمارے اُوپر تمہاری وجہ سے نازل ہوئی۔ اگر تم نہ بہکاتے تو آج قیامت کے دن ہم خدا کے سامنے مومن بن کر آتے۔

قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْۤا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى
بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِیْنَ ﴿۳۲﴾ وَقَالَ الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِیْنَ
اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَاۤ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَ
نَجْعَلَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ؕ وَجَعَلْنَا

الْاَغْلٰلَ فِیْٓ اَعْنَاقِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ هَلْ یُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا
یَعْمَلُوْنَ (۳۳)

زبردست کمزوروں سے کہیں گے کیا تمہارے پاس ہدایت آنے کے بعد ہم نے تم کو ہدایت قبول کرنے سے روکا تھا۔ بلکہ تم خود ہی مجرم بنے۔ کمزور زبردستوں سے کہیں گے بلکہ تمہاری رات دن کی فریب دہی نے ہم کو گمراہ کیا۔ تم ہم کو خدا کے نہ ماننے اور اس کا شریک بنانے کے لیے برابر حکم دیتے رہے (تو ہم ویسا ہی کرتے رہے) جب یہ لوگ عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو دل ہی دل میں پچھتائیں گے اور جو لوگ کافر تھے ہم اُن کی گردنوں میں طوق ڈال دیں گے ۔ جو کارستانیاں یہ لوگ دُنیا میں کر آئے ہیں اس کے مطابق تو اُن کو سزا ضرور دی جائے گی۔

جب قوم کے کمزور صاحبانِ جاہ و اقتدار پر الزام لگائیں گے کہ تم نے ہمیں لے جاکر کافر بنایا تو وہ جواب میں کہیں گے، احمقو ہم نے کیا تمہارے گلے پر چھُری رکھی تھی کہ کافر بن جاؤ۔ اگر تم مومن بننا چاہتے تو ہم بہ جبر تمہارا دل چیر کر اس میں کفر کو نہیں بھر سکتے تھے۔ تم نے ہماری مخالفت کیوں نہ کی۔ تم زیادہ تھے ہم کم۔ اگر تم ہمارا گھیراؤ کرتے اگر تم ہم سے لڑنے پر آمادہ ہو جاتے تو تمہاری کثرت پر ہماری قلت کیسے غالب آجاتی۔ ہم لوگوں سے جو فائدے تم کو پہنچتے تھے تم ان کے لالچ میں آگئے اور جیسا ہم کہتے گئے تم کرتے گئے پھر ہم پر الزام کیوں لگاتے ہو۔ جب تمہارے پاس پیغمبر آئے تو تم نے انہیں کیوں جھٹلایا، تم نے اُن کو کیوں ستایا۔ تم ہمارے تابع فرمان محض ہماری دولت کے لالچ میں بنے رہے۔ اب یہاں کیا منہ لے کر آئے ہو۔ جو ہم پر پڑے گی ہم بھگتیں گے جو تم پر پڑے تم بھگتو۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ
كٰفِرُوْنَ (۳۴) وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۙ وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ (۳۵)
قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ
لَا یَعْلَمُوْنَ ۧ (۳۶) وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِیْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا ع ۴ ۱۰

زُلْفٰٓی اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ؗ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ
بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِی الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ (۳۷)

ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا مگر وہاں کے بڑے لوگ کہنے لگے جو احکام دے کر تم بھیجے گئے ہو ہم اُن کو نہیں مانتے اور یہ بھی کہنے لگے کہ ہم تو (ایمانداروں سے) مال و اولاد میں کہیں زیادہ ہیں اور ہم پر آخرت میں عذاب نہیں کیا جائے گا۔ لے رسول کہدو بے شک میرا رب جس کا رزق چاہتا ہے زیادہ کر دیتا ہے اور جس کا چاہتا ہے کم کر دیتا ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں۔ اور تمہارے اموال و اولاد کی یہ ہستی نہیں کہ تم کو ہمارے نزدیک مقرب بنا دیں مگر (ہاں) جس نے ایمان قبول کیا اور اعمالِ صالحہ بجا لایا۔ ان لوگوں کے لیے تو ان کی کارگزاریوں کی دوہری جزا ہے اور وہ بہشت کے جھروکوں میں آرام سے رہیں گے۔

کسی بستی میں سب سے پہلے پیغمبروں کے مقابل سرکشی دکھانے والے مالدار لوگ ہوتے تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ مال و دولت کے غرور میں کسی پیغمبر کی اطاعت قبول کرنا اپنی توہین سمجھتے تھے۔ دوسرے ان کے دماغوں میں یہ خبط سمایا ہوا ہوتا ہے کہ اگر ہم خدا کو پیارے نہ ہوتے تو ہمیں مالدار کیوں بناتا۔ ہماری مال و اولاد میں زیادتی اس کا ثبوت ہے کہ قیامت میں ہم پر کوئی عذاب نہ ہوگا۔ اُن کے جواب میں خدا فرماتا ہے کہ کسی کا رزق بڑھانا یا گھٹانا خدا کی مصلحت پر موقوف تھا۔ اگر مال و اولاد کی زیادتی خدا کی محبت کا ثبوت ہوتی تو مشرک و بُت پرست تو بھیک مانگتے پھرتے اور خدا کے نیک بندے سیٹھ ساہوکار بنے نظر آتے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ جو لوگ ایماندار و عملِ صالح کرنے والے ہیں وہ فاقوں میں گزارتے ہیں اور بداعمال بڑے اکڑے پھرتے ہیں۔ خدا کی محبت کا معیار مال و اولاد کی زیادتی نہیں بلکہ اعمالِ صالحہ ہیں۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ بداعمال کو اُس نے فارغ البال کیوں بنایا ہے تو ان پر حجت تمام کرنے کے لیے کہ ہم نے تم کو سب کچھ دیا مگر اس پر تم نے ہم کو نہ پہچانا۔ لہٰذا قیامت میں اس کی سزا بھگتنی ہوگی۔ مال و دولت کی زیادتی خدا سے قربت کو دلانے والی نہ ہوگی۔ ہاں اگر ان کے ذریعے سے تم اپنے ایمان پر قائم رہے ہو اور اعمالِ صالحہ بجا لائے ہو تو ضرور تم خدا کے مقرب بندوں میں سے ہو جاؤ گے۔ اور وہاں تمہیں اپنے اعمالِ صالحہ کا اچھا خاصہ بدلہ ملے گا۔

وَالَّذِیْنَ یَسْعَوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیْنَ اُولٰٓئِكَ فِی الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ (۳۸)

قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ؕ وَمَآ
اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَيَوْمَ
يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿۴۰﴾
قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ
اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾

جو لوگ ہماری آیات کو بے اثر بنانے کے لیے دوڑ دھوپ کرتے ہیں وہ جہنّم کی آگ میں جھونک دیئے جائیں گے۔ لے رسول کہدو کہ میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کا رزق چاہتا ہے کشادہ کر دیتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ جو کچھ بھی تم اس کی راہ میں خرچ کرتے ہو وہ اس کا عوض دے گا اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔ جس دن وہ سب لوگوں کو اکٹھا کرے گا، پھر ملائکہ سے کہے گا کیا یہی لوگ تمہاری پرستش کرتے تھے۔ وہ عرض کریں گے، بار الہا، تو ہر عیب سے پاک ہے یہ لوگ ہماری نہیں بلکہ جنّات (بھوت پریت) کی پرستش کرتے تھے ان میں سے اکثر اُن پر ایمان رکھتے تھے۔

دُنیا میں ایسا ہمیشہ ہوتا رہا ہے اور اب بھی ہے کہ لوگ بھوتوں اور چڑیلوں سے بہت ڈرتے ہیں بالخصوص عورتیں۔ ان کے عقیدہ میں وہ سروں پر آکر کھیلتی ہیں۔ خوابوں میں ان کو ڈراتی ہیں۔ بلکہ مجسّم ہو کر ان کے سامنے آجاتی ہیں۔ حالانکہ ان چیزوں کا کوئی وجود نہیں۔ محض وہم و خیال مجسمے بنا کر ان کے سامنے لا کھڑا کرتا ہے۔ اس کا تجربہ جب چاہے کر لیجئے۔ ایک نئے مکان میں آنے والوں سے یہ کہہ دیجئے کہ اس میں بھوت پریت رہتے ہیں بس اسی روز سے اس میں بھوت نظر آنے لگیں گے۔ حالانکہ اس سے پہلے کبھی نظر نہ آتے تھے۔ قوّتِ واہمہ کو ایسی چیزیں بنانے میں بڑا دخل ہے۔ کسی مرنے والے کی رُوح عالمِ برزخ میں یوں آزاد نہیں چھوڑ دی جاتی کہ جہاں چاہے آزادی کے ساتھ گھومے پھرے اور جو شکل چاہے اختیار کرے۔ دماغ جتنا کمزور ہوگا قوّتِ واہمہ اتنی ہی قوی ہوگی۔ البتہ جنّات کا وجود ہے۔ ان میں دو قسم کے جن ہوتے ہیں۔ نیک اور بد۔ جو بد ہوتے ہیں وہ لوگوں کو مختلف

صورتوں میں آکر ستاتے ہیں۔ اگر انہی کا نام بھوت، چڑیل اور پری ہے تو ٹھیک ہے۔

قیامت میں فرشتوں سے یہ پوچھا جانا کہ کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے اور ان کا یہ جواب دینا کہ ہماری نہیں بلکہ جنّات کی پوجا کرتے تھے۔ اس بات کو ظاہر کرنا ہے کہ جو خوفناک مجسمے لوگوں نے بنا کھڑے کیے ہیں، جیسے کالی دیوی، مہادیو۔ یہ جنّوں کی صورتیں دیکھ کر انہوں نے بنائے ہیں۔ فرشتوں کی صورتیں تو وہ دیکھ نہ سکتے تھے۔ پھر اُن کی مورتیاں کیسے بناتے۔

فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ وَنَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا
ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَاِذَا تُتْلٰى
عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا
كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ ۚ وَقَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّآ اِفْكٌ مُّفْتَرًى ؕ وَقَالَ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۴۳﴾ وَمَآ اٰتَيْنٰهُمْ
مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا وَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ ﴿۴۴﴾ وَكَذَّبَ
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ ۫ ۵ ع ۸ ۱۱
فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۵﴾ ع

تب خدا فرمائے گا آج تم میں سے کوئی نہ کسی کو فائدہ پہنچانے کا اختیار رکھتا ہے نہ نقصان کا، اور ہم سرکشوں سے کہیں گے آج اس عذاب کا مزہ چکھو جسے تم دُنیا میں جھٹلایا کرتے تھے۔ جب ان کے سامنے ہماری روشن آیات پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں یہ شخص ہم ہی جیسا ہے یہ چاہتا ہے کہ جن چیزوں کو تمہارے باپ دادا پُوجتے تھے ان سے تم کو روک دے اور یہ بھی کہتے تھے کہ قرآن تو نرا جھوٹ ہے۔ اپنے

دل سے گڑھ لیا ہے اور جو لوگ کافر ہیں جب ان کے پاس حق بات آئی تو اس کے بارے میں کہنے لگے یہ تو بس کھلا ہوا جادو ہے اور ہم نے ان کو نہ آسمانی کتابیں عطا کی تھیں جنہیں پڑھتے اور نہ تم سے پہلے ان لوگوں کے پاس کوئی پیغمبر ڈرانے والا بھیجا۔ جو لوگ ان سے پہلے گزر گئے انہوں نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا تھا حالانکہ جتنا ہم نے ان کو دیا تھا اس کے دسویں حصّہ کو وہ نہیں پہنچے اس پر بھی ان لوگوں نے میرے پیغمبروں کو جھٹلایا تو تم نے دیکھا میرا عذاب اُن پر کیسا سخت تھا۔

ہر زمانہ میں ایسا ہی ہوتا رہا ہے کہ جب قوموں کے پاس انبیاء آئے تو اُن کی بات سننے سے اس لیے انکار کر دیا کہ جب یہ ہم ہی جیسے لوگ ہیں تو خدا نے ان کو اپنا رسول بنا کر کیوں بھیجا۔ یہ ہم سے آخر کس بات میں زیادہ ہیں کہ ہم کو نصیحت کرنے آئے ہیں۔ ان کا منشا اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ ہمارے باپ دادا جن بتوں کی پرستش کرتے چلے آ رہے ہیں ہم کو اُن کی پوجا پاٹ سے روک دیں اور ان کے بتائے ہوئے اس خدا کی عبادت کرنے لگیں جس کو نہ کبھی دیکھا نہ بھالا۔ اجی یہ سب جھوٹ ہے اور دل سے گڑھی ہوئی باتیں ہیں جن کو یہ لوگ خدا کی طرف منسوب کر کے ہمیں سنایا کرتے ہیں۔ کافر لوگ تو صاف کہہ دیتے تھے کہ جو قرآن یہ سناتے ہیں وہ کھلا ہوا جادو ہے جس کے ذریعہ سے یہ ہمارے اوپر حکومت کرنا چاہتے ہیں۔ خدا فرماتا ہے، ان کے پاس نہ تو کوئی کتاب ایسی آئی ہے جسے پڑھتے۔ نہ اے رسول تم سے پہلے کوئی نبی ان کے پاس ایسا آیا ہے جس نے ان کو یہ بتایا ہو کہ خدا کے سوا جن چیزوں کی تم پرستش کرتے ہو وہ صحیح نہیں ہے۔ پھر یہ بت پرستی کی گندگی انہیں کہاں سے آ کر لپٹ گئی۔ نہ تو خدا نے ان سے کہا کہ میرے سوا کسی دوسرے کی پرستش کرو اور نہ ان بتوں نے ہی ان سے کہا کہ ہماری پرستش کرو۔ پھر یہ تعلیم انہوں نے کس سے حاصل کی۔

مکّہ کے یہ مشرکین تو ہیں کیا ان سے پہلے بڑی بڑی طاقت والی قومیں گزر چکی ہیں۔ ان کے پاس دولت زیادہ تھی ان کے قد بھی لمبے تڑنگے ہوتے تھے۔ اولاد بھی زیادہ تھی، سامانِ زندگی بھی زیادہ تھا۔ روئے زمین پر بادشاہت کرتے تھے۔ جب انہوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا اور ہم سے سرکشی کی تو عذاب کا کیسا مزہ چکھا۔ تباہ و برباد ہوئے۔ بھلا ان کے مقابلہ میں تمہاری تو حقیقت ہی کیا ہے۔

نکیر کے معنی خفگی و ناراضی کے ہیں۔ چونکہ خدا کی ناراضی باعثِ عذاب ہوتی ہے۔ لہٰذا اس کا ترجمہ عذاب کیا گیا۔

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ج اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا قف
مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ط اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَیْ
عَذَابٍ شَدِيْدٍ (۴۶)

اے رسول ان سے کہو میں تم کو نصیحت کے لیے ایک بات کہتا ہوں وہ یہ ہے کہ تم محض خدا کے واسطے ایک ایک

دو دو اٹھ کھڑے ہو اور اچھی طرح غور کرو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ تمہارے رفیق (محمدؐ) کو کسی طرح کا جنون نہیں ہے وہ تو تمہیں ایک سخت آنے والے عذاب سے ڈرانے والے ہیں۔

خلاصہ اس نصیحت کا یہ ہے کہ اے کفارِ مکہ، تم مجھے مجنون کہتے ہو لیکن تم یہ نہیں بتاتے کہ آخر جنون کی کیا علامت مجھ میں پائی جاتی ہے۔ تم فرداً فرداً بھی اس پر غور کرو اور کئی کئی آدمی سر جوڑ کے اس امر پر غور کرنے کے لیے بیٹھو کہ آخر میرے اندر تمہیں کیا ایسی بات نظر آ رہی ہے کہ مجھے دیوانہ سمجھ رہے ہو۔ میں کوئی اجنبی نہیں ہوں تم ہی میں پلا بڑھا ہوں، تم ہی میں رہا سہا ہوں، تم مجھے ہمیشہ صادق و امین کہتے رہے ہو۔ اہم معاملات میں مجھ سے رائے لیتے رہے۔ پھر اب کیا بات میرے اندر ایسی پیدا ہو گئی کہ تم نے مجھے مجنون کہنا شروع کر دیا۔ کیا تم نے کوئی خلافِ عقل بات مجھ سے سُنی۔ کیا تم نے مجھے کوئی ایسا عمل کرتے دیکھا جس سے میرا مجنون ہونا تم پر ثابت ہوا۔ پس ذرا عقل سے کام لو۔ میں نہ مجنون نہ کم عقل۔ اللہ نے مجھے تمہارے پاس اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے۔ میں جو کچھ کہتا ہوں تمہارے فائدہ کے لیے کہتا ہوں۔ تمہیں خدا کے عذاب سے بچانا چاہتا ہوں۔

قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ط اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ج وَهُوَ عَلٰى
كُلِّ شَیْءٍ شَهِيْدٌ (۴۷) قُلْ اِنَّ رَبِّیْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ ج عَلَّامُ الْغُيُوْبِ (۴۸) قُلْ
جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ (۴۹) قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ
اَضِلُّ عَلٰى نَفْسِیْ ج وَاِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِیْٓ اِلَیَّ رَبِّیْ ط اِنَّهٗ سَمِيْعٌ
قَرِيْبٌ (۵۰) وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ (۵۱)
وَّقَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ ج وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ (۵۲) صلے وَّقَدْ كَفَرُوْا
بِهٖ مِنْ قَبْلُ ج وَيَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ (۵۳) وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ
وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ط اِنَّهُمْ كَانُوْا فِیْ
شَكٍّ مُّرِيْبٍ (۵۴) ع

ع ۶ ۹ ۱۲

اے رسول تم ان سے کہو کہ تبلیغ رسالت کی میں نے تم سے کوئی اُجرت مانگی ہو تو وہ تمہارے ہی فائدہ کے لیے ہوگی میرا اجر تو اللہ کے اُوپر ہے اور وُہ ہر شے پر گواہ ہے۔ تم یہ بھی کہہ دو کہ میرا رب جس بات کو میرے دل میں اُتارتا ہے وہ غیب کی تمام باتوں کا جاننے والا ہے۔ کہدو حق آگیا (تم اتنا تو سمجھو) کہ باطل معبود نہ شروع میں کوئی چیز پیدا کرسکتا ہے نہ مرنے کے بعد زندہ کرسکتا ہے۔ اگر میں گمراہ ہوں تو اپنے نفس کے لیے اور اگر میں ہدایت یافتہ ہوں تو مطابق اس وحی کے ہوں جو میری طرف کی گئی ہے میرا رب سب سے زیادہ سننے والا قریب ہے۔ کاش تم دیکھتے جب وہ گھبرائے ہوئے ہوں گے اور پاس ہی سے وہ گرفتار کر لیے جائیں گے اس وقت کہیں گے ہم اس پر ایمان لے آئے لیکن اب دُور نکلی ہوئی چیز کہاں ہاتھ آسکتی ہے اس سے پہلے لوگ بھی اس سے منکر ہو چکے تھے اور (دُنیا میں تمام عمر کے دیکھے بھالے اٹکل کے) تکّے بڑی دُور سے چلاتے رہے اور اب تو ان کے اور ان کی تمنّاؤں کے درمیان اس طرح پردہ ڈال دیا گیا ہے جس طرح ان سے پہلے ان کے ہم رنگ لوگوں کے ساتھ یہی برتاؤ کیا جا چکا ہے۔ بے شک وہ لوگ بڑے بے چین کرنے والے شک میں پڑے ہوئے تھے۔

کسی رسول کی تبلیغ کا اجر اس کی اُمّت نہیں دے سکتی کیونکہ اس میں نبی کے نفس کو بڑی بڑی اذیتیں اُٹھانا پڑتی ہیں۔ خصوصاً حضرت رسولِ خدا کو تو تمام انبیاء سے زیادہ تکلیفیں برداشت کرنا پڑیں۔ جیسا کہ حضور نے فرمایا ہے مَا اُوْذِیَ نَبِیٌّ مِثْلَ مَا اُوْذِیْتُ "کوئی نبی مثل میرے اذیت نہیں دیا گیا"۔ پس جب لوگوں نے آپؐ کو اجر دینے کی خواہش کی تو آپؐ نے فرمایا، میرا اجر تو اللہ پر ہے۔ لیکن میری رسالت کا جو اجر ہے اس کا فائدہ تم ہی کو پہنچے گا۔ حضورؐ کی رسالت کا اجر جو خدا نے معیّن فرمایا وہ آپؐ کے ذوی القربیٰ سے محبت ہے قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى (سورہ شوریٰ ۴۲/۲۳) اے رسول کہدو میں تم سے سوائے اپنے رشتہ داروں کی محبت کے اور کوئی اجر نہیں چاہتا۔ کفار و مشرکین سے کہا جا رہا ہے کہ اگر رسول گمراہی پر ہیں تو اس سے وہ اپنے ہی نفس کو نقصان پہنچائیں گے۔ لیکن کوئی عقلمند ایسا کیوں کرنے لگا اور اگر وہ صحیح راستہ پر ہیں تو سمجھو کہ وحی ان کو خدا کی طرف سے آتی ہے کیونکہ دُنیا کے کسی ہادی سے انہوں نے ہدایت نہیں پائی۔

اے رسول، اس دنیا میں ان کفار و مشرکین کو چین کر لینے دو۔ وہ وقت آرہا ہے کہ قیامت میں یہ لوگ گھبرائے پھر رہے ہوں گے اور کہیں ان کو فرار کا راستہ نہ ملا ہوگا۔ بھاگ کر جائیں گے کہاں۔ پکڑنے والا ان کو آسانی سے اس طرح پکڑ لے گا گویا وہ ان کے پاس ہی کھڑا تھا۔ اس وقت وہ کہیں گے ہم رسول پر ایمان لے آئے لیکن اب تو یہ موقع ہاتھ سے نکل چکا اب وہ ان کے ہاتھ کیسے آسکتا ہے۔ دُنیا میں تو یہ کافر بنے رہے اور بڑی دُور کی باتیں اٹکل پچّو بیان کرتے رہے۔ گویا یہ قیامت کے متعلق سب کچھ جانتے تھے۔ اب تو ان کے اور ان کی خواہشوں کے درمیان وہی عمل کیا جائے گا جو ان سے پہلے ان کے ہم خیال و ہم مشرب لوگوں کے ساتھ جو پکّے شکی تھے کیا جا چکا ہے۔

---

(۳۵) سُوْرَةُ فَاطِرٍ مَكِّيَّةٌ (۴۳)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ؕ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ① مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ② يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۫ۖ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ③ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ④

حمد ہے اُس خدا کے لیے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے جس نے دو تین اور چار بازو والے ملائکہ کو اپنا پیغام رساں بنایا اور اپنی مخلوق میں جو چاہتا ہے زیادہ کر دیتا ہے بے شک اللہ ہر شے پر قادر ہے۔ اللہ اپنی رحمت کا دروازہ جس پر کھول دے کوئی اُسے بند نہیں کر سکتا اور جو چیز بند کر دے اُس کے بعد اُسے کوئی جاری نہیں کر سکتا۔ وہ بڑا غالب حکمت والا ہے۔ اے لوگو اللہ نے جو نعمتیں تمہیں دے رکھی ہیں ان کو یاد کرو۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے جو تمہیں آسمان و زمین سے رزق بہم پہنچاتا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور تم کہاں بہکے جا رہے ہو۔ اے رسول اگر یہ لوگ تمہیں جھٹلا رہے ہیں تو تم سے پہلے رسول بھی جھٹلائے جا چکے ہیں اور تمام امور کی بازگشت اللہ ہی کی طرف ہے۔

اللہ کی بیشمار مخلوق میں ایک گروہ ملائکہ کا بھی ہے۔ اُن کی طاقتیں مختلف ہیں جن کو دو دو تین تین اور چار چار بازوؤں سے تعبیر کیا گیا ہے ان کے کام بھی مختلف ہیں۔ بعض رسولوں کے پاس خدا کے احکام لے کر آتے تھے۔ بعض نظامِ عالم سے جو امور متعلق

ہیں اس کو انجام دیتے ہیں۔ بعض موت پر متعین ہیں۔ یہ سب حکم خدا کے پابند ہیں۔ یہ باختیارِ خود کوئی خدمت انجام نہیں دے سکتے۔ اس دُنیا میں بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو خدا کو چھوڑ کر اس نادیدہ مخلوق کو اپنا خدا بنائے ہوتے ہیں اور اپنی تمام اُمیدیں انہی سے وابستہ رکھتے ہیں۔ یہ عقل کے اندھے ملائکہ کو خدا کی لڑکیاں کہتے ہیں۔ یہی دیوی اور دیوتا کی شکل میں ان کے پاس آتے ہیں اور ان کی مشکلات کو حل کرتے ہیں۔ ان کے مجسمے بنا کر انہوں نے مندروں میں رکھ لیے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ کارسازِ عالم یہی ہیں۔ انہیں سب کچھ انہی سے ملتا ہے۔ ان لوگوں کے عقیدۂ باطل کی تردید میں خدا فرماتا ہے کہ دینے والا خدا ہے۔ وہ جسے دینا چاہے کوئی اُسے روک نہیں سکتا اور جسے نہ دینا چاہے کوئی دے نہیں سکتا۔ دیوی دیوتاؤں کے اندر کوئی قوت نہیں وہ نہ کسی کو قوت رکھتے ہیں دینے کی نہ روکنے کی۔ جو نعمتیں بندوں کو ملتی ہیں سب اسی کی طرف سے ہیں اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ سب کو رزق وہی دیتا ہے۔ وہی آسمان سے مینہ برساتا ہے اور وہی زمین سے غلہ اگاتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۥ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ
بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ⑤ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ۭ اِنَّمَا يَدْعُوْا
حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ⑥

اے لوگو اللہ کا وعدہ سچا ہے تو کہیں تمہیں دُنیا کی زندگی فریب نہ دے دے اور (ایسا نہ ہو کہ شیطان) تمہیں خدا کے بارے میں دھوکا دے۔ بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے تو تم بھی اُسے اپنا دشمن بناتے رہو۔ وہ تو اپنے گروہ کو اس لیے بُلاتا ہے کہ لوگ سب کے سب جہنم میں جانے والے بن جائیں۔

شیطان انسان کے پیچھے شروع سے ہی لگا ہوا ہے۔ انسانوں کی گردن پھانسنے کے لیے اس کے پاس مختلف قسم کے جال ہیں۔ ان کے دل میں یہ وسوسے ڈالتا ہے کہ جو کچھ ہے یہ دُنیا ہی ہے۔ یہاں خوب کھاؤ پیئو اور مزے اڑاؤ، کوئی پوچھنے والا نہیں۔ کبھی کہتا ہے خدا کا کوئی وجود نہیں یہ دُنیا تو ہمیشہ سے ایسی ہی چلی آتی ہے اور ایسی ہی چلتی رہے گی۔ کبھی کہتا ہے، انبیاء و مرسلین سب جھوٹے ہیں۔ اپنا اقتدار قائم کرنے کے لیے خدائی نمائندے بنے پھرتے ہیں۔ غرض سو طرح کے فریب میں لا کر انسان کو جہنمی بنا دیتا ہے۔ جو احمق ہیں وہ بہت جلد اس کے جال میں پھنس جاتے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ڛ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ
مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ⑦ اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْۗءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ۭ فَاِنَّ ۱ ع ۱۳

اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ڮ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ
حَسَرٰتٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ⑧ وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ
فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ
كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ⑨

جو لوگ کافر بن بیٹھے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے اور جو ایمان والے اور عملِ صالح والے ہیں ان کے لیے بخشش ہے اور بڑا اجر ہے کیا وُہ شخص جس کے بُرے کاموں کو (شیطان نے) اچھا کر دکھایا ہے اور وہ اُسے اچھا سمجھتا ہے (مومن کے برابر ہو سکتا ہے) اللہ جسے چاہتا ہے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے منزلِ مقصود تک پہنچا دیتا ہے پس اے رسول کہیں بدبختوں پر افسوس کر کے تمہارا دم نہ نکل جائے۔ جو کچھ وُہ کر رہے ہیں خدا خوب جانتا ہے۔ اللہ وہ ہے جس نے ہواؤں کو بھیجا اور وہ بادلوں کو اُڑائے اُڑائے پھرتی ہیں ایک مُردہ شہر کو سیراب کرتی ہیں پھر اس پانی سے ہم زمین کو مُردہ ہو جانے کے بعد دوبارہ زندہ کرتے ہیں۔ یہی تو قیامت میں لوگوں کو (قبروں سے) اُٹھائے جانے کی صورت ہوگی۔

شیطان کی یہ خاص کارستانی ہے کہ وہ لوگوں کے اعمالِ بد کو ان کی نظر میں اچھا کر کے دکھاتا ہے اور ان کے دل میں کوئی ایسی بات ڈالتا ہے جس سے وہ اس بدی کو نیکی سمجھنے لگتے ہیں۔ مثلاً چور چوری کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ فعلِ بد ہے لیکن شیطان اس سے کہتا ہے کہ دولت کسی کے باپ کی جاگیر نہیں کیا یہ انصاف ہے کہ ایک کے گھر میں تو ہزار ہا روپیہ تجوری میں بیکار پڑا ہے اور دوسرا شخص روٹی کپڑے کو محتاج ہے۔ کیوں نہ اس کی دولت کا ایک حصہ غریب آدمی اپنے تصرف میں لائے۔ پس جب عقلِ انسانی کی چمک ماری جاتی ہے تو انسان بُری باتوں کو اچھا سمجھنے لگتا ہے ایسی صورت میں خدا اپنی توفیق کو اس سے سلب کر لیتا ہے۔ اس کو گمراہی میں چھوڑ دینا کہتے ہیں۔ اور جو لوگ بدی کر کے شرماتے ہیں اللہ ان کی مدد کرتا ہے اور انہیں صحیح راستہ پر لگا دیتا ہے۔

رُوئے زمین پر جہاں نظامِ حیات پایا جاتا ہے ہوا کو اس میں بڑا دخل ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو سارا کارخانہ ٹھپ ہو کر رہ جائے یہی ہوا بادل بناتی اور ان کو ہر طرف اڑاتی ہے۔ بادلوں سے جب زمین پر مینہ برستا ہے تو سوکھی زمین جہاں سبزہ کا نام نہ تھا یکایک لہلہا اُٹھتی ہے۔ کھیتوں میں پودے جھومنے لگتے ہیں پس یہی طریقہ ہوگا قیامت میں مُردوں کے زمین سے نکلنے کا۔ قدرت نے ایک چھوٹی سی مثال سے کتنے بڑے مسئلہ کو سمجھا دیا۔

غلہ کے ایک دانہ کو ہاتھ پر رکھ کر دیکھو کیا اس کے اندر کوئی پودا چھُپا ہوا نظر آتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ زمین میں دبانے کے بعد

جب اس پر مینہ برستا ہے تو وہ چھوٹا سا دانہ اپنے اندر سے وہی پودا نکالنا شروع کرتا ہے جس کا وہ دانہ تھا۔ جہاں جہاں اس کے اجزا ننھے سمٹ سمٹ کر آ گئے اور رفتہ رفتہ وہ پورا پودا بن کر کھڑا ہو گیا۔ پہلے پودے کے اجزا جس کا وہ دانہ تھا خدا جانے کہاں بکھرے پڑے تھے جو پھر اکٹھے ہو گئے۔ اس دانہ کے اندر جو اس کے اجزائے اصلیہ چھپے ہوئے تھے انہوں نے اپنے اجزائے زائدہ کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ اسی طرح جب انسان کی موت واقع ہوتی ہے تو اس کے اجزائے اصلیہ اس کے جسم سے کھینچ لیے جاتے ہیں۔ اجزائے زائدہ قبر میں گل سڑ کر خاک ہو جاتے ہیں قیامت میں جب خزانۂ قدرت سے نکال کر اس کے اجزائے اصلیہ رکھ دیئے جائیں گے تو اس کے اجزائے زائدہ اس سے مل کر وہی شکل پیدا کر دیں گے، جو مرتے وقت تھی۔ یہی تو خدا کی قدرت کا کمال ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ۭ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ
الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ۭ وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۭ وَمَكْرُ
اُولٰۗىِٕكَ هُوَ يَبُوْرُ ⑩

جو کوئی عزّت چاہتا ہے (وہ خدا سے مانگے) کیونکہ ہر قسم کی عزّت تو خدا ہی کے لیے ہے۔ پاک کلمات اس کی طرف چڑھتے ہیں اور عملِ صالح اس کو بلند کرتے ہیں۔ جو لوگ بُری تدبیر کرتے رہتے ہیں۔ ان کے لیے سخت عذاب ہے اور یہی لوگ ہلاک ہونے والے ہیں۔

خدا کی بارگاہ میں صرف اسی بات کی قدر ہوتی ہے جو سچی ہو مکر و فریب سے پاک ہو۔ اچھی بات کا بلند ہونا اور خدا تک پہنچنا بھی اس پر موقوف ہے کہ عملِ نیک بھی اس کے ساتھ ہو ورنہ صرف کہنے سے کام نہیں چلتا۔ اسلام میں دو ہی چیزوں کی قدر ہے اور اس پر فلاحِ دین و دنیا موقوف ہے۔ اوّل صادق قول دوسرے عملِ صالح۔ جو لوگ اس دنیا میں مکر و فریب کی مدد سے ترقی حاصل کرتے ہیں وہ کچھ ترقی نہیں بلکہ ان کے لئے تو آخرت میں اس کی سخت سزا دی جائے گی اور دُنیا میں بھی کسی روز ان کو سخت ذلت نصیب ہو گی اور قید و بند کی تکلیف اٹھانا پڑے گی۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ۭ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ
اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ۭ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ
اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرٌ ⑪ وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ ۖ ق

هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَاۗىِٕغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۭ وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ
لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ
لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ⑫

اللہ نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے پھر تم کو جوڑا (نر و مادہ) بنایا اور بغیر اس کے علم کے نہ کوئی عورت حاملہ ہوتی ہے اور نہ کوئی عورت جنتی ہے اور کسی کی عمر میں کوئی زیادتی یا کمی نہیں ہوتی مگر یہ کہ وہ کتاب (لوحِ محفوظ) میں لکھی ہوئی ضرور ہوتی ہے اور یہ سب اللہ کے لیے آسان ہے اور (یہ اس کی قدرت دیکھو) دو سمندر باوجود ایک ساتھ بہنے کے یکساں نہیں ہو جاتے۔ یہ میٹھا خوش ذائقہ ہے اور اس کا پینا لذّت بخشتا ہے۔ دوسرا نمکین کڑوا (مگر آپس میں ملتے نہیں پھر اسی پانی سے) تم تازہ گوشت مچھلیوں کا کھاتے ہو اور اپنے لیے زیور نکالتے ہو جسے تم پہنتے ہو اور اسی پانی میں تم کشتیوں کو دیکھتے ہو کہ چیرتی پھاڑتی چلی جاتی ہیں، تاکہ تم اپنی روزی تلاش کرو۔ اور اللہ کے شکر گزار بندے بنو۔

انسان کو اس کی خلقت کی طرف کئی جگہ توجہ دلائی گئی ہے تاکہ وہ اس پر غور کرے کہ جس کی بنیاد ایک قطرۂ نجس سے تھی خدا نے اسے کیا سے کیا بنا دیا (اشرف المخلوقات) پھر اس نطفہ سے مرد و عورت بنائے جن کی صورتیں بھی مختلف ہیں اور عادات بھی مختلف۔ اور جن کے فرائض بھی جُداگانہ ہیں اور عقل و فہم بھی الگ الگ۔ لیکن انسان اس پر غور نہیں کرتا اور دُنیا کی رنگ رلیوں میں ایسا مست ہوتا ہے کہ احکامِ خدا کے خلاف کرنے میں اُسے مزہ آنے لگتا ہے۔ حدیثِ قدسی میں ہے کہ میں نے پانچ چیزیں پانچ جگہوں میں رکھی ہیں مگر لوگ انہیں دوسری جگہ ڈھونڈتے ہیں، پھر وہ انہیں کیونکر پا سکتے ہیں۔ میں نے عزّت فرماں برداری میں رکھی ہے۔ اور لوگ اُسے بادشاہوں کے دروازوں پر ڈھونڈتے ہیں۔ میں نے علم و حکمت کو بھوک میں رکھا ہے، لوگ اسے سیری میں تلاش کرتے ہیں۔ راحت و آرام کو میں نے بہشت میں رکھا ہے، لوگ دُنیا میں تلاش کرتے ہیں۔ تونگری کو میں نے قناعت میں رکھا ہے لوگ اُسے اطاعتِ نفس میں ڈھونڈتے ہیں۔ پھر کیسے ملے گی۔

علاوہ اس کی خلقت کے سربستہ رازوں کے اس کی عمر کے کم و بیش کرنے کا اختیار بھی ہم ہی کو ہے۔ اس کی طاقت نہیں کہ اپنی عمر میں ایک دن بڑھا سکے۔ پھر دریاؤں میں سفر کرتا پھرتا ہے۔ ایک جگہ پانی میں ایسی دو دھاریں ملی ہوئی نظر آتی ہیں کہ ایک طرف کا پانی میٹھا خوشگوار ہوتا ہے، دوسری طرف کا کھاری بدذائقہ۔ اُن کے درمیان کوئی روک نہیں ہوتی۔ مگر اس کی قدرت کا کمال دیکھو، وہ دھاریں آپس میں گڈمڈ نہیں ہو سکتیں۔ پھر ذرا اس پر غور کرو کہ ان سمندروں میں جو مچھلیاں پیدا ہوتی ہیں ان کے گوشت میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ دونوں کو تم مزہ سے کھاتے ہو۔ پھر یہ بھی سمجھو کہ وہ پانی میں موتی پیدا کرتا ہے۔ صدف ایک جانور ہوتا ہے اس کے

دوباز و ہوتے ہیں جو سیپ کہلاتے ہیں۔ وہ سمندر کی تہ میں چٹانوں پر اپنی زندگی بسر کرتا ہے۔ اس کا خالق وہیں اس کو رزق پہنچاتا ہے۔ جب ابر نیساں گرجتا ہے تو اس کی آواز سنتے ہی وہ اپنی چٹان پر سے حرکت کرتا ہے اور سطح آب پر آکر اپنا منہ کھول دیتا ہے۔ تاکہ اس کی رحمت کا ایک قطرہ اس کے اندر آجائے۔ جیسے ہی وہ قطرہ اس میں گرتا ہے اپنا منہ بند کر کے پھر سمندر کی تہ میں چلا جاتا ہے جیسے نطفہ رحم مادر میں جاکر رفتہ رفتہ بچہ بن جاتا ہے اسی طرح یہ قطرہ صدف میں جاکر رفتہ رفتہ موتی بننا شروع ہو جاتا ہے۔ پہلے پانی کا قطرہ منجمد ہوتا ہے پھر اس میں سختی آجاتی ہے پھر چمک پیدا ہوتی ہے۔ یہ سب کام ایک سال کے اندر ہوتا ہے۔ کسی انسان کی طاقت ہے کہ ایسا موتی بنا سکے۔ انسان بھی موتی بناتا تو ہے مگر قدرتی موتی اور انسان کے بنائے ہوئے موتی میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے قدرتی موتی کی چمک ہی اور ہوتی ہے اس کی مضبوطی ہی اور ہوتی ہے۔ خدا اور انسان کے بنائے یکساں کیسے ہو سکتے ہیں۔ یہ خدا نے انسان کے لیے اس کی زینت کا ساماں بنایا ہے۔

يُولِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۙ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ
وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۚ
وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِن قِطْمِيرٍ ⑬ إِن تَدْعُوهُمْ
لَا يَسْمَعُوا دُعَآءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ
يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ ۚ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ ⑭ يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ
أَنتُمُ الْفُقَرَآءُ إِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ⑮ إِن يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ
وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ ⑯ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيزٍ ⑰

اس کی قدرت کا یہ کمال بھی دیکھو کہ رات کو دن سے اور دن کو رات سے ملاتا ہے یعنی دن کی روشنی آہستہ آہستہ گھٹتی اور تاریکی بڑھتی چلی جاتی ہے اسی طرح رات کے آخری حصے میں اُفق پر ہلکی روشنی نمودار ہوتی ہے اور رفتہ رفتہ دن نکل آتا ہے اس نے سورج اور چاند کو تابعدار بنا دیا ہے کہ ہر ایک اپنے اپنے وقتِ مقررہ پر چلا کرتا ہے۔ وہی خدا تمہارا رب ہے (تمام عالموں پر) اس کی سلطنت ہے۔ جو لوگ اس کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں وہ تو چھوہارے کی گٹھلی کی جھلی پر بھی قدرت نہیں رکھتے۔

اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری دُعائیں سنتے نہیں اور اگر (بفرضِ محال) سُنیں بھی تو تمہاری کوئی دُعا قبول نہیں کرتے اور قیامت کے دن وہ تمہارے شرک سے انکار کر بیٹھیں گے اور واقف کار شخص کے سوا کوئی دوسرا تمہیں ان کی پُوری حالت نہیں بتا سکتا۔ لوگو! تم اللہ کی طرف محتاج ہو اور وُہ غنی اور قابلِ حمد ہے اگر چاہے تو تمہیں یہاں سے لے جائے اور تمہاری بجائے ایک نئی مخلوق لے آئے اور اللہ پر یہ کوئی دشوار امر نہیں۔

جو لوگ بُتوں کی پرستش کرتے ہیں وہ اس بات پر کیوں غور نہیں کرتے کہ ان کے اندر کونسی ایسی طاقت ہے جس سے مرعوب ہو کر ان کو اپنا معبود تسلیم کر لیا ہے۔ ان کے قبضہ میں جب ایک تنکا بھی نہیں۔ جب وہ کسی کی بات سنتے ہی نہیں، جب وہ کسی کی بات کا جواب بھی نہیں دیتے تو پھر کیا وجہ ہے کہ ان کے سامنے حاضر ہو کر سجدے کیے جائیں۔ کیا ان کی طرف سے کسی زمانہ میں کچھ ایسے لوگ آئے تھے جو ان کے احکام لوگوں تک پہنچانے کے ذمہ دار تھے۔ کیا انہوں نے کوئی کتاب ایسی بھیجی کہ جس میں اپنے رسولوں کو کچھ ہدایت کی ہو۔ اگر یہ کچھ بھی نہیں تو اس خدا کو کیوں نہیں مانتے جس کی قدرت کی بے شمار نشانیاں ان کے اردگرد پھیلی ہوئی ہیں جیسے دن رات جو کہ زمین کی محوری گردش کے مرہونِ منت ہیں

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى ۚ وَإِن تَدْعُ مُثْقَلَةٌ إِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ
مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۗ إِنَّمَا تُنذِرُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ
وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۚ وَمَن تَزَكّٰى فَإِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهِ ۚ وَإِلَى اللّٰهِ الْمَصِيرُ ⑱
وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمٰى وَالْبَصِيرُ ⑲ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّورُ ⑳ وَلَا الظِّلُّ
وَلَا الْحَرُورُ ㉑ وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَآءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ ۚ إِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ
مَن يَشَآءُ ۚ وَمَآ أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ ㉒ إِنْ أَنتَ إِلَّا
نَذِيرٌ ㉓

(یہ یاد رہے کہ) قیامت میں کوئی کسی دُوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا۔ اگر کوئی اپنا بوجھ اُٹھانے کے لیے کسی کو بلائے گا تو اس کے بوجھ سے کچھ بھی نہ اُٹھایا جائے گا۔ چاہے کوئی کسی کا قرابتدار ہی کیوں نہ ہو تم تو

صرف انہی لوگوں کو ڈرا سکتے ہو جو بے دیکھے بھالے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور پابندی سے نماز پڑھتے ہیں۔ جو شخص اپنے کو پاک صاف رکھتا ہے وہ اپنے ہی فائدہ کے لیے پاک رکھتا ہے اور آخر کار سب کو خدا کی طرف ہی پلٹ کر جانا ہے۔ اندھا اور آنکھوں والا (کافر و مومن) اندھیرا (کفر) اور اُجالا (ایمان) اور شام (بہشت) اور دھوپ (دوزخ) کیسے برابر ہو سکتے ہیں اور یہ زندہ (مومنین) اور مُردہ (کافر) کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔ خدا جسے چاہتا ہے اچھی طرح سُنا (سمجھا) دیتا ہے (اے رسول) جو کفّار مردوں جیسے قبروں میں ہیں انہیں تم اپنی باتیں نہیں سمجھا سکتے۔ تم تو (عذاب سے) ڈرانے والے ہو۔

مکّہ میں جو لوگ مسلمان ہوتے تھے، کفّارِ مکّہ جہاں ان کو پاتے طرح طرح سے ستاتے تھے۔ ایک چال یہ بھی چلتے تھے کہ ان سے دوستانہ انداز میں یہ بھی کہتے تھے کہ تم ترکِ اسلام کر کے اپنے سابق دین کی طرف لوٹ آؤ۔ تمہارے جتنے گناہ ہوں گے ان سب کا بار ہم اپنے اوپر لیے لیتے ہیں۔ ان کے اس فریب کا پردہ چاک کرنے کے لیے خدا فرماتا ہے کہ قیامت میں کوئی کسی گناہ کا بار اپنے اوپر نہ لے گا۔ وہاں پر ہر شخص اپنے گناہ کا خود ذمّہ دار ہو گا۔

اے رسول تمہارے عذاب سے ڈرانے کا اثر صرف وہی لوگ لے سکتے ہیں جن کے نفس میں پاکیزگی ہے۔ جو کفر و شرک کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں ان پر تمہارے سمجھانے کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔

بھلا کافر اور ایمان والا، شرک کی تاریکی میں لپٹا ہوا اور توحید کی نورانی فضا میں رہنے والا، بہشت کا طلبگار اور دوزخ کا مستحق کیسے برابر ہو سکتے ہیں، ہرگز نہیں۔ تم اُن کو تو سُنا سکتے ہو جو سننے کی اہلیت رکھتے ہیں اور جن کے ضمیر مُردہ ہو چکے ہیں انہیں تم کیا سناؤ گے اور وہ تمہاری کیا سُنیں گے۔

إِنَّآ أَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۭ وَإِنْ مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (۲۴)
وَإِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ
بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ (۲۵) ثُمَّ أَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ (۲۶) ع ۳ ۱۵

اے رسول ہم نے تم کو حق کے ساتھ بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ کوئی اُمّت ایسی نہیں

جس میں کوئی ڈرانے والا نہ آیا ہو۔ اگر یہ تمہیں جھٹلا رہے ہیں تو ان لوگوں نے جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں اُن رسولوں کو بھی جھٹلایا تھا جو ان کے پاس معجزات صحیفے اور آسمانی کتابیں لے کر آتے تھے۔ پھر ہم نے کفر کرنے والوں کو لے ڈالا اور ہمارا عذاب کیسا سخت تھا۔

ہر زمانہ کے لوگ اپنے اپنے رسولوں کو جھٹلاتے رہے حالانکہ وہ معجزات لے کر بھی آئے تھے۔ صحیفے اور کتابیں بھی پیش کرتے تھے مگر ان کے دلوں پر کفر کی تاریکی ایسی چھائی ہوئی تھی کہ ہدایت کی روشنی کی چمک ان کے دلوں پر پڑتی ہی نہ تھی۔ آخر نتیجہ کیا ہوا ہمیشہ کے لیے اپنے واسطے عذاب خرید لیا۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَأَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا
أَلْوَانُهَا ۭ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ
سُوْدٌ (۲۷) وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْأَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ۭ
إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ۭ إِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ (۲۸) إِنَّ
الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَأَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ
سِرًّا وَّعَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ (۲۹) لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُوْرَهُمْ
وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ إِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ (۳۰) وَالَّذِيْٓ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ
مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ۭ إِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ
لَخَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ (۳۱)

کیا تم نے اس پر غور نہیں کیا کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا۔ پھر ہم نے اس سے مختلف رنگ کے پھل پیدا کیے

اور پہاڑوں میں گھاٹیاں (بکثرت راستے) ہیں جن کے رنگ مختلف ہیں۔ کچھ تو سفید بُرّاق کچھ لال اور کچھ بالکل کالے ہیں اور آدمیوں، جانوروں اور چوپاؤں کی رنگتیں بھی طرح طرح کی ہیں اُس نے پیدا کیے ہیں۔ خدا کا خوف کرنے والے تو علماء ہیں۔ بے شک خدا سب پر غالب اور بخشنے والا ہے بے شک جو لوگ خدا کی کتاب پڑھتے ہیں اور پابندی سے نماز پڑھتے ہیں اور جو رزق ہم نے انہیں عطا کیا ہے اس کو چھپا کر اور دکھا کر خدا کی راہ میں دیتے ہیں، وہ ایک ایسی تجارت کرتے ہیں جس میں کبھی گھاٹا نہ ہوگا خدا انہیں اُن کی مزدوریاں بھرپور عطا کرے گا اور اپنے فضل و کرم سے کچھ اور بڑھا دے گا۔ وہ بڑا بخشنے والا بڑا قدردان ہے اور جو کتاب ہم نے تمہارے پاس وحی کے ذریعہ بھیجی ہے وہ بالکل ٹھیک ہے اور جو کتابیں اس سے پہلے آچکی ہیں اُن کی تصدیق کرتی ہے۔ بیشک اللہ اپنے بندوں کے حالات سے خبردار اور واقف کار ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کی نشانیاں بیان کر رہا ہے:

۱۔ درختوں سے مختلف رنگ اور مختلف ذائقے اور مختلف قد و قامت کے پھل پیدا کرتا ہے۔
۲۔ پہاڑوں پر مختلف رنگ کے پتھر پیدا کرتا ہے۔
۳۔ زمین پر مختلف قسم کے جانور چلتے پھرتے پیدا کرتا ہے۔ ان میں اُس کی قدرت کے ہزارہا کمالات پوشیدہ ہیں۔ جن کو دیکھ کر عقلِ انسانی حیران رہ جاتی ہے۔

۲۸ ویں آیت میں فرمایا ہے، اللہ سے ڈرنے والے اس کے بندوں میں علماء ہیں۔ یہ کون لوگ ہیں اس کے متعلق مفسرین میں اختلاف ہے تفسیر   میں ہے اس سے مراد آنحضرتؐ کی آمت کے وہ صحابہ تابعین اور تبع تابعین ہیں جو قیامت تک کتابِ خدا کے سچے وارث اور اس کے مطابق ہادی ہوں گے اور جن کو خدا نے شہداء علی الناس فرمایا ہے۔

لوامع التنزیل میں ہے کہ علماً سے مراد خدا کی حجت اور خلقِ خدا کے گواہ حضرت علی علیہ السلام اور ان کی اولاد ہیں۔ اس کی تائید حافظ ابوبکر بن مردویہ نے بھی کی ہے اور صاف لکھا ہے کہ یہ آیت حضرت علیؑ کی شان میں ہے۔ ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں لکھا ہے کہ حضرت علیؑ کے سوا کسی نے سَلُوْنِیْ قَبْلَ اَنْ تَفْقِدُوْنِیْ کا دعویٰ نہیں کیا۔ اگر آپؑ کتابِ خدا کے عالم نہ ہوتے تو یہ دعویٰ نہ کرتے۔ یُوں تو دنیا میں کتابِ خدا کے بیشمار عالم ہر زمانہ میں موجود رہے ہیں لیکن کوئی ایک شخص بھی ایسا تو نہیں بتایا جاسکتا جو پُوری کتاب کی ہر حقیقت کا عالم ہو اور جو اس کی تنزیل و تاویل کے تمام متعلقات کو جانتا ہو۔ خدا سے حقیقی معنوں میں ڈرنے والے وہ لوگ ہوسکتے ہیں جو ہر حکمِ الٰہی پر پوری طرح عمل کرنے والے ہوں اور جنہوں نے امرِ الٰہی کے خلاف کوئی قدم مدت العمر اُٹھایا ہی نہ ہو۔ ایسے لوگ معصومین کے سوا دوسرے ہو ہی نہیں سکتے۔

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ؕ (۳۲)

پھر ہم نے کتاب کا وارث ان لوگوں کو بنایا جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے منتخب کیا ہے (ہمارے بندے تین قسم کے ہیں) بعض ان میں سے (نافرمانی کی وجہ سے) اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں، بعض میانہ رَو ہیں، اور بعض ان میں نیکی کی طرف باذنِ خدا دَوڑ لگانے والے ہیں۔ سب سے بڑا فضل خدا کا یہی ہے۔

سب سے پہلے یہ سمجھنا چاہیئے کہ وراثت سے کیا مراد ہے۔ یہ مراد نہیں کہ قرآن کا ایک نسخہ کسی کتب فروش سے خرید کر اپنے گھر میں رکھ لیا اور نہ یہ مراد ہے کہ روزانہ اس کی تلاوت کرتے رہے نہ یہ مراد ہے کہ اُسے گلے میں لٹکائے پھرتے رہے، نہ یہ مراد ہے کہ اُسے خوش الحانی سے تلاوت کر کے قاری کہلانے لگے۔ بلکہ وراثتِ کتاب کا یہ مطلب ہے کہ کتابِ خدا سے ایسا مکمل علم حاصل ہو کہ ہر مسئلہ کا جواب قرآن سے دیا جاسکے۔ اس کے تمام احکام پر پُورا پُورا عمل ہو۔ ہر گمراہ کو کتابِ خدا کی رُو سے ہدایت کر سکے۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ وارثِ کتاب اللہ رسولؐ کے بعد کون ہیں۔ رسولؐ مورثِ کتاب اللہ تھے۔ پُوری کتاب کا علم ان کے سینہ میں تھا لہٰذا ان کے بعد جو وارثِ کتاب ہیں وہ بھی ان ہی جیسا ہوگا یعنی پوری کتاب کا علم اس کے بھی سینہ میں ہونا چاہیئے۔

مفسرین نے اس کے تعین میں بہت کچھ اختلاف کیا ہے۔ کوئی کہتا ہے وارثِ کتاب وہ ہیں جو نماز پڑھتے روزہ رکھتے اور زکوٰۃ دیتے اور حج کرنے میں عام لوگوں پر فوقیت رکھتے ہیں۔ لیکن ایسی وراثت کا قرآن میں کہیں ذکر نہیں۔ خدا اور رسولؐ کی طرف سے کوئی نص نہیں۔ یہاں جنتی ہونے کا ذکر نہیں بلکہ وارثِ کتاب ہونے کا ذکر ہے۔ ایک صاحب کہتے ہیں وارثِ کتاب علمائے دین ہیں لیکن یہ بھی صحیح نہیں۔ جبکہ ان کے درمیان تنزیل و تاویلِ قرآن میں شدید اختلاف ہے تو ان میں سے کس کو وارثِ کتاب قرار دیا جائے۔ اگر سب وارثِ کتاب ہیں تو کس کی بات کو فوقیت دی جائے۔

ایک مفسرِ کتاب کا بیان بھی سُن لیجئے جو بڑے پایہ کے عالم سمجھے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی تین قسمیں کی ہیں، اوّل وہ جو ظالم لنفسہ ہیں یعنی کتابِ خدا کو پڑھتے ہیں مگر اس پر عمل نہیں کرتے ہیں۔ یہ مجرم تو ہیں مگر کافر نہیں لہٰذا کتابِ خدا کے وارثوں میں یہ بھی ہیں۔ دوسرے میانہ رَو ہیں یعنی کتابِ خدا پڑھتے ہیں عمل بھی کرتے ہیں مگر پُورا نہیں۔ بعض احکام بجالاتے ہیں بعض نہیں۔ یہ بھی وارثِ کتاب ہیں، کیونکہ گنہ گار تو ہیں مگر باغی نہیں۔ مومن ہیں کافر نہیں۔ اب رہی تیسری قسم یعنی وہ لوگ جو پُوری سرگرمی سے احکامِ خدا کی تعمیل کرتے ہیں۔ ان کا مرتبہ سب سے بلند ہے۔ حقیقی وارثِ کتاب اللہ یہی لوگ ہوسکتے ہیں۔

ان عالم صاحب نے کیسی کمزور بات کہی ہے، جب سبھی کتاب اللہ کے وارث ہیں پھر ان میں انتخاب کیسا۔

خدا فرماتا ہے اپنے بندوں میں سے جن کو ہم نے چن لیا ہے انہی کو اپنی کتاب کا وارث بنایا ہے۔ جب سب ہی وارث ہیں تو پھر انتخاب کن لوگوں میں سے ہوا۔ سب سے گھٹیا قسم کے وہ لوگ ہیں جو قرآن کو پڑھتے تو ہیں مگر عمل نہیں کرتے۔ جب ورثا کی فہرست میں یہ بھی داخل ہیں تو پھر وہ کونسی قسم باقی رہی جن میں سے انتخاب کیا گیا۔ اگر کافر و مسلم میں سے انتخاب ہوتا تو شاید اس انتخاب کے جواز میں کچھ کہا جا سکتا۔ لیکن کافر کا چونکہ قرآن سے تعلق ہی نہیں لہٰذا منتخب ہونے والوں کی فہرست میں اس کے نام کے آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

کہا تو یہ جا رہا ہے کہ ہم نے کتاب کا وارث ان لوگوں کو بنایا ہے جنہیں ہم نے خود منتخب کیا ہے بندوں کے انتخاب کو اس میں دخل نہیں۔ اس کے بعد اپنے بندوں کی قسمیں بتاتا ہے یعنی ان بندوں کی جن کا ایمان قرآن پر ہے وہ تین قسم کے ہیں، ایک وہ ہیں جنہوں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے اعمالِ خیر بجا نہیں لاتے لہٰذا وراثتِ قرآن کا ان سے تو تعلق ہو ہی نہیں سکتا۔

؎ او خویشتن گم است کرا رہبری کند

جو اپنے نفس کو ظلم سے نہیں بچا سکیں گے وہ قرآن کی تعلیم دوسروں کو کیا پہنچا سکیں گے اور جب نہ پہنچا سکیں گے تو ان کے وارثِ قرآن ہونے سے کیا فائدہ؟ دوسرا گروہ میانہ روی اختیار کرنے والوں کا ہے یعنی ان کے نامۂ اعمال میں نیکی و بدی دونوں درج ہیں غلط کاریاں اور بد اعمالیاں کرنے والا خدا کا محبوب بندہ نہیں ہو سکتا۔ پھر خدا اُسے کتاب کا وارث کیسے بنائے گا۔ دوسرے جب ان سے اوپر ایک طبقہ اور موجود ہے تو اُسے چھوڑ کر درمیانی طبقہ کو وارث بنانا عدلِ الٰہی کے خلاف ہوگا۔ اگر کہا جائے کہ دونوں وارث ہیں تو بھی غلط بات ہے جبکہ سابق بالخیرات موجود ہیں تو پھر ان سے نیچے کے طبقہ کو وارث بنانے کی ضرورت کیا پیش آئے گی۔ اگر ایک اونچا طبقہ ضرورتِ ہدایت کو پورا کر سکتا ہے تو پھر ان کے گروہ میں ادھ کچرے لوگوں کو شامل کیوں کیا جائے۔ ایک مثال سے اس کو سمجھئے۔

ایک مسافر کراچی سے لاہور جانا چاہتا ہے۔ اُسے ایک راہنما کی تلاش ہے اُسے تین قسم کے آدمی ملتے ہیں۔ ایک کہتا ہے میں حیدر آباد تک ساتھ چل سکتا ہوں، لاہور تک نہیں۔ دوسرا کہتا ہے میں ایک بار لاہور گیا تو ہوں مگر راستہ بھول گیا ہوں راستہ میں لوگوں سے پوچھتے چلے جائیں گے۔ تیسرا کہتا ہے میں تو لاہور کے راستہ سے خوب واقفیت رکھتا ہوں بار بار گیا ہوں، اس کی ہر منزل کا مجھے پتہ ہے۔ ہر سڑک میری دیکھی بھالی ہے۔ آپ میرے ساتھ چلیں، انشاء اللہ آپ کہیں نہ بہکیں گے سیدھے لاہور پہنچ جائیں گے۔ بتائیے یہ مسافر کس کو راہنما بنائے۔ ہر صاحبِ عقل کا فیصلہ یہی ہوگا کہ اُسی کے ساتھ جانا چاہیئے جو راستہ سے باخبر ہو۔ پہلے اور دوسرے کے ساتھ جانے میں بہک جانے کا قوی خطرہ ہے۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ سابق بالخیرات یعنی نیکیوں کی طرف سبقت کرنے والے کون لوگ ہیں؟

آنحضرتؐ کی بعثت کے بعد سب سے پہلے نیکی کیا تھی اور اس کی طرف سب سے پہلے کون بڑھا۔ تمام مفسرین و مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ مردوں میں سب سے پہلے حضورؐ پر ایمان لانے والے حضرت علی علیہ السّلام تھے۔ کہا جاتا ہے، تھے تو مگر کم سنی کی وجہ سے ان کا ایمان مقبول نہ تھا۔ سوال یہ ہے کہ ایمان لانا بغیر دعوتِ اسلام سُنے تھا یا دعوتِ اسلام سُننے کے بعد۔ اگر دعوتِ اسلام دینے سے پہلے تھا تو علیؑ کا مرتبہ اور بلند ہو جاتا ہے کہ باوجود کم سنی کے انہوں نے حقیقتِ اسلام کو اس حد تک سمجھ لیا تھا کہ حضورؐ کے دعوت دینے کی ضرورت بھی نہ سمجھی۔ اور اگر آنحضرتؐ کے دعوتِ اسلام سُننے کے بعد اظہارِ ایمان کیا تو آیا یہ دعوت رسولؐ نے اپنی طرف سے دی تھی یا

بحکمِ خدا دی تھی۔ اپنی طرف سے تو دے نہیں سکتے تھے کیونکہ وہ تو بغیر وحی کے کلام نہ کرتے تھے اور اگر بحکمِ خدا ایسا کیا تھا تو خدا نے ایسے شخص کو دعوت دینے کا حکم کیوں دیا جس کو اسلام لانے کی دعوت دینا صحیح نہ تھا۔ بس معلوم ہوا کہ بچپن میں حضرت علیؑ کا اسلام لانا صحیح تھا اور بحکمِ خدا تھا۔ اور سبقت الی الاسلام میں سب سے آگے قدم حضرت علیؑ کا تھا۔ اب ذرا نیکیوں کی طرف ایک نظر ڈالیے اور دیکھیے، سبقت کرنے والا کون تھا۔ کتابِ خدا کے وارث کے لیے سب سے بڑی چیز صاحبِ علم ہونا ہے امتِ رسول میں کوئی ایک شخص بھی آپ کو ایسا نظر آتا ہے جس نے علیؑ کے برابر علمی فضیلت کے دعوے کیے ہوں۔

نہج البلاغہ کے ایک خطبہ میں فرماتے ہیں یَنْحَدِرُ عَنِّی السَّیْلُ وَلَا یَرْقیٰ اِلَیَّ الطَّیْرُ (علم کا ایک سیلاب میرے اندر سے نکلتا ہے اور میرے مرتبہ کی بلندی تک ایک پرندہ بھی اُڑ کر نہیں جا سکتا۔)

کون ہے جو سرِ منبر یہ دعویٰ کرے اَلَا سَلُوْنِیْ قَبْلَ اَنْ تَفْقِدُوْنِیْ (میرے مرنے سے پہلے جو چاہو مجھ سے پوچھ لو)۔ سوائے علی علیہ السلام کے کس کی زبان سے یہ الفاظ نکل سکتے ہیں لَوْ شِئْتُ لَاَوْقَرْتُ سَبْعِیْنَ بَعِیْرًا مِنْ تَفْسِیْرِ فَاتِحَۃِ الْکِتَابِ۔ (اگر میں چاہوں تو سورہ فاتحہ کی تفسیر سے ستر اونٹ لاد دوں)۔ ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں عِلْمِیْ مِنْ عِلْمِ عَلِیٍّ وَعِلْمُ عَلِیٍّ مِنْ عِلْمِ نَبِیٍّ وَعِلْمُ نَبِیٍّ مِنْ عِلْمِ اللّٰہِ وَمَا عِلْمِیْ وَعِلْمُ جَمِیْعِ اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ فِیْ عِلْمِ عَلِیٍّ اِلَّا کَقَطْرَۃٍ فِیْ سَبْعَۃِ اَبْحُرٍ۔ (میرا علم علیؑ کے علم سے اور علیؑ کا علم نبیؐ کے علم سے اور نبیؐ کا علم خدا کے علم سے ہے اور میرا اور تمام اصحابِ محمدؐ کا علم علیؑ کے علم کے مقابل ایسا ہے جیسے سات سمندروں کے مقابل ایک قطرہ۔

رسول اللہؐ نے ایک حدیث میں فرمایا ہے عَلِیٌّ مَعَ الْقُرْاٰنِ وَالْقُرْاٰنُ مَعَ عَلِیٍّ۔ (ارجح المطالب) "علی قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علی کے ساتھ ہے۔" پس ایسی صورت میں علیؑ کے سوا وارثِ کتاب اللہ کون ہو سکتا ہے۔

آپؑ ہر مسئلہ کا جواب قرآن سے دیتے تھے اور ہر قضیہ کا فیصلہ قرآن سے کرتے تھے۔ پس وارثِ قرآن کو ایسا ہی ہونا چاہیئے وارثِ قرآن جانتا ہو کہ کون سی آیت کب نازل ہوئی، کہاں نازل ہوئی، کس کے متعلق نازل ہوئی۔ سفر میں نازل ہوئی یا حضر میں۔ رات میں نازل ہوئی یا دن میں۔ آیاتِ متشابہات کی تاویل کیا ہے۔ یہ علم علیؑ کے سوا کسی دوسرے کو نہ تھا۔

مفسرین حضرات جسے چاہیں وارثِ کتاب بنا دیں لیکن خدا اور رسولؐ نے تو علیؑ کو ہی بنایا ہے۔ غیر معصوم وارثِ کتاب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس سے بھول چوک ہو سکتی ہے۔

کتابِ خدا قیامت تک چلنے والی ہے لہٰذا اس کا ایک وارث بھی جو معصوم ہو قیامت تک اس کے ساتھ چلے گا۔ یہی وجہ ہے کہ حدیثِ ثقلین میں رسولؐ نے قرآن کے ساتھ اپنے اہلبیتؑ کو کیا ہے۔ جن میں کا ایک ہر زمانہ میں قرآن کے ساتھ رہا اور اب بھی ہے اور قیامت تک رہے گا۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۚ
وَلِبَاسُهُمْ فِیْهَا حَرِیْرٌ ﴿۳۳﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْۤ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ؕ

اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ ۨ (۳۴) الَّذِیْۤ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا یَمَسُّنَا
فِیْهَا نَصَبٌ وَّ لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا لُغُوْبٌ (۳۵) وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ
لَا یُقْضٰی عَلَیْهِمْ فَیَمُوْتُوْا وَ لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِیْ
كُلَّ كَفُوْرٍ (۳۶) وَهُمْ یَصْطَرِخُوْنَ فِیْهَا ۚ رَبَّنَاۤ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا
غَیْرَ الَّذِیْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا یَتَذَكَّرُ فِیْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ
النَّذِیْرُ ؕ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ نَّصِیْرٍ (۳۷) اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَیْبِ السَّمٰوٰتِ ع ۴ ۱۱ ۱۶
وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (۳۸)

(اس کا صلہ) جنّت کے سدا بہار باغ ہیں جن میں یہ لوگ داخل ہوں گے اور انہیں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور ان کی پوشاک خالص ریشمی ہوگی اور وُہ لوگ (خوشی میں) کہیں گے خُدا کا شُکر ہے جس نے ہم سے ہر قسم کا رنج و غم دُور کر دیا ہے۔ ہمارا پروردگار بڑا بخشنے والا اور قدردان ہے جس نے ہمیں اپنے فضل سے ہمیشگی کے گھر میں اُتارا، جہاں کوئی تکلیف ہمیں چھوئے گی نہیں اور نہ کوئی تکان ہی پہنچے گی۔ اور جو لوگ کافر ہیں ان کے لیے جہنّم کی آگ ہے۔ نہ ان کو قضا ہی آئے گی کہ وہ مر جائیں، اور نہ ان کے عذاب میں ہی کمی کی جائے گی۔ ہم ہر ناشکرے کو یُوں ہی سزا دیا کرتے ہیں۔ یہ لوگ دوزخ میں پڑے چلّایا کریں گے اور کہیں گے پروردگارا اب ہم کو نکال دے تاکہ جو کچھ پہلے کرتے تھے اُسے چھوڑ کر نیک کام کریں۔ (خدا جواب دے گا) کیا ہم نے تم کو لمبی عمریں نہ دی تھیں کہ جس کو سوچنا سمجھنا ہو خوب سوچ سمجھ لے۔ اس کے علاوہ تمہارے پاس ڈرانے والا (پیغمبر) بھی پہنچ گیا تھا تو اب (اپنے کیے کا) مزہ چکھو، کیونکہ سرکش لوگوں کا کوئی پروردگار نہیں۔ بے شک اللہ سارے آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتوں سے باخبر ہے اور دلوں کے پوشیدہ راز بھی جانتا ہے۔

اہلِ جنّت کے لیے خصوصاً آئمہ معصومین کے لیے جو آسائش و آرام اور زیب و زینت کا سامان ہوگا اُس کا اندازہ اہلِ دُنیا نہیں کر سکتے۔ دنیا والے چونکہ زینت کا سب سے بڑا سامان سونے، موتیوں اور ریشمی لباس کو سمجھتے ہیں لہٰذا اس کو ذرا سا سمجھانے کے لیے ایسا لکھا گیا ہے ورنہ دُنیاوی آرائش کے سامان کی وہاں کیا وقعت۔ جس طرح اہلِ جنّت ہر قسم کے رنج و غم سے آزاد ہوں گے کوئی خلش اُن کے دل میں ہوگی ہی نہیں۔ اسی طرح جو اہلِ جہنّم ہیں اُن کو ہر قسم کی تکلیفوں کا سامنا ہوگا۔ وہ چاہے کتنا ہی چیخیں چلائیں لیکن اُن کے عذاب میں ذرا سی کمی بھی نہ ہوگی۔ ان سے کہا جائے گا تم کو کیسی کیسی لمبی عُمریں دی گئیں، کس قدر راحت کا سامان تمہارے لیے مہیا کیا گیا۔ جب وہاں تم نے سوائے بداعمالیوں کے اور کچھ نہ کیا تو بھلا اب دُنیا میں جا کر کیا کرو گے۔ وہی تم ہو گے اور وہی دنیا کے خرافات و لغویات۔ تم سے کوئی اُمیدِ عملِ صالح کی نہیں ہو سکتی۔ اب تو جو کچھ کر چکے ہو اُس کا یہاں مزہ چکھو۔ یہاں کوئی تمہاری فریاد سننے والا نہیں۔

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ ؕ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَیْهِ كُفْرُهٗ ؕ وَ لَا
یَزِیْدُ الْكٰفِرِیْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا ۚ وَ لَا یَزِیْدُ الْكٰفِرِیْنَ
كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا (۳۹) قُلْ اَرَءَیْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ
اللّٰهِ ؕ اَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِی السَّمٰوٰتِ ۚ اَمْ
اٰتَیْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰی بَیِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ اِنْ یَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ
بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا (۴۰)

اللہ وُہ ہے جس نے تم کو پچھلے لوگوں کا جانشین بنایا۔ پس جو کافر ہوگا اُس کے کفر کا وبال اس پر پڑے گا اور کافروں کا کفر اُن کے پروردگار کی بارگاہ میں خدا کے غضب کے سوا اور کچھ بڑھائے گا نہیں۔ اور کافروں کا کفر نقصان کے سوا کوئی فائدہ نہ دے گا۔ اے رسول تم ان سے پوچھو کہ خدا کے سوا جن شریکوں کو پکارتے ہو تم نے انہیں جانچا بھی؟ مجھے بھی ذرا دکھاؤ کہ انہوں نے زمین کی چیزوں میں سے کیا چیز پیدا کی۔ یا آسمان میں ان کا آدھا ساجھا ہے کیا ہم نے ان کو کوئی کتاب دی ہے کہ وہ اسے دلیل بناتے ہیں (یہ سب تو

کچھ نہیں) بلکہ یہ ظالم ایک دوسرے سے دھوکہ اور فریب ہی کا وعدہ کرتے ہیں ۔

بعض مفسرین نے یہ مراد لی ہے کہ اُس نے تمام انسانوں کو اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا ہے لیکن یہ تو کھُلی غلطی ہے۔ بھلا کافر، مشرک، غلط کار و بدکار، ظالم اور غارت گر خدا کے خلیفہ کیسے کہے جاسکتے ہیں۔ خدا کا خلیفہ تو نبی و امام کے سوا دوسرا ہو ہی نہیں سکتا۔ بس صحیح معنی یہ ہیں کہ تم کو لوگوں کا جانشین بنایا جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں یعنی تم کو ان کے بعد پیدا کیا گیا۔ اگر پیدا نہ کرتا تو تم کیا کرتے ۔

دوسری آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ کافر ہو بیٹھے ہیں وہ خدا کا کیا بگاڑتے ہیں اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں۔ کفر میں جتنے دن آگے بڑھتے جائیں گے گناہوں کا بوجھ ان پر اور زیادہ لدتا چلا جائے گا اور جس قدر گناہ بڑھتے جائیں گے اتنا ہی خدا کا غصہ ان پر زیادہ ہوتا جائے گا ۔

پھر مشرکوں سے پُوچھا جارہا ہے یہ بتاؤ جن چیزوں کو تم نے خدا کا شریک بنا کر قابلِ عبادت سمجھا ہے، انہوں نے زمین میں یا آسمان میں کوئی ایک چیز بھی پیدا کی ہے اگر کی ہو تو دکھا دو۔ اگر ایسا نہیں تو ان کو خدا کا شریک بنانا تمہاری حماقت ہے۔ کیا خدا نے ان پر کوئی صحیفہ یا کتاب نازل کی ہے جس سے ثابت ہوتا ہو کہ وہ خدا کی خدائی میں شریک ہیں۔ جب ایسا بھی نہیں پھر یہ کھُلی باطل پرستی ہے یا نہیں۔ بُت پرستی کے ابطال میں یہ ایسی مضبوط دلیلیں ہیں کہ کوئی مشرک ان کی تردید نہیں کرسکتا۔ جب ان دلائل کو آنحضرتؐ نے پیش کیا تو کسی مشرک کی مجال نہ تھی کہ ان کے خلاف کہہ سکتا۔ سُن کر چُپ چاپ وہاں سے چل دیتے تھے۔ آپس میں کہتے تھے بھلا کیسے ممکن ہے کہ جو عمل ہمارے باپ دادا کرتے چلے آئے ہیں محمدؐ کے کہنے سے ہم اس کو چھوڑ دیں۔ کیا ہمارے سب بزرگ احمق تھے بس ایک عقلمند یہی شخص پیدا ہوا ہے۔ اسی طرح ایک دوسرے کو دھوکہ میں ڈالے رکھتا تھا ۔

اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ڬ وَلَىِٕنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا
مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۱﴾ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ
اَيْمَانِهِمْ لَىِٕنْ جَاۗءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ ۚ فَلَمَّا
جَاۗءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرَۨا ﴿۴۲﴾ اسْتِكْبَارًا فِي الْاَرْضِ وَمَكْرَ
السَّيِّئِ ۭ وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ۭ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا
سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ڬ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ

اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ﴿۴۳﴾

بے شک اللہ آسمان و زمین کو اپنی جگہ سے ہٹنے سے روکے ہوئے ہے۔ اگر (بالفرض) یہ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں تو پھر خدا کے سوا کوئی اُنہیں روک نہیں سکتا وہ بڑا بُردبار اور بخشنے والا ہے۔ یہ لوگ خدا کی بڑی بڑی قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈرانے والا (پیغمبر) آئے گا تو ہر امّت سے زیادہ وہ ہدایت کے طلبگار ہوں گے لیکن جب ان کے پاس کوئی ڈرانے والا پیغمبر آیا تو اس کے آنے سے ان کی سرکشی اور بڑھی۔ بُری تدبیروں کے ساتھ ان کی نفرت کو اور ترقی ہوتی ہی گئی اور بُری تدبیر کی بُرائی تو بُرائی کرنے والے ہی پر پڑتی ہے (معلوم ہوتا ہے) یہ لوگ اگلے ہی لوگوں کے برتاؤ کے منتظر ہیں (اچھا یوں ہی سہی) تم خدا کے دستور میں کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے اور نہ خدا کی عادت میں کوئی تغیّر دیکھو گے ۔

پچھلے دلائلِ توحید کے بعد اب ایک اور دلیل پیش کی جارہی ہے وہ یہ ہے کہ خدا کے سوا کون ہے جو آسمان و زمین کو اپنے مقام پر روکے ہوئے ہے۔ لاکھوں برس اس کارخانہ کو یوں ہی چلتے ہوئے گزر گئے۔ جن قواعد و قانون کے تحت وہ چل رہے ہیں۔ ان کو کوئی بگاڑ نہیں سکتا۔ یہ مشرک جھوٹی قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ اب کوئی پیغمبر ہمارے پاس آئے گا تو ہم اس کا کہنا مانیں گے۔ لیکن جب کوئی ہمارا پیغمبر آیا تو یہ پھر اکڑ گئے اور اُسے ستانے کی تدبیریں کرنے لگے۔ یہ نہیں سمجھے کہ اس فریب کا وبال پڑے گا کس پر؟ انہی پر تو پڑے گا وہ بچ کر کہاں جاسکتے ہیں۔ جو حشر ان سے پہلے ان لوگوں کا ہوا وہی ان کا ہوگا۔ خدا کا طریقۂ کار بدلنے والا نہیں۔

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ
وَكَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ
وَلَا فِي الْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا ﴿۴۴﴾ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا
كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰي ظَهْرِهَا مِنْ دَاۗبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ
مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَاۗءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ﴿۴۵﴾ ع ۵ ۸ ۱۷

تو کیا ان لوگوں نے زمین پر چل پھر کر نہیں دیکھا کہ ان لوگوں کا انجام نظر کے سامنے آتا جو اُن سے پہلے ہو چکے ہیں

اور جو ان سے قوت میں بھی زیادہ تھے۔ خدا ایسا نہیں کہ آسمانوں یا زمین میں سے کوئی چیز اُسے عاجز کر سکے۔ وُہ جاننے والا اور قدرت رکھنے والا ہے۔ لوگوں نے جو کچھ کیا ہے اگر اس پر انہیں دھر پکڑے تو پھر زمین پہ کوئی ایک چلنے والا باقی نہ رہے گا۔ لیکن خدا نے ایک وقتِ معیّن تک انہیں ڈھیل دے رکھی ہے (جو کرنا ہو کر لو) جب ان کا وقت آجائے گا تو (ہٹے گا نہیں) خدا بالیقین اپنے بندوں کا حال دیکھ رہا ہے۔ (پس جو جیسا کرے گا ویسا ہی بدلہ پائے گا)۔

جن لوگوں پر عذابِ الٰہی نازل ہو چکا ہے ان کے نشانات روئے زمین پر اب بھی موجود ہیں۔ پس یہ کفار و مشرکین ذرا چل پھر کر انہیں دیکھتے کیوں نہیں تاکہ انہیں پتہ چل جائے کہ خدا سے سرکشی کرنے والوں کو خدا کیسی کیسی سخت سزائیں دیا کرتا ہے کس کی طاقت ہے کہ خدا کو عاجز بنا سکے۔ خدا نے اپنے گنہ گار بندوں کو مہلت دے رکھی ہے۔ اگر وہ پکڑنا چاہے تو روئے زمین پر اس کے مواخذہ سے ایک بھی نہ بچ سکے گا۔ جب وہ وقت آجائے گا تو پھر کہاں پناہ ملے گی۔ جس نے جیسا کیا ہو گا اس کی سزا پائے بغیر رہ نہ سکے گا۔

(۳۶) سُوْرَةُ یٰسٓ مَکِّیَّةٌ (۴۱)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰسٓ ① وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ② اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ③ عَلٰى صِرَاطٍ
مُّسْتَقِيْمٍ ④ تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ⑤ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ
اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ⑥ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا
يُؤْمِنُوْنَ ⑦ اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ
مُّقْمَحُوْنَ ⑧ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا
فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ⑨ وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ

لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑩ اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ
بِالْغَيْبِ ۚ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ⑪

یٰسٓ۔ اس پُرحکمت قرآن کی قسم (اے رسول) بے شک تم پیغمبروں میں سے اور (دین کے) سیدھے راستہ پر (ثابت قدم) ہو جو بڑے مہربان غالب خدا کا نازل کیا ہوا ہے تاکہ تم ان کو ڈراؤ، جن کے باپ دادا تم سے پہلے (کسی پیغمبر سے) ڈرائے نہیں گئے اور وہ (دین سے بالکل) بے خبر ہیں اور ان میں سے اکثر پر تو (عذاب کی باتیں) بالکل ٹھیک پُوری اُتریں۔ یہ لوگ تو ایمان لائیں گے نہیں۔ ہم نے ان کی گردنوں میں (بھاری) طوق ڈال دیئے ہیں جو ان کی ٹھُڈیوں تک پہنچے ہُوئے ہیں کہ وہ گردنیں اُٹھائے ہوئے ہیں (سر جُھکا نہیں سکتے) ہم نے ان کے آگے ایک دیوار بنا دی ہے اور ایک دیوار ان کے پیچھے، پھر اُوپر سے ان کو ڈھانک دیا ہے جس سے وہ کچھ دیکھ نہیں سکتے۔ (اے رسولؐ) ان کے لیے برابر ہے چاہے انہیں ڈراؤ چاہے نہ ڈراؤ وُہ ایمان نہیں لائیں گے۔ تم تو اُس شخص کو ڈرا سکتے ہو جو نصیحت مانے اور بے دیکھے بھالے خدا کا خوف رکھے تو تم ان کو گناہوں کی معافی اور اچھے اجر کی خوشخبری دے دو۔

یٰسٓ۔ تفسیر صافی اور تفسیر قمی میں ہے کہ یٰسٓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ کفار و مشرکین چونکہ آپؐ کو جھُوٹا جانتے تھے لہٰذا اس سورہ میں سب سے پہلے حضورؐ کی رسالت کی تصدیق کی گئی اور یہ بھی بتایا گیا کہ آپؐ جس دین کو پیش فرما رہے ہیں وہ صحیح راستہ ہے باقی سب غلط راستے ہیں جو گمراہی کی طرف لے جانے والے ہیں۔ اس کے بعد یہ بھی بتا دیا کہ تمہارا یہ خیال بھی غلط ہے کہ قرآن کو آنحضرتؐ نے خود گھڑ لیا ہے بلکہ یہ غالب و حکیم خدا کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے۔ ہم نے ایک مقصدِ خاص کے لیے اپنے رسولؐ کو بھیجا ہے کہ حضرت عیسٰیؑ کے بعد سے کوئی رسول نہیں آیا۔ لہٰذا اس زمانہ میں کفار و مشرکین کے باپ دادا کو چند سو سال کے اندر عذابِ خدا سے ڈرایا نہیں گیا۔ پس ان کے باپ دادا غفلت میں پڑے رہے اور بجائے خدا کے بتوں کو پُوجتے رہے۔ اُن کی دیکھا دیکھی یہ لوگ بھی وہی کر رہے ہیں۔ لیکن کفر و شرک ان کے اندر ایسا رچ بس گیا ہے کہ یہ ایمان لانے والے نہیں۔ لیکن لوگوں کو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ ہم نے ان مشرکوں کی گردن میں ایسے بھاری طوق ڈال دیئے ہیں کہ یہ سر اوپر کو نہیں اٹھا سکتے۔ ہم نے ان کے آگے اور پیچھے دو دیواریں کھڑی کر دی ہیں جن کی وجہ سے یہ جنّت والوں کو نظر اُٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتے۔ اے رسولؐ تم ان مشرکوں کو ڈراؤ یا نہ ڈراؤ یہ تو ایمان لانے والے ہیں نہیں۔ ایسے لوگوں کو ڈرانے سے کیا فائدہ۔ ان کے ضمیر مُردہ ہو چکے ہیں۔ ان کی عقلیں ماری گئی ہیں۔ ڈرانا تو ان کے لیے ہی مفید ہو سکتا ہے جو بے دیکھے بھالے خدا سے ڈرنے والے ہوں۔

اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْؕ وَ
كُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ع (۱۲)

وقف غفران ۔ وقف لازم
ع ۱۲ ۲ ۱۸

ہم ہی مُردوں کو زندہ کرتے ہیں اور جو عمل انہوں نے کیے ہیں اور دُنیا میں جو آثار چھوڑے ہیں وہ سب ہم لکھ لیتے ہیں اور امام مبین میں گھیر دیا ہے۔

نشانات جو لکھے جاتے ہیں ان کی دو صورتیں ہیں، اوّل یہ کہ کوئی شخص ایسی عمارتیں بنوا گیا ہے جن میں عمل خیر ہوتا ہے جیسے مسجد، مدرسہ، امام باڑہ، سرائے، پُل، کنواں وغیرہ جب تک یہ چیزیں باقی رہیں گی اور ان سے لوگ فائدہ اُٹھائیں گے، مرنے والے کو اس کا ثواب ملتا رہے گا۔ دوسرے وہ آثار ہیں جن کا تعلق نفوسِ انسانی سے ہے۔ مثلاً اولاد کی تربیت اور لوگوں کو اچھی تعلیم دینا تو جب تک اس تعلیم کا اثر رہے گا ثواب ملتا رہے گا اور اگر بُری تعلیم دی ہے لوگوں کو گمراہ کیا ہے تو مستحق عذاب ہوتا رہے گا۔

امام مبین سے مفسرین نے لوح محفوظ مراد لی ہے۔

علمائے شیعہ نے لکھا ہے کہ امام مبین سے مراد حضرت علیؑ ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو اس وقت آنحضرتؐ کے پاس حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کھڑے تھے۔ دونوں نے پوچھا، امام مبین سے مراد توریت ہے؟ فرمایا، نہیں۔ پھر پوچھا، کیا انجیل مراد ہے؟ فرمایا، نہیں۔ پھر پوچھا، کیا قرآن ہے؟ فرمایا، نہیں۔ اتنے میں حضرت علیؑ سامنے سے نمودار ہوئے۔ حضورؐ نے فرمایا، یہ ہیں امام مبین۔ اس کی موید میں وہ روایت ہے جو جلال الدین سیوطی نے بیان کی ہے کہ عبد بن حمید ابن جریر اور ابن غانم نے اس آیت کے بارے میں روایت کی کہ ہر چیز کا ایک پیشوا ہے جو خدا کے نزدیک محفوظ ہے اور وہ علیؑ ہیں۔ (تفسیر درمنثور سیوطی)۔

تفسیر صافی اور تفسیر قمی میں ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا، خدا کی قسم وہ امام مبین مَیں ہوں۔ میں حق و باطل کو صاف صاف بیان کر دیتا ہوں اور میں نے یہ عہدہ حضرت رسولِ خداؐ سے ورثہ میں پایا ہے۔ احتجاجِ طبرسی میں ہے کہ حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا، لوگو، کوئی علم ایسا نہیں کہ میرے خدا نے مجھے تعلیم نہ فرمایا ہو اور میں نے علیؑ کو نہ سکھایا ہو۔ جو علم بھی خدا نے مجھ میں احصا فرما دیا ہے میں نے اس کو امام مبین علیؑ میں احصا کر دیا ہے۔

علامہ ہروی اعلی اللہ مقامہٗ نے ”مواعظِ حسنہ“ میں بیان فرمایا ہے کہ عربی زبان میں شمار کرنے کے لیے دو لفظ ہیں ایک لفظ عدد ہے دوسرا احصا ہے۔ عدد زبانی شمار کو کہتے ہیں اور احصا عملی شمار کو۔ حصاۃ عربی میں کنکری کو کہتے ہیں۔ عرب کا قاعدہ تھا کہ جب شمار میں بھولنے کا اندیشہ ہوتا تو کنکریوں پر شمار کرتے۔ اس کو احصا کہتے تھے۔ پس آیت کے معنی یہ ہوئے کہ عملاً ہر شے کا احصا ہم نے امام مبین کے اندر کر دیا ہے۔ قرآن میں عملاً احصا کی چیزیں نہیں۔ لہٰذا قرآن مراد نہیں بلکہ وہ شخص مراد ہے جس کے اندر تعلیم قرآن کی عملی صورتیں پائی جاتی ہیں۔ یعنی وہ بتا سکتا ہے کہ کونسا عمل قابل جزا ہے اور کونسا قابل سزا۔ قرآن مبین خزانۂ علم ہے اور امام مبین اس کی عملی تفسیر ہے۔ اگر امام مبین اس کی عملی صورت بتانے والا نہ ہو تو قرآن سے عملی صورت کیسے لی جائے گی مثلاً قرآن نماز کا حکم دیتا ہے لیکن یہ نہیں بتاتا کہ اس کی عملی صورت کیا ہو گی یہ امام مبین بتائے گا۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ (۱۳) اِذْ
اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ
مُّرْسَلُوْنَ (۱۴) قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ
شَيْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ (۱۵) قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ
لَمُرْسَلُوْنَ (۱۶) وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ (۱۷) قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا
بِكُمْ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ (۱۸)
قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ۭ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ (۱۹) وَ
جَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ۙ (۲۰)
اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ (۲۱)

اے رسول تم ان سے ایک گاؤں کا قصہ بیان کرو کہ جب وہاں ہمارے پیغمبر آئے اس طرح کہ جب ہم نے ان کے پاس دو پیغمبر (یوحنا اور یونس) بھیجے تو انہوں نے دونوں کو جھٹلا دیا۔ تب ہم نے ایک تیسرے پیغمبر سے (شمعون) ان کو مدد دی تو ان تینوں نے کہا کہ ہم تمہارے پاس خدا کے بھیجے ہوئے آئے ہیں۔ وہ کہنے لگے تم تو ہم ہی جیسے آدمی ہو، خدا نے کچھ (تم پر) نازل نہیں کیا ہے، تم سب کے سب جھوٹے ہو۔ تب ان پیغمبروں نے کہا ہمارا پروردگار جانتا ہے کہ ہم یقیناً اسی کے بھیجے ہوئے ہیں اور (تم مانو یا نہ مانو) ہمارا فرض تو کھلم کھلا احکام کا پہنچا دینا ہے وہ کہنے لگے ہم نے تم لوگوں کو بہت منحوس پایا (تمہارے آتے ہی قحط میں مبتلا ہوئے) اگر تم اپنی

باتوں سے باز نہ آؤ گے تو ہم تمہیں ضرور سنگسار کر دیں گے اور تم کو یقیناً ہمارا دردناک عذاب پہنچے گا۔ پیغمبروں نے کہا تمہاری کرنی تمہارے ساتھ ہے کیا جب نصیحت کی جاتی ہے تو تم اُسے فالِ بد کہتے ہو۔ تم خود اپنی حد سے بڑھ گئے ہو ایک شخص شہر کے اُس سرے سے دوڑتا ہوا آیا۔ اُس نے کہا اے قوم ان پیغمبروں کا کہا مانو ان لوگوں کا ضرور کہنا مانو جو تم سے تبلیغ رسالت کی کوئی مزدوری نہیں مانگتے اور وہ لوگ ہدایت یافتہ بھی ہیں۔

یہ آیات ایک واقعہ کے متعلق ہیں جب انطاکیہ والوں کی گمراہی حد سے بڑھ گئی تو حضرت عیسیٰؑ نے حضرت یحییٰؑ اور یونسؑ کو اپنے دین کی ہدایت کے لیے بھیجا۔ جب یہ دونوں شہر کے قریب پہنچے تو ایک بوڑھے آدمی حبیب النجار کو دیکھا اسے سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دے کر پوچھا تم لوگ کون ہو اور یہاں کیسے آئے ہو۔ انہوں نے کہا ہم شہر والوں کو خدا کی عبادت کی طرف متوجہ کرنے اور بتوں کی پرستش سے روکنے کے لیے آئے ہیں۔ وہ بولا تمہارے پاس کوئی دلیل ہے کہ تم خدا کے فرستادہ ہو اُنہوں نے کہا ہم خدا سے دعا کر کے بیمار کو اچھا کر دیتے ہیں۔ اُس نے کہا میرے لڑکے کو جو عرصہ سے بیمار ہے اور تمام اطبّا اس کے علاج سے عاجز آ گئے ہیں اگر اچھا کر دو تو جانوں۔ انہوں نے کہا، اُسے لے آؤ۔ وہ دوڑا ہوا گیا اور لے آیا۔ جب وہ اچھا ہوگیا تو وہ ایمان لے آیا۔ اس کے بعد دونوں پیغمبر شہر میں داخل ہوئے اور بادشاہ کے پاس پہنچے۔ اس سے بھی اسی قسم کی باتیں ہوئیں۔ اُس نے کہا، ابھی تم لوگ ٹھہرو میں اس بارے میں غور کروں گا۔ اس کے بعد یہ لوگ اور لوگوں کی ہدایت میں مشغول ہوئے۔ ایک دن بادشاہ کی سواری جا رہی تھی کہ ان حضرات نے تکبیر کی آواز بلند کی۔ بادشاہ کو بُرا معلوم ہوا، اس نے ان دونوں کو بتخانہ میں قید کر دیا جب یہ خبر حضرت عیسیٰؑ کو معلوم ہوئی تو آپؑ نے حضرت شمعون کو جو آپؑ کے خلیفہ تھے ان کی مدد کے لیے روانہ کیا۔ جب یہ وہاں پہنچے تو شہر پناہ کے دروازہ کے پاسبان نے کہا تم کون ہو اور کیسے آئے ہو؟ انھوں نے کہا میں اس لیے یہاں آیا ہوں کہ خدا کی عبادت کروں۔ غرض یہ داخلِ شہر ہو گئے۔ جب بادشاہ کے پاس پہنچے تو اُس نے ان کو اسی بتخانہ میں عبادت کرنے کا حکم دیا جہاں یحییٰؑ و یونسؑ قید تھے۔ اس کے بعد برابر بادشاہ کے پاس جاتے رہے۔ بادشاہ کو ان سے محبت ہو گئی اور وہ ان سے امورِ سلطنت میں مشورہ کرنے لگا۔ ایک دن موقع پا کر کہنے لگے ان بتخانوں میں دو اجنبی آدمی کون ہیں؟ بادشاہ نے کہا، وہ دونوں ایک نئے دین کا پیغام لے کر آئے تھے اس لیے میں نے اُن کو قید کر دیا ہے۔ آپ نے فرمایا، انہیں بُلا کر پوچھنا تو چاہیے کہ وہ کہتے کیا ہیں۔ اُن سے پہلے ہی کہہ آئے تھے کہ جب میں بلواؤں تو تم وہاں میری شناسائی کا ذکر نہ کرنا اور بالکل اجنبی بنے رہنا۔ غرض ایک روز دونوں کو بُلایا گیا۔ حضرت شمعون نے کہا، آپ لوگ یہاں کیوں آئے ہیں۔ اُنہوں نے کہا ہم بیماروں کو اچھا کر دیتے ہیں۔ انہوں نے کہا ہم تمہارا امتحان لینا چاہتے ہیں۔ چنانچہ ایک ایسے اندھے کو بُلایا گیا جس کی آنکھوں کے نشان بھی نہ تھے۔ حضرت شمعون نے کہا اسے بینا کر دو۔ اُنہوں نے دُعا کی تو آنکھوں میں شگاف ہو گیا۔ پھر مٹی کے دو ڈھیلے ان میں رکھے تو وہ سیانکھے ہوگئے۔ حضرت شمعون نے پوچھا تمہارے خدا میں اور کیا قدرت ہے؟ وہ بولے، مُردہ کو زندہ کر سکتا ہے۔ فرمایا، بادشاہ کے بیٹے کو مرے ہوئے عرصہ ہو گیا ہے، زندہ کر سکتے ہو؟ انہوں نے کہا ضرور۔ غرض وہ دونوں اس کی قبر پر گئے اور دُعا کی وہ زندہ ہو کر قبر سے نکل آیا اور کہنے لگا، میں فلاں فلاں صورت سے لوگوں کی دُعا سے زندہ ہوا ہوں۔ پھر اُس نے دونوں کو پہچان بھی لیا۔ تب تو وہ دونوں بڑی عزت کی نظر سے دیکھے جانے لگے اور بڑا یتے بادشاہ ایمان لے آیا مگر اور لوگوں نے ان کی ہدایت پر عمل نہ کیا اور اپنے کفر پر جمے رہے اور ان حضرات کو ستانا شروع کر دیا تو حبیب النجار نے آ کر سفارش کی۔ اس پر ان لوگوں نے اُسے اتنا مارا کہ وہ بے چارہ راہیٔ جنت ہوا۔

اس قصہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ طریق ہدایت ذرا سا بدل جانے میں کس طرح بات بگڑ جاتی ہے۔ اگر حضرت یحییٰؑ اور یونسؑ اس [illegible] سے بدظن نہ ہوتا اور ان کو قید نہ کرتا۔ حضرت شمعون نے حسنِ تدبیر سے کام لیا تو مقصدِ ہدایت پورا ہوگیا۔ یہ [illegible] ہے کہ صدیق تین ہیں۔ اوّل [illegible] آل فرعون جس نے موسیٰؑ کی تصدیق کی دوسرے حبیب النجار جس نے حضرت عیسیٰؑ کی تصدیق کی [illegible] کی تصدیق کی۔ ان تینوں میں حضرت علیؑ کی تصدیق کا مرتبہ سب سے زیادہ ہے۔ کیونکہ انہوںؑ نے اوّل عمر سے آخر عمر [illegible] کی تصدیق کی۔

وَمَا لِیَ لَآ اَعۡبُدُ الَّذِیۡ فَطَرَنِیۡ وَاِلَیۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۲۲﴾ ءَاَتَّخِذُ
مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اٰلِهَةً اِنۡ یُّرِدۡنِ الرَّحۡمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغۡنِ عَنِّیۡ شَفَاعَتُهُمۡ
شَیۡـًٔا وَّلَا یُنۡقِذُوۡنِ ﴿۲۳﴾ اِنِّیۡۤ اِذًا لَّفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۲۴﴾ اِنِّیۡۤ اٰمَنۡتُ بِرَبِّکُمۡ
فَاسۡمَعُوۡنِ ؕ ﴿۲۵﴾ قِیۡلَ ادۡخُلِ الۡجَنَّةَ ؕ قَالَ یٰلَیۡتَ قَوۡمِیۡ یَعۡلَمُوۡنَ ۙ ﴿۲۶﴾
بِمَا غَفَرَ لِیۡ رَبِّیۡ وَجَعَلَنِیۡ مِنَ الۡمُکۡرَمِیۡنَ ﴿۲۷﴾ وَمَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلٰی قَوۡمِهٖ
مِنۡۢ بَعۡدِهٖ مِنۡ جُنۡدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا کُنَّا مُنۡزِلِیۡنَ ﴿۲۸﴾ اِنۡ کَانَتۡ اِلَّا
صَیۡحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمۡ خٰمِدُوۡنَ ﴿۲۹﴾ یٰحَسۡرَةً عَلَی الۡعِبَادِ ۚ مَا یَاۡتِیۡهِمۡ وقف غفران ۱۲
مِّنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا کَانُوۡا بِهٖ یَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿۳۰﴾

اور مجھے کیا (خبط) ہُوا ہے کہ جس نے مجھے پیدا کیا ہے اُس کی عبادت نہ کروں۔ حالانکہ تم سب اسی کی طرف لَوٹ کر جاؤ گے کیا میں اُسے چھوڑ کر دوسروں کو معبُود بنا لوں۔ اگر خدا مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو نہ تو اُن کی سفارش میرے کچھ کام آئے گی اور نہ یہ لوگ مجھے (اس مصیبت سے) چھڑا ہی سکیں گے (اگر ایسا کروں) تو اس وقت میں صریح گمراہی میں ہوں گا۔ میں تو تمہارے پروردگار پر ایمان لا چکا تو میری بات سنو اور مانو مگر اُن لوگوں نے اسے سنگسار کر ڈالا (تب اسے) خدا کا حکم ہُوا کہ جنّت میں جا (اُس وقت بھی اُسے قوم کا خیال آیا تو کہا) کاش میری قوم جان لیتی کہ میرے خدا نے مجھے بخش دیا اور مجھے عزت دار لوگوں میں شامل کیا۔ ہم نے اس کے مرنے کے بعد اس کی قوم پر (تباہی کے لیے) نہ تو کوئی آسمان سے لشکر اُتارا اور نہ ہم (اتنی سی بات کے لیے لشکر) اُتارنے والے تھے وہ تو صرف چنگھاڑ تھی جس کے بعد وہ (چراغ سحری کی طرح) خاموش ہو کر رہ گئے۔ ہائے افسوس ان لوگوں کے حال پر کہ جب اُن کے پاس کوئی رسول آیا تو اُنہوں نے اُس کے ساتھ مسخرا پن ضرور کیا۔

یہ بقیہ ذکر ہے اس حبیب النجار کا جو حضرت عیسیٰؑ کی رسالت پر حضرت شمعون کی معرفت ایمان لے آیا تھا۔ اس کی قوم نے جب اسے قتل کرنا چاہا تو اس سے کہا اگر تم اس دین سے پلٹ کر پھر بُت پرستی اختیار کرلو تو ہم تمہیں چھوڑ دیں گے۔ اس وقت اس بندۂ مومن نے جو کچھ اپنی قوم سے کہا قرآن اُس کی حکایت یوں کرتا ہے، میں اس خدا کی عبادت کیوں نہ کروں جس نے مجھ کو پیدا کیا ہے اور جس کی طرف تم سب لَوٹ کر جانے والے ہو۔ کیا میں ایسے ناکارہ بتوں کی عبادت پھر کرنے لگوں کہ اگر میرا خدا مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو نہ اُن کی سفارش کام دے گی نہ وہ مجھے اس مصیبت سے بچا سکتے ہیں۔ میں اُس رب پر ایمان لایا ہوں جو میرا ہی رب نہیں ہے بلکہ تم سب کا بھی رب ہے۔ پس جو میں کہتا ہوں اُسے کان لگا کر سنو۔ جب فرشتوں نے اُسے جنّت میں جانے کی بشارت دی تو اُس نے بطور نصیحت کہا، کاش میری قوم اس بات کو سمجھ لیتی کہ خدا نے میری خطائیں بخش کر مجھے جنّت میں جانے کی بشارت دے کے میری عزت کتنی بڑھا دی۔

قوم نے اس کی بات نہ سُنی اور از راہِ تکبّر کہنے لگی تیرے خدا کا جب کچھ بھی لشکر ہمارے مقابلہ کو آئے گا تو ہم اس سے لڑیں گے خدا فرماتا ہے یہ کون سا بڑا معاملہ تھا کہ ہم کوئی لشکر آسمان سے ان کے ہلاک کرنے کے لیے اُتارتے۔ ایک چیخ کی آواز ہی نے ان سب کا کام تمام کر دیا۔

أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّنَ الْقُرُونِ أَنَّهُمْ إِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُونَ ㉛ وَإِن
كُلٌّ لَّمَّا جَمِيعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُونَ ㉜ وَآيَةٌ لَّهُمُ الْأَرْضُ الْمَيْتَةُ ع ۲
أَحْيَيْنَاهَا وَأَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَأْكُلُونَ ㉝ وَجَعَلْنَا فِيهَا جَنَّاتٍ
مِّن نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ وَفَجَّرْنَا فِيهَا مِنَ الْعُيُونِ ㉞ لِيَأْكُلُوا مِن
ثَمَرِهِ وَمَا عَمِلَتْهُ أَيْدِيهِمْ ۖ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ㉟

کیا ان لوگوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی اُمتوں کو ہلاک کر ڈالا اور وہ لوگ ان کے پاس ہرگز پلٹ کر نہیں آسکتے۔ البتہ سب کے سب اکٹھے ہو کر ہماری بارگاہ میں حاضر کیے جائیں گے۔ ہماری قدرت کی ایک نشانی یہ ہے کہ مُردہ زمین کو ہم (پانی برسا کر) زندہ کر دیتے ہیں اور ہم ہی نے اس میں سے دانہ نکالا جسے لوگ کھاتے ہیں اور ہم ہی نے زمین میں کھجور اور انگوروں کے باغ لگائے اور ہم ہی نے اس میں پانی کے چشمے جاری کیے تاکہ لوگ اس کے

پھل کھائیں۔ ان کے ہاتھوں نے اس میں سے کچھ نہیں کیا۔ تو کیا اس پر بھی شکر نہیں کرتے۔

سُبْحَانَ الَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنبِتُ الْأَرْضُ وَمِنْ أَنفُسِهِمْ
وَمِمَّا لَا يَعْلَمُونَ ㊱ وَآيَةٌ لَّهُمُ اللَّيْلُ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَإِذَا هُم
مُّظْلِمُونَ ㊲ وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ
الْعَلِيمِ ㊳ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ ㊴
لَا الشَّمْسُ يَنبَغِي لَهَا أَن تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۚ وَكُلٌّ
فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ㊵ وَآيَةٌ لَّهُمْ أَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ
الْمَشْحُونِ ㊶ وَخَلَقْنَا لَهُم مِّن مِّثْلِهِ مَا يَرْكَبُونَ ㊷ وَإِن نَّشَأْ
نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنقَذُونَ ㊸ إِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا
وَمَتَاعًا إِلَىٰ حِينٍ ㊹

ہر عیب سے پاک ہے وہ ذات جس نے ہر قسم کے جوڑے پیدا کیے، خواہ وہ زمین کی نباتات سے ہوں یا خود ان کے ہم نفس ہوں (انسان) یا اُن چیزوں سے جن کو وہ جانتے نہیں اور میری (قدرت کی) ایک نشانی رات ہے جس سے ہم دن کو کھینچ کر نکال لیتے ہیں۔ اس وقت یہ لوگ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں اور ایک نشانی آفتاب ہے جو اپنے ایک ٹھکانے پر چل رہا ہے۔ یہ غالب اور واقف کار خدا کا باندھا ہوا اندازہ ہے اور ہم نے چاند کے لیے منزلیں مقرر کر دی ہیں یہاں تک کہ (آخر ماہ میں) کھجور کی پُرانی ٹہنی جیسا (پتلا ٹیڑھا) ہو جاتا ہے۔ نہ تو آفتاب ہی سے یہ بن پڑتا ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات ہی دن کے آگے بڑھ سکتی ہے (چاند سورج ستارے)

ہر ایک اپنے اپنے فلک میں چکر لگا رہے ہیں اور ان کے لیے (میری قدرت کی) ایک نشانی یہ ہے کہ ہم نے ان کی نسل کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کر دیا پھر اس کشتی کی مثل ان کے لیے اور وہ چیزیں (کشتیاں) پیدا کر دیں جن پر یہ لوگ سوار ہوا کرتے ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو ان سب کو ڈبو دیں، پھر نہ کوئی ان کا فریاد رس ہوگا اور نہ وہ چھٹکارا ہی پا سکتے ہیں۔ مگر ہماری مہربانی سے وقتِ خاص تک چین کرنے کے لیے ایسا ہوتا ہے۔

بعض مفسرین نے پہلی آیت کا یہ ترجمہ کیا ہے کہ پاک ہے وہ ذات جس نے تمام انسانوں کے جوڑے تین چیزوں سے پیدا کیے بعض اس چیز سے جو زمین سے اُگتی ہے جیسے گھاس پات پھل پھلاری اور ترکاری۔ ان چیزوں سے انسان کا مادی جسم بنتا ہے۔ دوسری چیز نفس ہے اور تیسری چیز وہ ہے جس کو لوگ نہیں دیکھ سکتے وہ رُوح ہے۔ انسان کے لیے تین ہی عالم ہیں، عالمِ مادی، جہاں موت کے بعد جسم رہ جاتا ہے۔ یہیں سے پیدا ہوتا ہے یہیں چھوٹ جاتا ہے۔ دوسرا عالم برزخ ہے۔ نفسِ انسانی چونکہ برزخی مادہ سے بنتا ہے لہٰذا مرنے کے بعد مع رُوح کے عالمِ برزخ میں پہنچ جاتا ہے۔ تیسرا عالم حیات یعنی آخری عالم رُوح ہے وہاں کی ہر لذت رُوح کو کیف بخشتی ہے۔ اگرچہ اس کے ساتھ جسم و نفس بھی ہوں گے لیکن کیف اسی کو حاصل ہوگا۔ ان تینوں میں سے ہر ایک کی ایک غذا ہے۔ دُنیاوی جسم کی غذا مادی چیزیں ہیں، نفس کی غذا تقویٰ ہے اور رُوح کی غذا معرفت ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کی نشانیاں بیان فرماتا ہے ان میں سے پہلی چیز ہے کہ نر و مادہ بنائے۔ ان کے اجسام کی ساخت میں فرق پیدا کیا۔ ان کی شکل و شباہت ان کے رنگ ان کے حالات و خصائل میں اختلاف پیدا کیا۔ ہر جسم پر نفس و رُوح کے تصرفات جُدا ہیں۔ ارادوں میں فرق محبتوں میں فرق حمیت و غیرت میں فرق۔ گویا ایک ایک پیکر کو لاکھ لاکھ طریقہ سے سجایا ہے۔

دوسری نشانی رات ہے رات میں سے دن کو نکالتا ہے اور رات کو دن میں سے۔ تاکہ کبھی دن بڑا ہو کبھی رات۔ اور اس طرح جاڑے گرمی کے موسم آتے جاتے رہیں۔ دن کی روشنی کے بعد کس طرح رات کی تاریکی رفتہ رفتہ چھاتی چلی جاتی ہے۔

تیسری نشانی سورج کا قدرت کے مقرر کیے ہوئے اندازہ کے مطابق ہر روز چلتے رہنا۔ کیا مجال کہ منٹ اور سیکنڈ کا فرق تو ہو جائے۔ جس راستہ سے جانا معین کر دیا ہے اُسی راستہ سے جاتا ہے۔

چوتھی نشانی چاند ہے۔ یہ سورج کی طرح ایک حالت پر نہیں رہتا۔ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔ سورج کی روشنی تیز ہوتی ہے، اس کی ٹھنڈی۔ مہینہ کے آخر میں کھجور کی سوکھی ہوئی ٹہنی کی طرح پتلا اور خمیدہ ہو جاتا ہے۔ یہی طریقہ اس کے لیے معین کر دیا گیا ہے کوئی طاقت اس کے خلاف کر کے نہیں دکھا سکتی۔

کیسی عجیب بات ہے کہ ایک سال میں ایک سورج کے قائم مقام بارہ چاند ہوتے ہیں۔ نہ اس سے کم نہ زیادہ۔ پھر سب کی صورتیں اوّل سے آخر تک ایک سی رہتی ہیں۔ تین دن تک اس کی روشنی کم رہتی ہے۔ چوتھی منزل میں آکر روشنی بڑھ جاتی ہے چودھویں منزل پر پوری طرح روشن ہو جاتا ہے۔ آخر میں جا کر تین دن غائب رہتا ہے۔ پہلی کو پھر رجعت کرتا ہے۔ عبادت کے اوقات کا تعین چاند ہی سے متعلق کر دیا گیا ہے۔ عید ہو، بقرعید ہو، رمضان ہو، نماز ہو، زکوٰۃ ہو، خمس ہو، حج ہو سب چاند ہی کے حساب سے ہوتے ہیں۔ جسے چاند کی معرفت نہیں اس کی عبادت مقبول نہیں ہو سکتی۔ مثلاً ایک شخص کو چاند کی تاریخوں کا صحیح علم نہیں اور وہ حج کے ایام کے خلاف حج کرے تو اس کا حج باطل ہوگا۔ اسی طرح دیگر عبادات کا حال ہے۔

پانچویں نشانی یہ ہے کہ اُس نے نوحؑ کی بھری ہوئی کشتی کو ڈوبنے سے بچایا جو پانی کی اتنی بلند سطح پر جا رہی تھی کہ پہاڑ بھی اس کی لہروں میں چھُپ گئے تھے پھر کشتی کے علاوہ اور بھی بہت سی سواریاں خدا نے عطا فرمائی ہیں جن پر لوگ سوار ہو کر اِدھر اُدھر آتے جاتے ہیں اور اپنی روزی حاصل کرتے ہیں۔ جیسے بڑے بڑے جہاز۔ اسٹیمر۔ اگر خدا چاہے تو ان سب کو ڈبو دے اور پھر ڈوبنے والوں کی فریاد کو کوئی سننے والا نہ ہوگا اور نہ کوئی ڈوبنے سے بچانے والا۔ مگر اُس نے دُنیا کی زندگی کے چند دن آرام سے بسر کرنے کے لیے چھوڑ دیئے ہیں اگر باوجود قدرت کی ان تمام نشانیوں کو دیکھ کر بھی انسان اس کو نہ پہچانے تو پھر اس کا ٹھکانہ جہنم کے سوا اور کہاں ہوگا۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ ۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۷﴾

جب ان کافروں سے کہا جاتا ہے کہ (اس عذاب سے) ڈرو، جو تمہارے پیچھے بھی ہے اور تمہارے سامنے بھی۔ تاکہ تم پر رحم کیا جائے (تو پروا نہیں کرتے) اور ان کے رب کی نشانیوں میں سے، جب کوئی نشانی آتی ہے تو فوراً اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو رزق تمہیں اللہ نے دیا ہے اس میں سے کچھ راہِ خدا میں بھی دو تو کافر لوگ ایمان والوں سے کہتے ہیں کیا ہم ان لوگوں کو کھلائیں (جنہیں تمہارے خیال کے مطابق) خود خدا کھلاتا ہے۔ تم لوگ بس صریحی گمراہی میں پڑے ہوئے ہو۔

خدا اپنی توحید اور بنی نوع انسان پر اپنے احسانات بتانے کے بعد فرماتا ہے کہ جب ان کافروں کو اس عذاب سے ڈرایا جاتا ہے جو ان کے آگے پیچھے لگا رہتا ہے تو اس کی بھی کچھ پروا نہیں کرتے اور ہم اپنی قدرت کی کسی نشانی کی طرف جب متوجہ کرتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں، سمجھنے کی کوشش کرتے ہی نہیں۔ جو رزق ان کو اللہ نے دیا ہے اگر اس میں سے کچھ راہِ خدا میں خرچ کرنے کو کہا جاتا ہے تو غریب مومنوں سے کہتے ہیں، ہم سے کیوں مانگتے ہو، تمہارا عقیدہ یہ ہے کہ سب کو خدا ہی رزق دیتا ہے پھر اس سے کیوں نہیں مانگتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفر و شرک نے ان کے روحانی فضائل

بھی ان سے چھین لیے ۔ انسانی اخلاق کا تقاضا یہ تھا کہ اگر کسی محتاج کو بھوکا دیکھے تو اس کی مدد کرے۔ مگر وہ تو ایسے سنگدل بن بیٹھے ہیں کہ کسی مصیبت زدہ پر رحم کھانا جانتے ہی نہیں۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ⓸⓼ مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً
وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ (49) فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلَآ
اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ (50) ع وَنُفِخَ فِى الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ
اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ (51) قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ هٰذَا
مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ (52) اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً
فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ (53) ع

ع ۳ / ۲ وقف غفران و وقف منزل وقف لازم

(اور مسلمانوں سے ازراہِ تمسخر) کہتے ہیں اگر تم سچے ہو تو ذرا یہ تو بتاؤ قیامت کا وعدہ کب پورا ہوگا۔ (اے رسول) یہ لوگ ایک سخت چنگھاڑ (صور) کے منتظر ہیں، انہیں ایسے وقت لے ڈالے گا جب یہ لوگ باہم جھگڑ رہے ہوں گے اور پھر یہ لوگ نہ تو وصیت ہی کرنے پائیں گے اور نہ اپنے گھر والوں کی طرف پلٹ کر ہی آسکیں گے۔ اور جب دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو اس وقت یہ سب اپنی اپنی قبروں سے نکل کر اپنے پروردگار کی بارگاہ کی طرف چل کھڑے ہوں گے اور کہیں گے ہائے یہ ہمیں کس نے قبروں سے اُٹھا کھڑا کیا (اُن سے کہا جائے گا) یہ وہی (قیامت کا) دن ہے جس کا خدا نے وعدہ کیا تھا اور پیغمبروں نے بھی سچ کہا تھا (قیامت تو) بس ایک سخت چنگھاڑ ہوگی پھر یہ سب کے سب (یکایک) ہمارے حضور میں حاضر کیے جائیں گے۔

کفار و مشرکین مسلمانوں سے ہمیشہ قیامت کے متعلق چھیڑ چھاڑ کرتے تھے۔ جب اُنہیں قیامت سے ڈرایا جاتا تھا تو ازراہِ تمسخر کہتے کہ اگر تم سچے ہو تو یہ بتاؤ وہ آئے گی کب؟ خدا فرمارہا ہے، گھبراؤ مت! جب آئے گی تو یکایک

آپڑے گی۔ تمہیں تو سانس لینے کا موقع ہی نہ ملے گا۔ ایک چیخ میں سب کا قصّہ ختم ہوجائے گا۔ دوسرا صور پھکتے ہی تم سب قبروں سے نکل پڑوگے، تب پتہ چلے گا کہ جس قیامت کا انکار کرتے ہیں وہ آج کا دن ہے۔ بتاؤ اُس وقت کیا کروگے۔ خدا کی گرفت سے بچ کر کہاں جاؤگے۔

فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (54) اِنَّ
اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِىْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ (55) ج هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِىْ ظِلٰلٍ
عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ (56) لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ (57) صلے
سَلٰمٌ ۣ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ (58) وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ (59)

آج (روزِ قیامت) کسی نفس پر کوئی ظلم نہ کیا جائے گا اور جو کچھ تم عمل کرچکے ہو اسی کا بدلہ تم کو دیا جائے گا۔ آج جنت والے ایک نہ ایک (دلچسپ) مشغلہ میں جی بہلا رہے ہیں۔ وہ اور اُن کی بی بیاں درختوں کے سایہ میں تختوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہیں۔ ان کے لیے میوے ہیں اور جس چیز کو ان کا دل چاہے گا وہ حاضر ہوگی۔ مہربان پروردگار کی طرف سے سلام کا پیغام آئے گا۔ اے گنہ گارو! تم ان سے الگ ہوجاؤ۔

جو لوگ دُنیا میں ہمیشہ نیکیاں کرتے رہے ہوں گے اور جن کے اعمالنامہ پر غلط کاریوں کے دھبّے نہ ہوں گے انہیں زیادہ دیر روکا نہ جائے گا اور وہ جلد جنّت میں داخل کردیے جائیں گے۔ اور ان کے گنہ گار ساتھی جو ان کے ساتھ کھڑے ہونگے اُن کو ان سے جُدا کردیا جائے گا۔ دُنیا میں جو تعلقات ان کے درمیان تھے آج وہ سب قطع ہوجائیں گے۔ گنہ گار جنّت میں جانے والوں کو حسرت سے تکتے رہ جائیں گے۔

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِىْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ
مُّبِيْنٌ (60) لا وَّاَنِ اعْبُدُوْنِىْ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ (61) وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ
جِبِلًّا كَثِيْرًا ؕ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ (62) هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِىْ كُنْتُمْ

وقف غفران ۱۲

تُوْعَدُوْنَ ﴿۶۳﴾ اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۶۴﴾ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى
اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۶۵﴾
وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ﴿۶۶﴾
وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۶۷﴾ ع
وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِى الْخَلْقِ ؕ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۸﴾

اے بنی آدم کیا میں نے تم سے یہ عہد نہیں لیا تھا کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور یہ کہ میری عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔ اس (شیطان) نے تم میں بہت سوں کو گمراہ کر چھوڑا تو کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے تھے۔ یہ وہی جہنم ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ تو اب چونکہ تم کفر کرتے تھے لہٰذا اب تم جہنم میں چلے جاؤ۔ آج ہم ان کے مونہوں پر مُہریں لگا دیں گے اور جو کارستانیاں وہ دُنیا میں کیا کرتے تھے ان کے ہاتھ ہم کو بتا دیں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے۔ اگر ہم چاہیں تو ان کی آنکھوں کو مُوند دیں تو یہ لوگ راہ کو پڑے چکر لگا کے ڈھونڈتے پھریں گے مگر کہاں دیکھ پائیں گے اور اگر ہم چاہیں تو جہاں یہ ہیں ان کی صورتیں بدل کر (پتھر، مٹی کی) بنا دیں۔ پھر نہ تو ان کو آگے جانے کا قابو رہے گا نہ گھر کو لوٹ سکیں پھر ہم جس کو زیادہ عمر دیتے ہیں اس کی ساخت کو ہم اُلٹ دیتے ہیں۔ تو کیا یہ اتنی سمجھ بھی نہیں رکھتے۔

خُدا اپنے بندوں کو روزِ اَلَسْت کا عہد یاد دلا رہا ہے۔ جب ہم نے کہا تھا اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ (۱۷۲/اعراف ۷) تو کیا تم سب نے بلٰی (ہاں) نہیں کہا تھا، یعنی ہماری ربوبیت کا اقرار نہیں کیا تھا؟ کیا ہم نے تم کو یہ نہیں بتا دیا تھا کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا بلکہ میری عبادت کرنا۔ یہی تمہارے لیے سیدھا راستہ ہے۔ مگر تم دُنیا میں جا کر اپنا یہ عہد بھول گئے اور بجائے میرے شیطان کی پُوجا کرنے لگے۔ ہمارے پیغمبروں نے تمہیں بار بار ٹوکا مگر تم نہ مانے۔ تمہیں کتنا عذابِ جہنم سے ڈرایا مگر تمہارے کان پر جُوں تک نہ رینگی۔ تو اب جہنم کی آگ کا مزہ چکھو۔

آج ہم تمہاری جھُوٹی زبان سے تمہارے اعمال کی گواہی دلوانا نہیں چاہتے بلکہ سرکاری گواہوں کی زبان سے تمہارا گنہگار ہونا ثابت کرتے ہیں۔ دیکھو یہ تمہارے ہاتھ آج بول رہے ہیں اور بتا رہے ہیں کہ تم نے ان سے کیا کیا بدکاریاں کی تھیں۔

یہ تمہارے پاؤں بول رہے ہیں کہ تم ان سے کہاں کہاں گناہ کرنے کے لیے جایا کرتے تھے۔ یہ ہمارے جاسوس تھے جو تمہارے ایک ایک کام کو دیکھتے رہتے تھے۔ کیا تم انہیں جھٹلا سکتے ہو۔ ہم یہ بھی کر سکتے تھے کہ جب تم گناہ کرنے کے لیے چلتے تو تمہاری آنکھوں پر پردہ ڈال دیتے اور تم اندھے بن کر راستہ ٹٹولتے پھرتے۔ اگر ہم چاہتے تو تمہاری ساخت بگاڑ کر رکھ دیتے تو تم نہ آگے بڑھ سکتے تھے نہ پیچھے ہٹ سکتے تھے۔ کیا تم نے اس پر نظر نہ کی کہ تم جب بچے تھے تو کتنے کمزور تھے نہ بول سکتے تھے نہ چل پھر سکتے تھے۔ پھر تم کو جوان بنایا۔ پھر تمہیں زیادہ عمر دے کر دوبارہ پہلی حالت کی طرف لوٹا دیا۔ تم پھر بچوں کی طرح بن گئے۔ نہ بولنے کی طاقت رہی نہ چلنے پھرنے کی۔ تمہاری عقل رخصت ہو گئی تمہارے جذبات مر گئے۔ تم ایک مُضغہ گوشت بن کر رہ گئے۔ ہم سب کچھ کر سکتے تھے مگر تمہیں مہلت دیتے رہے کہ شاید سمجھ جاؤ۔ اور ہمیں اپنا خدا سمجھ کر عبادت کرنے لگو مگر تم ایسے کہاں تھے کہ ان باتوں پر غور کرتے۔ بدستور شیطان کے جال میں پھنسے رہے۔ پس اب تمہارا کوئی عذر قابلِ قبول نہیں۔ اب اپنے اعمالِ بد کی سزا تمہیں بھگتنا ہو گی جہنم کے سوا اب کہیں تمہارا ٹھکانہ نہیں۔

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِىْ لَهٗ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ
مُّبِيْنٌ ﴿۶۹﴾ لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۰﴾
اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ
لَهَا مٰلِكُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا
يَاْكُلُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ؕ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾
وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۷۴﴾ لَا
يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ ۙ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَا
يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۶﴾ وقف لازم

ہم نے اس (پیغمبر) کو نہ شعر کی تعلیم دی ہے اور نہ شاعری اس کی شان کے لائق ہے۔

یہ (کتاب) تو بڑی نصیحت ہے اور صاف صاف قرآن ہے تاکہ جو زندہ دل ہوں اُن کو عذاب سے ڈرایا جائے اور کافروں پر (عذاب کا) قول ثابت ہو جائے۔ (اور حجت باقی نہ رہے) کیا ان لوگوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ ہم نے ان کے فائدے کے لیے چوپائے اس چیز سے پیدا کیے جسے ہماری قدرت نے بنایا تو یہ لوگ (خواہ مخواہ) مالک بن بیٹھے۔ پھر ہم ہی نے چوپاؤں کو ان کا مطیع بنایا۔ ان میں سے بعض ان کی سواریاں ہیں بعض کو کھاتے ہیں اور چوپایوں میں ان کے لیے بہت سے فائدے ہیں اور پینے کی چیز ہے (دُودھ)۔ تو کیا یہ لوگ اس پر بھی شکر نہیں کرتے۔ اور انہوں نے خدا کو چھوڑ کر (فرضی) معبود بنا لیے ہیں تاکہ ان سے انہیں کچھ مدد ملے حالانکہ وہ ان کی کچھ بھی مدد نہیں کر سکتے۔ اور یہ کفّار ان معبُودوں کے لشکر ہیں اور قیامت میں ان سب کی حاضری لی جائے گی۔ اے رسول، تم ان کی باتوں سے رنجیدہ نہ ہو، جو کچھ یہ لوگ چھپا کر کرتے ہیں اور جو کھلم کھلا کرتے ہیں ہم سب جانتے ہیں۔

کفار حضور سرکارِ دو عالم پر الزام لگاتے تھے کہ آپؐ شاعر ہیں اور قرآن میں جو کچھ ہے سب شاعری ہے آخرت کے متعلق سب باتیں شاعرانہ تخیلات ہیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ خدا فرماتا ہے کہ ہم نے انؐ کو شعر کہنے کی تعلیم ہی نہیں دی وہ شعر کہتے ہی نہیں اور نہ شاعری اُن کو زیب دیتی ہے۔ اگر حضورؐ شعر کہتے ہوتے تب تو یہ الزام کسی حد تک ٹھیک ہوتا لیکن جب انہوںؐ نے عمر بھر شعر کہا ہی نہیں تو پھر یہ الزام کیسا؟ قرآن شاعری نہیں ہے بلکہ یہ تو سراپا نصیحت ہے۔ ہم نے اس کو اس لیے نازل کیا ہے کہ جن لوگوں کے ضمیر مُردہ نہیں ہوئے جن کی عقلوں پر پردہ نہیں پڑا ہمارا رسولؐ ان کو عذابِ آخرت سے ڈرائے۔ کیا غضب کی بات ہے کہ یہ لوگ خدا کے ان احسانات کو بالکل بھُولے ہوئے ہیں جن سے ان کو ہزارہا فائدے پہنچ رہے ہیں۔ کیا یہ چوپائے جن کے یہ مالک بنے بیٹھے ہیں انہوں نے خود بنائے ہیں۔ ان کو تو ہم نے اپنی قدرتِ کاملہ سے بنایا ہے اور ہم ہی نے ان کو ان لوگوں کا تابعدار بنا دیا ہے، ورنہ یہ ان پر قابو حاصل نہ کرنے کی صورت میں کیسے فائدہ اٹھاتے۔ وہ ان پر سواری بھی کرتے ہیں ان کا گوشت بھی کھاتے ہیں، ان کا دودھ بھی پیتے ہیں۔ کیا ان سب منافع کے پیشِ نظر ان کو خدا کا شکر گزار نہ ہونا چاہیئے۔ اور بجائے خدا کی عبادت کرنے کے انہوں نے اور بہت سے فرضی معبود بنا لیے۔ تاکہ وہ بوقتِ مصیبت ان کی مدد کریں وہ کیا ان کی مدد کر سکتے ہیں، ان میں کوئی طاقت ہی نہیں۔ ابھی تو یہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ پتہ تو اُس وقت چلے گا جب اُن کے معبود اور یہ سب بارگاہِ خدا میں حاضر ہوں گے۔ ان کی سرکشی کا بدلہ وہاں دیا جائے گا۔ ہم ان کی سب کارروائیوں کو خوب جانتے ہیں۔ چاہے چھُپ کر کریں یا ظاہر بظاہر۔

اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ
مُّبِيْنٌ (۷۷) وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ يُّحْيِ
الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ (۷۸) قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ
مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ (۷۹)

کیا انسان نے اس پر بھی غور نہیں کیا کہ ہم نے اس کو نطفہ (جیسی حقیر چیز) سے پیدا کیا۔ پھر وہ ہمارا ہی کھلم کھلا دشمن بن بیٹھا اور ہماری نسبت باتیں بنانے لگا اور اپنی خلقت کو بھُول گیا۔ کہنے لگا، ان بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا۔ اے رسول (ان سے) کہدو، وہی انہیں زندہ کرے گا جس نے پہلی بار انہیں پیدا کیا تھا۔ اور وہ ہر چیز کی پیدائش سے خوب واقف ہے

اُبی بن خلف ایک روز ایک بوسیدہ ہڈی ہاتھ میں لیے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ اس وقت قریش کے بڑے بڑے لوگ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ اُس نے ہڈی کو چورا کر کے ہَوا میں اڑا دیا اور گستاخانہ انداز میں کہنے لگا بھلا کون ہے جو ان ریزوں کو جمع کر کے پھر زندہ کرے۔ آپؐ نے فرمایا، خدا زندہ کرے گا اور تجھے واصلِ جہنم کرے گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ہر زمانہ کے لوگ انبیاءؑ سے اس بارے میں جھگڑا کرتے رہے ہیں کہ مرنے کے بعد جب ہر شخص گل سڑ کر مٹی ہو جاتا ہے تو پھر اس کا زندہ ہونا کیسا؟ خدا فرماتا ہے، ان کی سمجھ میں یہ بات کیوں نہیں آتی جبکہ وہ آئے دن یہ دیکھتے رہتے ہیں کہ نطفہ سے ایک آدمی کا بچہ رحمِ مادر میں کیسے بن جاتا ہے نطفہ تو ماننا ایک قطرۂ آب تھا۔ اس کو آدمی کی شکل کس نے دی۔ اس کے اندر خون، گوشت، پوست، ہڈی، اعصاب وغیرہ کس نے بنائے۔ جو ابتداء میں ایسا کر سکتا ہے وہ انتہا میں کیوں نہیں کر سکتا۔

اَلَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ
تُوْقِدُوْنَ (۸۰) اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى

وقف غفران ۲

اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؕ بَلٰى ۚ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ (۸۱) اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ
شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (۸۲) فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ
كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (۸۳) ع

خدا وہ ہے جس نے ہرے بھرے درخت سے آگ کو پیدا کیا، جس سے تم پھر اور آگ جلا لیتے ہو۔ کیا وہ خدا جس نے تمام آسمان اور زمین کو پیدا کیا اس پر قدرت نہیں رکھتا کہ ان کی مثل اور لوگ پیدا کر دے۔ ہاں (وہ قدرت رکھتا ہے) وہ بڑا پیدا کرنے والا اور بڑا جاننے والا ہے۔ جب وہ کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے کہتا ہے ہو جا بس وہ ہو جاتی ہے۔ پاک و پاکیزہ ہے وہ ذات جس کے یدِ قدرت میں ہر چیز پر حکومت ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہو۔

پچھلی آیات میں برابر ان نعمات کا سلسلہ چلا آ رہا ہے جو خدا نے اپنے بندوں کو عطا کی ہیں اور جو اُس کی قدرت کی حیرت انگیز نشانیاں ہیں۔ اب اس طرف توجہ دلائی جا رہی ہے کہ اُس نے ہرے درختوں میں کس طرح آگ پیدا کی ہے۔ ہری شاخوں کو دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ ان کے اندر آگ کے شعلے چھپے ہوئے ہیں۔ گھنے جنگلات میں جب یہی ہری شاخیں ایک دوسرے سے ٹکراتی ہیں تو ان سے شعلہ نکل کر سارے بن میں آگ لگا دیتا ہے۔ اگر یہ چیز نہ ہوتی تو ہمیں آگ ڈھونڈے نہ ملتی۔ یہی لکڑیاں جلا کر ہم کھانا پکاتے ہیں، تنور گرم کرتے ہیں، بھٹیوں کو روشن کرتے ہیں۔

پھر یہ بتا رہا ہے کہ وہ آسمانوں اور زمین کا خالق ہے۔ ایک قوم کے بعد دوسری قوم کے پیدا کرنے پر اُسے پوری قدرت ہے آغاز آفرینش سے یہی ہو رہا ہے۔ ایک قوم مرتی ہے اور دوسری قوم اُس کی جگہ پر آ جاتی ہے۔ اس کے خلق کرنے کی دو صورتیں ہیں، اوّل یہ کہ اسباب و وسائط کے سلسلہ سے چیزوں کو پیدا کرتا ہے۔ مثلاً زن و مرد ہم بستر ہوں، ان کے نطفے عورت کے رحم میں قرار پکڑیں، پھر نطفہ سے علقہ بنے، علقہ سے مضغہ بنے، پھر ہڈی بنے، ہڈی پر گوشت چڑھے، پھر روح داخل ہو تب انسان کا بچہ بنے۔ اگر یہ وسائط نہ ہوں تو کوئی بچہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس کو عالم خلقی کہتے ہیں۔ دوسرا عالم امری ہے جہاں ان اسباب و وسائط کا تعلق نہیں۔ صرف اُس کا حکم ہوتا ہے فقط کُن کہا اور وہ چیز ہو گئی۔ جیسے حضرت عیسیٰؑ کا حمل رحم مادر میں بغیر شوہر قرار پا گیا۔ یا باذنِ الٰہی حضرت عیسیٰؑ نے مٹی کی چڑیا بنا کر اُڑا دی۔

خدا کے لیے لفظ کُن کہنا محض ہمارے سمجھانے کے لیے ہے ورنہ وہ اس طرح الفاظ منہ سے نہیں نکالتا جیسے ہم نکالتے ہیں۔ صرف اس کا ارادہ خلق اشیاء کے لیے کافی ہوتا ہے۔ الفاظ کا نکلنا زبان سے تعلق رکھتا ہے اور زبان بغیر منہ

کے نہیں ہوتی، اور خدا کا ان چیزوں سے کوئی تعلق نہیں۔

عالم ملکوت کی ہر شے اُس کے ہاتھ میں ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہر وہ طاقت جو کسی چیز میں حرکت پیدا کرتی ہے یا اس کو دباتی ہے یا ان پر حکومت کا اظہار کرتی ہے وہ سب اس کے اختیار میں ہے۔ دوسرے معنی میں یوں سمجھئے کہ ہر شے کا نظامِ حیات اس کے قبضہ میں ہے۔ اس کے حکم کے بغیر کوئی چیز اپنی جگہ سے حرکت نہیں کر سکتی۔ اس کائنات میں اس کی بے شمار مخلوق آباد ہے۔ ہر ایک کا نظامِ حیات مختلف ہے، ایک دوسرے سے ملتا نہیں۔ وہ سب کسی علم و قدرت کے تحت ہو رہا ہے۔ یعنی بلا تشبیہہ ایک بہت بڑی مشین ہے۔ جس میں لاکھوں پرزے کام کر رہے ہیں۔ ہر پرزہ کو اُس نے اپنی مصلحت کے مطابق کوئی کام سپرد کیا ہے، وہ کبھی اس کام سے غافل نہیں ہوتا۔ ورنہ نظامِ کائنات مختل ہو جائے۔ کس کی طاقت ہے کہ اس نظام کو سمجھ سکے۔ جو مخلوق عالمِ امری کی ہے اُس کی خلقت صرف ارادہ کے ہوتے ہی ہو جاتی ہے۔

(۳۷) سُوْرَةُ الصّٰٓفّٰتِ مَكِّيَّةٌ (۵۶)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا (۱) فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا (۲) فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا (۳) اِنَّ
اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ؕ (۴) رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ (۵)
اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ِۨالْكَوَاكِبِ (۶) وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ
شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ (۷) لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ
جَانِبٍ ۖ (۸) دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ (۹) اِلَّا مَنْ خَطِفَ
الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ (۱۰) فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا
اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ (۱۱)

(عبادت یا جہاد میں) پرا باندھنے والوں کی قسم (برائی سے) ڈانٹنے والوں کی قسم (قرآن کے) پڑھنے والوں کی قسم، تمہارا معبود ایک ہی ہے جو آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، (سب کا) پروردگار ہے اور (چاند سورج ستارے کے) طلوع (وغروب) کے مقامات کا بھی مالک ہے ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں سے مزین کیا اور ہر سرکش شیطان سے حفاظت کے لیے بھی (پیدا کیا) کہ اب شیاطین عالمِ بالا کی طرف کان بھی نہیں لگا سکتے۔ ان کے کھدیڑنے کے لیے شہاب پھینکے جاتے ہیں اور ان کے لیے پائدار عذاب ہے مگر جو (شیطان شاذونادر فرشتوں کی) کوئی بات اچک لے بھاگتا ہے تو آگ کا دہکتا ہوا تیر اس کا پیچھا کرتا ہے تو (اے رسول) تم ان سے پوچھو تو کہ ان کا پیدا کرنا زیادہ دشوار ہے یا اُن (مذکورہ) چیزوں کا جن کو ہم نے پیدا کیا۔ ہم نے تو ان کو لسدار مٹی سے پیدا کیا ہے۔

تین قسمیں جو بیان کی گئی ہیں بعض نے ان سے مراد فرشتوں کی صفیں لی ہیں۔ صفیں باندھنے سے یہ مراد ہے کہ جو کام نظامِ کائنات کے سلسلہ میں ان سے متعلق ہیں وہ ان کو صفیں باندھ کر بجا لاتے تھے اور زاجرات سے مراد وہ فرشتے ہیں جو بدکاروں کو ڈانٹتے اور پھٹکارتے ہیں۔ اگرچہ لوگ ان کی آواز سنتے نہیں اور تالیات سے مراد وہ فرشتے ہیں جو درپردہ امرِ حق کی طرف لوگوں کو پکارتے ہیں۔

ربّ المشارق اس لیے کہا گیا ہے کہ سورج ہر روز ایک ہی مطلع سے نہیں نکلتا بلکہ اس کا زاویہ بدلتا رہتا ہے۔ مشارق کے بعد مغارب خود سمجھ میں آجاتا ہے لہٰذا اس کو ترک کیا گیا۔

حضرت عیسیٰؑ کے رفع سے پہلے شیاطین آسمانوں پر جاتے تھے اور فرشتوں کی باتیں سن کر کاہنوں سے بیان کر دیتے تھے۔ حضرت عیسیٰؑ کے رفع کے بعد اُن کا آسمان چہارم اور اس کے اوپر تک جانا ممنوع قرار دیا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش کے وقت تمام آسمانوں پر جانا بند کیا گیا۔ اگر چھپے چوری کوئی بات سن لیتا ہے تو اُس کو شہابِ ثاقب سے مارا جاتا ہے۔ اس کا مفصل بیان سورۃ الحجر میں دیکھئے۔

آخر میں خدا فرماتا ہے کہ اے رسولؐ، ان کفار و مشرکین سے پوچھو، آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کا بنانا ستاروں سے آسمانوں کو مزین کرنا زیادہ دشوار ہے یا ان انسانوں کا بنانا جو لسدار مٹی سے بنائے گئے ہیں۔ جب ایسی عظیم الشان مخلوق اُس نے بنا دی تو قیامت میں دوبارہ ان کو زندہ کر کے دکھانا خدا کے نزدیک کوئی بڑی ہے۔

بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ ۝۱۲ وَاِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ ۝۱۳ وَاِذَا رَاَوْا
اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ ۝۱۴ وَقَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۱۵ ءَاِذَا مِتْنَا

وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝۱۶ اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ۝۱۷
قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ ۝۱۸ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ
يَنْظُرُوْنَ ۝۱۹ وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۝۲۰ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ
الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۝۲۱ ع ۱ ۵

(اے رسول) تم ان کے حال پر تعجّب کرتے ہو اور وہ تم سے مسخرا پن کرتے ہیں جب کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو مذاق اُڑانے لگتے ہیں اور کہنے لگتے ہیں یہ تو کھلا جادو ہے (کہتے ہیں) کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈی بن جائیں گے تو ہم پھر زندہ ہو کر اُٹھیں گے اور ہمارے اگلے باپ دادا بھی (پھر زندہ ہوں گے) اے رسول کہدو (ہاں ایسا ہی ہوگا) اور تم ذلیل ہوگے اور وہ قیامت تو ایک للکار ہوگی پھر تو وہ آنکھیں (پھاڑ پھاڑ کر) دیکھنے لگیں گے اور کہنے لگیں گے ہائے ہائے یہ قیامت کا دن ہے (جواب ملے گا) یہ وہی فیصلہ کا دن ہے جسے تم (دُنیا میں) جھٹلایا کرتے تھے۔

کفّار و مشرکین قیامت کے ماننے پر کسی طرح تیار نہ ہوتے تھے۔ ان کی سمجھ میں یہ بات نہ آتی تھی کہ مرنے کے بعد پھر زندہ ہونا کیسا؟ ہر زمانہ میں انبیاؑ سے قیامت کے متعلق مختلف قسم کے سوالات ہوتے رہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ بس جو کچھ ہونا ہے اسی دُنیا میں ہو رہے گا۔ قیامت کی باز پرس سے ان کے دل گھبراتے تھے اس لیے وہ اس اعتقاد کو پاس ہی نہ آنے دیتے تھے لیکن ان کے انکار سے قیامت ٹل تو نہیں سکتی۔ آخر وہ دن آئے گا اور جب وہ پکڑے جائیں گے تب ہائے وائے کریں گے۔

اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ۝۲۲ مِنْ دُوْنِ
اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ۝۲۳ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْـُٔوْلُوْنَ ۝۲۴ الربع
مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ۝۲۵

(فرشتوں کو حکم ہوگا) اکٹھا کرو ان لوگوں کو جو سرکشی کرتے تھے اور ان کے ساتھیوں کو اور ان کو بھی جن کی عبادت یہ خدا کو چھوڑ کر کیا کرتے تھے اور انہیں جہنّم کی راہ دکھاؤ (اور ہاں ذرا) ان کو ٹھہراؤ تو ان سے کچھ پوچھنا ہے (اے کم بختو) اب تمہیں کیا ہوگیا کہ ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے۔

آخر آیت کے متعلق علامہ حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ ابنِ عباس نے ابو سعید خدری سے روایت کی ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ علیؑ بن ابی طالب کی ولایت کا اہلِ محشر سے سوال کیا جائے گا اور یہ امر واضح ہے کہ وہ امر اہم جو مثل الوہیت و نبوّت کے پوچھا جائے گا۔ فقط محبت نہیں ہو سکتی بلکہ وہ ولایت ہے جس کے متعلق سوال ہوگا۔ حدیثِ ثقلین وغیرہ میں اشارہ ہے اسی لئے قرآن کے ساتھ اہلبیتؑ کو کیا ہے اور اس کی مؤید علامہ واحدی کی وہ عبارت ہے جو اس آیت کے تحت میں ہے۔ لکھتے ہیں، روایت ہے کہ حضرت علیؑ اور اہلِ بیتؑ کے بارے میں سوال کیا جائے گا کیونکہ خدا نے اپنے رسولؐ کو یہ حکم دیا تھا کہ خلقِ خدا کو یہ بتلا دیں کہ میں اپنی رسالت کی تبلیغ کی اُجرت اپنے اہلِ بیتؑ کی مودّت کے سوا کچھ نہیں چاہتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان سے قیامت میں پوچھا جائے گا کہ نبیؐ کی وصیت کے مطابق تم نے ان کی ولایت یونہی سمجھ کر چھوڑ دیا تھا۔

مشرکین خدا کو تو مانتے تھے لیکن اس کی تعریف کا ذریعہ بُتوں کو سمجھتے تھے اور بُتوں کو شریکِ عبادت کرتے تھے۔ لہٰذا ان کی یہ معرفت قابلِ قبول نہ تھی۔ اس لیے کہ ذریعۂ معرفت غلط تھا۔ صحیح ذریعۂ معرفت رسولؐ تھے پس جس طرح توحیدِ باری کا صحیح عقیدہ رکھنے کے لیے رسولؐ کی معرفت ضروری تھی اور اس کو ذریعۂ معرفت بنانا لازم تھا۔ اسی طرح رسولؐ کی معرفت کے لیے بھی ایک ذریعہ ہونا چاہیئے۔ ورنہ غلط ذریعہ سے معرفتِ رسولؐ ناقص رہے گی اور وہ صحیح ذریعہ علی علیہ السلام ہیں۔ امّت کو یہ حق نہیں کہ وہ ذریعہ خود بنائے بلکہ اسی کو بنائے جس کو خدا نے بتایا ہو۔ آیہ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ (۵۵/۵ المائدہ) میں جس کی ولایت رسولؐ کی ولایت کی طرح ہو اور آیہ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ۔ (۵۹/۴ النساء) میں، جس کی اطاعت رسولؐ کی اطاعت کی طرح فرض ہو وہی معرفتِ رسولؐ کا ذریعہ ہو سکتا ہے۔ اگر صرف رسولؐ کی ولایت و اطاعت کافی ہوتی تو تیسرے شخص کو شامل کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ پس قیامت میں جس طرح رسولؐ کی معرفت کے متعلق سوال ہوگا اس ذریعہ کے متعلق بھی سوال ہوگا جس سے معرفتِ رسولؐ حاصل کرنا ضروری تھا۔ تمام حساب کتاب کے بعد اس لیے کچھ لوگوں کو روکا جائے گا کہ حضرت علیؑ کی ولایت کے متعلق سوال کیا جائے۔

فرماتا ہے، کہ ان ٹھہرنے والوں سے کچھ پوچھنا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دُنیا میں کوئی سوال امّت کے سامنے رکھا گیا تھا اور وہ یہی تھا قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى (۲۳/۴۲ شوریٰ) اجرِ رسالت کے متعلق کوئی سوال نہیں کرتا مگر یہ کہ میرے رشتہ داروں سے محبت کرنا)۔ حضرتؐ کا یہ سوال تمام امّت سے تھا۔ پس حضورؐ کے بعد ذوی القربیٰ کی مودّت کے متعلق سوال ہوگا اور جواب حاصل کرنا ضروری ہوگا۔ اسی سوال کے جواب کا ذکر اس آیت میں ہے۔ ورنہ سوال بے جواب رہے گا۔ آیہ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا (۳۶/۱۷ بنی اسرائیل) میں، کان آنکھ اور دل تینوں سے اس کے متعلق سوال ہوگا۔ 'عنہ' کی ضمیر کا مرجع وہی ہوگا جس کے متعلق سوال کیا جا چکا ہوگا۔ غدیرِ خم میں لوگوں نے علیؑ کا نام بھی سُن لیا تھا، آنکھوں سے دیکھ بھی لیا تھا اور دل سے سمجھ بھی لیا تھا۔

بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲۷﴾
قَالُوْٓا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ﴿۲۸﴾ قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۹﴾ ج
وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ ج بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَحَقَّ عَلَيْنَا
قَوْلُ رَبِّنَآ ۖ اِنَّا لَذَآئِقُوْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ﴿۳۲﴾ فَاِنَّهُمْ
يَوْمَئِذٍ فِى الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۳۴﴾
اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۳۵﴾ لا وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا
لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ﴿۳۶﴾ ط بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۷﴾
اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ﴿۳۸﴾ ج وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۹﴾ لا
اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾

(وہ کیا جواب دیں گے) مگر وہ تو آج گردن کو جھکائے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے سے پوچھ گچھ کریں گے اور کہیں گے تم ہی تو ہماری داہنی طرف سے ہمیں بہکانے کو چڑھ آتے تھے۔ وہ جواب دیں گے ہم کیا جانیں تم تو خود ایمان لانے والے نہ تھے۔ ہماری تم پر کچھ حکومت تو نہ تھی بلکہ تم خود سرکش لوگ تھے بس اب ہمارے رب کا (عذاب کا) قول ہم پر پورا ہوگیا لہٰذا اب ہم سب عذاب کا ذائقہ چکھیں گے۔ ہم خود گمراہ تھے اس لیے تم کو بھی گمراہ کیا۔ غرض اس روز یہ لوگ سب کے سب عذاب میں شریک ہوں گے۔ ہم تو گنہگاروں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔ یہ لوگ ایسے (شریر) تھے کہ جب ان سے کہا جاتا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو اکڑا کرتے تھے اور یہ لوگ کہنے لگے کیا ایک دیوانے

شاعر کے لیے ہم اپنے معبُود چھوڑ بیٹھیں۔ (یہ رسول دیوانہ نہیں) بلکہ حق بات لے کر آیا ہے اور اگلے پیغمبروں کی تصدیق کرتا ہے۔ تم لوگ اگر نہ مانو گے تو دردناک عذاب کا مزہ چکھو گے اور تمہی کو اس کا بدلہ دیا جائے گا جو تم دُنیا میں کرتے رہے ہو لیکن جو خدا کے مخلص بندے ہیں بہشت ہیں۔

آیت ۲۸ میں تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ۔ کے معنی یہ ہیں کہ تم بڑی قوت کے ساتھ ہمارے پاس آتے تھے اور بہکاتے تھے۔

آیت ۳۶ میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ کفار و مشرکین حضورؐ کو ایک دیوانہ شاعر سمجھتے تھے اور یہ پروپیگنڈہ کرتے تھے کہ ہم ایک دیوانے شاعر کے کہنے سے اپنے معبُودوں کو جن کی ہم عبادت کرتے چلے آرہے ہیں کیسے چھوڑ سکتے ہیں۔ اسلام کی طرف آنے میں بڑی رکاوٹ آباؤ اجداد کی تقلید تھی۔ بُت پرستی کا رنگ ان کی طبیعتوں میں اچھی طرح رچ بس گیا تھا۔ بتوں کی عبادت ترک کرنا وہ اپنے لیے ایک عذابِ عظیم سمجھتے تھے۔ اور یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اگر ہم نے ان کی عبادت ترک کی تو ضرور کسی جان لیوا مصیبت میں گرفتار ہو جائیں گے۔ کوئی عقیدہ جس قدر پرانا ہوتا جاتا ہے اُسی قدر لوگوں کے دلوں پر اس کا رنگ زیادہ گہرا ہوتا جاتا ہے۔

أُولَٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُومٌ ﴿۴۱﴾ فَوَاكِهُ ۚ وَهُم مُّكْرَمُونَ ﴿۴۲﴾ فِي جَنَّٰتِ
النَّعِيمِ ﴿۴۳﴾ عَلَىٰ سُرُرٍ مُّتَقَٰبِلِينَ ﴿۴۴﴾ يُطَافُ عَلَيْهِم بِكَأْسٍ مِّن
مَّعِينٍ ﴿۴۵﴾ بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشَّٰرِبِينَ ﴿۴۶﴾ لَا فِيهَا غَوْلٌ وَلَا هُمْ عَنْهَا
يُنزَفُونَ ﴿۴۷﴾ وَعِندَهُمْ قَٰصِرَٰتُ الطَّرْفِ عِينٌ ﴿۴۸﴾ كَأَنَّهُنَّ بَيْضٌ
مَّكْنُونٌ ﴿۴۹﴾ فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَآءَلُونَ ﴿۵۰﴾ قَالَ قَآئِلٌ
مِّنْهُمْ إِنِّي كَانَ لِي قَرِينٌ ﴿۵۱﴾ يَقُولُ أَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِينَ ﴿۵۲﴾

(ان مخلص بندوں کے لیے) مقرّرہ روزی ہے (اور وہ ایسی ویسی نہیں) ہر قسم کے میوے ہوں گے اور وہ بڑی رغبت کے ساتھ جنّت کے باغوں میں آمنے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے ان میں صاف سفید براق شراب کے دَور چل رہے ہونگے جو پینے والے کو بڑا مزہ دے گی۔ نہ تو اس شراب میں (خمار کی وجہ سے) دردِ سر ہوگا اور نہ اس کے پینے سے متوالے ہوں گے اور ان کے سامنے (شرم سے) نیچی نگاہیں کرنے والی بڑی بڑی آنکھوں والی (حُوریں) ہوں گی (ان کی گوری گوری رنگتوں میں ہلکی سی سُرخی ایسی جھلکتی ہوگی) گویا وہ انڈے ہیں جو چھپائے ہوئے رکھے ہیں۔ ایک دوسرے سے بات چیت کرتے ہوں گے۔ ایک کہنے والا کہے گا کہ دُنیا میں میرا ایک دوست تھا وہ مجھ سے کہا کرتا تھا کیا تم (قیامت کی) تصدیق کرنے والوں میں ہو۔

جنّت کے میوے ہماری دُنیا کے میووں کی طرح نہ ہوں گے۔ صرف ہمیں سمجھانے کے لیے انار، انگور اور کھجور کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ ورنہ وہاں کے میووں کو یہاں کے میووں سے رنگ اور لذّت میں کوئی نسبت ہوگی۔ حدیث مبارک میں ہے کہ جنّت کی نعمتیں ایسی ہوں گی جنہیں نہ آنکھوں نے دیکھا ہوگا نہ کانوں نے ان کے اوصاف سُنے ہوں گے اور نہ کسی انسان کے دل میں ان کے اوصاف کا خیال گزرا ہوگا۔

وہاں کی شراب بھی یہاں کی سی شراب نہ ہوگی جو غلّہ اور پھلوں کو سڑا کر بنائی جاتی ہے اور بدبُودار ہوتی ہے — پینے والا نشہ میں بے ہوش ہو جاتا ہے اور ناسزا حرکات کرنے لگتا ہے اور جب اس کا نشہ اُترتا ہے تو بدن ٹوٹنے لگتا ہے، دردِ سر ہونے لگتا ہے۔ جنّت کی شراب ایک چشمہ سے نکل کر نہر کی صورت میں آئے گی۔ پینے والوں کے لیے بڑی مزہ دار ہوگی۔ نہ اس میں نشہ ہوگا نہ خمار۔ بلکہ ایک ایسا سرور روحانی ہوگا جس کا بیان لفظوں میں ممکن نہیں۔ اگر جنّت کی نعمتیں یہاں جیسی ہوں تو پھر وہ جنّت ہی کیا ہوئی۔ شراب پینے والے کو خوبصورت لڑکے جام بھر بھر کے دیں گے اور جنتیوں کے گرد چکّر لگاتے ہوں گے۔

اس میں اختلاف ہے کہ یہ لڑکے کون ہوں گے۔ اکثر کا قول ہے کہ خدا کے نیکوکار بندوں کے وہ لڑکے جو ایامِ طفلی میں مر گئے ہوں گے انہیں کو خوبصورت بنا کر اس خدمت کے لیے مقرر کیا جائے گا۔ لیکن یہ بات کان کو نہیں لگتی۔ ائمہ اہلبیتؑ کی تفسیر یہ ہے کہ حوروں کی طرح یہ لڑکے بھی جنّت ہی کی پیداوار ہوں گے۔ خدا نے ان کو اہلِ جنت کی خدمت کے لیے خلق فرمایا ہے۔ ان کو غلمان کہتے ہیں۔ اہلِ جنّت کی دلچسپی کے لیے جو عورتیں ہوں گی وہ بڑی حسین اور شرمیلی بڑی خوبصورت آنکھوں والی ہوں گی۔ ان انڈوں کی طرح جن کو چھپا کر رکھا گیا ہو تاکہ صاف ستھری گرد و غبار سے محفوظ رہیں۔ کنواری ہوں گی کسی مرد نے ان کو چھوا تک نہ ہوگا۔

بَيْضٌ مَّكْنُونٌ کے متعلق تفسیرِ صافی میں ہے کہ ان عورتوں کو شتر مرغ کے انڈے سے اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کہ وہ انہیں اپنے پروں میں چھپائے رکھتا ہے۔ اس وجہ سے وہ ہر قسم کی گرد و غبار سے پاک صاف رہتا ہے۔ ان انڈوں کا رنگ زردی مائل سفید ہوتا ہے۔ اور یہ رنگ جسم کے رنگوں میں سب سے اچھا سمجھا جاتا ہے۔

آگے اہلِ جنّت و اہلِ دوزخ کے درمیان بات چیت کا ذکر آتا ہے ظاہر ہے کہ جنّت و دوزخ کے گھر ملے ہوئے تو ہوں گے نہیں کہ ایک آدمی دوسرے سے باآسانی بات کر لے۔ ہزارہا میل کا فاصلہ ہوگا مگر انسان کی آواز اور سماعت میں اتنی قوّت پیدا ہو جائے گی کہ وہ آپس میں بات چیت کر سکیں گے۔

ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ (٥٣) قَالَ هَلْ اَنْتُمْ
مُّطَّلِعُوْنَ (٥٤) فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ (٥٥) قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ
لَتُرْدِيْنِ (٥٦) وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ (٥٧) اَفَمَا نَحْنُ
بِمَيِّتِيْنَ (٥٨) اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ (٥٩) اِنَّ هٰذَا
لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (٦٠) لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ (٦١)

(دُنیا میں دوزخ میں جانے والا جنّت میں جانے والے سے کہا کرتا تھا کیا تم بھی قیامت کی تصدیق کرنے والوں میں سے ہو۔ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹّی اور ہڈّی بن جائیں گے تو (ہمیں زندہ کر کے) پھر ہم سے ہمارے اعمال کا بدلہ لیا جائے گا (یہ کوئی سمجھ میں آنے والی بات ہے)۔ پھر بہشت میں جانے والا اپنے ساتھیوں سے کہے گا تو کیا تم بھی (میرے اس ساتھی کو جو اب جہنّم میں ہے) جھانک کر دیکھو گے غرض وہ جھانکے گا تو اس کو بیچ جہنّم میں پڑا ہوا دیکھے گا تو اس سے کہے گا کہ خدا کی قسم تُو تو مجھے بھی تباہ کرنے والا تھا۔ اگر میرے پروردگار کا احسان نہ ہوتا تو میں بھی (اس وقت تیرے ساتھ) جہنّم میں گرفتار ہوتا۔ (اچھا اب بتاؤ) کیا میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ ہم کو اس پہلی موت کا سامنا پھر نہیں ہے اور نہ ہم پر آخرت میں عذاب ہوگا۔ یہ یقیناً بہت بڑی کامیابی ہے۔ عمل کرنے والوں کو چاہیے کہ اپنی کامیابی کے لیے اس طرح عمل کریں یعنی قیامت پر یقین رکھتے ہوئے عمل کریں۔

آیت ۵۵، تا ۵۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ جنّتی شخص دوزخی سے بات کر کے اب اپنے نفس کی طرف مخاطب ہو کر کہتا ہے۔ وہ بھی مر گیا میں بھی مر گیا۔ بس اب مجھے موت نہیں اور نہ کوئی عذاب ہے۔ یہی میرے لیے

بڑی کامیابی ہے۔ میں نے حیاتِ دُنیا میں قیامت کا تصوّر رکھا تھا اور عذابِ خدا سے ڈرتا تھا۔ اسی کا یہ بدلہ خدا نے مجھے دیا ہے۔

اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ (٦٢) اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ (٦٣)
اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ (٦٤) طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ (٦٥)
فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ (٦٦) ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا
مِّنْ حَمِيْمٍ (٦٧) ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ (٦٨) اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ
ضَآلِّيْنَ (٦٩) فَهُمْ عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ (٧٠) وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ
الْاَوَّلِيْنَ (٧١) وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ (٧٢) فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ
عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ (٧٣) اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ (٧٤) ٢ ع ٥٣ ٦

بھلا مہمانی کے لیے یہ سامان (جنّت) بہتر ہے یا تھوہر کا درخت (جو جہنّمیوں کے لیے ہوگا) جسے ہم نے یقیناً ظالموں کی سزا کے لیے بنایا ہے۔ یہ وہ درخت ہے جو جہنّم کی تہہ میں اُگتا ہے اس کے پھل (ایسے بدنما ہیں) گویا سانپ کے پھن ہیں (جسے چھونے سے ڈر معلوم ہو) یہ جہنّمی لوگ یقیناً اس میں سے کھائیں گے اس سے اپنا پیٹ بھریں گے پھر اس کے اوپر سے ان کو خوب کھولتا ہوا پانی پیپ وغیرہ ملا کر پینے کو دیا جائے گا (پھر کھا پی کر) ان کو جہنّم ہی کی طرف لوٹ جانا ہوگا۔ ان لوگوں نے اپنے باپ دادا کو گمراہ پایا تھا۔ تو یہ لوگ بھی ان کے پیچھے دوڑے چلے جا رہے ہیں۔ ان سے پہلے اگلوں میں سے بہت سے گمراہ ہو چکے ہیں حالانکہ ہم نے ان لوگوں کو ڈرانے کے لیے ڈرانے والے (پیغمبر) بھیجے تھے۔ ذرا دیکھو تو جو لوگ ڈرائے جا چکے تھے ان کا کیسا بُرا انجام ہوا سوائے ان کے جو خدا کے خاص مخلص بندے تھے۔

خدا کی قدرت کے منکر جہنّم میں درخت کے اُگنے پر مذاق اڑاتے ہیں۔ کہتے ہیں لیجئے یہ نئی بات سُنیئے۔ جہنّم کے

بھڑکتے شعلوں میں ایک ہرا بھرا درخت تھوہر کا بھی ہوگا۔ سخت سے سخت گرم ملکوں میں جہاں پانی کا نام و نشان نہیں ہوتا کیا وہاں درخت نہیں اُگتے۔ سرد ملکوں میں جہاں ہر وقت پالا پڑتا رہتا ہے کیا وہاں درخت پیدا نہیں ہوتے۔ شملہ کی چوٹی پر جہاں برف کا ایک گنبد سا بنا رہتا ہے اور جس سے نیچے وادی میں پانی کی کئی گز لمبی چادر گرتی ہے اسی گنبد کے چاروں طرف جہاں مٹی کا نام نہیں ہوتا، ڈیلیا پھول کس طرح لہلہاتا ہے۔ آتش باز آتش بازی سے کیسے پھول دار درخت نکالتے ہیں۔ جو آگ ابراہیمؑ پر اُس کے حکم سے سرد پڑ جاتی ہے کیا وہ جہنّم میں تھوہر کے درخت کو جلانے سے نہیں رُک سکتی۔ یہ ان ظالموں کے عقل کی آزمائش ہے جو خدا کو نہیں مانتے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دوزخیوں کے عذاب کی ایک انتہائی صورت بیان کی گئی ہے تاکہ وہ خوف زدہ ہوں۔ جس خدا نے دُنیا میں بے شمار نعمتیں دے رکھی ہیں ان سے خدا کی معرفت حاصل نہ کرنا اور بجائے اُس کے اُس کی مخلوق کی عبادت کرنا ایک ایسا سخت ترین گناہ ہے جس کی سزا جو بھی دی جائے کم ہے۔

وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ (٧٥) وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ
الْعَظِيْمِ (٧٦) وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ (٧٧) وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي
الْاٰخِرِيْنَ (٧٨) سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ (٧٩) اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي
الْمُحْسِنِيْنَ (٨٠) اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ (٨١) ثُمَّ اَغْرَقْنَا
الْاٰخَرِيْنَ (٨٢)

نُوحؑ نے (قوم سے مایوس ہو کر) ہمیں پکارا تھا تو ہم کیا اچھے جواب دینے والے تھے۔ ہم نے ان کو اور اُن کے گھر والوں کو سخت مصیبت سے نجات دی اور اُن کو اور اُن کی اولاد کو دُنیا میں باقی رکھا اور بعد کو آنے والے لوگوں میں ان کا چرچا باقی رکھا۔ تمام دُنیا میں نوحؑ پر سلام ہی سلام ہے ہم نیکی کرنے والوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا۔ پھر ہم نے باقی لوگوں کو ڈبو دیا۔

حضرت نوحؑ جب اپنی قوم کے ایمان لانے کی طرف سے بالکل مایوس ہو گئے تو خدا سے ان کے لیے بددعا کی۔

خدا نے ان کی دُعا قبول کی اور سخت مصیبت سے ان کو نجات دی اور ان کی اولاد سے پھر دُنیا بسائی۔

وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ (٨٣) اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ (٨٤) اِذْ قَالَ
لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ (٨٥) اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ (٨٦)
فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (٨٧) فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ (٨٨) فَقَالَ اِنِّيْ
سَقِيْمٌ (٨٩) فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ (٩٠) فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا
تَاْكُلُوْنَ (٩١) مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ (٩٢) فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ (٩٣)
فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ (٩٤) قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ (٩٥) وَاللّٰهُ
خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ (٩٦) قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي
الْجَحِيْمِ (٩٧) فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ (٩٨)

بے شک ابراہیم نوح کے پیرو تھے وہ اپنے پروردگار کی طرف ایسا دل لیے ہوئے بڑھے جو ہر عیب سے پاک تھا۔ جب انہوں نے اپنے منہ بولے باپ سے اور اس کی قوم سے کہا تم لوگ کس چیز کی پرستش کرتے ہو۔ کیا اللہ کو چھوڑ کر دل سے گڑھے ہوئے معبُودوں کی طرف رجوع کرتے ہو۔ ساری خدائی کے پالنے والے کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔ (پھر عید کے دن ان لوگوں نے عیدگاہ چلنے کو کہا) ابراہیم نے ستاروں کی طرف ایک نظر دیکھا پھر کہنے لگے میں عنقریب بیمار پڑنے والا ہوں۔ وہ پیٹھ پھیر کر ابراہیم سے منہ موڑے ہوئے چل دئیے۔ اس کے بعد ابراہیم ان کے بتوں کی طرف متوجہ ہوئے (ان کے مندر میں گئے) اور ان سے کہنے لگے (تمہارے سامنے اتنے چڑھاوے

رکھے ہیں) تم کھاتے کیوں نہیں، تمہیں ہو کیا گیا ہے۔ تم بولتے تک نہیں۔ پھر اپنے ہاتھ سے مارتے ہوئے ان پر پل پڑے (اور توڑ پھوڑ کر ان کے بڑے بُت کے گلے میں کلہاڑی ڈال دی۔ (جب وہ لوگ لوٹے اور بتوں کا یہ حال دیکھا تو دوڑے ہُوئے حضرت ابراہیمؑ کے پاس آئے اور پُوچھ گُچھ کرنے لگے) انہوں نے کہا۔ افسوس ہے تمہارے حال پر تم ان کی عبادت کرتے ہو جنہیں تم نے اپنے ہاتھوں سے تراشا ہے حالانکہ اللہ ہی تمہارا بھی خالق ہے اور جو کچھ تم بناتے ہو اس کا بھی (یہ سُن کر وہ آپس میں) کہنے لگے، اس کے لیے (بھٹی جیسی) ایک عمارت بنواؤ اور اسے دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دو۔ انہوں نے ابراہیم کے ساتھ مکّاری کرنی چاہی۔ ہم نے (آگ کو ٹھنڈا کر کے) انہیں نیچا دکھا دیا۔

ان آیات میں کئی باتیں قابلِ توضیح ہیں:

۱۔ لفظ شیعہ سب سے پہلے ایک نبی کے متعلق استعمال ہُوا ہے۔ معلوم ہُوا نبی کے پیرو کو شیعہ کہتے ہیں۔ اسلام کے تمام فرقوں میں صرف لفظ شیعہ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اس کا ذکر قرآن میں ہے۔

۲۔ آیت ۸۸۔ جو لوگ سعادتِ انبیاءؑ کو داغدار بنانا سعادتِ ابدی جانتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ نے تین جھوٹ بولے ہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ وہ بیمار نہ تھے مگر اپنے کو بیمار ظاہر کیا۔ اس کے کئی جواب ہیں۔ اوّل یہ کہ کیسے معلوم ہُوا کہ حضرت ابراہیمؑ بیمار نہ تھے اور انہوں نے اپنے کو بیمار ظاہر کیا۔ اگر بیمار نہ ہوتے تو خاندان والے ضرور کہتے کہ تم تو اچھے خاصے ہو، خواہ مخواہ بہانہ بازی کر رہے ہو۔ دوسرے بیماری دو طرح کی ہوتی ہے۔ اوّل جسمانی دوسرے رُوحانی۔ ایک نبی کے لیے اس سے بڑی روحانی بیماری اور کیا ہو سکتی ہے کہ اُس کی قوم بُت پرست ہو۔ تیسرے ہو سکتا ہے تقیہ کے طور پر ایسا کہہ دیا ہو۔

۳۔ جب وہ ستارہ پرست نہ تھے تو ستاروں کی طرف نظر کر کے ایسا کیوں کہا۔ جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو تین قسم کے کافروں سے جنگ کرنا تھی۔ ایک ستارہ پرست دوسرے بُت پرست تیسرے شخصیت پرست جو نمرود کو خدا سمجھتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے جو لوگ عید گاہ لے جانا چاہتے تھے وہ بُت پرست بھی تھے اور ستارہ پرست بھی۔ چونکہ وہ صحت و بیماری کو ستاروں کا کرشمہ جانتے تھے لہٰذا ان کی تسکینِ خاطر کے لیے ستاروں کی طرف دیکھ کر ایسا کہا چنانچہ وہ مطمئن ہو کر چلے گئے۔

۴۔ جب بُت نہ بولتے تھے نہ کھاتے تھے تو بُتوں سے ایسا کیوں کہا۔ جواب یہ ہے کہ جوشِ ایمانی میں بے ساختہ یہ کلمہ حضرتؑ کی زبانِ اقدس پر جاری ہو گیا۔ دوسرے یہ سمجھتے ہوئے کہ اگر کوئی آدمی آس پاس لگا کھڑا ہو تو وہ اس کلام کو سُن لے اور بُتوں کی بے چارگی کا قائل ہو جائے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جوشِ ایمانی اور بہادری دیکھنے کے قابل ہے۔ دوسرا ہوتا تو اتنا بڑا کام کر کے ڈر جاتا۔ کہیں بھاگ کھڑا ہوتا۔ مگر آپ کے دل میں ذرا بھی ہراس پیدا نہ ہُوا اور اپنے مقام پر ڈٹے رہے۔ اور ہدایت کا

مناسب موقع پا کر دِرانہ چوکے۔ نہایت دلیرانہ انداز میں کہا، بدبختو! تمہیں شرم نہیں آتی کہ جن بُتوں کو تم نے اپنے ہاتھ سے گڑھا ہے اُنہی کو اپنا معبود مان کر پُوجتے ہو۔ حضرت ابراہیمؑ کا قصہ پہلے بھی گزر چکا ہے۔

آخر آیت میں نیچا دکھانے کا یہ مطلب ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ پر آگ ٹھنڈی ہو گئی اور کفّار کی تدبیر کارگر نہ ہوئی

وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيَهْدِينِ ﴿٩٩﴾ رَبِّ هَبْ لِي مِنَ
الصَّالِحِينَ ﴿١٠٠﴾ فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ ﴿١٠١﴾ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَا بُنَيَّ
إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرَىٰ ۚ قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ
مَا تُؤْمَرُ ۖ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ ﴿١٠٢﴾ فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ
لِلْجَبِينِ ﴿١٠٣﴾ وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ ﴿١٠٤﴾ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا ۚ إِنَّا كَذَٰلِكَ
نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿١٠٥﴾ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ ﴿١٠٦﴾ وَفَدَيْنَاهُ
بِذِبْحٍ عَظِيمٍ ﴿١٠٧﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ﴿١٠٨﴾ سَلَامٌ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ﴿١٠٩﴾
كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿١١٠﴾ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ﴿١١١﴾

جب آذر نے حضرت ابراہیمؑ کو نکال دیا تو انہوں نے فرمایا، اچھا تو میں اپنے رب کی طرف جا رہا ہوں وہ مجھے صحیح راستہ پر لگا دے گا (جہاں چاہے گا پہنچا دے گا)۔ (پھر خدا سے دُعا کی) پالنے والے مجھے ایک نیکو کار فرزند عطا کر۔ پس ہم نے انہیں ایک بُردبار لڑکے کی (ولادت کی) خوشخبری دی۔ جب وہ (اسمٰعیلؑ) اپنے باپ کے ساتھ دوڑ دھوپ کرنے لگے تو ابراہیم نے کہا، میں نے خواب میں دیکھا ہے میں تجھے ذبح کر رہا ہوں، پس تمہاری اس معاملہ میں کیا رائے ہے۔ انہوں نے کہا، بابا جان جو حکم آپ کو دیا گیا ہے اُسے بجا لائیے۔ آپ انشاء اللہ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ پس جب دونوں نے یہ ٹھان لی تو (باپ نے

بیٹے کو) ماتھے کے بل لٹایا۔ ہم نے ندا دی اے ابراہیم تم نے خواب کو سچ کر دکھایا۔ ہم نیکی کرنے والوں کو یونہی جزا دیتے ہیں۔ اس میں شک نہیں یہ بڑی سخت آزمائش تھی۔ ہم نے اس (اسمٰعیل) کا فدیہ ایک ذبح عظیم کو قرار دیا اور ہم نے ان کا چرچا بعد میں آنے والوں میں باقی رکھا۔ ابراہیم پر سلام ہو۔ ہم نیکی کرنے والوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔ وہ ہمارے ایمان والے بندوں میں سے تھے۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نارِ نمرود سے بچ نکلے تو یہ امر آذر کو بہت شاق ہوا۔ اس نے سختی کے ساتھ حضرت ابراہیمؑ سے کہا، جب تم ہمارے دین پر نہیں ہو تو یہاں سے نکل جاؤ، ہم تم کو یہاں دیکھنا نہیں چاہتے۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا یہ بات ہے تو میں جا رہا ہوں۔ میرا اللہ جہاں مجھے لے جائے گا میں پہنچ جاؤں گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اس وقت تک صاحبِ اولاد نہ تھے لہٰذا اپنی بی بی اور اپنے بھتیجے کو ساتھ لے کر وہاں سے چل دیئے۔ جس وقت حضرت ابراہیمؑ نے فرزند کے لیے دُعا کی آپؑ کافی بوڑھے ہو چکے تھے۔ چنانچہ بڑا اپتے جب حضرت اسمٰعیلؑ پیدا ہوئے تو آپؑ کی عمر ۸۶ سال کی ہو چکی تھی اور جب حضرت اسحٰقؑ پیدا ہوئے تو آپؑ کی عمر سو برس کی تھی۔

نبی کی خواب بھی بمنزلہ وحی ہوتی ہے اس لیے جو خواب حضرت ابراہیمؑ نے دیکھا تھا وہ سچا تھا۔ اس لیے اُس کی تعمیل میں آپؑ نے تاخیر نہ کی۔ حضرت اسمٰعیلؑ کی صفت قرآن میں غلامٌ حلیم بیان کی گئی ہے۔ لہٰذا جب حضرت ابراہیمؑ نے خواب بیان کیا تو وہ گھبرائے نہیں، جذبات میں کوئی ہیجان پیدا نہ ہوا۔ بلکہ باطمینانِ قلب یہ جواب دیا کہ میں راضی ہوں جو حکم دیا گیا ہے اُس کو بجا لایئے۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب خدا نے ذبح کرنے کا حکم دیا تھا تو بغیر ذبح واقع ہوئے خدا نے یہ کیوں فرمایا کہ تم نے خواب کی تصدیق کر دی ہے۔ یہ تصدیق تو ذبح کے بعد ہوتی۔ اس کے دو جواب ہیں: اوّل یہ کہ خواب میں یہ نہیں دیکھا تھا کہ بیٹے کو ذبح کر دیا ہے یعنی ذبح کا فعل اختتام کو پہنچتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ کسی فعل کے مقدمات کو انجام دے لینا گویا اس فعل کا کر لینا ہوتا ہے۔ مثلاً ایک آقا غلام سے کہے کہ تم فلاں مقام پر جا کر دشمنوں سے لڑو۔ یہاں تک کہ تم قتل کر دیئے جاؤ۔ وہ غلام یہ حکم سُن کر بہ طیبِ خاطر بدن پہ ہتھیار سجاتا ہے اور جانے پہ تیار ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد آقا کسی وجہ سے اُسے روک لیتا ہے اور کہتا ہے شاباش! مجھے یقین ہو گیا کہ تم وفادار غلام ہو۔ حضرت ابراہیمؑ نے ذبح کرنے کے تمام مقدمات پُورے کر لیے تھے۔ چھُری اور رسی گھر سے لے کر گئے تھے۔ بیٹے کے ہاتھ اور پاؤں باندھ دیئے تھے۔ چھُری گلے پر رکھ دی تھی۔ اب ذبح میں بات کیا باقی رہ گئی۔ پس جہاں تک مقدماتِ ذبح کا تعلق تھا حضرت ابراہیمؑ نے پُورے کر دیئے۔ اب یہ مصلحتِ الٰہی تھی کہ حضرت اسمٰعیلؑ کو ذبح سے بچا لیا گیا۔

ذبح کے لیے اُلٹا اس لیے لٹایا تھا کہ وقتِ ذبح بیٹے کا چہرہ نظر نہ آئے بلکہ بروایتے آنکھوں پر پٹی بھی باندھ لی تھی تاکہ بیٹے کے خون کی دھار نکلتے نہ دیکھیں۔

اس کے بعد خدا نے فرمایا، یہ بڑی سخت آزمائش تھی۔

سوال یہ ہے کہ یہ آزمائش کس مقصد کے لیے تھی۔ بے وجہ اپنے جلیل القدر پیغمبر کا ایسا سخت امتحان لیا گیا۔ ایک باپ کے ہاتھ سے اس کے جوان بیٹے کو ذبح کرانا فطرتِ انسانی کو ذبح کرنا تھا۔ کوئی مفسّر اس پر روشنی نہیں ڈالتا۔ پھر ذبح عظیم سے مراد ایک دُنبہ کی قربانی لینا اور بھی زیادہ عجیب و غریب ہے۔ کہاں ایک نبی معصوم کی قربانی، کہاں ایک دُنبہ۔ اگر یہ قربانی قیامت تک بھی ہوتی رہے تب بھی ایک نبی کے خون کے ایک قطرہ کا فدیہ نہیں ہو سکتا۔ ضرور اس کی تہ میں کوئی راز ہے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں ستارہ پرست قوم نے ہر ستارہ کا ایک ہیکل یا مندر بنایا تھا اور اس میں اس کی مورتی رکھی تھی جس کی عبادت کی جاتی تھی۔ سب سے بڑا مندر ستارہ زحل کا تھا۔ اس زمانہ میں لوگ زحل کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنے لڑکوں کی قربانی پیش کیا کرتے تھے۔ کسی بچہ کے پیدا ہونے کے بعد ماں باپ منت مان لیتے تھے کہ ہم اس کو زحل کے سامنے ذبح کریں گے۔ چنانچہ جب لڑکا دس بارہ برس کا ہو جاتا تو اس کو بنا سجا کر قربانی کے لیے وہاں لے جاتے۔ وہاں مندر میں ایک تیز خنجر زحل کی مورتی کی گردن میں لٹکا رہتا اور ایک سنگِ مرمر کی لمبی سِل پڑی ہوتی تھی۔ اس سِل پہ لٹا کر اسی خنجر سے ذبح کر دیتے تھے۔ یہ سب سے بڑی عبادت مانی جاتی تھی۔ ان کا عقیدہ تھا کہ جس مذہب میں انسان کی قربانی نہیں ہوتی وہ مذہب سچا نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب دعوتِ اسلام دیتے تھے تو وہ ان سے یہی کہتے تھے کہ آپ کے مذہب میں چونکہ انسانی قربانی کا حکم نہیں لہٰذا ہم اسے سچا مذہب تسلیم نہیں کر سکتے۔ ہرچند سمجھاتے تھے مگر وہ ماننے ہی نہ تھے۔ اس خواب کے بعد جب حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسمٰعیلؑ کو قربانی کے لیے لے چلے اور ان لوگوں کو خبر ملی تو بہت خوش ہوئے کہ اب ابراہیمؑ نے ہمارے مذہب کی صداقت کو قبول کر لیا۔ مقامِ منیٰ میں جب وہ لوگ بھی جمع ہو گئے۔ جب اسمٰعیلؑ ذبح سے بچ گئے تو حضرت ابراہیمؑ نے ان لوگوں سے کہا، دیکھو اگر خدا کو انسانی قربانی پسند ہوتی تو میرے بیٹے سے بہتر قربانی کس کی ہو سکتی تھی۔ چونکہ یہ سب واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا لہٰذا ان کے دل پر بڑا اثر ہوا۔ اور اسی روز سے انہوں نے انسانی قربانی بند کر دی۔ چونکہ اس واقعہ سے ایک بہت بڑی رسمِ بد کا انسداد ہوا اور بیشمار انسانی جانیں بچ گئیں لہٰذا اس کی یادگار منانے کے لیے وہ دن عید کا قرار دیا گیا اور اس کی یاد میں جانور کی قربانی رکھ دی گئی۔ (یہ واقعہ کتاب "ابن الذبیحین" میں ہے جو عربی زبان میں ہے میں نے وزیر الدولہ خلیفہ سیّد محمد حسن صاحب مرحوم وزیرِ اعظم ریاست پٹیالہ کے کتب خانہ میں دیکھا تھا۔ افسوس ہے کہ تقسیم ملک کے وقت یہ کتب خانہ تباہ و برباد ہو گیا۔ یہ کتاب ایک ایرانی عالم کی تصنیف ہے۔)

فدیناہ بذبحٍ عظیم کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے مراد عید الضحیٰ کی قربانی ہے۔ لیکن یہ سمجھ میں آنے والی بات نہیں۔ ایک معصوم نبی زادہ کے خون کا بدلہ ایک دُنبہ کے خون کو کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔ یادگار منانا دوسری چیز ہے اور ذبحِ عظیم دوسری چیز ہے۔ بے شک وہ واقعہ اتنا عظیم تھا کہ ہر سال اس کی یادگار منائی جائے اور دھوم سے منائی جائے۔ لیکن جنابِ اسمٰعیلؑ کے ذبح میں جو راز مضمر تھا وہ اس قربانی سے کیونکر پُورا ہو سکتا ہے۔ وہاں تو ایک رسمِ بد کا انسداد مقصود تھا۔ دُنبہ کی قربانی سے یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ فدیہ اسمٰعیلؑ تو کوئی ایسا ہی ذبح عظیم ہو سکتا ہے جس میں بہت سی رسومِ بد کے انسداد کے پیشِ نظر بہت سی قربانیاں کی جائیں۔ یہ ذبح عظیم سوائے واقعہ کربلا کے تاریخ اسلام میں اور کوئی واقعہ نظر نہیں آتا۔ یزید کے زمانہ میں جو بدعت و ضلالت کا طوفان اُٹھا تھا اس کی روک تھام ایک عظیم الشان قربانی سے ہی ہو سکتی تھی۔ جہاں کہیں جناب اسمٰعیلؑ کو بچا لینے میں انسداد ہو سکتا تھا خدا نے بچا لیا۔ اور جہاں بچانے میں نہیں بلکہ ذبح کرا دینے میں ہی یہ مقصد حاصل ہو سکتا تھا وہاں ذبح عظیم منظور کر لیا گیا۔ جس داستان کی ابتداء اسمٰعیلؑ سے ہوئی تھی اس کی انتہا امام حسینؑ

بہ ہوتی۔ دونوں کے اچھے چرچے کی ذمہ داری خدا نے اپنے اُوپر لی ہے۔ اسمٰعیلؑ کے واقعہ کی یادگار ١٠ ذی الحجہ ہے اور حسینؑ کے واقعہ کی یادگار ١٠ محرم ہے۔ وہاں ایک قربانی کی یادگار ایک دن ہے، یہاں بہتّر کی قربانی کی یادگار بہتّر دن ہیں۔ بلکہ پورا سال۔ نہ کوئی طاقت اسے مٹا سکتی ہے نہ بند کر سکتی ہے۔ قیامت تک ان دونوں یادگاروں کا سلسلہ دنیا میں باقی رہے گا۔

وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ (١١٢) وَبٰرَكْنَا عَلَیْهِ وَعَلٰۤى اِسْحٰقَ ؕ
وَمِنْ ذُرِّیَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِیْنٌ (١١٣) ع

ع ٣ ٩ ٧

اور ہم نے ابراہیم کو بشارت دی اسحٰق نبی کی جو صالحین میں سے تھے اور ابراہیم پر برکت نازل کی اور اسحاق پر اور ان دونوں کی اولاد میں بعض تو نکوکار ہیں اور بعض نافرمان اپنی جانوں پر صریحی ظلم کرنے والے۔

حضرت اسمٰعیلؑ کی ولادت سے چودہ برس بعد حضرت اسحٰقؑ پیدا ہوئے۔ ان کی اولاد میں جہاں بکثرت انبیاءؑ پیدا ہوئے وہاں ان سے بھی زیادہ سرکش اور ظالم لوگ ہوئے۔ حضرت اسحٰقؑ کے بیٹے حضرت یعقوبؑ تھے۔ انہی کا نام اسرائیل (بندۂ خدا) ہے۔ انہی کی اولاد بنی اسرائیل کہلاتی ہے۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ (١١٤) ۚ وَنَجَّیْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ
الْعَظِیْمِ (١١٥) ۚ وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِیْنَ (١١٦) ۚ وَاٰتَیْنٰهُمَا الْكِتٰبَ
الْمُسْتَبِیْنَ (١١٧) ۚ وَهَدَیْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ (١١٨) ۚ وَتَرَكْنَا عَلَیْهِمَا
فِی الْاٰخِرِیْنَ (١١٩) ۙ سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ (١٢٠) اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی
الْمُحْسِنِیْنَ (١٢١) اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ (١٢٢)

ہم نے موسٰی و ہارون پر بہت سے احسانات کیے اور ان دونوں اور ان کی قوم کو سخت مصیبت سے بچا لیا

اور ہم نے ان کی مدد کی تو آخر یہی لوگ غالب رہے اور ہم نے ان دونوں کو ایسی کتاب عطا کی جس کے مطالب بہت واضح ہیں (توریت) اور دونوں کو سیدھی راہ کی ہدایت کی اور بعد میں آنے والوں میں ان کا ذکرِ خیر باقی رکھا۔ سلام ہو موسٰی و ہارون پر۔ ہم نیکی کرنے والوں کو یوں ہی جزائے خیر دیتے ہیں۔ وہ دونوں ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھے۔

موسٰیؑ اور ہارونؑ پر سب سے بڑا احسان خدا کا یہ تھا کہ ان کو اور ان کی قوم بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم سے نجات دی اور اس ظالم قوم پر ان کو غلبہ عطا فرمایا۔ کتاب توریت جو حضرت موسٰیؑ کو دی تھی اس میں تمام احکام نہایت واضح طریق سے بیان کیے گئے تھے مگر باوجود اس کے بنی اسرائیل نے ان میں اتنا اختلاف کیا کہ ان کے اکہتّر فرقے بن گئے۔ کتنا بڑا مرتبہ ہے ان انبیاءؑ کا جن پر خدا کا سلام ہو۔ اور جن کو خدا اپنے مومن بندوں میں شمار کرے۔

وَاِنَّ اِلْیَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ (١٢٣) ؕ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَلَا تَتَّقُوْنَ (١٢٤) اَتَدْعُوْنَ
بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخٰلِقِیْنَ (١٢٥) ۙ اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآىِٕكُمُ الْاَوَّلِیْنَ (١٢٦)
فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ (١٢٧) ۙ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِیْنَ (١٢٨) وَتَرَكْنَا
عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ (١٢٩) ۙ سَلٰمٌ عَلٰۤى اِلْ یَاسِیْنَ (١٣٠) اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی
الْمُحْسِنِیْنَ (١٣١) اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ (١٣٢) وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ (١٣٣) ؕ
اِذْ نَجَّیْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ (١٣٤) ۙ اِلَّا عَجُوْزًا فِی الْغٰبِرِیْنَ (١٣٥) ثُمَّ دَمَّرْنَا
الْاٰخَرِیْنَ (١٣٦) وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَیْهِمْ مُّصْبِحِیْنَ (١٣٧) ۙ وَبِالَّیْلِ ؕ اَفَلَا
تَعْقِلُوْنَ (١٣٨) ع

ع ٤ ٢٥ ٨

الیاس بھی رسولوں میں سے تھے۔ جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا تم احسن الخالقین خدا کو چھوڑ کر بعل (نام بت)

کی عبادت کرتے ہو۔ اللہ تمہارا بھی رب ہے اور تمہارے باپ دادا کا بھی۔ انہوں نے اس کو جھٹلایا۔ یہ لوگ یقیناً (جہنّم میں) گرفتار کیے جائیں گے مگر جو اللہ کے مخلص بندے ہیں وہ محفوظ رہیں گے اور ہم نے ان کا ذکرِ خیر بعد کے آنے والوں میں باقی رکھا اور سلام ہو الیاس والوں پر۔ اور ہم نیکوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں، وہ نیک اور ایماندار بندوں میں سے تھے۔ اور لُوطؑ بھی بے شک مرسلین میں سے تھے۔ جب ہم نے ان کو اور ان کے گھر والوں سب کو نجات دی، مگر ان کی بُڑھیا (بی بی) پیچھے رہ جانے والوں میں تھی۔ پھر ہم نے باقی لوگوں کو تباہ و برباد کر دیا۔ (اے اہلِ مکّہ) تم بھی ان پر سے کبھی صبح اور کبھی شام کو گزرا کرتے ہو۔ کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔

حضرت الیاسؑ بن یاسین حضرت ہارونؑ کی اولاد سے تھے۔ یہ اور حضرت خضرؑ دونوں پیغمبر زندہ ہیں۔ مگر لوگوں کی نظروں سے غائب ہیں۔ حضرت حزقیل کی وفات کے بعد جب بنی اسرائیل کی شرارتیں حد سے بڑھ گئیں تو حضرت الیاسؑ ان کی ہدایت کو بھیجے گئے اس وقت کا بادشاہ کافر تھا اور اس کی رعایا بھی بُت پرستی کرتی تھی۔ حضرت الیاسؑ نے ہرچند سمجھایا مگر اس پر اثر نہ ہُوا۔ بادشاہ کی بی بی کو ایک عابد کا باغ پسند آیا۔ اُس نے عابد کو قتل کرا کے اس باغ پر قبضہ کر لیا۔ اس پر خدا کا عذاب نازل ہُوا۔ حضرت الیاسؑ نے اُسے عذابِ خدا سے ڈرایا۔ بادشاہ کو ان پر غصہ آیا۔ اور ان کے درپے آزار ہو گیا اور گرفتاری کا حکم دیا۔ مگر آپؑ کی بددُعا سے اس کا بیٹا بیمار ہُوا۔ وہ اس کے غم میں رہنے لگا۔ حضرت الیاسؑ شہر سے نکل کر ایک پہاڑ پر عبادت میں مشغول ہو گئے بادشاہ نے کچھ لوگوں کو شام کے بتوں کے سامنے دُعائے صحت کے لیے بھیجا تو ان لوگوں سے آپؑ کی ملاقات ہوئی۔ آپؑ نے فرمایا، بادشاہ سے کہو اللہ پر ایمان لائے تو صحّت ہوگی۔ جب بادشاہ کو حضرت الیاسؑ کے قیام کی جگہ معلوم ہو گئی، تو اُس نے لوگوں کو آپؑ کی گرفتاری کے لیے بھیجا مگر سب کے سب آپؑ کی بددعا سے مر گئے۔ آخر اُس نے اپنے وزیر کو بھیجا جو ایماندار تھا۔ وہ بھی وہیں رہ گیا۔ غرض اس کا بیٹا بھی مر گیا۔ اس کے بعد سخت قحط آیا۔ جب کئی سال گذر گئے تو حضرت الیاسؑ پھر شہر میں آئے اور ان سے کہا، تم اپنے بتوں کے سامنے دُعا کرو۔ اگر پانی برس جائے تو اپنے مذہب پر قائم رہو، ورنہ میں اپنے خدا سے دُعا کروں۔ اگر پانی برس جائے تو ایمان لے آنا۔ ان لوگوں نے اقرار کر لیا۔ بتوں کے سامنے دُعا کی مگر کیا ہوتا۔ پھر حضرت الیاسؑ نے دُعا کی تو پانی خوب برسا مگر وہ لوگ ایمان نہ لائے۔ آخر بحکمِ خدا الیسعؑ نبی کو اپنا خلیفہ بنا کر وہاں سے نکل گئے اور نظروں سے غائب ہو گئے۔ خدا نے ان پر ایک ایسے بادشاہ کو مسلّط کیا جس نے ان کی خوب خبر لی اور بادشاہ اور اس کی بی بی کو قتل کر کے اس باغ میں ڈال دیا۔ جہاں پرندوں نے ان کا گوشت نوچ نوچ کھایا یوں خدا نے بے گناہ عابد کے قتل کی سزا ان کو دی۔

سَلٰمٌ عَلٰٓی اٰلِ یَاسِیْنَ۔ مفسرین عامہ نے اس سے مراد الیاسؑ ہی لی ہے۔ لیکن شیعہ مُفسرین نے لکھا ہے، کہ یہ آلِ یٰسین ہے۔ مگر امام رازی، کلینی، اور روز بہان نے اس سے آلِ محمد مراد لی ہے۔ کیونکہ یٰسین آنحضرتؐ کا نام ہے۔ اور قراء شیعہ میں سے ابنِ عامر۔ نافع یعقوب کی قرائت میں بھی آلِ یٰسین ہے۔ اس کی موید وہ روایت ہے جسے

ابنِ ابی حاتم طبرانی اور ابن مردویہ نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ آلِ یٰسین آلِ محمد ہیں (دیکھو تفسیر درمنثور سیوطی، جلد ۵ مطبوعہ مصر، منقول از حاشیہ قرآن مترجمہ مولانا فرمان علی صاحب)۔

یہ بھی غور کرنا چاہیئے کہ الیاس والوں میں کیا ایسی خصوصیت تھی کہ ان پر خدا کا سلام ہو۔ الیاس والوں کا کہیں قرآن میں ذکر نہیں۔ ان کی اولاد میں تو کوئی نبی بھی نہیں ہُوا۔

رہا یہ کہنا کہ ذکرِ الیاس میں آلِ یٰسین کے ذکر سے کیا ربط۔ تو یہ تو جامع القرآن سے پوچھا جائے کہ انہیں الیاس والوں سے اتنی محبت کیوں ہے۔ آلِ محمد سے کیوں نہیں۔

وَاِنَّ یُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ (۱۳۹) اِذْ اَبَقَ اِلَی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ (۱۴۰)
فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِیْنَ (۱۴۱) فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ
مُلِیْمٌ (۱۴۲) فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ (۱۴۳) لَلَبِثَ فِیْ بَطْنِهٖٓ اِلٰی
یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ (۱۴۴) فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِیْمٌ (۱۴۵) وَاَنْۢبَتْنَا النصف
عَلَیْهِ شَجَرَةً مِّنْ یَّقْطِیْنٍ (۱۴۶) وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰی مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ
یَزِیْدُوْنَ (۱۴۷) فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰی حِیْنٍ (۱۴۸) فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ
الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ (۱۴۹) اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ
شٰهِدُوْنَ (۱۵۰) اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَیَقُوْلُوْنَ (۱۵۱) وَلَدَ اللّٰهُ وَاِنَّهُمْ
لَكٰذِبُوْنَ (۱۵۲) اَصْطَفَی الْبَنَاتِ عَلَی الْبَنِیْنَ (۱۵۳) مَا لَكُمْ كَیْفَ
تَحْكُمُوْنَ (۱۵۴) اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ (۱۵۵)

اور بے شک یُونس نبی مرسلین میں سے تھے۔ جب وہ بھاگ کر ایک بھری ہوئی کشتی کے پاس پہنچے، تو اہلِ کشتی نے قرعہ ڈالا (جو انہی کے نام نکلا) تو یُونس نے زک اٹھائی (دریا میں گر پڑے) اور ان کو ایک مچھلی نگل گئی اور یُونس اپنے کو ملامت کر رہے تھے۔ اگر یونس خدا کی تسبیح نہ کرتے تو روز قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں رہتے۔ پھر ہم نے ان کو (مچھلی کے پیٹ سے نکال کر) ایک کھلے میدان میں ڈال دیا اور وہ بیمار نڈھال ہو گئے تھے۔ ہم نے ان پر (آرام کے لیے) ایک کدّو کا درخت اُگا دیا۔ اور اس کے بعد ہم نے ان کو ایک لاکھ اور کچھ زیادہ آدمیوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا تو وہ لوگ ان پر ایمان لے آئے تو ہم نے بھی ایک مدّت تک انہیں چین سے رکھا۔ اے رسول، ان کفّار سے پوچھو کہ کیا تیرے رب کی بیٹیاں ہیں اور ان لوگوں کے بیٹے ہیں (کیا واقعی) ہم نے فرشتوں کو عورتیں بنایا۔ تو کیا یہ لوگ اس وقت موجود تھے۔ آگاہ ہو یہ لوگ اپنے دل سے گڑھ کر کیسی باتیں بناتے ہیں کہ خدا اولاد والا ہے اور یہ لوگ یقیناً جھوٹے ہیں۔ کیا اللہ نے بیٹوں کو بیٹیوں پر ترجیح دی ہے۔ تمہیں کیا (خبط) ہو گیا ہے، تم لوگ (بیٹھے بیٹھے) کیسا فیصلہ کرتے ہو کیا تم اتنا بھی غور نہیں کرتے۔

حضرت یونسؑ کا ذکر سورۂ انبیاء میں اور سورۂ یونس میں بھی ہے۔ یہ ارضِ نینوا پر ہدایت کے لیے بھیجے گئے تھے۔ یہ لوگ کافر و مشرک تھے۔ حضرتؑ نے ان کو بُت پرستی سے روکنے اور خدا پر ایمان لانے کے متعلق بہت کچھ سمجھایا مگر ان پر کوئی اثر نہ ہُوا۔ حضرت یونسؑ نے قوم کو خبر دی کہ تیسرے دن عذاب آ جائے گا۔ تیسرا دن آنے سے پہلے ہی بستی سے نکل گئے۔ تیسرے دن جب عذاب اس قوم کے سر پر آ گیا اور انہیں اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا تو انہوں نے حضرت یونسؑ کو تلاش کیا۔ وہ نہ ملے۔ آخر اپنے بال بچوں اور جانوروں کو لے کر جنگل میں پہنچے اور روتے پیٹتے ایمان کا اظہار کیا اور توبہ کی۔ خدا نے رحم کھا کر عذاب کو ہٹا دیا۔

خدا نے عذاب نازل کرنے کا وعدہ کیا تھا، ان کو ہلاک کرنے کا وعدہ نہ تھا۔ حضرت یونسؑ چوتھے دن اس خیال سے بستی کی طرف آئے کہ وہ سب ہلاک ہو گئے ہوں گے۔ جب ان کو چلتا پھرتا دیکھا تو ان کو اس بات پر غصّہ آیا کہ قوم مجھے جھوٹا کہے گی۔ اور نبوّت کی توہین ہو گی۔ وحی کا انتظار کیے بغیر وہاں سے چل دیئے۔ دریائی راستہ سے سفر کرنا چاہا۔ دریا کے کنارہ پر پہنچے تو ایک کشتی کھچا کھچ مسافروں سے بھری ہوئی تھی۔ جس طرح بنا اس پر چڑھ گئے۔ ملّاح نے کہا کشتی میں وزن زیادہ ہو گیا ہے۔ ڈُوبنے کا اندیشہ ہے۔ لہٰذا ایک آدمی تم میں سے اُتر جائے۔ لوگوں نے یہ بھی کہا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی غلام اپنے آقا کا نافرمان بن کر بھاگا ہے۔ الغرض قرعہ ڈالا گیا تو حضرت یونسؑ کا نام نکلا۔ کشتی والوں نے انہیں پکڑ کر دریا میں پھینک دیا۔ فوراً ایک مچھلی نے ان کو نگل لیا۔ تین روز تک اس کے پیٹ میں تسبیح الٰہی کرتے

رہے۔ بعض روایات میں ہے، چالیس روز مچھلی کے پیٹ میں رہے۔ اگر یہ تسبیح نہ کرتے تو وہی مچھلی ان کا مقبرہ بن جاتی اور قیامت تک کے لیے بن جاتی۔ جب بحکمِ خدا مچھلی نے ان کو اُگلا اور زمین پر آ گئے تو فوراً قدرت نے کدّو کا درخت وہاں اُگا دیا۔ اس کی بیل میں یہ خصوصیت ہے کہ پتّا چوڑا ہوتا ہے دوسرے اس پر مکھی نہیں بیٹھتی۔ چونکہ ان کا بدن مچھلی کے پیٹ میں رہنے کی وجہ سے نہایت سقیم ہو گیا تھا لہٰذا دھوپ برداشت نہیں کر سکتا تھا اور نہ مکھّی بیٹھنے کی تاب ہی لا سکتا تھا۔ اسی لیے قدرت کی طرف سے ایسا انتظام ہُوا۔ یقطین اس بیل کو کہتے ہیں جس کا پتّہ چوڑا ہو اور بڑا پھل لگے۔ جیسے کدّو، تربوز وغیرہ۔ ممکن ہے تربوز ہو اور اس کو کھایا بھی ہو۔

وہاں سے پھر قوم کے پاس آئے اور اس کو ہدایت کرتے رہے۔

آیت ۱۴۷ پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ کیا خدا کو پوری تعداد معلوم نہیں تھی جو یہ فرمایا، ایک ہزار یا اس سے زائد لوگ بستے تھے۔ جواب یہ ہے کہ خدا کو پُورا علم تھا۔ مگر عام لوگ جیسا کسی بستی کے متعلق تخمیناً کہا کرتے ہیں کہ ایک ہزار یا کچھ زائد لوگ ہوں گے لہٰذا عرفِ عام کی بنا پر ایسا کہا گیا۔

آیہ ۱۴۹ کا مطلب یہ ہے کہ لوگ ملائکہ کو اللہ کی لڑکیاں کہا کرتے تھے۔ جو کیسی غضب کی بات تھی۔ اپنے لیے تو لڑکے پسند کرنے اور لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے اور خدا کے لیے لڑکیاں تجویز کرنا ان کے نزدیک ٹھیک تھا۔ خدا دریافت کرتا ہے جب ملائکہ کو لڑکیاں بنا کر پیدا کیا تھا تو کیا اس وقت یہ لوگ دیکھ رہے تھے۔ ورنہ انہوں نے کیسے کہہ دیا کہ وہ لڑکیوں کی صورت میں ہیں اور خدا کے لیے لڑکوں کی بجائے لڑکیوں کو پسند کیا ہے۔ یہ لوگ عقل سے کام لیتے ہی نہیں۔

اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ (۱۵۶) فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (۱۵۷) وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ۭ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ (۱۵۸) سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ (۱۵۹) اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ (۱۶۰) فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ (۱۶۱) مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ (۱۶۲) اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ (۱۶۳) وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ (۱۶۴) وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ (۱۶۵) وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ (۱۶۶)

کیا تمہارے پاس اس کی کوئی ایسی دلیل ہے اگر تم اپنے دعوٰی میں سچے ہو تو اپنی کتاب پیش کرو۔ ان لوگوں نے

خدا اور جنّات کے درمیان رشتہ ناطہ قرار دیا ہے (یہ تو) جنّات بخوبی جانتے ہیں کہ وہ لوگ یقیناً قیامت میں بندوں کی طرح (محشور) حاضر کیے جائیں گے۔ یہ لوگ جو باتیں کیا کرتے ہیں وہ ان سے پاک ہے، مگر خدا کو ماننے والے بندے ایسا نہیں کہتے۔ غرض تم لوگ خود اور تمہارے معبود اس کے خلاف کسی کو بہکا نہیں سکتے۔ مگر اسی کو جو جہنّم میں جھونکا جانے والا ہے۔ (فرشتے تو یہ کہتے ہیں) ہم میں سے ہر ایک کا درجہ مقرر ہے۔ ہم تو (اس کی عبادت کے لیے) صف باندھے کھڑے رہتے ہیں اور ہم تو اس کی تسبیح پڑھا کرتے ہیں۔

اگر تم اپنے اس قول میں صادق ہو کہ ملائکہ خدا کی بیٹیاں ہیں اور جنات اور خدا کے درمیان رشتہ ناطہ ہے تو کوئی دلیل پیش کرو۔ یا کوئی ایسی کتاب دکھاؤ جس سے تمہارے قول کی تصدیق ہو۔ خدا کا کوئی رشتہ دار نہیں، فرشتے ہوں یا جنات۔ سب اس کے بندے ہیں اور ان میں سے ہر ایک اپنے مقام کا جاننے والا ہے۔ وہ تو اس کی عبادت اور تسبیح کرنے والے ہیں پھر ان سے خدا کی رشتہ داری کا کیا تعلق۔

وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ﴿١٦٧﴾ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٦٨﴾ لَكُنَّا عِبَادَ
اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿١٦٩﴾ فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿١٧٠﴾ وَلَقَدْ سَبَقَتْ
كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٧١﴾ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ﴿١٧٢﴾ وَاِنَّ جُنْدَنَا
لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿١٧٣﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿١٧٤﴾ وَّاَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ
يُبْصِرُوْنَ ﴿١٧٥﴾ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿١٧٦﴾ فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ
صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿١٧٧﴾ وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿١٧٨﴾ وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ
يُبْصِرُوْنَ ﴿١٧٩﴾ سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿١٨٠﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى
الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٨١﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٨٢﴾ ع ٥ ٩

(یہ کفار، اسلام سے قبل) کہا کرتے تھے اگر ہمارے پاس پہلے لوگوں کا قصہ کسی کتاب خدا میں ہوتا تو ہم بھی

خدا کے مخلص بندے ضرور ہو جاتے۔ مگر (جب کتاب آئی تو) ان لوگوں نے انکار کیا۔ عنقریب اس کا نتیجہ بھی معلوم ہو جائے گا۔ اپنے خاص بندوں سے ہماری بات پکّی ہو چکی ہے کہ ان کی ہماری بارگاہ سے ضرور مدد کی جائے گی اور ہمارا لشکر تو یقیناً غالب رہے گا۔ اے رسول تم ان سے ایک خاص وقت تک منہ پھیرے رہو۔ اور انہیں دیکھتے رہو۔ عنقریب یہ اپنا نتیجہ دیکھ لیں گے تو کیا یہ لوگ اپنے عذاب کی جلدی کر رہے ہیں جب عذاب ان کے صحن میں اُتر پڑے گا تو جو لوگ ڈرائے جا چکے ہیں ان کی کیسی بُری صبح ہوگی۔ ان لوگوں سے ایک خاص وقت تک منہ پھیرے رہو اور دیکھتے رہو کہ یہ لوگ عنقریب اپنا انجام دیکھ لیں گے۔ جو کچھ یہ کہتے ہیں تمہارا پروردگار جو عزّت کا مالک ہے ان باتوں سے پاک ہے اور پیغمبروں پر درود و سلام ہو۔ اور حمد کا سزاوار وُہ خدا ہے جو تمام عالموں کا رب ہے۔

کفار و مشرکین کا طریقہ یہ رہا ہے کہ جب تک کوئی کتاب آئی وہ سینہ پر ہاتھ مار کر کہتے، جب کتاب آئے گی تو ہم ضرور اس کے احکام پر عمل کریں گے اور خدا کے مخلص بندے بن جائیں گے لیکن جب آئی تو صاف انکار کر بیٹھتے اور رسولوں کو ستانے لگے۔ ہم نے اپنے رسولوں سے کہہ رکھا تھا کہ گھبراؤ نہیں تمہاری مدد کی جائے گی اور ہمارا لشکر "جو ایمان والے تمہارے ساتھ ہوں گے" وُہ ان پر ضرور غالب آئیں گے۔ یعنی اگر بزور طاقت و قوت ان کو زیر نہ بھی کر سکیں گے تو ان کی اخلاقی برتری ان کو ذلیل کر کے رہے گی۔

اے رسول، تم ان سے کچھ نہ کہو ان سے بالکل علیحدہ رہو اور جو کچھ یہ کرتے ہیں کرنے دو۔ عنقریب ان کو پتہ چل جائے گا کہ ان کی سرکشی کا نتیجہ کیا ہوگا۔ یہ تم سے ہمارے عذاب کے متعلق جلدی کیا کرتے ہیں، انہیں کیا خبر کہ جب ان پر ہمارا عذاب نازل ہوگا تو ان کی صبح جس میں یہ لوٹ مار کو نکلتے ہیں کیسی بُری صبح بن جائے گی۔ اور اس وقت ان سے کچھ نہ بنے گا۔ تم ان کی طرف سے منہ پھیرے رہو پھر جو کچھ ہوگا اُسے تم بھی دیکھو گے اور یہ بھی دیکھیں گے۔ یہ لوگ جو خدا کے متعلق افترا پردازیاں کرتے ہیں، کرنے دو۔ خدا کی عزّت و جلال میں ان سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ تو ہر عیب سے پاک ہے۔

(۳۸) سُوْرَةُ صٓ مَكِّيَّةٌ (۳۸)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ ط (۱) بَلِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ (۲)
كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ (۳)
وَعَجِبُوْۤا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ
كَذَّابٌ (۴) صلے اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ج اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ (۵)
وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰۤى اٰلِهَتِكُمْ ج اِنَّ هٰذَا
لَشَیْءٌ یُّرَادُ (۶) صلے مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ج اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا
اخْتِلَاقٌ (۷) ءَاُنْزِلَ عَلَیْهِ الذِّكْرُ مِنْ بَیْنِنَا بَلْ هُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْ
ذِكْرِیْ ج بَلْ لَّمَّا یَذُوْقُوْا عَذَابِ ط (۸) اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآىِٕنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ
الْعَزِیْزِ الْوَهَّابِ (۹) ج اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا قف
فَلْیَرْتَقُوْا فِی الْاَسْبَابِ (۱۰) جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ (۱۱)

صٓ۔ نصیحت کرنے والے قرآن کی قسم (تم برحق ہو) مگر یہ کفّار (خواہ مخواہ) تکبّر اور عداوت میں (اندھے ہو رہے) ہیں۔ ہم نے ان سے پہلے کتنے گروہ ہلاک کر دیئے تو (عذاب کے وقت) یہ لوگ چیخ

اُٹھیں گے مگر چھٹکارے کا وقت ہی نہ رہے گا اور ان لوگوں نے اس بات پر تعجب کیا کہ ان میں کا ڈرانے والا پیغمبر اُن کے پاس آیا۔ کافر لوگ کہنے لگے، یہ تو بڑا پکّا اور جھوٹا جادوگر ہے۔ اس نے تمام معبودوں کو (ملیا میٹ کر کے) ایک ہی معبود قائم کر رکھا ہے' یہ تو یقیناً ایک بڑی تعجب خیز بات ہے۔ ان میں سے چند سردار مجلسِ وعظ سے یہ (کہہ کر) چل کھڑے ہوئے کہ یہاں سے چل دو اور اپنے معبودوں کی عبادت پر جمے رہو۔ یقیناً اس میں اس کی کوئی غرض ہے۔ ہم نے تو یہ بات پچھلے دین میں کبھی نہیں سُنی (ہو نہ ہو) یہ ان کی من گھڑت ہے۔ کیا ہم میں بس (محمدؐ اس قابل تھے کہ) اسی پر قرآن نازل فرمایا۔ بات یہ ہے کہ ان کو میرے کلام پر شک ہے کہ میرا ہے یا نہیں۔ کہ انہوں نے ابھی تک عذاب کے مزے ہی نہیں چکھّے (اس وجہ سے یہ شرارت کر رہے ہیں۔) کیا اے رسول تمہارے زبردست فیاض رب کی رحمت کے خزانے ان کے پاس ہیں یا سارے آسمان اور زمین اور ان دونوں کے درمیان کی سلطنت ان ہی کے لیے خاص ہے۔ تب ان کو چاہیئے کہ رسّے یا سیڑھیاں لگا کر آسمان پر چڑھ جائیں اور انتظام کریں۔ اے رسول۔ ان پیغمبروں کے ساتھ جھگڑا کرنے والے گروہوں میں سے تمہارے مقابلہ میں ایک چھوٹا سا گروہ ہے۔ جو اس جگہ شکست کھانے والا ہے۔

یہ آیات کفارِ قریش کے متعلق ہیں جو غرور و تکبّر میں چھکے ہوئے خواہ مخواہ حضرت کے دشمن بن گئے تھے۔ کیا انہیں یہ پتہ نہیں کہ ہم نے اسی سرکشی کی بنا پر ان سے پہلے کتنی قوموں کو ہلاک کر ڈالا ہے۔ لیکن ان کے سمجھنے سے بھی کیا ہوتا ہے، نجات پانے کا وقت تو گزر گیا۔ یہ اس خبط میں مبتلا ہیں کہ انہی میں سے ایک شخص کو جو امیر کبیر بھی نہیں پیغمبری مل کیسے گئی، یہ شخص بڑا جھوٹا جادوگر ہے۔ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ ہم کو بہت سے معبودوں کی عبادت سے روک کر ایک اَن دیکھے خدا کی عبادت کی طرف لانا چاہتا ہے۔ جو ان میں قوم کے سردار تھے، کہنے لگے یہاں سے چل دو۔ اس کی کوئی بات نہ سنو یہ (نبی) کسی ذاتی غرض کی وجہ سے ایسا کر رہا ہے۔ ہم نے اپنے سے پہلے لوگوں سے بھی ایسی بات نہیں سُنی۔ یہ من گھڑت بات نہیں تو اور کیا ہے۔ ساری قوم میں ایک محمدؐ ہی ایسا شخص نظر آیا جسے پیغمبر بنا کر بھیجا گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ جب حضرت حمزہؓ ایمان لے آئے تو قریش میں ہل چل مچ گئی۔ قریش کے ممتاز لیڈر ابوجہل، عتبہ، شیبہ، ہشام اور عاص ایک روز حضرت ابوطالب کے پاس آئے اور کہنے لگے، اے ہمارے سردار ہم آپ کے پاس فریاد لے کر آئے ہیں۔ آپ کے بھتیجے محمدؐ نے غضب کیا کہ ہمارے بُتوں کو بُرا کہتا ہے اور اُن کی سخت توہین کرتا ہے۔ ہماری عقلوں کو واہی بتاتا ہے۔ ہمارے عقلمندوں کو بیوقوف کہتا ہے۔ ہمارے بیوقوفوں کو اپنے دین میں لے لیتا ہے۔ اس نے ہمارے دین میں تفرقہ ڈال دیا ہے جس نے ہمارے راحت و آرام میں

غلل ڈال دیا ہے۔ آپ ان کو سمجھائیے کہ ان باتوں سے باز آجائیں ورنہ اس کے نتائج اچھے نہ ہوں گے۔ حضرت ابو طالب نے حضرت رسولِ خدا کو بُلایا اور قوم کی شکایت بیان کی۔ حضرتؐ نے آنکھوں میں آنسو بھر کر فرمایا، چچا جان میں تو ان سے صرف ایک بات میں مدد مانگتا ہوں اور اس کے ساتھ سلطنتِ عرب و عجم کا وعدہ کرتا ہوں۔ وہ بات یہ ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کہہ دیں اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر آفتاب اور دوسرے پر ماہتاب رکھ دیں تب بھی میں ان کے بُتوں کو بُرا کہنے سے باز نہ آؤں گا۔ یہاں تک کہ میں اس کلمہ کو جاری کروں۔ یا قتل کیا جاؤں۔ حضرت ابو طالب نے فرمایا، بیٹا تم اطمینان سے اپنا کام کیے جاؤ۔ میں ہر طرح تمہاری مدد کے لیے تیار ہوں۔ یہ سُن کر ابو جہل کہنے لگا، اس نے تو سب خداؤں کو ملیا میٹ کر کے ایک ہی خدا کو قائم کر رکھا ہے۔ بھلا اس کی یہ بات کیسے مانی جاسکتی ہے۔

حضرت حمزہؓ کے ایمان لانے کا واقعہ یہ ہے کہ ایک دن ابو جہل وغیرہ نے حضرتؐ پر اتنے پتھر مارے، کہ آپؐ کا بدن مبارک ہر طرف سے زخمی ہوگیا۔ حضرت حمزہؓ شکار کو گئے ہوئے تھے، لوٹے تو ان کی کنیز نے کہا، ابو جہل نے آج آپ کے بھتیجے پر یہ ظلم کیا ہے۔ یہ سُن کر حضرت حمزہؓ کو غصہ آیا، کمان لیے ہوئے ابو جہل کی تلاش میں چلے۔ وہ اس وقت خانۂ کعبہ میں تھا۔ آپؓ نے جاتے ہی کمان کو زور سے اس کے سر پر مارا جس سے اُس کا سر پھٹ گیا۔ اور فرمایا، میں بھی آج سے مسلمان ہوتا ہوں۔ حضرت حمزہؓ چونکہ قریش کے نامور بہادر تھے اس لیے قریش میں ہل چل مچ گئی۔ عتبہ نے کہا معلوم ہوتا ہے محمدؐ کا کام اب رُکنے والا نہیں، سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کی روک تھام کیسے کی جائے۔

آخر آیات میں بتایا گیا ہے کہ ان کفار نے بُت پرستی کا ڈھونگ اس لیے رچایا ہے کہ یہ ہماری خلاقیؔ پر ایمان لاتے ہی نہیں۔ جب تک یہ عذاب کا مزہ نہ چکھیں گے اپنے فاسد عقائد سے توبہ کرنے والے نہیں۔ ان سے پوچھو کہ یہ کس بل بوتے پر اتنی سرکشی کر رہے ہیں۔ کیا ان کے پاس اللہ کی رحمت کے خزانے جمع ہوگئے ہیں جس پر یہ اکڑ رہے ہیں۔ یا آسمان و زمین کی سلطنت ان کے حصہ میں آگئی ہے جس پر یہ اترا رہے ہیں۔ کیا ان کے پاس کوئی ایسا سامان ہے کہ یہ آسمانوں پر چڑھ کر ہم سے ٹکر لیں۔ ان کے پاس کچھ نہیں ہے۔ جب عذاب آئے گا تو کوئی طاقت ان کے پاس ایسی نہیں کہ اُسے روک سکیں۔ ان کو ہوش میں آنا چاہیئے اور اپنے سے پہلے لوگوں کے انجام کو دیکھنا چاہیئے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ ذُو الْاَوْتَادِ ⑫ وَثَمُوْدُ
وَقَوْمُ لُوْطٍ وَّاَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ الْاَحْزَابُ ⑬ اِنْ كُلٌّ
اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ⑭ وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَاۗءِ اِلَّا صَيْحَةً
وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ⑮ وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ

۱ ع ۱۰

يَوْمِ الْحِسَابِ ⑯ اِصْبِرْ عَلٰي مَا يَقُوْلُوْنَ

ان سے پہلے قوم نوح، عاد اور میخوں والے فرعون اور ثمود اور قوم لُوط اور جنگل کے رہنے والے (قوم شعیب) یہ سب پیغمبروں کو جھٹلاتے رہے ہیں۔ یہی گروہ ہیں (جو شکست کھا چکے ہیں) ان سب نے پیغمبروں کو جھٹلایا تو ہمارا عذاب ٹھیک ان پر نازل ہوا۔ یہ کافر لوگ بس ایک چیخ کے منتظر ہیں جو انہیں چشم زدن کی مہلت نہ دے گی اور یہ لوگ مذاق سے کہتے ہیں کہ پروردگار حساب کے دن (قیامت) جو ہماری قسمت میں لکھا ہے جلدی سے ہمیں دے دے۔ اے رسول جو باتیں یہ لوگ کرتے ہیں اس پر صبر کرو۔

فرعون کو میخوں والا اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ جب کسی کو سزا دیتا تھا تو اس کے ہاتھ پاؤں میں میخیں ٹھکوا دیتا تھا۔ کفار و مشرکین کو بتایا جا رہا ہے کہ جس عذاب کو تم جھٹلا رہے ہو اس کے آنے میں وقفہ نہیں ہوگا۔ بلکہ ایک دم سے وہ ایک چیخ کی صورت میں ظاہر ہو کر تم سب کو ہلاک کر دے گا۔

کفار کا یہ کہنا کہ قیامت آنے سے پہلے جو ہمارا حصہ ہے وہ پہلے ہی مل جائے، ازراہِ مذاق تھا۔ یعنی یہ کہتے تھے کہ جو سزا روز قیامت ہمیں ملنے والی ہے وہ ہمیں یہیں دلوا دو۔ ہم اس کے انتظار میں رہنا نہیں چاہتے۔

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ ۚ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ⑰ اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ
مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ⑱ وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ۭ كُلٌّ لَّهٗٓ
اَوَّابٌ ⑲ وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ⑳
وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ㉑ اِذْ دَخَلُوْا عَلٰي
دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۚ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰي بَعْضٍ
فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَآ اِلٰى سَوَاۗءِ الصِّرَاطِ ㉒
اِنَّ هٰذَآ اَخِيْ ۣ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِيَ نَعْجَةٌ

وَّاحِدَةٌ فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا وَعَزَّنِيْ فِي الْخِطَابِ ﴿۲۳﴾ قَالَ لَقَدْ
ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ
لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ
مَّا هُمْ ؕ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّ
اَنَابَ ﴿۲۴﴾ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ؕ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ
مَاٰبٍ ﴿۲۵﴾

اے رسول، ہمارے بندہ داؤد کو یاد کرو جو بڑے قوّت والے اور ہماری طرف بڑی رجوع کرنے والے تھے۔ ہم نے پہاڑوں کو بھی ان کا تابعدار بنا دیا تھا، جو صبح و شام ان کے ساتھ تسبیح کرتے تھے اور پرند بھی (یادِ خدا کے وقت) سمٹ آتے تھے۔ اور ان کے فرماں بردار تھے۔ اور ہم نے ان کی سلطنت کو مضبوط کر دیا اور ہم نے ان کو حکمت اور مقدمات کی فیصلہ کی نعمت عطا کی۔ اے رسول، کیا تم تک ان دعویداروں کی بھی خبر پہنچی ہے کہ جب وہ حجرہ (عبادت) کی دیوار پھاند پڑے اور جب داؤد کے پاس آ کھڑے ہوئے تو وہ ان سے ڈر گئے۔ انہوں نے کہا، آپ ڈر گئے لیکن ہم دونوں ایک مقدمہ کے فریقین ہیں۔ ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے پس ہمارے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دیجئے۔ اور ہمیں سیدھی راہ دکھائیے (مقدمہ یہ ہے کہ) یہ میرا بھائی ہے جس کے پاس ننانوے دُنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دُنبی ہے۔ یہ کہتا ہے یہ دُنبی بھی مجھی کو دے دو اور بات چیت میں مجھ پر سختی کرتا ہے۔ داؤد نے (بغیر مدعا علیہ سے پوچھے) کہہ دیا کہ جو تیری دُنبی مانگ کر اپنی دُنبیوں میں ملانا چاہتا ہے تو یہ تجھ پر ظلم کرتا ہے اور اکثر شرکاء کی یہی حالت ہے کہ ایک دوسرے پر ظلم کیا کرتے ہیں مگر جن لوگوں نے ایمان قبول

کیا اور نیک عمل کیے (وہ ایسا نہیں کرتے) اور ایسے لوگ بہت کم ہیں۔ (یہ سُن کر) دونوں چل دیئے۔ اب داؤد نے سمجھا کہ ہم نے ان کا امتحان لیا تھا۔ پس وہ اپنے پروردگار سے بخشش کی دعا مانگنے لگے اور سجدہ میں گر پڑے اور ہماری طرف رجوع کی۔ ہم نے ان کی یہ لغزش معاف کر دی اور اس میں شک نہیں کہ ہماری بارگاہ میں ان کا تقرب اور اچھا انجام ہے۔

ذَا الْاَيْدِ کے معنی ہیں طاقتور، جنابِ داؤدؑ کی طاقت کا اظہار کئی طریقہ سے ہوا۔ اوّل یہ کہ انہوں نے جالوت کو قتل کیا۔ دوسرے عبادت کی طاقت اتنی تھی کہ وہ نصف شب کے بعد صبح تک برابر عبادتِ الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔ مقدمات کے فیصلہ کرنے کی طاقت بھی ان میں زیادہ تھی۔ صبح سے شام تک برابر مقدمات فیصل کرتے رہتے تھے۔

اَوَّاب کے معنی ہیں خدا کی طرف بڑے رجوع کرنے والے تھے۔ وہ اپنا وقت زیادہ تر تسبیحِ الٰہی میں گزارتے تھے تو ان کے ساتھ پہاڑ بھی تسبیح کرتے تھے اور پرندے بھی ان کے پاس جمع ہو جاتے تھے۔ اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ خدا نے ان کو علم عطا فرمایا تھا۔ خصوصاً قضایا فیصل کرنے کا علم۔ ایک دن جبکہ وہ محراب عبادت میں مشغولِ تسبیح تھے کہ دو شخص دیوار پھاند کر وہاں آئے۔ جناب داؤدؑ ڈر گئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ بلا اجازت دیوار پھاند کر آئے تھے ایک بادشاہِ وقت کے پاس اس طرح گستاخانہ انداز میں دوسرا نہیں آ سکتا۔ جب انہوں نے اپنا قضیہ پیش کیا تو حضرت داؤدؑ نے بغیر مدعا علیہ کا بیان سنے فیصلہ کر دیا۔ بہت سے لوگ اس کو داخل گناہ سمجھتے ہیں لیکن غور کیا جائے تو وہ داخلِ معصیت نہ تھا۔ کیونکہ مدعا علیہ کے سامنے یہ بیان تھا۔ اس کا خاموش رہنا اور کوئی جوابی تقریر نہ کرنا اس کی دلیل تھا کہ اس نے مدعی کے بیان کو سچ مان لیا تھا۔ دوسرے مدعی یہ نہیں کہہ رہا تھا کہ اس نے میری دُنبی مجھ سے چھین لی ہے بلکہ یہ کہہ رہا تھا کہ وہ میری دُنبی بھی مانگ رہا ہے۔ اس بنا پر جب کوئی امر صرف زبان تک محدود ہو تو اس کو سمجھانے تک ہی رکھنے کی ضرورت تھی، کسی حکم کو صادر کرنے کی نہیں۔

وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ۔ (داؤد نے سمجھا ہم نے انہیں امتحان میں ڈالا ہے)۔

بعض مفسرین نے اس آیت کا جوڑ اوریا کے قصہ سے جا لگایا ہے۔ اور توریت سے یہ غلط واقعہ نقل کر دیا۔ کہ اوریا ایک سپاہی تھا اور اس کی بی بی بڑی حسین تھی۔ اس زمانہ میں قاعدہ یہ تھا کہ اگر کسی کی بی بی کسی کو پسند آتی تھی تو وہ اس کو اس عورت کے شوہر سے مانگ لیتا تھا۔ حضرت داؤدؑ نے ایک روز اوریا کی بی بی کو دیکھا تو اس کو حسبِ رسمِ زمانہ مانگا۔ اوریا نے انکار کیا۔ حضرت داؤدؑ خاموش ہو گئے۔ لیکن اس عورت کا عشق اس حد تک پہنچ گیا کہ انہوں نے اوریا کو ایک جنگ پر بھیجا اور لوگوں سے کہہ دیا کہ اسے ایسے شخص کے مقابل بھیجنا کہ وہ اسے قتل کر دے۔ جب اس کے قتل کا حال معلوم ہوا تو آپ نے اس کی بی بی کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔ دو فرشتے جو محرابِ عبادت میں آئے تھے وہ اس واقعہ پر متنبہ کرنے آئے کہ تم بادشاہ ہو۔ تمہارے قبضہ میں بہت سی بی بیاں ہیں پھر بھی تم ایک شخص کے پاس ایک عورت نہیں دیکھ سکے۔ چنانچہ جب حضرت داؤدؑ نے اس امتحان کو سمجھا تو سجدہ میں گر پڑے اور خدا سے مغفرت

کی دُعا مانگی۔ ایک دو نہیں ایسے بہت سے واقعات توریت میں درج ہیں جو یہودیوں نے اپنی طرف سے اضافہ کر دیئے ہیں۔ اور مسلمانوں نے بے تامل اپنی تفسیروں میں درج کر دیا ہے اور قطعاً اس کا لحاظ نہیں کیا کہ ایسے واقعات سے عصمتِ انبیاءؑ پر کیسی کاری ضرب لگتی ہے۔ کیا وہ شخص نبوت کے قابل ہو سکتا ہے جو ایک شخص کو اس بنا پر قتل کرا دے کہ وہ اس کی بی بی پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔

سوال یہ ہے کہ اگر یہ واقعہ نہ تھا تو پھر داؤدؑ اتنا کیوں روئے کہ نماز کے سوا چالیس روز تک سجدہ سے سر نہ اٹھایا اور اتنا روئے کہ زمین آنسوؤں سے تر ہو گئی اور اس پر سبزہ اُگ آیا۔ جواب یہ ہے کہ انبیاءؑ اپنی ذرا سی لغزش کو بھی گناہِ کبیرہ سمجھتے تھے۔ عام آدمیوں میں اور انبیاءؑ کے احساسِ عبدیت میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ دونوں فرشتوں کے واقعہ کو اوریا کے واقعہ سے کوئی تعلق نہیں۔ چونکہ خدا نے ان کو علم و فصلِ خطاب عطا فرمایا تھا لہٰذا یہ امتحان تھا اس کا کہ وہ قضایا فیصل کرتے وقت کہاں تک اس علم سے کام لیتے ہیں جو ہم نے ان کو دیا ہے۔

اب رہا اوریا کا معاملہ۔ اگر جنگ میں اس کے مارے جانے کے بعد اس کی دل شکستہ عورت کو تسکین دینے کے لیے حضرت داؤدؑ نے شادی کر لی تھی تو یہ کوئی گناہ نہ تھا بلکہ ایک بیوہ عورت کی دلجوئی کی بنا پر امرِ خیر تھا۔ اس بنا پر جناب امیر علیہ السلام نے اپنے ایامِ سلطنت میں یہ اعلان کرا دیا تھا کہ جو کوئی حضرت داؤدؑ کا قصہ، قصہ خوانوں کی طرح بیان کرے گا اس کو ایک سو ساٹھ دُرّے لگاؤں گا۔ غرض اوریا کا قصہ محض افترا پردازی اور بہتان ہے۔ بحمد اللہ شیعہ مفسرین نے اس قصہ کو اپنی تفسیروں میں کہیں جگہ نہیں دی۔

ایک مفسر صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ اس زمانہ کی رسم کے مطابق حضرت داؤدؑ نے اوریا سے اس کی بی بی مانگی تھی، لیکن جب اُس نے انکار کر دیا تو خاموش ہو گئے لیکن جب وہ جنگ میں مارا گیا تو اس کی بی بی سے شادی کرنا کوئی گناہ نہ تھا۔ سوال یہ ہے کہ اگر اس زمانہ میں ایک شخص کسی دوسرے کی بی بی مانگ سکتا تھا۔ مگر ایک نبی کے لیے کہاں تک زیبا تھا کہ اس رسمِ بد کی پابندی کرے۔ کسی کو کسی کی بی بی مانگنے کا کیا حق تھا۔ نبی تو رسمِ بد مٹانے کے لیے آتا ہے نہ کہ رسمِ بد کو بجا لانے کے لیے۔

ایک صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ دونوں فرشتوں کے مقدمہ کا فیصلہ اس کے ثبوت میں ہے کہ حضرت داؤدؑ نے اوریا سے اس کی بی بی کو مانگا ضرور تھا۔ ورنہ ان کی تنبیہ کے لیے دونوں فرشتے ایک فرضی قضیہ بنا کر کیوں آئے تھے۔ جواب یہ ہے کہ چونکہ خدا کی طرف سے حضرت داؤدؑ کو قضایا فیصل کرنے کا علم دیا گیا تھا لہٰذا اس کا امتحان لینا بھی ضروری تھا۔ جیسا کہ عام طور پر قاعدہ ہے کہ جب کسی افسر کو کوئی خدمت سپرد کی جاتی ہے تو بادشاہ یا اُس کا نائب جانچتا ہے کہ وہ اس خدمت کو صحیح طور پر انجام دے رہا ہے یا نہیں۔ فصلِ قضایا کوئی معمولی بات نہ تھی اس میں ذرا سی چوک پر ایک شخص کا حق مارا جاتا ہے۔ پس قدرت کی طرف سے جو امتحان لیا گیا، اس کا اوریا کے واقعہ سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر اوریا سے حضرت داؤدؑ نے اس کی بیوی مانگی ہوتی تب تو یہ مقدمہ ضرور ان کی تنبیہ کے لیے ہوتا۔ لیکن جب اُن کا مانگنا ہی عقلاً و نقلاً ثابت نہیں تو پھر اس واقعہ کو اُس واقعہ کا شاخسانہ بنانا ایک نبی کی سخت توہین ہے اور اس کی عصمت پر ڈاکہ ڈالنا ہے۔ توریت میں

مذکورہ روایت کا پایا جانا ہمارے لیے سند نہیں کیونکہ وہ محرف ہے۔

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ
وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ۧ ع ﴿۲۶﴾

ع ۲ ۱۲ ۱۴

اے داؤد، ہم نے تم کو روئے زمین پر اپنا خلیفہ بنایا پس لوگوں کے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرو۔ اور خواہش کی پیروی نہ کرو ورنہ خواہش کی پیروی تم کو خدا کی راہ سے بھٹکا دے گی۔ جو لوگ خدا کی راہ سے بھٹکتے ہیں اُن کے لیے سخت عذاب ہے کیونکہ وہ روزِ قیامت کو بھلا بیٹھے ہیں۔

انبیاءؑ میں تین نبی ایسے ہیں جن کی خلافت کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔ اوّل حضرت آدم علیہ السلام دوسرے ہارون علیہ السلام اور تیسرے داؤد علیہ السلام۔ حضرت داؤدؑ کی خلافت کا اعلان اس بات کی دلیل ہے کہ جو الزام لوگوں نے حضرت داؤدؑ پر لگایا ہے وہ قطعاً غلط ہے۔ ورنہ اس کے بعد خلیفہ بنانے کا ذکر بھی نہ ہوتا۔ ایک ایسا شخص جو دوسرے کی بی بی پر خلافِ شرع قابض ہوتا ہے خلیفہ بنائے جانے کے قابل ہو ہی نہیں سکتا۔ نیز حضرت داؤدؑ سے یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ خواہشِ نفسانی کی پیروی نہ کرو ورنہ راہِ راست سے ہٹ جاؤ گے اور اس کی سزا سخت عذاب ہے۔ پس اگر حضرت داؤدؑ نے خواہشِ نفس کی پیروی کی ہوتی اور یہ سخت گناہ کرتے تو یہ سزا ان کو ضرور ملتی۔ پس معلوم ہوا کہ ان سے کوئی گناہ چھوٹا یا بڑا سرزد ہوا ہی نہیں۔ اور پھر نبی تو معصوم ہوتا ہے۔

ایک مفسر صاحب تحریر فرماتے ہیں، قصور تو ضرور ہوا۔ لیکن ان کے رونے اور فریاد کرنے سے بخش دیا گیا۔ واہ، سبحان اللہ! اگر انبیاء علیہم السلام ایسے ہی قصوروار ہوتے ہیں تو پھر ان میں اور عام لوگوں میں فرق ہی کیا رہا۔ عجیب بات یہ ہے کہ گناہ بخشنے کے بعد خلافت بھی ان کو دے دی۔

ایک اور مفسر صاحب تحریر فرماتے ہیں جیسے حضرت آدم علیہ السلام کو گناہ بخش دینے کے بعد خلافت ملی تھی ایسے ہی حضرت داؤدؑ کو ملی۔ ان سب تفسیروں سے ثابت یہ ہوا کہ مسلمان انبیاءؑ کو معصوم دیکھنا چاہتے ہی نہیں۔ بھلا یہ بتائیے کہاں آدمؑ کا قصور اور کہاں حضرت داؤدؑ کا قصور۔ آدمؑ سے جو کچھ ہوا اس کا اثر صرف اُن کی ذات تک تھا لیکن حضرت داؤدؑ سے جو ہوا تو صریحاً ایک ایسے شخص پر جو اُن کی رعایا تھا۔ یہ تو دوسرے پر کھلا ظلم تھا۔ داؤدؑ، خدا کی طرف سے بادشاہ

ہوکر اگر ایسا ظلم کرسکتے تھے تو پھر دُنیا کا ہر بادشاہ بڑے بڑے ظلم کے بعد اپنی بخشش کا جواز پیش کرسکتا تھا۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ؕ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ (۲۷) اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِى الْاَرْضِ ۫ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ (۲۸) كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (۲۹)

ہم نے آسمان و زمین کو اور جو چیزیں ان کے درمیان ہیں بیکار پیدا نہیں کیا۔ یہ ان لوگوں کا خیال ہے۔ جو کافر ہو بیٹھے ہیں تو جو لوگ دوزخ کے منکر ہیں ان پر افسوس ہے۔ تو کیا جو لوگ ایمان لائے ہیں اور عملِ صالح کرنے والے ہیں ہم ان کو ان لوگوں کے برابر کردیں گے، جو رُوئے زمین پر فساد کرنے والے ہیں۔ کیا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں کے برابر بنا دیں۔ (اے رسول) قرآن جو ہم نے تم پر نازل کیا ہے وہ برکت والا ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں پر غور کریں اور عقلمند لوگ نصیحت حاصل کریں۔

آسمان اور زمین میں اور جو کچھ ان کے درمیان مخلوقِ الٰہی پائی جاتی ہے ان میں سے کوئی چیز بھی خدا نے بیکار پیدا نہیں کی۔ بلکہ اس کا ایک ایک پُرزہ کارخانۂ عالم کی مشین کا ایک کارآمد پُرزہ ہے اور ساری مشین جس کو اٹھارہ ہزار عالم کہا جاتا ہے نظامِ حیاتِ انسانی کے لیے ہی پیدا کی گئی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ لوگ اس پر غور نہیں کرتے۔ اتنا نہیں سوچتے کہ ہم اپنے نیک بندوں اور فسادی لوگوں کو بھلا ایک حالت میں کیسے رکھ سکتے ہیں۔ اگر بدکرداروں کو ہم جہنم رسید نہ کریں تو پھر نیک و بد سب برابر ہی نہ ہوجائیں۔ سوچنے کی بات ہے کہ ہم نے قرآن اس لیے نازل کیا ہے کہ اس کی آیات کو لوگ غور سے پڑھیں اور جو عقلمند ہیں نصیحت حاصل کریں۔

وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ (۳۰) اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ (۳۱) فَقَالَ اِنِّيْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ (۳۲) رُدُّوْهَا عَلَيَّ ؕ فَطَفِقَ مَسْحًا ۢ بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ (۳۳) وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ (۳۴) قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ (۳۵)

ہم نے داوٗد کو سلیمان (جیسا بیٹا) عطا کیا (سلیمان) کیا اچھے بندے تھے۔ بے شک وُہ ہماری طرف رجوع کرنے والے تھے۔ ایک دفعہ تیسرے پہر کو اصیل گھوڑے ان کے سامنے لائے گئے (وہ دیکھنے میں ایسے اُلجھے کہ نوافل میں دیر ہوگئی جب یاد آیا تو) کہنے لگے، میں نے خدا کی یاد پر مال کی الفت کو ترجیح دی یہاں تک کہ آفتاب مغرب کے پردہ میں چھُپ گیا تو کہنے لگے، اچھا ان گھوڑوں کو میرے پاس واپس لاؤ۔ جب آئے تو ٹانگوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے اور کہنے لگے میرے پروردگار مجھے بخش دے۔ اور ہم نے سلیمان کا امتحان لیا اور ان کے تخت پر ایک بے جان دھڑ لاکر گرا دیا پھر سلیمان نے میری طرف رجوع کی اور کہا، پروردگار مجھے بخش دے اور مجھے ایسا ملک عطا کر جو میرے بعد کسی کے واسطے شایان نہ ہو بے شک تُو بڑا بخشنے والا ہے۔

ـہ مولانا فرمان علی صاحب مرحوم نے اپنے مترجمہ قرآن پر حضرت سلیمانؑ کے متعلق حسبِ ذیل حاشیہ لکھا ہے:
"حضرت سلیمانؑ اگرچہ ایک عظیم الشان بادشاہ تھے مگر ساتھ ہی نبی بھی تھے۔ دمشق اور نصیبین کے کفار پر چڑھائی کا ارادہ کیا۔ اس کی تیاری میں عمدہ عمدہ گھوڑے اپنے سامنے طلب کیے جو کسی نے تحفۃً بھیجے تھے۔ آپؑ ان کے دیکھنے میں ایسے منہمک ہوئے کہ آخرِ وقت جو دعائیں یا وظائف پڑھتے تھے ترک ہوگئے اور آفتاب غروب ہو گیا۔ اس کا آپؑ کو ایسا صدمہ ہوا کہ باوجودیکہ یہ بھی امرِ خیر تھا کہ جہاد کے لیے گھوڑے چُنے جاتے تھے مگر چونکہ اپنے

ذاتی شوق کی چیز تھی اس وجہ سے ان مستحباتی وظائف کے ترک ہو جانے کے کفارہ میں آپؑ نے ان گھوڑوں کی راہِ خدا میں قربانی کر دی اور ان کا گوشت فقراء اور مساکین میں تقسیم کر دیا۔"

اس بیان پر جو سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اگر مستحبات ترک ہو گئے تھے تو خدا سے استغفار کرنا چاہیئے تھا نہ کہ ان گھوڑوں کی ٹانگیں اور گردنیں کاٹ ڈالنا، جن کی جہاد کے لیے ضرورت تھی۔ واجب عبادت تو ترک نہ ہوئی تھی بلکہ مستحب وظائف ترک ہوئے تھے۔ ان کے لیے استغفار کیا جا سکتا تھا

تفسیر صافی میں بحوالہ **من لا یحضرہ الفقیہ** امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک دن شام کے وقت حضرت سلیمانؑ کے سامنے گھوڑے پیش ہو رہے تھے اور وہ ان کے دیکھنے میں مشغول تھے کہ سورج غروب ہو گیا انہوں نے کہا کہ اے فرشتو، ہمارے واسطے سورج کو لوٹا دو کہ ہم ٹھیک وقت پر نماز ادا کر لیں۔ چنانچہ سورج لوٹا دیا گیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کھڑے ہوئے اور اپنی دونوں پنڈلیوں اور گردن پر مسح کر لیا اور اپنے اصحاب کو جن کی نماز فوت ہوئی تھی ایسا کرنے کا حکم دیا کیونکہ نماز کے لیے ان کا وضو یہی تھا۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو سورج ڈوب گیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ گھوڑوں کی ٹانگیں اور گردنیں نہیں کاٹی گئی تھیں بلکہ حضرت سلیمانؑ نے اپنی ٹانگوں اور گردن کا مسح کیا تھا۔ غالباً اس زمانہ میں تیمم کا یہی طریقہ ہو گا جس کو راوی نے وضو سے تعبیر کیا ہے۔

ایک مفسّر نے لکھا ہے کہ جہاں تک الفاظِ قرآن سے سمجھا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ جب حضرت سلیمانؑ کے سامنے گھوڑے لائے گئے تو فرمایا، یہ مال مجھے کچھ اپنی بڑائی یا اپنے نفس کی خاطر محبوب نہیں بلکہ ان چیزوں سے دلچسپی کو میں اپنے رب کا کلمہ بلند کرنے کے لیے پسند کرتا ہوں۔ پھر انہوں نے گھوڑوں کی دوڑ کرائی۔ یہاں تک کہ وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئے اس کے بعد انہوں نے گھوڑوں کو واپس بلایا اور ازراہِ شفقت اُن کی ٹانگوں اور گردن پر ہاتھ پھیرنے لگے۔ اس آیت سے نہ سورج پلٹنے کا تعلق ہے نہ گھوڑوں کے کاٹنے کا نہ سلیمانؑ کے وظائف ترک ہونے کا۔

ہم نے آخری تفسیر مولانا مودودی صاحب کی تفسیر تفہیم القرآن سے نقل کی ہے۔ اس میں یہ بات قابلِ غور ہے کہ گھوڑوں کو اتنا دوڑانا کہ وہ ان کی نظر سے غائب ہو جائیں۔ پھر اُن کی واپسی پر ان کی ٹانگوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنا غیر معمولی باتیں نہیں جن کا ذکر خاص طور سے قرآن میں کیا گیا ہو۔ عام طور پر گھوڑوں کی طاقت جانچنے کے لیے ان کو دوڑایا جاتا ہے اور پیار سے ان کی ٹانگوں پر ہاتھ بھی پھیرا جاتا ہے۔ یہ امر صرف حضرت سلیمانؑ ہی سے مخصوص نہیں تھا۔ ایسی معمولی باتوں کو قرآن بیان نہیں کرتا۔ ہاں سورج کا چھپ جانا ضرور غیر معمولی چیز ہے۔ اور اس زمانہ کی شریعت کے وضو یا تیمم کا بیان بھی، ایک غیر معمولی بات کا انکشاف ہے کیونکہ اسلام میں وضو یا تیمم کا یہ طریقہ نہ تھا۔

وَ اَلْقَیْنَا عَلٰی کُرْسِیِّهٖ جَسَدًا۔ (ہم نے اس کے تخت پر ایک جسد کو ڈال دیا)۔

مولانا فرمان علی صاحب مرحوم نے حسبِ ذیل حاشیہ لکھا ہے :

"حضرت سلیمانؑ کے لشکر میں آدمی بھی اگرچہ تھے مگر جنات زیادہ کام کرتے تھے۔ آپؑ کو ان کی دلجوئی کرنا پڑتی تھی اور جنات نخرے بہت کرتے تھے۔ ایک بار ان کے بے جا ناز پر آپؑ نے فرمایا۔ میری ستر بی بیاں

ہیں۔ میں سب کے پاس جاؤں تو ستر بیٹے پیدا ہوں گے۔ مگر اس وقت انشاءاللہ نہیں کہا تھا۔ پیغمبر کی اتنی بات بھی شانِ نبوت سے گری ہوئی ہوتی ہے خدا کو ناگوار گزرا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ سب بی بیوں کے پاس گئے مگر صرف ایک بی بی کے لڑکا پیدا ہوا اور وہ بھی مردہ۔ لوگوں نے اس کو آپ کے تخت پر لا کر ڈال دیا کہ لیجئے یہ وارث تاج و تخت ہے۔ اب آپ کو انشاءاللہ نہ کہنے کا خیال آیا۔ بارگاہِ باری میں توبہ و گریہ و زاری میں مشغول ہوئے تو اس نے درگزر فرمائی۔"

قرآن میں یہ واقعہ اہم ترین واقعات میں سے ہے جس کی تفسیر میں مفسرین کا بے حد اختلاف ہے۔ حضرت سلیمانؑ کی بی بیوں کی تعداد میں بھی اختلاف ہے۔ ستر سے سو تک لکھی ہیں۔ یہاں سوال تو یہ ہے کہ ایسا نبی جس کی تعریف نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ سے کی گئی ہے یعنی بڑی عبادت کرنے والا، بڑی رجوع کرنے والا۔ اس نے اتنی کثیر بی بیوں کی چھاؤنی کیوں بنائی۔ اس کے علاوہ آپ کے اس فرمانے سے کہ میں اگر سب بی بیوں کے پاس جاؤں تو ستر بیٹے پیدا ہوں گے، سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اب تک ان کی صحبت سے کنارہ کش تھے پھر ان کو اپنی زوجیت میں لینے سے کیا فائدہ تھا۔ تیسرے یہ کہنا صحیح نہیں کہ آپ لاولد تھے۔ بلکہ روایتوں سے مؤرخین نے آپ کی تین اولادیں لکھی ہیں۔ پھر انشاءاللہ نہ کہنے پر ان کو اتنی سخت سزا کیوں دی گئی کہ مقطوع النسل بنا دیا گیا۔ ایسے سوالات اکثر لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں۔

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے دل میں یہ خواہش تھی کہ ان کے بعد اُن کا بیٹا جانشین ہو۔ اور آنے والی حکومت انہی کی نسل میں رہے۔ اس چیز کو اللہ نے ان کے حق میں فتنہ قرار دیا اور ان کا ولیعہد ایسا نالائق نوجوان بن گیا تھا جس کے لچھن صاف بتلا رہے تھے کہ وہ داؤدؑ اور سلیمانؑ کی سلطنت چار دن نہ سنبھال سکے گا۔ ان کی کرسی پر ایک جسد لا کر ڈالے جانے کا مطلب یہ ہے کہ جس بیٹے کو وہ اپنی کرسی پر بٹھانا چاہتے تھے وہ نااہل تھا تو انہوں نے اپنی اس خواہش کو ترک کیا اور اللہ سے معافی مانگ کر درخواست کی کہ بس یہ بادشاہی مجھی پر ختم ہو جائے۔ چنانچہ انہوں نے مرتے وقت کسی کے لیے کوئی وصیت نہیں کی۔

ایک مفسّر لکھتے ہیں حضرت سلیمانؑ کے اگرچہ سو بی بیاں تھیں مگر ایک بی بی کو وہ سب سے زیادہ چاہتے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ جو بچہ اس بی بی سے پیدا ہو گا اس کو اپنا جانشین بناؤں گا۔ لیکن ان کی یہ خواہش پوری نہ ہوئی۔ جب اس بی بی کا بچہ پیدا ہوا تو وہ مردہ تھا۔ جو لوگ اس بی بی سے عداوت رکھتے تھے انہوں نے اس مُردہ بچہ کو اُٹھا کر تخت پر لا ڈالا۔ اور ازراہِ طنز حضرت سلیمانؑ سے کہا، لیجئے یہ ہے آپ کا وارثِ تخت۔

حضرت سلیمانؑ کے بعد آپؑ کی سلطنت کئی حصّوں میں تقسیم ہو گئی۔

اس کے بعد حضرت سلیمانؑ کی یہ دُعا پائی جاتی ہے۔ خداوندا، مجھے ایسی حکومت دے کہ میرے بعد پھر کسی کو نہ ملے۔

بظاہر اس سے خود غرضی ثابت ہوتی ہے۔ ایک نبی کو ایسا نہ ہونا چاہیئے۔ اس کے کئی جواب ہیں۔ اوّل وہ چاہتے تھے کہ آپ کے بعد کفار و مشرکین کو جو حکومتیں ملیں وہ میری حکومت سے زیادہ نہ ہوں تاکہ انہیں طنزاً یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ دُنیا میں خاصانِ خدا سے زیادہ ہماری حکومت رہی ہے۔ دوسرے آپ کی حکومت انسانوں اور جنات پر تھی۔ اور جنات نے آپؑ کو بے حد پریشان کیا تھا لہٰذا آپ نہیں چاہتے تھے کہ آپ کے بعد کوئی دوسرا اس جنجال

میں پھنسے ۔

تیسرے آپؑ کے قبضہ میں انسان، جن، طیور، چرند اور ہوا یہ سب مخلوق تھی ۔ لہٰذا آپؑ چاہتے تھے کہ اس حکومت کی خصوصیت صرف آپ ہی پر ختم ہو اور دُنیا میں تاقیامِ قیامت میری حکومت کی خصوصیت کا چرچا رہے ۔ ہر شخص اپنی فضیلت کا خواہاں ہوتا ہے ۔

چوتھی بات ایسی حکومت کے متعلق آپؑ کو یہ اندیشہ تھا کہ اگر میرے سوا کسی اور کو ملے گی تو ممکن ہے وہ اس کا بوجھ نہ اُٹھا سکے اور اپنی طاقت کے بل پر دُنیا میں فتنہ و فساد کا سیلاب لے آئے ۔

پانچویں بات، حکومتیں دو قسم کی ہوتی ہیں، جو جبر و تشدّد سے حاصل کی جاتی ہیں اور ان میں ہر قسم کی بدکاریوں کو راہ ملتی ہے ۔ دوسرے خدا کی دی ہوئی حکومتیں، جن میں غلط کاریوں کی پُوری طرح روک تھام کی جاتی تھی ۔ آپؑ یہ چاہتے تھے کہ ایسی سلطنت جو مجھے ملی ہے کسی دوسرے ظالم و غاصب کو نہ مل جائے جو کسی سلطنت سے ٹکر لے کر اُسے تباہ و برباد کر دے ۔ اور خلقِ خدا کی تباہی کا باعث ہو ۔

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ (۳۶) وَالشَّيَاطِينَ
كُلَّ بَنَّاءٍ وَغَوَّاصٍ (۳۷) وَآخَرِينَ مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ (۳۸) هَٰذَا
عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ أَوْ أَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ (۳۹) وَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا
لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَآبٍ (۴۰) وَاذْكُرْ عَبْدَنَا أَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي
مَسَّنِيَ الشَّيْطَانُ بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ (۴۱) ارْكُضْ بِرِجْلِكَ هَٰذَا
مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَشَرَابٌ (۴۲) وَوَهَبْنَا لَهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُمْ مَعَهُمْ رَحْمَةً
مِنَّا وَذِكْرَىٰ لِأُولِي الْأَلْبَابِ (۴۳) وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِهِ
وَلَا تَحْنَثْ إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ (۴۴)

۳ ع ۱۲

ہم نے ہوا کو ان کا تابع کر دیا کہ جہاں وہ پہنچنا چاہتے تھے ان کے حکم کے مطابق دھیمی چال چلتی تھی ۔

اور وہ (اس طرح) جتنے شیاطین (دیو) عمارت بنانے والے اور غوطہ لگانے والے تھے سب کو تابع کر دیا (اور اس کے علاوہ) دوسرے دیووں کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے ہُوئے تھے (اے سلیمان) یہ ہماری بے حساب عطا ہے ۔ پس (اسے لوگوں کو دے کر) احسان کر دیا (سب) اپنے ہی پاس رکھو اور اس میں شک نہیں کہ سلیمان کی ہماری بارگاہ میں قربِ منزلت اور عمدہ جگہ ہے اور (اے رسول) ہمارے خاص بندے ایوب کو یاد کرو جب انہوں نے اپنے رب سے فریاد کی، مجھ کو شیطان نے بہت اذیت و تکلیف پہنچا رکھی ہے تو ہم نے کہا اپنے پاؤں سے زمین ٹھکرا دو (اور چشمہ نکلا، تو ہم نے کہا) اے ایوب تمہارے نہانے اور پینے کے لیے یہ ٹھنڈا پانی حاضر ہے اور ہم نے ان کے لڑکے بالے اور ان کے ساتھ اتنے ہی اور خاص اپنی مہربانی سے عطا کیے ان کو عقلمندوں کے لیے نصیحت و عبرت قرار دیا ہم نے کہا تم اپنے ہاتھوں میں سینکوں کا مٹھا لو اور اس سے (اپنی بی بی کو) مارو تاکہ اپنی قسم میں جھوٹے نہ بنو ۔ ہم نے ایوب کو صابر پایا ۔ وہ اچھے بندے تھے اور ہماری بارگاہ میں جھکنے والے ۔

سورۂ انبیاء میں بھی حضرت سلیمانؑ کے متعلق تسخیرِ ہوا کا ذکر ہے لیکن وہاں عاصفہ یعنی تیز آندھی کا ذکر ہے یہاں مدھم ہوا کی تسخیر کا ذکر آیا ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ ہوا اپنی اصلی حالت میں تیز تھی لیکن جب حضرت سلیمانؑ کا بحری بیڑا تجارت کے لیے چلتا تھا تو ہوا اُن کی خواہش کے مطابق ہلکی اور دھیمی چلنے لگتی تھی ۔

شیاطین سے مراد جنات ہیں ۔ یہ دو قسم کے تھے ۔ ایک وہ جو حضرت سلیمانؑ کے فرماں بردار تھے ۔ یہ عمارتیں بناتے تھے اور سمندروں میں غوطے لگا کر دریائی ذخائر نکال کر لاتے تھے ۔ دوسرے وہ سرکش جنات تھے جو تعمیلِ حکم نہیں کرتے تھے ان کو زنجیروں میں جکڑ کر دریا میں ڈال دیا جاتا تھا ۔

حضرت سلیمانؑ کی اگرچہ بہت بڑی سلطنت تھی ۔ وسعتِ ملکی کے علاوہ ہوا اور جنّ وغیرہ کو بھی ان کی تسخیر میں دے دیا گیا تھا ۔ خدا ان سے فرماتا ہے، یہ سب ہمارے نزدیک کوئی بڑی چیز نہیں جسے چاہو دے دو ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوگا اور چاہو تو اپنے پاس ہی رہنے دو ہم اس کے متعلق کوئی حساب تم سے نہیں لیں گے ۔

اس کے بعد جناب حضرت ایوبؑ کا قصہ بیان کیا جاتا ہے ۔

جناب ایوبؑ کو خدا نے بڑی دولت دی تھی ۔ اولاد سے بھی گھر بھرا ہُوا تھا ۔ ہر وقت یادِ الٰہی میں بسر کرتے تھے ۔ قدرت کو ان کا امتحان منظور ہُوا کہ آیا یہ تنگدستی اور بیماری میں بھی اسی طرح ہمیں یاد کریں گے یا نہیں ۔ چنانچہ امتحان میں آ گئے ۔ ساری املاک تباہی میں آ گئیں اولاد بھی مر گئی اور خود بھی بیمار ہو گئے مگر سبحان اللہ، کیا کہنا ان کے صبر و شکر کا کہ ہر حالت میں صبر و شکر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا ۔ کسی وقت یادِ خدا سے غافل نہ رہے ۔

آیۂ مبارکہ میں جو شیطان کے ستانے اور نقصان دینے کا ذکر کیا گیا ہے اس کے یہ معنی نہیں کہ شیطان ان پر مسلط کر دیا گیا تھا ۔ انبیاءؑ پر شیطان کا تسلط نہیں ہوتا ۔ جن لوگوں نے یہ روایت گڑھی ہے کہ شیطان نے

خدا سے کہا، مجھے ایوبؑ پر مسلط کر دے پھر میں جانوں کہ وہ کیسے صابر و شاکر ہیں۔ چنانچہ خدا نے اس کو مسلط کر دیا۔ اور اس نے ان کے تمام املاک تباہ کر دیئے اور گھر کی چھتیں گرا کر ان کی اولاد کو مار ڈالا۔ اور ان کو ایسا بیمار ڈالا کہ ان کے بدن میں معاذ اللہ کیڑے پڑ گئے۔ اور بستی والوں نے منحوس سمجھ کر بستی سے نکال دیا۔

ایسے لوگوں نے نبوت کو پہچانا ہی نہیں۔ شیطان نے وعدہ کیا تھا کہ میں تیرے مخلص بندوں پر غلبہ حاصل نہ کروں گا۔ اور یہاں ایک معصوم نبی کو اپنے پنجہ میں دبائے ہوئے جو چاہتا ہے کر رہا ہے۔ اس روایت سے تو خدا پر یہ الزام عاید ہوتا ہے کہ اس نے اپنے ایک دشمن کو اپنے ایک دوست پر کیوں مسلط کر دیا۔ کیا شیطان ایسا مقرب بارگاہ ایزدی تھا کہ خدا کو اس کی خاطر ایسی عزیز ہوئی کہ اس کو ہر کام کرنے کی اجازت دے دی۔ یہ سب خرافات ہے۔ مفسرین نے توریت سے لے کر غلط سلط جو چاہا لکھ دیا ہے۔ نہ صحیح روایت تلاش کرتے ہیں نہ عقل سے کام لیتے ہیں۔ جہاں جو روایت دیکھی لکھ دی۔ ایک نبی کا بدن اور اس میں کیڑے پڑنا، لکھنے والوں سے خدا ہی سمجھے۔

حضرت ایوبؑ نے جو شکایت شیطان کی کی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ مجھے شیطان نے بیماری میں مبتلا کر دیا ہے یا میرے اوپر قسم قسم کے مصائب نازل کر دیئے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جن تکالیف و آلام میں میں مبتلا ہوں اس پر مزید ایک تکلیف یہ ہے کہ شیطان مختلف روپوں میں آ کر مجھے بہلانا چاہتا ہے اور لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈال کر مجھے ان کی نظروں میں منحوس ثابت کرتا ہے۔ مجھے اپنے رب کی رحمت سے مایوس بنانے کی کوشش کرتا ہے تاکہ میں صبر و شکر سے باز رہوں۔ شیطان میں یہ طاقت نہیں کہ وہ کسی کو بالخصوص خاصانِ خدا کو بیمار ڈال دے یا ان کی املاک تباہ و برباد کر دے۔ اس کا کام صرف دلوں میں وسوسے پیدا کرنا ہے نہ کہ کوئی عملی کارروائی دکھانا۔

مقام امتحان کو شیطانی تسلط سے کیا واسطہ۔ خدا اپنے خاص خاص بندوں کا امتحان مختلف طریقوں سے لیتا رہتا ہے۔ جناب ایوبؑ کی دولت و ثروت کو دیکھ کر لوگ کہنے لگے تھے کہ یہ سب عبادت اور شکر اس لیے ہے کہ خدا ان پر اور زیادہ مہربان ہو۔ ان لوگوں کو یہ دکھایا گیا تھا کہ ایوبؑ ہر حالت میں ہمارے شکر گزار بندے ہیں۔

بہرحال جب حضرت ایوبؑ نے اپنی پریشان حالی کا ذکر خدا سے کیا اور رحمتِ الٰہی کے نزول کی خواہش کی تو خدا نے امتحان کو ختم کر کے وہ سب ان کو پھر عطا فرما دیا جو ان سے لیا گیا تھا۔ زیادہ تکلیف ان کو بیماری کی وجہ سے تھی تو خدا نے ایک چشمہ پیدا کر کے انہیں حکم دیا کہ اس کے پانی میں غسل کرو۔ چنانچہ غسل کرتے ہی صحیح و سالم ہو گئے۔ سات برس کامل اپنی زندگی تکالیف میں بسر کی لیکن خدا سے شکایت کا ایک حرف زبان پر نہ آیا۔ ہر موقع پر شکر ہی کرتے رہے۔

آخر آیت میں ایک اور واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

آپؑ کی بی بی نبی زادی تھیں۔ مصیبت کے اس تمام دور میں آپؑ کے ساتھ رہیں۔ شوہر کی بیماری کی وجہ سے سخت پریشان تھیں۔ خود ہی محنت مزدوری کر کے جو کچھ ملتا اسی سے اُن کی دوا اور غذا لے کر آتیں۔ ایک دن شیطان ایک طبیب کے روپ میں ان سے کہنے لگا کہ میں ایک طبیب حاذق ہوں۔ میں ایوبؑ کا علاج اس طرح کر سکتا ہوں کہ وہ صحت کے بعد صرف اتنا کہہ دیں کہ میں نے تمہاری وجہ سے صحت پائی ہے۔ وہ خوش خوش حضرت ایوبؑ کے پاس آئیں اور شیطان کا قول بیان کیا۔ آپؑ کو یہ سن کر بڑا غصہ آیا اور جھنجھلاہٹ میں قسم کھائی کہ صحت

کے بعد سو قمچیاں تمہیں ماروں گا۔ مجھے صحت دینے والا خدا ہے، نہ کہ وہ مردود طبیب، ضرور وہ شیطان ہے جو مجھے خدا کی طرف سے بدظن کرنا چاہتا ہے۔ الغرض جب صحت ہو گئی تو آپؑ نے اپنی قسم پوری کرنے کا ارادہ کیا۔ وحی ہوئی اے ایوب، وہ بے قصور ہیں انہوں نے جو کچھ کیا تھا ہمدردی میں کیا تھا۔ اپنی قسم پوری نہ کرو۔ مگر اس طرح کہ سو سینکوں کا مٹھا بنا کر ایک بار ہی ان کو مار دو۔ اپنے جس بندہ کو خدا نے صابر اور شاکر کہا ہو اس کی فضیلت کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ﴿۴۵﴾
اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿۴۶﴾ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ
الْاَخْيَارِ ﴿۴۷﴾ وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ۭ وَكُلٌّ مِّنَ
الْاَخْيَارِ ﴿۴۸﴾

(اے رسول) ہمارے بندوں میں ابراہیم و اسحٰق و یعقوب کا ذکر کرو جو قوت اور بصیرت والے تھے ہم نے ان لوگوں کو ایک خاص صفت آخرت کی یاد سے ممتاز کیا تھا کہ یہ لوگ ہماری بارگاہ میں برگزیدہ اور نیک لوگوں میں سے ہیں۔ اور (اے رسول) اسمٰعیل و الیسع و ذوالکفل کو بھی یاد کرو یہ سب نیک بندوں میں سے ہیں۔

'اولی الایدی' یعنی ہاتھوں والے۔ اس سے مراد ہے قوت والے۔ یہ مطلب نہیں کہ ان کے بدن میں بڑی طاقت تھی اور بلاشبہ اپنے زمانہ کے رستم و سہراب تھے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان میں گناہوں سے بچنے اور نیکیوں کی طرف رجوع کرنے کی بڑی قوت تھی۔ اور نیک کام بجا لانے میں چاہے ان پر کیسی ہی مصیبت نازل ہوتی وہ اسے بسکونِ قلب برداشت کر لیتے۔ اور بڑے بصیرت والے تھے یعنی ان کے دل کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ ہر نیک و بد میں بآسانی تمیز کر سکتے تھے اور ذکرِ آخرت سے انہیں بڑی دلچسپی تھی اور اکثر اس کی یاد میں اپنا وقت صرف کرتے تھے۔ یہاں خدا نے الدّار کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ آخرت ہی اصلی گھر ہے جہاں جانا ہے۔ دُنیا میں جو گھر ہے وہ عارضی ہے جیسے کوئی مسافر سرائے میں جا ٹھہرے۔ الیسع کا ذکر سورۂ انعام میں بھی ہے۔ یہ بنی اسرائیل کے نامور انبیاء میں سے تھے۔ حضرت الیاسؑ نے ان کو اپنا جانشین بنایا تھا۔ حضرت ذوالکفلؑ کا ذکر قرآن میں دو جگہ ہے یہ بھی بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے تھے۔ اور ذکرِ الٰہی میں ہمیشہ مشغول رہتے تھے۔ ذوالکفل کے معنی ہیں کفایت کرنے والا۔

حضرت ذوالکفلؑ کے زمانہ میں جب بنی اسرائیل نے پیغمبروں کے قتل کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ آپؑ نے سو پیغمبروں کی جان بچائی تھی۔ آپؑ اتنے بڑے عابد تھے کہ دن اور رات کا زیادہ تر وقت آپؑ عبادت میں گزارتے تھے۔

هٰذَا ذِكْرٌ ۭ وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ (۴۹) جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً
لَّهُمُ الْاَبْوَابُ (۵۰) مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ
وَّشَرَابٍ (۵۱) وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ (۵۲) هٰذَا مَا
تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ (۵۳) اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ
نَّفَادٍ (۵۴) هٰذَا ۭ وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ (۵۵) جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ
فَبِئْسَ الْمِهَادُ (۵۶) هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ (۵۷) وَّاٰخَرُ
مِنْ شَكْلِهٖٓ اَزْوَاجٌ (۵۸) هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۚ لَا مَرْحَبًۢا
بِهِمْ ۭ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ (۵۹) قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ ۣ لَا مَرْحَبًۢا
بِكُمْ ۭ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا ۚ فَبِئْسَ الْقَرَارُ (۶۰)

یہ ایک نصیحت ہے بے شک پرہیزگاروں کے لیے آخرت میں بھی آرام گاہ ہے یعنی ہمیشہ رہنے کے لیے بہشت کے سدا بہار باغات ہیں جن کے دروازے ہر وقت کھلے ہوں گے۔ یہ لوگ وہاں تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے وہاں کثرت سے میوے اور شراب (طہور) منگوائیں گے۔ ان کے پاس نیچی نظروں والی (شرمیلی) بی بیاں ہوں گی۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن کے دینے کا وعدہ قیامت کے دن تم سے کیا جاتا ہے۔ یہ ہماری دی ہوئی روزی ہے جو کبھی تمام نہ ہوگی یہ (پرہیزگاروں کا انجام) ہے

اور سرکشوں کا تو یقیناً بُرا ٹھکانہ ہے، جہنّم میں ان کو جانا پڑے گا وہ کیا بُرا ٹھکانہ ہے۔ یہ کھولتا ہوا پانی اور پیپ اور اسی طرح کی انواع و اقسام کی دوسری چیزیں ہیں تو یہ لوگ پڑے چکھا کریں گے۔ کچھ لوگوں کے بارے میں بڑے لوگوں سے کہا جائے گا یہ (تمہارے چیلوں کی) فوج بھی تمہارے ساتھ ہے (ٹھونس دی گئی ہے) ان کا بُرا ہو یہ بھی دوزخ کے جانے والے ہیں (تو چیلے) کہیں گے (ہم کیوں) تم جہنّمی ہو، تمہارا ہی بُرا ہو تم ہی لوگوں نے اس بلا سے ہمارا سامنا کرایا ہے۔ جہنّم بھی کیا بُری جگہ ہے۔

دُنیا میں جن لوگوں نے دوسروں کو گمراہ کیا تھا وہاں اپنے پیروؤں سے بات کرنا بھی گوارا نہ کریں گے پیر اپنے پیروؤں پر الزام لگائیں گے اور مرید اپنے پیروں پر۔ غرض کوئی کسی کو اچھا نہ کہے گا۔

قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ (۶۱)
وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ (۶۲)
اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ (۶۳) اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ
تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ (۶۴) ع قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ڰ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا ع ۴ ۱۲ ۱۳
اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (۶۵) رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا
الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ (۶۶) قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ۙ (۶۷) اَنْتُمْ عَنْهُ
مُعْرِضُوْنَ (۶۸) مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍۢ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰٓى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ (۶۹)
اِنْ يُّوْحٰٓى اِلَيَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ (۷۰)

وہ عرض کریں گے اس شخص نے ہمارا اس (بلا) سے سامنا کرا دیا تو اس پر ہم سے بڑھ کر جہنّم

میں دوگنا عذاب کر (پھر) خود ہی کہیں گے، ہمیں کیا ہوگیا ہے کہ ہم جن لوگوں کو (دُنیا میں) شریر شمار کرتے تھے ہم ان کو (یہاں دوزخ میں) نہیں دیکھتے کیا ہم ان سے مسخرا پن کرتے تھے یا ان کی طرف سے ہماری آنکھیں پلٹ گئی ہیں۔ بے شک جہنمیوں کا یہ جھگڑا بالکل ٹھیک ہے (اے رسول) تم کہہ دو میں تو بس (عذاب خدا سے) ڈرانے والا ہوں۔ سوائے خدائے واحد و قہار کے کوئی معبود قابلِ پرستش نہیں۔ وہ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا رب ہے سب پر غالب اور بخشنے والا ہے۔ اے رسول، کہدو کہ یہ قیامت ایک بہت بڑا واقعہ ہے جس سے تم منہ پھیر رہے ہو۔ عالم بالا کے رہنے والے (فرشتے) جو باہم بحث کرتے تھے اس کی مجھے بھی خبر نہ تھی، میرے پاس تو بس وحی کی گئی ہے کہ میں خدا کے عذاب سے صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔

جہنم میں جاکر وہ لوگ کہیں گے جن کو بہکایا گیا تھا کہ پروردگار ان بہکانے والوں کو دوگنا عذاب کر اور وہ یہ بھی کہیں گے کہ دنیا میں جن لوگوں کو ہم بدکردار اور شریر سمجھا کرتے تھے دوزخ میں وہ ہمیں کہیں نظر نہیں آتے۔ یہ استفسار خدا کے ان نیک بندوں کے متعلق ہوگا جن کو وہ دُنیا میں بُرا سمجھتے تھے۔ کیا ہم ان سے مسخرا پن کیا کرتے تھے یا ہماری آنکھیں ان کی طرف سے پھر گئی ہیں۔ جہنمیوں کے درمیان یہ جھگڑا ہوتا رہے گا۔

اے رسول، تم ان کفار و مشرکین کو سمجھاؤ اور کہو، خدائے واحد و یکتا کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔ جو کچھ تمہیں آسمانوں اور زمین کے اندر نظر آ رہا ہے ان سب کا پالنے والا خدا ہی ہے۔ بس اپنی بُت پرستی سے باز آؤ ورنہ قیامت میں تمہارا بہت بُرا حشر ہوگا۔ قیامت کو معمولی چیز نہ سمجھو۔ بہت بڑا واقعہ ہے بڑی اہم چیز ہے جس کی بات سنتے ہی تم منہ پھیر لیتے ہو۔

ملاءِ اعلیٰ کے ساکنوں یعنی فرشتوں کے درمیان جو آدمؑ کے بارے میں جھگڑا ہوا تھا، میں خود وہاں موجود نہیں تھا۔ مجھے تو جو کچھ معلوم ہوا ہے وحی کے ذریعہ سے ہوا۔ یاد رکھو، میں تو کھلم کھلا تم کو عذابِ خدا سے ڈرانے والا بن کر آیا ہوں۔

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ (۷۱) فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ (۷۲) فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ

كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ (۷۳) اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ (۷۴) قَالَ یٰٓاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ ؕ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِیْنَ (۷۵) قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ ؕ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ (۷۶) قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ (۷۷) ۚۖ وَّاِنَّ عَلَیْكَ لَعْنَتِیْٓ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ (۷۸)

جب تمہارے رب نے ملائکہ سے کہا میں مٹی سے ایک بشر پیدا کرنے والا ہوں۔ پس جب میں اُسے ٹھیک ٹھاک کر لوں اور اپنی روح (روحِ نبوّتی) اس میں پھُونک دوں تو تم سجدہ میں گر پڑنا۔ سب ملائکہ نے آدم کو سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، وہ اکڑ گیا اور کافروں میں سے ہوگیا۔ پس خدا نے کہا اے ابلیس، جس کو میں نے اپنی قدرت کے ہاتھوں سے پیدا کیا ہے اُسے سجدہ کرنے سے تجھے کس چیز نے منع کیا۔ تُو نے تکبّر سے کام لیا ہے یا تُو عالین میں سے بن بیٹھا ہے اُس نے کہا (میں کیوں سجدہ کروں) تُو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اُسے مٹّی سے پیدا کیا ہے۔ (اور آگ مٹی سے بہتر ہے) خدا نے فرمایا، تو یہاں سے نکل جا تُو یقیناً مردُود ہے اور تیرے اوپر قیامت تک لعنت کی پھٹکار رہے گی۔

آدمؑ کا واقعہ پہلے بھی کئی سورتوں میں بیان ہوچکا ہے۔ ان آیات میں چند باتیں قابلِ ذکر ہیں:

۱۔ لفظ بشر کا اطلاق کھُلی ہوئی جلد کی مخلوق پر ہوتا ہے اور مخلوق میں صرف آدمی ہی ایسی مخلوق ہے جس کے بدن پر اون یا بال باہر نہیں۔ آدم کی تعریف منطق میں یہ ہے:

بادی البشرہ (کھُلی جلد والا) عریض الاظفار (چوڑے کھُلے ناخن والا) ضحّاک بالطبع (ہنسنے کی طبیعت رکھنے والا) نطق رکھنے والا۔ یہ چاروں باتیں من حیث المجموع خدا کی کسی مخلوق میں نہیں پائی جاتیں۔

۲۔ آدم کے سوا کسی مخلوق کے متعلق خدا نے یہ نہیں فرمایا، کہ میں نے اسے اپنے ہاتھ سے (قدرت سے) پیدا کیا ہے۔ یعنی اور مخلوق کی خلقت میں فرشتوں سے کام لیا گیا ہے مگر صرف ایک مخلوق ایسی ہے جسے میں نے خود بنایا ہے یعنی اپنی قدرت کے ہاتھوں سے خود تیار کیا ہے۔ اس بنا پر اشرف المخلوقات کہلاتا ہے۔

۳- یہ عالین کون تھے جن کے متعلق شیطان سے پوچھا گیا کہ کیا تُو عالین میں سے ہوگیا ہے۔ بظاہر اس وقت دو ہی گروہ تھے۔ فرشتے اور شیطان۔ یہ تیسری نوع کونسی تھی۔ سورۂ بقرہ میں بھی اس کا ذکر آچکا ہے۔ یہ عالین سوائے محمدؐ و آلِ محمدؐ کے دوسرا گروہ کوئی نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ یہی لوگ حسبِ حدیثِ رسولؐ خلقتِ آدمؑ سے چودہ ہزار سال پہلے پیدا ہوئے تھے اور زیرِ عرش ان کا نُور جلوہ نما تھا۔ ملائکہ اور ابلیس سب ان کو پہچانتے تھے۔

۴- سب سے پہلے قیاس کرنے والا ابلیس تھا۔ اُس نے جو قیاس کیا وہ غلط تھا۔ آگ کو مٹی پر فضیلت حاصل نہیں۔ مٹی کی جو خصوصیات ہیں وہ آگ کو حاصل نہیں۔ آگ جلانے والی ہے مٹی جِلانے والی ہے۔ آگ خائن ہے اور مٹی امین ہے۔

۵- جہاں سے ابلیس کو نکلنے کے لیے کہا گیا وہ وہی مقام تھا جہاں آدمؑ اُس وقت موجود تھے۔ جنّت میں داخل ہونے سے پہلے۔

۶- قیامت تک بنی آدم، خدا اور فرشتے اس پر لعنت کرتے رہیں گے۔ یعنی اس سے بیزار رہیں گے۔

قَالَ رَبِّ فَأَنْظِرْنِيٓ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ (۷۹) قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ (۸۰) إِلَىٰ يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ (۸۱) قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ (۸۲) إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ (۸۳) قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ أَقُولُ (۸۴) لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ (۸۵) قُلْ مَآ أَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَّمَآ أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ (۸۶) إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِينَ (۸۷) وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَأَهُ بَعْدَ حِينٍ ع (۸۸)

ع۵ ۲۴ ۱۴

(جب شیطان رحمتِ الٰہی سے مایوس ہوگیا) تو اُس نے کہا، اے میرے رب مجھے قیامت تک

(زندہ رہنے کی) مہلت دے۔ خدا نے فرمایا، تجھے ایک وقتِ معلوم تک مہلت دی گئی۔ اُس نے کہا، پس تیری عزت کی قسم، میں سب کو بہکاؤں گا سوائے تیرے اُن مخلص بندوں کے جو تیرے خالص فرمانبردار ہوں گے۔ خدا نے فرمایا، حق بات کہے دیتا ہوں اور میں تو حق ہی کہا کرتا ہوں میں تجھ سے اور تیری پیروی کرنے والے جو بھی ہوں گے ان سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔ (اے رسول) تم (لوگوں سے) کہہ دو، نہ تو میں تجھ سے اجرِ رسالت مانگتا ہوں اور نہ میں بناوٹی باتیں کرنے والا ہوں۔ یہ قرآن تو بس سارے جہان کے لیے نصیحت ہے اور کچھ دن بعد تمہیں اس کی حقیقت معلوم ہوجائے گی۔

کفارِ مکہ کو یہ سُنایا جا رہا ہے کہ جس طرح شیطان نے آدمؑ سے حسد کر کے اپنا ستیاناس کر لیا اور ہمیشہ کے لیے عذابِ الٰہی میں مبتلا ہوگیا اسی طرح تمہارا حشر بھی ہوگا۔ تم ہمارے رسولؐ سے عداوت کر کے ایک دن یونہی جہنم کا ایندھن بنو گے۔ اور جو کچھ تم کر رہے ہو یہ سب شیطان کے اغوا سے کر رہے ہو۔ پس جب ہمارے عذاب سے تمہارا اگرو گھنٹال نہ بچا تو تم کیا بچو گے۔ اور اے رسولؐ، تم یہ بھی ان کے کان میں ڈال دو کہ میں تبلیغِ رسالت کی تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا، میں جو کچھ کر رہا ہوں بے غرضی سے کر رہا ہوں۔ اور یہ قرآن میرا من گھڑت نہیں اور نہ یہ کوئی قصہ کہانی کی کتاب ہے۔ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، یہ قرآن تمام عالموں کے لیے نصیحت ہے۔ کچھ مدت بعد تمہیں خود معلوم ہوجائے گا کہ تم نے مجھ سے عداوت کر کے کیا پایا۔
شیطان کو وقتِ معلوم تک کیوں مہلت دی گئی۔ اس کے لیے جلد اوّل سورۂ بقرہ میں ملاحظہ فرمادیں۔

۳۹ سُورَةُ الزُّمَرِ مَكِّيَّةٌ ۵۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ① اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ② اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ۭ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ڛ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ③ لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ④

اس کتاب کا نازل کرنا اُس خدا کی طرف سے ہے جو غالب اور حکمت والا ہے۔ (اے رسول) ہم نے قرآن کو تم پر بالکل ٹھیک نازل کیا ہے پس تم خالص اُس کے بندہ بن کر عبادت کرو اور عبادت تو خالص خدا ہی کے لیے ہے۔ جن لوگوں نے خدا کے سوا اوروں کو اپنا سرپرست بنا رکھا ہے (کہتے ہیں) ہم تو ان کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ یہ لوگ خدا کی بارگاہ میں ہمارا تقرب بڑھائیں گے۔ جس بات میں یہ لوگ جھگڑا کرتے ہیں خدا اس کا قیامت میں فیصلہ کر دے گا۔ بے شک خدا جھوٹے ناشکرے کو منزلِ مقصود تک نہیں پہنچاتا۔ اگر خدا کسی کو اپنا بیٹا بنانا چاہتا تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا منتخب کر لیتا۔ مگر وہ تو اس سے پاک و پاکیزہ

ہے اور اکیلا زبردست ہے۔

اس سورہ کا آغاز چند باتوں کے سمجھانے سے کیا گیا ہے:

۱۔ جو لوگ کہتے تھے کہ قرآن محمدؐ نے خود بنا لیا ہے۔ ان کے اس باطل خیال کی تردید میں کہا جا رہا ہے کہ یہ کتاب اللہ کی طرف سے نازل کی ہوئی ہے۔ اے رسول، تمہاری بنائی ہوئی نہیں ہے۔

۲۔ اے رسول، تم سچے دل سے اس کی عبادت کرتے رہو۔ جو اس کے ساتھ دوسروں کو شریک بنا کر عبادت کرتے ہیں ان کی عبادت باطل ہے۔ عبادت صرف خدا ہی کے لیے ہے۔ کیونکہ جس کو بھی عبادت میں شریک کیا جائے گا وہ خدا کی مخلوق ہی میں سے کوئی ہوگا۔ پس ایک مخلوق اور ایک خالق کیسے دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔

۳۔ لوگوں کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ خالق تو ہم خدا کو ہی مانتے رہے ہیں۔ بتوں کو خدا تک پہنچنے کا ذریعہ جانتے ہیں۔ چونکہ خدا کی ذات بہت ارفع و اعلیٰ ہے اور ہم اس حد تک نہیں پہنچ سکتے، لہٰذا ہم نے ان بتوں کو اس تک پہنچنے اور اس کا تقرب حاصل کرنے کے لیے بنایا ہے اور اسی لیے ان کی عبادت کرتے ہیں لیکن وہ لوگ کیا ذریعۂ تقرب بن سکتے ہیں جو اوّل تو بے جان ہیں دوسرے خود محتاجِ امداد ہیں تیسرے ان کو ذریعہ بنانے میں خود ان لوگوں کے درمیان اختلاف ہے۔ ایک دو نہیں سینکڑوں ہزاروں کو بے سوچے سمجھے ذریعہ بنا رکھا ہے اور یہ خود آپس میں سخت اختلاف رکھتے ہیں۔ ایک گروہ جس کو ذریعۂ تقرب سمجھتا ہے دوسرا اس سے انکار کرتا ہے اور کسی اور کو ذریعہ سمجھتا ہے۔ دوسرا گروہ ان دونوں کو باطل پر سمجھتا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ انہی کے عقیدہ کی بنا پر ان میں سے کوئی بھی سچا ذریعۂ تقرب نہیں۔ خدا اس جھگڑے کو قیامت کے دن فیصل فرما دے گا۔ یعنی جب اس کے سوا کسی کی حکومت ہوگی نہ کسی کا وہاں زور چلے گا۔ اس وقت ان کی سمجھ میں آ جائے گا کہ خدا کے سوا کوئی قابلِ عبادت نہیں تھا۔ فرشتے ہوں یا جن۔ کوئی دیوی ہو یا دیوتا، خود وہاں اس بات کا اقرار کریں گے کہ یہ ہماری عبادت غلط کرتے تھے۔ کیونکہ ہم تو خود خدائے واحد و قہار کو اپنا معبود جانتے تھے۔

جو لوگ عزیر یا مسیح کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں وہ سراسر باطل پرست ہیں۔ اگر خدا کو بیٹا بنانا ہوتا تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا خود بنا لیتا۔ تم اس کے لیے کسی کو بیٹا بنانے والے کون ہو۔ خدا ایسے تعلقات سے بے نیاز ہے اس کی ذات پاک ان آلائشوں سے پاک ہے۔ وہ اکیلا ہے کوئی اس کا شریک نہیں، وہ سب سے زیادہ زبردست ہے کسی کی اس پر حکومت نہیں۔ کسی کا اس پر زور نہیں چلتا۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ

اَلنَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ
مُّسَمًّى ؕ اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ۝۵ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ
ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ
اَزْوَاجٍ ؕ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ
فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ج
فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۝۶ اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ قف
وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ ؕ
وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ
فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۷

اُس نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک طریقہ سے پیدا کیا ہے۔ وہی رات کو دن پر اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے۔ اُس نے سُورج اور چاند کو مسخّر کیا ہے۔ سب کے سب اپنے وقتِ مقرّرہ تک چلتے رہیں گے۔ آگاہ ہو کہ وہ غالب اور بخشنے والا ہے۔ اُس نے تم کو ایک ہی شخص سے پیدا کیا ہے اور اُس کی (باقی مٹّی سے) اس کی بی بی (حوّا) کو پیدا کیا۔ اور اس نے تمہارے لئے چوپاؤں سے آٹھ نر و مادہ پیدا کئے اور اُس نے تم کو ماؤں کے پیٹ میں ایک قسم کی خلقت کے بعد دوسری قسم کی خلقت سے تہرے تہرے اندھیروں کے اندر (پیٹ، رحم اور جھلّی) پیدا کیا ہے، وہی اللہ تمہارا پروردگار ہے، اُسی کی بادشاہت ہے۔ اُس کے

سوا کوئی معبود نہیں پس تم کہاں بہکے جا رہے ہو۔ اگر تم ان سب باتوں سے انکار کرو (اور اسے خدا نہ مانو تو) خدا تم سے بالکل بے پروا ہے۔ اللہ اپنے بندوں میں کفر اور ناشکری کو پسند نہیں کرتا۔ اگر تم شکر کرو گے تو وہ اسے تمہارے لیے پسند کرتا ہے۔ (قیامت میں) کوئی کسی کے (گناہ) کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا۔ پھر تمہاری رجوع اپنے رب کی طرف ہوگی۔ پس وہ تمہیں بتا دیگا کہ (دُنیا میں) تم کیا کیا (بھلائی یا بُرائی) کیا کرتے تھے۔ وہی سب کے دلوں کے حال جاننے والا ہے

یہاں سے خدا اپنے اُن احسانات کا بیان کرتا ہے جو اُس نے انسانوں پر کیے ہیں اور جن سے اس کی قدرتِ کاملہ کا اظہار ہوتا ہے۔

۱۔ دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن کا آنا، بتاتا ہے کہ وہ کس قدر صاحبِ قدرت اور صنّاعِ مطلق ہے۔ کیا خدا کے سوا کسی کی طاقت ہے کہ یہ کام کر سکے۔ دن اس لیے ہے کہ تم اس میں کام کرکے اپنی روزی ڈھونڈو۔ اور رات اس لیے ہے کہ جب کام کاج کرتے کرتے تھک جاؤ تو آرام کے ساتھ اس میں سو جاؤ۔ اگر یہ صورت نہ ہوتی تو نظامِ حیاتِ انسانی برقرار نہیں رہ سکتا تھا۔

۲۔ چاند سُورج کے لیے اس نے ایک ضابطۂ طلوع و غروب اور قاعدۂ رفتار پیدا کر دیا ہے۔ وہ اُس کے پُوری طرح پابند ہیں۔ کیا مجال کہ ذرا خلاف ورزی کر سکیں۔ کائنات کا سارا نظام ان کے دم سے وابستہ ہے۔ اگر یہ دونوں نہ ہوتے تو رُوئے زمین پر کوئی چیز زندہ نہ رہ سکتی تھی۔

۳۔ ایک آدمی (آدمؑ) سے اس نے کتنے آدمی پیدا کر دیئے کہ ہر زمانہ میں ہر خطۂ ارض پر پھیلے ہوئے ہیں۔ مرتے جاتے ہیں اور پیدا ہوتے جاتے ہیں۔ اگر سب زندہ رہتے تو نہ تو ان کو اس زمین پر قدم رکھنے کی جگہ ملتی نہ غلہ کا ایک دانہ کھانے کو ملتا۔ کیا اچھا قانون ہے کہ باری باری لوگوں کو بساتا چلا جاتا ہے۔

۴۔ آدمؑ کی بقیہ مٹّی سے ان کی بی بی کو پیدا کیا تاکہ دونوں مونسِ تنہائی بھی ہوں اور ان سے سلسلۂ نسل بھی چلے۔

۵۔ تمہارے لیے مختلف قسم کے چوپائے پیدا کیے یعنی آٹھ کارآمد مویشی۔ جو ہر وقت تمہاری خدمت میں لگے رہتے ہیں۔ یعنی اونٹ نر و مادہ، گائے نر و مادہ، بھیڑ نر و مادہ، بکری نر و مادہ۔ ان سے بیشمار قسم کے فائدے تم کو حاصل ہوتے ہیں اور ان کی ہر چیز تمہارے کام میں آتی ہے۔

۶۔ ذرا اس پر بھی تو غور کرو کہ اس قادرِ مطلق نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ سے کیسے پیدا کیا ہے اور تمہاری خلقت نے کیا کیا رنگ بدلے ہیں۔ نطفۂ پدری کو کس عجیب طریقہ سے تمہاری ماؤں کے رحم میں جگہ دی۔ پھر نطفہ کو علقہ یعنی خون کا لوتھڑا بنایا پھر علقہ کو تبدیل کرکے گوشت کا لوتھڑا بنایا۔ پھر اس کو ہڈّی کی صورت

میں لایا پھر ہڈی پر گوشت چڑھایا۔ پھر آدمی کی صورت بنا کر اس میں روح پھونکی اور یہ سب کام تین تین اندھیرے پردوں کے اندر ہوتے رہے۔ ایک پیٹ کا پردہ، دوسرے رحم کا پردہ اور تیسرے وہ جھلّی جس میں بچّہ رہتا ہے۔ کیا یہ اس کی قدرتِ کاملہ کی بہترین نشانی نہیں۔ پس جب وہ ایسا ہے تو تم اس کو اپنا معبود ماننے سے کیوں انکار کرتے ہو وہ حقیقتاً تمہارا رب ہے اور حکومت بس اسی کی حکومت ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں پھر تم کہاں بہکے جا رہے ہو۔ کہ اُسے چھوڑ کر نہ معلوم کس کس کی عبادت کرنے پر تُل بیٹھے ہو۔ تم سوچتے کیوں نہیں ابوالفضیل کے متعلق مروی ہے کہ جب کوئی تکلیف پہنچتی تو خدا کو یاد کرتا اور اس کی تصدیق کرتا۔ جب نجات پا جاتا تو حضرتؐ کو جادوگر کہتا۔

پھر فرماتا ہے کہ اگر تم کفرانِ نعمت کرو گے تو خدا کا کیا بگاڑو گے۔ اس کی ذات تو ہر شے سے بے نیاز ہے تمہارے شکریہ کی محتاج نہیں۔ مگر ہاں، یہ بات ہے کہ وہ اپنے بندوں سے کفرانِ نعمت کو پسند نہیں کرتا۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہوئی کہ تم رات دن اس کی نعمتوں کو ہپ ہپ کرتے رہو۔ عیش و آرام کے مزے اڑاؤ۔ پھر بھی اس کا اقرار نہ کرو کہ یہ سب چیزیں نہیں خدا نے دی ہیں۔ خدا تو یہی بات پسند کرتا ہے کہ تم اس کے شکرگزار بندے بن کر رہو تاکہ تمہاری نعمتوں میں اور زیادتی فرمادے۔

اور دیکھو، کان دھر کر سُن لو، قیامت میں جب خدا کے حضور حاضر ہوگے تو وہاں کوئی کسی کے گناہ کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا۔ جو لوگ اس عقیدہ پر جی رہے ہیں کہ مسیحؑ نے ہم سب کی گناہوں کا بوجھ اپنے سر لے لیا ہے اور قیامت میں ہم بے خرخشے سیدھے جنّت میں چلے جائیں گے وہ سخت دھوکہ میں ہیں۔ وہاں کوئی کسی کا نہ ہوگا یا جو مشرک مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ تم سلام کو ترک کر کے اپنے سابق دین کی طرف پلٹ آؤ تمہارے تمام گناہ ہم اپنے سر لے لیں گے، کھُلا دھوکہ ہے۔ کوئی کسی کا گناہ وہاں اپنے اوپر نہیں لے سکے گا۔ اور یہ بھی کیسے وہ خود اپنے گناہوں کے بوجھ تلے دبا جا رہا ہوگا۔ جب دنیا میں کوئی کسی کا بوجھ اپنے سر لینے پر تیار نہیں ہوتا تو خدائے عادل کی سرکار میں یہ جھوٹی ہمدردی کیا کام دے گی۔

یہ بھی یاد رکھو کہ ایک دن تمہیں خدا کے سامنے جانا ہے۔ اس وقت وہ تمہارے اعمال کے استر پستر کھول کر رکھ دے گا۔ بھلا علام الغیوب سے تمہاری کوئی بات چھُپ کر رہ سکتی ہے۔ وہاں تو ذرّہ ذرّہ کا حساب دینا ہوگا۔ وہ تو تمہارے دل کی چھپی ہوئی باتوں تک کو ظاہر کر کے دکھا دے گا۔ ذرا ہوش میں آؤ۔ اور سوجھ بوجھ سے کام لو۔

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ
نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ

اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا ۖ ق اِنَّكَ
مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ⑧ اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّ
قَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي
الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا
الْاَلْبَابِ ⑨ ع قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ ۱ ع ۹ ۱۵
اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ؕ اِنَّمَا
يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ⑩

(آدمی کی حالت یہ ہے) جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اس سے گڑگڑا کر دعا کرنے لگتا ہے اور جب خدا اپنی طرف سے اُسے نعمت عطا فرماتا ہے تو پہلے جس کام کے لیے دُعا کی تھی اُسے بھُلا دیتا ہے اور خدا کا شریک بنانے لگتا ہے تاکہ اس ذریعہ سے اور لوگوں کو بھی بہکا دے (اے رسول) تم ان سے کہہ دو کہ اپنے کفر کی حالت میں کچھ دن چین کر لو ، آخر تو تمہیں جہنّم میں جانا ہی ہے۔ کیا جو شخص رات میں بیٹھ کر اور کھڑے ہو کر عبادت کرتا ہو اور آخرت سے ڈرتا ہو اور اپنے رب کی رحمت کا امیدوار ہو کیا وہ ناشکرے کافر کے برابر ہو سکتا ہے۔ کیا جو لوگ جاننے والے ہیں اور جو لوگ نہیں جانتے، دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔ نصیحت تو بس عقلمند لوگ ہی مانتے ہیں۔ تم کہہ دو کہ اے میرے ایماندار بندو، تم اپنے رب سے ڈرتے رہو کیونکہ جن لوگوں نے اس دُنیا میں نیکی کی، ان ہی کے لیے (آخرت میں) بھلائی ہے۔ اور خدا کی زمین تو کُشادہ ہے (اگر جہاں عبادت نہ کر سکو اُسے چھوڑ دو) صبر کرنے والوں ہی کو تو ان کا بھرپور بے حساب بدلہ دیا جائے گا۔

انسان کو اس کی ایک عادت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ جب کوئی مصیبت سر پہ آکھڑی ہوتی ہے تو بہت رجوعِ قلب سے گڑگڑا کر خدا سے دعائیں مانگنے لگتا ہے لیکن جہاں وہ بلا سر سے ہٹی اُسے بھول جاتا ہے اور اس سے جو شریک بنا رکھے ہیں ان کے آگے سجدہ ریزی کرنے لگتا ہے اور سمجھنے لگتا ہے یہی میرے کارساز ہیں۔

بات یہ ہے کہ انسان کا ضمیر حق نواز ہے۔ جب کوئی بلا آتی ہے تو وہ اپنے معبودِ حقیقی کو یاد کرتا ہے۔ اس کی آواز غلط نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ بدی کرنے والوں کا ساتھ ان کا ضمیر نہیں دیتا۔ وہ برابر سرزنش کرتا رہتا ہے کہ جو تُو نے کیا یہ فعلِ بد ہے۔ زبان لاکھ بار انکار کرے مگر ضمیر کی آواز وہی رہے گی جو مبنی بر حق ہوگی۔ پس مصیبت کے وقت جو آواز بصورتِ دعا نکلتی ہے وہ سچی آواز ہوتی ہے۔ لیکن جب بلا ٹل جاتی ہے تو پھر جذباتِ بد اس کے ضمیر پر چھا جاتے ہیں اور وہ بھول جاتا ہے کہ جس کو پکارا تھا وہ کون تھا۔

کفار و مشرکین کو خدا نے مہلت دے رکھی ہے کہ زندگی کے چند دن آرام سے بسر کر لیں۔ اس کے بعد تو ان کا ٹھکانہ جہنم ہے ہی۔ بھلا ایسے لوگوں کا اُن لوگوں سے کیا مقابلہ جو رات دن یادِ الٰہی میں بسر کرتے ہیں۔ جو اس بات کا علم رکھتے ہیں کہ ہمیں ایک دن خدا کے سامنے جانا ہے۔ وہ اُن جاہلوں کے برابر کیسے ہو سکتے ہیں جن کے دل کفر و شرک کی تاریکی میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

آخر میں مسلمانوں کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ اگر تم کسی ایسی سرزمین پر آباد ہو گئے ہو جہاں تم آزادی سے عبادتِ خدا نہیں کر سکتے تو تم کو چاہیئے کہ جس وقت موقع ملے وہاں سے ہجرت کر جاؤ۔ خدا کی زمین تنگ نہیں۔ ہر جگہ کا حال یکساں نہیں۔ وطن کی محبت میں اپنی نکوکاری کے ترک پر کیوں آمادہ ہوتے ہو۔ جہاں پر جاؤ گے اور عبادتِ خدا کرو گے خدا کی رحمت تمہارے ساتھ رہے گی۔ مکہ میں جب مسلمانوں کو مشرکین نے زیادہ ستایا تو حکم ہوا کہ اس سرزمین کو چھوڑ دو اور ہجرت کر کے مدینہ چلے جاؤ۔ تاکہ اس آئے دن کی مصیبت سے تم کو نجات مل جائے۔ خدا کا یہ دوامی حکم ہے ہر زمانہ کے مسلمانوں کے لیے۔

جن لوگوں نے مکہ سے ہجرت نہیں کی تھی اور وہیں مصیبتیں جھیلتے رہے، خدا کی نظر میں نامقبول رہے۔ مسلمانوں کو ان سے میل جول ترک کرنے کا حکم دیا گیا۔

قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ ﴿۱۱﴾ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۲﴾ قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۳﴾ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِیْنِیْ ﴿۱۴﴾ فَاعْبُدُوْا

مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ؕ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِیْنَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ ﴿۱۵﴾ لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ؕ ذٰلِكَ یُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ؕ یٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ﴿۱۶﴾

(اے رسول، تم لوگوں سے) کہدو، مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں پُرخلوص دل سے اللہ کی عبادت کروں اور مجھے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ میں خدا کا سب سے پہلا فرمانبردار بندہ بنوں۔ (اے رسول) کہہ دو کہ اپنے رب کی نافرمانی کی صورت میں مَیں قیامت کے دن کے سخت عذاب سے ڈرتا ہوں۔ کہدو، میں تو پُرخلوص دل سے بس اسی کی عبادت کرتا ہوں۔ تم لوگ اس کے سوا جس کی چاہو عبادت کرو (میرا ان سے کوئی تعلق نہیں) تم کہدو، گھاٹے میں وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے کو اور اپنے لڑکے بالوں کو قیامت کے (حساب کتاب کے) معاملہ میں خسارہ میں ڈالا۔ آگاہ ہو، سب سے بڑا اور کھلا گھاٹا یہی ہے۔ ان کے اوپر بھی آگ ہی کے اوڑھنے ہوں گے اور نیچے بھی آگ ہی کے بچھونے۔ یہ وہ عذاب ہے جس سے خدا اپنے بندوں کو ڈراتا ہے پس مجھ سے ڈرتے رہو۔

خدا نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ بس اُسی کی عبادت کروں کسی اور کو اس میں شامل نہ کروں اور سب سے پہلا اس کا فرمانبردار بندہ میں بنوں تو میں ویسا ہی ہوں اور چاہتا ہوں کہ دوسروں کو بھی ویسا ہی بناؤں۔ ایسا نہیں ہے کہ میں دوسروں کو حکم دیتا ہوں اور خود ویسا نہ ہوں۔ میں سب سے پہلے اپنی طرف ایک نمونۂ عمل تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نے اپنے اور اپنے لڑکے بالوں کو بڑے گھاٹے میں ڈال دیا۔ لڑکے بالوں کو اس لیے کہ تمہاری بد اعمالی دیکھ کر وہ بھی ویسا ہی کریں گے۔

وَالَّذِیْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ یَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَی اللّٰهِ لَهُمُ

الْبُشْرٰی ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿۱۷﴾ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ
اَحْسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَ اُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۸﴾
اَفَمَنْ حَقَّ عَلَیْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ؕ اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِی النَّارِ ﴿۱۹﴾
لٰكِنِ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِیَّةٌ ۙ تَجْرِیْ
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۬ؕ وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا یُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِیْعَادَ ﴿۲۰﴾

اور جو لوگ بتوں کے پُوجنے سے بچے رہے اور انہوں نے خدا کی طرف رجوع کی ان کے لیے جنّت کی خوش خبری ہے پس میرے ان بندوں کو خوشخبری دے دو جو بات کو کان لگا کر سنتے ہیں اور ان میں سے اچھی بات پر عمل کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کی ہدایت خدا نے کی ہے اور یہی لوگ عقلمند ہیں (اے رسول) جس شخص پر عذاب کا وعدہ پورا ہو چکا ہو تو کیا تم اس شخص کو بچا سکتے ہو تو ہاں، جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے رہے ان کے لیے اُونچے اونچے محل اور بالاخانوں پر بالاخانے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ یہ خدا کا وعدہ ہے اور خدا کبھی وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔

یعنی جن لوگوں نے سرکش شیطان کی عبادت سے گریز کی اور اللہ کی طرف رجوع کی تو ایسے لوگوں کے لیے جنّت کی بشارت ہے اور ایسے ہی لوگ ہیں جن کو خدا نے راہِ راست تک پہنچا دیا۔ جس پر عذاب کا وعدہ پُورا ہو چکا اُس کا مصداق ابولہب ملعون ہے۔ اسے عذابِ الٰہی سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ رہے جنتی لوگ تو ان کے لیے بڑے شاندار محل ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ دوزخیوں اور جنتیوں کے متعلق جو خدا کا وعدہ ہے وہ پُورا ہو کر رہے گا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ یَنَابِیْعَ فِی الْاَرْضِ ثُمَّ

یُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ یَهِیْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ
یَجْعَلُهٗ حُطَامًا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰی لِاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۲۱﴾ ع اَفَمَنْ ع ۳ ۱۴
شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَیْلٌ لِّلْقٰسِیَةِ
قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۲﴾ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ
الْحَدِیْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ ۖۗ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِیْنَ
یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ
هُدَی اللّٰهِ یَهْدِیْ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ
مِنْ هَادٍ ﴿۲۳﴾

کیا تم نے اس پر غور نہیں کیا کہ خدا نے آسمان سے پانی برسایا۔ پھر اس کو زمین میں چشمے بنا کر جاری کیا جو اس کے ذریعہ سے رنگ برنگ کے غلّے اُگاتا ہے پھر (پکنے کے بعد) پودے سُوکھ جاتے ہیں تو تم کو وہ زرد دکھائی دیتے ہیں۔ پھر خدا انہیں چُور چُور (بھُوسا) کر دیتا ہے اس میں بے شک عقلمندوں کے لیے بڑی نصیحت و عبرت ہے جس کے سینہ کو خدا نے (قبولِ) اسلام کے لیے کشادہ کر دیا تو وہ اپنے پروردگار (کی ہدایت) کی روشنی پر (چلتا) ہے۔ (وہ گمراہوں کے برابر کیسے ہو سکتا ہے)۔ افسوس تو ان لوگوں پر ہے جن کے دل خدا کی یاد سے (غافل ہو کر) سخت ہو گئے ہیں۔ یہ لوگ صریحی گمراہی میں پڑے ہیں۔ خدا نے بہت اچھا کھُلا (قرآن) نازل فرمایا جس کی آیتیں ایک دوسرے سے ملتی جُلتی ہیں اور ایک بات کئی کئی بار دُہرائی گئی ہے، جس کے سُننے سے لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے پروردگار سے

ڈرتے ہیں۔ ان کے جسم نرم ہو جاتے ہیں اور ان کے دل خدا کی یاد کی طرف باطمینان متوجہ ہوتے ہیں۔ یہ خدا کی ہدایت ہے جسے چاہتا ہے کرتا ہے اور جسے چاہے گمراہی میں چھوڑ دے پھر اس کا کوئی ہادی نہیں۔

خدا کی قدرت کا کمال دیکھو کہ وہ آسمان سے پانی برساتا ہے پھر اُسے زمین میں ذخیرہ کرتا ہے پھر زمین سے چشمے پھوٹتے ہیں۔ بلکہ ہزاروں فٹ اُونچے پہاڑوں پر بھی چشمے پھوٹ رہے ہیں۔ سوائے اس کی قدرتِ کاملہ کے کون ہے جو زمین سے نکال کر اتنی بلندی تک اُس پانی کو لے جاتا ہے۔ پھر زمین پر اس پانی سے کھیت اُگتے ہیں لہلہاتے ہیں پھر سوکھ کر زرد پڑ جاتے ہیں۔ پھر وہ چُور چُور ہو کر بھُس بن جاتے ہیں دانہ ان سے جُدا ہو جاتا ہے غلّہ کے دانے مختلف رنگ کے ہوتے ہیں، کوئی سبز جیسے مونگ کوئی پیلا جیسے گیہوں کوئی زرد جیسے جوار کوئی کالا جیسے ماش۔ غور کرو زمین ایک، پانی ایک، ہَوا ایک، فضا ایک لیکن جو غلّہ اُگتا ہے اپنا اپنا رنگ رُوپ لے کر نکلتا ہے، دُور سے پہچان لیا جاتا ہے کہ یہ پودا فلاں غلّہ کا ہے۔

جو شخص اسلام لاتا ہے خدا اس کے سینہ کو اعمالِ خیر بجالانے کے لیے کشادہ کر دیتا ہے اور اسے اپنی ہدایت کی روشنی میں چلاتا ہے۔ برخلاف اس کے جو کفر پر جمے رہتے ہیں ان کے دل سیاہ و سخت ہو جاتے ہیں اور ان میں ذکرِ الٰہی کی گنجائش نہیں رہتی اور وہ مکمل گمراہی میں پڑے اپنی زندگی تباہ کرتے ہیں۔

قرآن خدا کی کتاب ہے۔ اس کے منجانب اللہ ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ۲۳ سال مختلف اوقات میں نازل ہوتا رہا ہے لیکن کیا ممکن کہ کہیں کوئی اختلافی صورت پائی جا سکے۔ یا کوئی آیت دوسرے کے متضاد ہو۔ حالانکہ دوسرا کوئی اگر اتنی دراز مدّت میں تھوڑا تھوڑا لکھتا تو ایک جگہ جو لکھتا دوسری جگہ اس کے خلاف لکھ دیتا، تحریر کا رنگ بدل جاتا۔ اور تحریر میں تبدیلی پیدا ہو جاتی۔ مگر یہاں اوّل سے آخر تک ایک ہی رنگ ہے اور یہ دعوٰی ہے کہ کم سے کم ایک سورۃ تو ایسی بنا لاؤ اس سے معلوم ہُوا کہ شروع سے آخر تک ۲۳ سال کے اندر ایک ہی اعجازی شان ہے۔ ایک مضمون کئی کئی بار بیان ہُوا ہے لیکن اپنے موقع و محل کے لحاظ سے کہیں بے جوڑ نہیں کہیں بے ربط نہیں۔

اثر انگیزی کا یہ عالم ہے کہ ہزار بار پڑھو طبیعت نہیں اکتاتی، دل نہیں گھبراتا۔ ہر بار عذاب کی آیات کو پڑھ کر بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ سخت دلوں میں نرمی پیدا ہو جاتی ہے۔ خیالات نیکی کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ خدا کے ذکر کی طرف توجّہ ہو جاتی ہے۔ یہ ہیں خدا کی ہدایت کے واضح نشانات!

اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ

ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ (۲۴) كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ (۲۵) فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (۲۶) وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ (۲۷) ۚ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ (۲۸) ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (۲۹) اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ (۳۰) ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ (۳۱) ع

ع ۱۰/۱۷

تو کیا جو شخص اپنے منہ کو قیامت کے دن عذاب کی سپر بنائے گا (اس کی بدحالی کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے (نہیں) ظالموں سے کہا جائے گا کہ تم (دُنیا میں) جو کچھ کیا کرتے تھے اب اس کا عذاب دیکھو جو لوگ ان سے پہلے گزر چکے ہیں جب انہوں نے پیغمبروں کو جھُٹلایا تو ان پر یکایک اس طرح عذاب آ پڑا کہ انہیں خبر بھی نہ ہوئی تو خدا نے اس دنیا ہی میں عذاب کی لذّت چکھا دی اور اگر وہ سمجھیں تو آخرت کا عذاب تو اس سے کہیں بڑا ہے۔ ہم نے تو اس قرآن کے اندر لوگوں کو سمجھانے کے واسطے ہر طرح کی مثالیں بیان کر دی ہیں تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔ ہم نے قرآن کو صاف و سلیس عربی زبان میں نازل کیا ہے جس میں ذرا بھی کجی نہیں،

یعنی پیچیدہ نہیں تاکہ لوگ سمجھ کر خدا سے ڈریں۔ خدا نے ایک مثال بیان کی ہے۔ ایک شخص (غلام) ہے جس کے کئی جھگڑالو ساتھی ہیں۔ اور ایک غلام ہے کہ پُورا ایک شخص کا ہے تو کیا ان دونوں کی حالت یکساں ہو سکتی ہے (ہرگز نہیں) الحمد للہ، مگر ان میں سے اکثر اتنا بھی نہیں جانتے۔ (اے رسول) تم بھی تو مرنے والے ہو اور یہ لوگ بھی مرنے والے ہیں پھر تم لوگ قیامت کے دن اپنے پروردگار کی بارگاہ میں باہم جھگڑو گے۔

آیت ۲۴ میں منہ کو سپر بنانے کا ذکر ہے۔ آدمی پر جب مار پڑتی ہے تو جہاں تک ممکن ہوتا ہے منہ کو بچائے رہتا ہے اور اعضا کو پٹنے دیتا ہے۔ لیکن دوزخ میں تو اس کے ہاتھ پاؤں جکڑے ہوئے ہوں گے لہٰذا جو ضرب پڑے گی، منہ ہی پر پڑے گی۔

کفار سے جب نزولِ عذاب کو کہا جاتا تھا تو وہ سمجھتے تھے یہ صرف دھمکی ہے لیکن عذاب ان پر اس طرح یکایک آن پڑا کہ ان کو خبر بھی نہ ہوئی۔ پس اے رسولؐ، ان کافروں کو آگاہ کر دو۔ ایسے ہی تم بھی کسی روز یکایک عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ جیسے وہ لوگ دُنیا میں ذلیل ہوئے تھے ایسے ہی تم بھی ہوگے اور اس کے بعد عذابِ آخرت تو اس سے کہیں بڑا ہے۔

ہم نے لوگوں کے سمجھانے کے لیے قرآن کو صاف عربی زبان میں نازل کیا ہے۔ جب تمہیں اس کے سمجھانے کے لیے کسی ترجمان کی ضرورت نہیں۔ تمہاری مادری زبان ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ تم اس کے معانی و مطالب پر غور نہیں کرتے۔ کوئی مضمون اینچ پینچ سے نہیں بیان کیا گیا کہ سمجھ میں نہ آئے۔

آیت نمبر ۳۰ میں شرک و توحید کی ایک بڑی واضح مثال دی گئی ہے۔ ایک غلام کے آقا کئی لوگ ہیں جو بدمزاج اور جھگڑالو ہیں۔ وہ جس کی اطاعت نہیں کرتا وہی اسے مارتا ہے تو ایسے غلام کی جان کیسی ضیق میں ہوگی۔ سب کو کیسے راضی کرے گا۔ دُوسرا غلام ایک ہی شخص کی ملکیت ہے۔ وہ اپنے کو ہر طرح خوش رکھ سکتا ہے۔ مثلاً پہلے غلام کا ایک آقا بُدھ ازم رکھتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ غلام بُدھ مت کے مطابق عبادت کرے۔ دوسرا ہندُو ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ ہندوؤں کی سی عبادت کرے۔ تیسرا یہودی ہے۔ چوتھا نصرانی ہے۔ وہ اپنے اپنے طریقہ پر اُسے رکھنا چاہتے ہیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ وہ غلام ہر دین کے مطابق عمل کر سکے۔

کفار و مشرکین کو سمجھایا جا رہا ہے کہ تم کئی کئی بتوں کو اپنا معبُود بنائے ہوئے ہو۔ اگر یہ سب تم سے ایک ہی طریقۂ عبادت چاہتے ہیں تو پھر ان سب کی ضرورت کیا ہے۔ کسی ایک کا دامن پکڑ لو۔ اور اگر ان کا طریقۂ عمل جُدا جُدا ہے تو تمہاری جان جھگڑے میں پڑ جائے گی۔ مثلاً ایک دیوتا کے سامنے ہتیا کرنا عین عبادت ہے،

دوسرے کے نزدیک جیو ہتیا کرنا پاپ ہے۔ بتاؤ دونوں کو کیسے خوش رکھ سکو گے۔ اور اگر ایک ہی خدا کے ماننے والے ہو تو یہ دقت پیش نہ آئے گی۔ یہ توحید انسانی معاشرہ کی جان ہے۔ ایک خدا کا ماننا آپس میں اختلافی صورت پیدا نہ کر سکے گا۔

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ سے یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ خدا کے سوا سب کو موت ہے۔ خواہ کوئی نبی ہو یا رسول۔ جب سب کو مرنا ہے اور ایک دن خدا کے سامنے ہونا ہے تو ہر ایک کے سامنے اس کا انجام آ جائے گا۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ط
اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ
بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۳۳﴾ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ط ذٰلِكَ
جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۴﴾ صلے لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ عَمِلُوْا وَ
يَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۳۵﴾ اَلَيْسَ اللّٰهُ
بِكَافٍ عَبْدَهٗ ط وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ط وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ
فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۶﴾ ج وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ط اَلَيْسَ
اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِي انْتِقَامٍ ﴿۳۷﴾

اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو خدا پر جھوٹ بولے اور جب سچی بات اس کے پاس آئے تو اُسے جھٹلا دے۔ کیا کافروں کا ٹھکانہ جہنم نہیں ہے۔ اور جو شخص سچائی کو لایا (رسول) اور جس نے اس کی تصدیق کی اور یہی پرہیزگار لوگ ہیں۔ یہ لوگ جو چاہیں گے ان کے لیے خدا کے پاس وہی چیز ہے۔ نیکی کرنے والوں کا تو یہی بدلہ ہے تاکہ اللہ ان کی بُرائیوں کو جو انہوں نے کی ہیں بدل دے اور جو اچھے کام وہ کر چکے تھے اس کا ثواب عطا فرمائے۔ کیا خدا اپنے بندوں کی مدد کے لیے کافی نہیں ہے۔ اے رسول، لوگ تمہیں خدا کے سوا دوسرے معبودوں سے ڈراتے ہیں۔ جس کو خدا گمراہی میں چھوڑ دے اس کا ہدایت کرنے والا کوئی نہیں اور جس کو اللہ ہدایت کرے اس کو گمراہ کرنے والا کوئی نہیں۔ کیا خدا زبردست اور بدلہ لینے والا نہیں۔

اب یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ جن لوگوں نے اللہ کے متعلق جھوٹ بولا اور اس کے لیے بیٹیاں اور بیٹے بنا کھڑے کیے اور جب رسولؐ نے قرآن کو ان کے سامنے پیش کیا تو اس کو جھٹلایا۔ ان کی رسالت کی تکذیب بھی کی۔ تو ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنّم کے سوا اور کہاں ہو گا۔ متقی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس خبر کی تصدیق کی جو رسولؐ خدا کی طرف سے لے کر آئے تھے۔

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖۤ۔ اگرچہ اکثر مفسرین نے جَآءَ بِالصِّدْقِ سے مراد توحید یا قرآن کو لیا ہے تو اس کو جھٹلانے والا منکرِ توحید ہو گا۔ لیکن حضرات اہلسنت کے ایک زبردست عالم حافظ ابن مردویہ نے لکھا ہے کہ جو شخص رسالتمآبؐ کو علیؑ کے بارہ میں جھٹلائے وہ مراد ہے۔ پس صدق سے حضرت علیؑ کے بارہ میں حضرت رسولِؐ خدا کا فرمانا مراد ہوا۔

علاوہ بریں سب سے پہلے جس نے ماجاء بہ النبی کی تصدیق کی وہ حضرت علی علیہ السلام ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ صدیق تین ہیں، مومن آلِ فرعون جس نے حضرت موسٰیؑ کی تصدیق کی۔ حبیب النجار جس نے حضرت عیسٰیؑ کی تصدیق کی۔ اور علیؑ ابن ابی طالب جنہوں نے حضرت رسولِؐ خدا کی تصدیق کی۔ اسی لیے حضرت علی علیہ السلام فرمایا کرتے تھے اَنَا الصِّدِّیْقُ الْاَکْبَرُ لَا یَقُوْلُ بَعْدِیْ اِلَّا کَاذِبٌ مُّفْتَرٍ۔ (میں سب سے بڑا تصدیق کرنے والا ہوں میرے بعد ایسا نہیں کہے گا مگر جھوٹا مفتری۔)

اس کے بعد کہا گیا ہے کہ ان کے ربّ کے پاس جو کچھ ہے اس میں سے جو کچھ وہ چاہیں گے ان کو دیا جائے گا۔ یہاں یہ نہیں کہا گیا کہ جنت میں جو چاہیں گے دیا جائے گا بلکہ عند ربّھم کہا گیا ہے یعنی ان کے ربّ کے پاس جو ہے۔ تو ان کے ربّ کے پاس کیا نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کتنا صاحبِ عظمت ہے وہ شخص جو رسولؐ اللہ کا مصدقِ اوّل ہے۔ یعنی علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام۔ پس اس کے بعد اگر علیؑ کو قسیم النار والجنۃ کہا جائے تو کیا قابلِ اعتراض ہے۔

مشرکین حضرت رسولِؐ خدا کو یہ کہہ کر ڈرایا کرتے تھے کہ تم ہمارے بتوں کو بُرا کہہ کر اچھا نہیں کرتے۔ یہ بڑی بُری بات ہے۔ یہ بڑی ہستیاں ہیں۔ کس کی طاقت ہے کہ ان کا مقابلہ کر سکے۔ اگر تم نے ان کو بُرا کہنا نہ چھوڑا تو ایک دن یہ تمہیں دے پٹکیں گے۔ وہ ظالم یہ نہیں جانتے تھے کہ اللہ کی قوت کیا ہے۔ بتوں میں کوئی طاقت نہیں۔

خدا جسے گمراہی میں چھوڑ دے گا پھر اسے کوئی طاقت نہیں سنبھال سکتی اور جسے راہِ راست پر لگا دے گا پھر کوئی وہاں سے ہٹا نہیں سکتا۔ وہ وقت آ رہا ہے کہ خدا تم سے اس سرکشی کا بدلہ لے کر رہے گا۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖۤ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ؕ

قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ؕ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۳۸﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۴۰﴾ اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَاۤ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۴۱﴾ ع ۱۸/۴

(اے رسول) اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمان و زمین کس نے پیدا کیے تو کہہ دیں گے، اللہ نے، تم ان سے کہو، ذرا اس پر تو غور کرو، اگر اللہ کسی کو نقصان پہنچانا چاہے تو کیا یہ لوگ (بت) نقصان کو دُور کر سکتے ہیں۔ اور اگر خدا مہربانی کرنا چاہے تو کیا وہ لوگ اس کی مہربانی کو روک سکتے ہیں۔ اے رسول، تم کہہ دو کہ خدا میرے لیے کافی ہے۔ اسی پر بھروسہ کرنے والے بھروسہ کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ اے قوم، تم اپنی جگہ پر جو عمل چاہو کیے جاؤ، میں اپنی جگہ جو کچھ کر رہا ہوں۔ عنقریب تمہیں (اپنے عمل کا نتیجہ) معلوم ہو جائے گا کہ کس پر آفت آتی ہے جو دُنیا میں اُسے رسوا کرے گی اور آخرت میں اس پر دائمی عذاب بھی نازل ہو گا، ہم نے تم پر قرآن سچائی کے ساتھ نازل کیا ہے پس جو ہدایت پائے گا تو اپنے ہی لیے پائے گا اور جو گمراہ ہوا تو گمراہی کا وبال اُسی پر ہو گا اور تم کچھ ان کے ذمہ دار تو نہیں ہو۔

پہلی آیت کے متعلق سوال یہ ہے کہ اگر کفار و مشرکین اللہ کو مانتے تھے اور خالقِ ارض و سماوات جانتے تھے تو پھر ان کو مشرک کیوں کہا جاتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ وہ خدا کو مانتے تو تھے لیکن جن صفات کے ساتھ مانتے تھے خدا کی ذات ان سے منزہ و مبرّا ہے۔ دوسرے وہ بتوں کو خدا کا شریک بھی سمجھتے تھے۔ ان کے عقیدہ میں خدا تک پہنچانے کا ذریعہ بُت تھے۔

خدا فرماتا ہے، اے رسولؐ تم ان سے یہ پوچھو کہ تم جن کو اپنا معبود سمجھتے ہو کیا ان میں یہ طاقت ہے کہ اگر خدا کسی کو نقصان پہنچانا چاہے تو یہ روک دیں یا فائدہ پہنچانا چاہے تو اُسے نہ پہنچانے دیں۔ پس جب خدا

کی بارگاہ میں ان کا کوئی دخل ہی نہیں تو پھر تم نے انہیں اپنا معبود کیسے بنا لیا۔

پھر رسولؐ سے کہا جا رہا ہے کہ تم ان سے کہو میں تو اپنا کام کیے جا رہا ہوں اس سے رکتا نہیں۔ تمہارا جو جی چاہے کرو۔ تم مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے اور نہ مجھے کارِ تبلیغ سے روک سکتے ہو۔ تمہیں بہت جلد پتہ چل جائے گا کہ کون ذلیل ہوا اور کس کے سر پر عذاب آ کھڑا ہوا۔ تم اگر ہدایت یافتہ بنو گے تو تمہارا ہی فائدہ ہوگا اور اگر گمراہی میں پڑے رہو گے تو اس کا وبال تمہارے ہی سر پڑے گا۔ رسولؑ کا کام صحیح راستہ کا دکھانا ہے۔ اس پر منزلِ مقصود تک پہنچانے کی ذمہ داری نہیں۔

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ج فَيُمْسِكُ
الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰۤى اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ط اِنَّ فِيْ
ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (۴۲) اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ط
قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ (۴۳) قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ
جَمِيْعًا ط لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (۴۴) وَاِذَا ذُكِرَ
اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ج وَاِذَا ذُكِرَ
الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ (۴۵)

خدا ہی لوگوں کے مرنے کے وقت ان کے نفس (اپنی طرف) کھینچ بلاتا ہے اور جو لوگ نہیں مرے ان کے (نفس) خواب میں کھینچ لیے جاتے ہیں پس جن کے بارہ میں خدا موت کا حکم دے چکا ہے ان کے نفس کو روک رکھتا ہے اور باقی (سونے والوں کے نفسوں) کو پھر ایک وقت تک کے لیے بھیج دیتا ہے۔ اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لیے قدرت کی بہت نشانیاں ہیں۔ کیا ان لوگوں نے خدا کے سوا دوسرے سفارشی بنا رکھے ہیں۔ اے رسول تم کہہ دو کہ جب وہ لوگ

نہ کچھ اختیار رکھتے ہوں اور نہ کچھ سمجھتے بوجھتے ہوں پھر بھی ان کو سفارشی بناؤ گے۔ تم کہہ دو کہ ساری سفارش تو خدا کے لیے خاص ہے۔ سارے آسمانوں اور زمین کی حکومت تو بس اسی کے لیے ہے۔ اور پھر لوگوں کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اور جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل منتشر ہو جاتے ہیں اور جب خدا کے سوا اور معبودوں کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کی باچھیں کھل جاتی ہیں۔

نفسِ انسانی جو عقل و تمیز کی کنجی ہے سوتے وقت بدن سے بے خبر ہو جاتا ہے اور اس کے تمام حواس معطل ہو جاتے ہیں اور مثل مُردوں کے بن جاتا ہے پس جن کو ابھی نہیں مرنا ہے ان کے نفس کو واپس بھیج دیا جاتا ہے اور نیند کے بعد وہ جاگ اُٹھتے ہیں اور جنکو مرنا ہے انکی (روح) اور نفس کو واپس نہیں بھیجا جاتا۔ یہ سب کچھ خدا کے اختیار میں ہے۔ کوئی شخص یہ نہیں جانتا کہ اس کی زندگی کا وقت کب پورا ہو جائے گا۔ ایک شخص بولتا چالتا دنیا سے اُٹھا لیا جاتا ہے اور ہر ایک کو وقتِ معین تک زندہ رکھا جاتا ہے۔ نہ تو کوئی موت کا وقت جانتا ہے اور نہ کوئی آنے والی موت کو روک سکتا ہے۔ کیا یہ خدا کی قدرت کی نشانیوں میں سے نہیں ہے۔

جن لوگوں کا یہ گمان ہے کہ ان کے جھوٹے معبود سفارش کر کے انہیں بچا لیں گے وہ دھوکہ میں ہیں دوسروں کی سفارش تو بڑی بات ہے وہ تو اپنے بچانے پر بھی قادر نہ ہوں گے۔ سفارشوں کا قبول کرنا یا نہ کرنا تو خدا کے اختیار میں ہے۔ آسمان و زمین سب اسی کے ہیں۔ اسی کے قبضۂ اختیار میں ہیں اور اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ کسی کی طاقت نہیں کہ اپنے کو اس کے سامنے حاضر ہونے سے روک سکے۔

ان مشرکوں کی حالت یہ ہے کہ جب ان کے سامنے خدا کی صفات بیان کی جاتی ہیں تو حواس باختہ ہو جاتے ہیں۔ انہیں سننا گوارا نہیں کرتے۔ ہاں جب ان کے بتوں کی تعریف کی جاتی ہے تو خوشی سے پھولے نہیں سماتے۔ مادہ پرستی ان پر غالب ہے وہ کسی ایسی ذات کو معبود ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے جو انہیں نظر نہیں آتا اور جس کے صفات، انسانی صفات سے بالکل الگ تھلگ ہوں۔ رہے بُت، چونکہ ان کے مجسمے ان کے سامنے ہوتے ہیں لہٰذا ان کو معبود بنانے پر بخوشی راضی ہو جاتے ہیں اور ان کے اندر ان تمام کو فرض کر لیتے ہیں جو ایک مقتدرِ اعلیٰ کے لیے ہونی چاہئیں۔ قرآن جا بجا ان کو بتاتا چلا آ رہا ہے کہ ان بتوں کے اندر کوئی قدرت نہیں وہ کچھ نہیں کر سکتے۔

قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ
بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ (۴۶) وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا

مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ
وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ (۴۷) وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا
وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (۴۸) فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ
دَعَانَا ز ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ ؕ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ
وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (۴۹)

(اے رسول کہہ دو) اے خدا اے آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے، اے ظاہر و باطن کے جاننے والے جن باتوں میں تیرے بندے آپس میں جھگڑا کر رہے ہیں تو ہی ان کے درمیان فیصلہ کرے گا۔ اگر نافرمانوں کے پاس روئے زمین کی ساری کائنات ہو بلکہ اس کے ساتھ اتنی ہی اور بھی ہو اور وُہ قیامت کے دن سخت عذاب کا بدلہ دینا چاہیں تو ان کے سامنے خدا کی طرف سے وُہ بات پیش آئے گی جس کا انہیں وہم و گمان بھی نہ تھا اور جو بدکرداریاں انہوں نے کی ہیں وہ سب ان کے سامنے کھل جائیں گی اور جس عذاب کے متعلق یہ لوگ قہقہے لگاتے تھے وہ انہیں لے ڈالے گا۔ انسان کو جب کوئی بُرائی چھُو جاتی ہے تو ہم سے دُعائیں مانگنے لگتا ہے اور جب ہم اُسے اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا کرتے ہیں تو کہنے لگتا ہے یہ تو صرف میرے علم کے زور سے مجھے ملی ہے۔ مگر یہ تو ایک آزمائش ہے جسے ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے ۔

آیت نمبر ۴۷ کا مطلب یہ ہے کہ روئے زمین پر جن لوگوں نے خدا کی نافرمانی کی ہے وہ عذابِ الٰہی سے بچ نہیں سکتے۔ چاہے وہ یہ تمام دنیا بلکہ ایسی ایک اور دنیا بدلہ میں دے کر اپنے کو عذاب سے بچانا چاہیں تو بھی نہیں بچا سکتے۔ وہاں ان کے سارے کرتوتوں کے اثر پتّر کھول کر رکھ دیئے جائیں گے اور وہ عذاب انہیں گھیر لے گا جس کا وہ مذاق اُڑاتے تھے ۔

انسان کی حالت یہ ہے کہ جب اس پر کوئی مصیبت آتی ہے تو ہمیں پکارنے لگتا ہے اور جب ہم اس کو اپنی کوئی نعمت عطا کرتے ہیں تو کہتا ہے یہ تو میری حُسنِ تدبیر کا نتیجہ ہے، خدا کا اس میں کیا دخل۔ وہ سمجھتا نہیں کہ یہ

ایک طرح کی آزمائش ہے کہ جب ہم نعمتیں دیتے ہیں تو وہ ہمارا شکریہ ادا کرتا ہے یا نہیں اور جب کسی مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے تو ہم سے لَو لگاتا ہے یا نہیں۔ ہم سے فریاد کرتا ہے یا نہیں۔

قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (۵۰)
فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ؕ وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰٓؤُلَآءِ سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ
مَا كَسَبُوْا ۙ وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ (۵۱) اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ
الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (۵۲) ع ٥ ١١ ٢
قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (۵۳) وَاَنِيْبُوْٓا
اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ
لَا تُنْصَرُوْنَ (۵۴)

جو لوگ ان سے پہلے تھے وُہ بھی ویسی ہی باتیں کیا کرتے تھے (جب عذاب آیا) تو ان کی کارستانیاں کچھ بھی ان کے کام نہ آئیں۔ غرض انہیں اپنے بُرے اعمال کے نتیجے بھگتنے پڑیں گے اور یہ لوگ ہمیں عاجز نہیں کر سکتے۔ کیا انہیں یہ معلوم نہیں کہ اللہ جس کا رزق چاہتا ہے بڑھا دیتا ہے جس کا چاہتا ہے گھٹا دیتا ہے۔ اس میں ایماندار لوگوں کے لیے قدرت کی نشانیاں ہیں۔ اے رسول کہو، اے میرے ایماندار بندو جنہوں نے (گناہ کر کے) اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہول۔ اللہ سارے گناہوں کو بخش دیتا ہے اور وہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ تم اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور اس کے فرمانبردار بن جاؤ، اس سے پہلے کہ تم پر عذاب نازل ہو

اور پھر تمہاری مدد نہ کی جاسکے ۔

ان مشرکین مکہ سے پہلے بھی جو کفار و مشرکین گزر چکے ہیں وہ بھی خدا کے متعلق ایسی ہی بکواس کیا کرتے تھے جیسی یہ کیا کرتے ہیں۔ لیکن اس کی سزا یہ ملی کہ جو عذاب آنا تھا وہ ان پر آ ہی گیا۔ کیا یہ احمق خدا کے عاجز بنانے کی فکر میں تھے۔ ان کو یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ روزی کو کشادہ کرنا اور کم کرنا اس کے اختیار میں ہے۔ اگر وہ قحط کا عذاب لاتا ہے تو کون روک سکتا ہے اور اگر کھیتوں میں خوب غلہ پیدا ہو تو کس کی یہ طاقت ہے کہ زمین کی اس پیداوار کو کم کر دے۔

جو لوگ ایماندار ہیں مگر بھولے بسرے گناہ کر جاتے ہیں تو ان کی تسلی کے لیے کہا جا رہا ہے کہ اللہ کی رحمت اور بخشش سے مایوس نہ ہوں، اس سے توبہ و استغفار کرو۔ دل کو اسی سے لگائے رکھو۔ اس کی اطاعت و فرمانبرداری پر کمر باندھو۔ وہ ایسا غفور و رحیم ہے کہ تمہارے گناہ بخش دے گا۔

وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ
الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۙ﴿۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى
عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِىْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ۙ﴿۵۶﴾ اَوْ
تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِىْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۙ﴿۵۷﴾ اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ
تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِىْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾

اور جو اچھی باتیں تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل ہوئی ہیں ان پر چلو۔ اس سے پہلے کہ تم پر یکبارگی عذاب نازل ہو اور تمہیں خبر بھی نہ ہو (کہیں ایسا نہیں کہ) تم میں سے کوئی شخص یہ کہنے لگے ہائے افسوس میری اس کوتاہی پر جو میں نے تقرب خدا حاصل کرنے میں کی اور میں تو ان باتوں پہ ہنستا ہی رہا یا یہ کہنے لگے کہ اگر خدا میری ہدایت کرتا تو میں ضرور پرہیزگاروں میں سے ہوتا یا جب عذاب آتا دیکھے تو کہنے لگے کاش مجھے دنیا میں پھر جانا ملے تو میں نکوکاروں میں سے ہو جاؤں۔

جنب اللہ۔ حضرت علی علیہ السلام کا لقب ہے بہ سبب خدا سے انتہائی قربت کے مطلب یہ ہے کہ منافقین حسرت سے کہیں گے کہ کاش ہم نے اہل بیتؑ کی پیروی میں کوتاہی نہ کی ہوتی اور حضرت علیؑ کی فضیلت کا مذاق نہ اڑایا ہوتا۔ لیکن قیامت کے روز ایسی باتیں کرنے سے کیا فائدہ ہو گا۔ توبہ استغفار کرنے اور نیک عمل کر کے دکھانے کا وقت گزر چکا ہو گا۔

بعض مفسرین نے جنب اللہ کا مطلب یوں بیان کیا ہے کہ کتاب خدا کے بہترین پہلو سے درگزر نہ کرنا۔ لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی، کیونکہ کتاب خدا میں تو کوئی پہلو بھی ناقص نہیں۔ پھر بہترین و کمترین کا کیا سوال۔ یہ سب کوششیں حضرت علی علیہ السلام کی فضیلت کو مٹانے کے لیے ہیں۔

حقیقی معنی جنب اللہ کے ہیں "اللہ کا پہلو"۔ جیسا کہ ید اللہ و عین اللہ محتاج تاویل ہیں۔ اسی طرح پہلو سے مراد انتہائی قربت ہی ہو سکتی ہے اور رسولؐ کے بعد سب سے زیادہ قربت صرف حضرت علیؑ کو حاصل تھی۔

بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِىْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ
الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۹﴾ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ
مُّسْوَدَّةٌ ؕ اَلَيْسَ فِىْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۶۰﴾ وَيُنَجِّى اللّٰهُ الَّذِيْنَ
اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۡ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۱﴾ اَللّٰهُ خَالِقُ
كُلِّ شَىْءٍ ۡ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۶۲﴾

ہاں، تیرے پاس میری نشانیاں آئیں تو نے ان کو جھٹلایا اور تکبر کیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔ اور جن لوگوں نے خدا پر جھوٹے بہتان باندھے قیامت کے دن تم دیکھو گے کہ ان کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ کیا انکار کرنے والوں کا ٹھکانہ جہنم نہیں ہے اور جو لوگ پرہیزگار ہیں انہیں ان کی کامیابی (اور سعادت) کے سبب نجات دے گا اور انہیں کوئی تکلیف چھوئے گی ہی نہیں اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔ اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز کا نگہبان ہے۔

لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ

هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (۶۳) قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ (۶۴)
وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ
لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (۶۵) بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَ
كُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ (۶۶) وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ
جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ۭ سُبْحٰنَهٗ
وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (۶۷) وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي
السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۭ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى
فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ (۶۸) وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَ
وُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ
بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (۶۹)

خدا کے پاس آسمان و زمین کی کنجیاں ہیں جن لوگوں نے آیاتِ خدا سے انکار کیا وُہ گھاٹے میں رہے۔ اے رسول، کہدو اے جاہلو! تم مجھ سے کیا یہ چاہتے ہو کہ میں خدا کے سوا کسی اور کی عبادت کروں۔ اے رسول تمہاری طرف اور تم سے پہلے جو رسول گزر چکے ہیں ان کی طرف یہ وحی کی جا چکی ہے کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے تمام اعمال اکارت ہو جائیں گے اور تم خسارہ پانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔ پس اللہ کی عبادت کرو اور خدا کے شکر گزار بنے رہو۔ ان لوگوں نے جیسی کہ خدا کی قدر کرنی چاہیئے تھی کچھ بھی نہ کی اور روز قیامت یہ ساری زمین گویا اُس کی مٹھی میں ہوگی

اور سارے آسمان اُس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔ اور جسے یہ لوگ خدا کا شریک بناتے ہیں خدا اس سے پاک و پاکیزہ ہے اور جب صور پھونکا جائے گا تو جو بھی مخلوق آسمانوں اور زمین پر ہے بیہوش ہو کر گر پڑے گی (مر جائے گی) مگر جسے اللہ چاہے گا بچ جائے گا پھر دوسرا صور پھونکا جائے گا تو سب کے سب کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے اور زمین اپنے رب کے نُور سے جگمگا اُٹھے گی اور (اعمال کی) کتاب سب کے سامنے رکھ دی جائے گی اور پیغمبر اور گواہ حاضر کیے جائیں گے اور انصاف کے ساتھ ان کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائیگا۔

آیت نمبر ۶۳۔ آسمانوں اور زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں خدا کے پاس ہیں ہر ایک ارضی و سماوی شے پر اس کو پُورا پُورا اختیار ہے۔ ہر شے کا بنانے والا اور بگاڑنے والا وہی ہے۔

خدا نے کسی شخص کو شرک کرنے کی اجازت نہیں دی کیونکہ مشرک کا کوئی عملِ صالح قابلِ پذیرائی نہیں ہوگا۔ ایسے شخص نے جو اعمالِ خیر کیے ہوں گے وہ قابلِ جزا قرار نہ پائیں گے۔

لوگوں نے خدا کی عظمت و جلالت کو سمجھا ہی نہیں، ورنہ یہ لوگ بُتوں جیسی ناکارہ چیزوں کو خدائے وحدہٗ لاشریک کے مقابل لاکر کیوں رکھتے۔

زمین و آسمان پر پوری حکومت رکھنے کو مٹھی میں رکھنے سے تعبیر کیا گیا جس طرح کسی چھوٹی سی چیز کو انسان بغیر کسی زحمت کے مٹھی میں داب لیتا ہے ایسے ہی یہ سب آسمان و زمین روزِ قیامت اُس کی مٹھی میں دبے ہوئے ہونگے جیسے کوئی کسی کپڑے کو ہاتھ پر لپیٹ لیتا ہے اسی طرح یہ سب آسمان اس کی قدرت کے ہاتھ پہ لپٹے ہوئے ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں تمہاری نگاہوں میں بڑی لمبی چوڑی نظر آتی ہیں اُس کے سامنے ان کی کیا حقیقت ہے۔

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صور تین مرتبہ پھونکا جائے گا۔ پہلی بار سب دہشت زدہ ہو کر بیہوش ہو جائینگے دوسری بار سب مر جائیں گے تیسری بار پھر زندہ ہوں گے۔ ایک روایت میں قتادہ سے مروی ہے کہ پہلے دو صوروں کے درمیان چالیس برس کا فاصلہ ہوگا۔

کتاب سامنے رکھی جانے سے مراد ہے کہ ہر شخص کا نامۂ اعمال اُس کی گردن میں ڈالا جائے گا اور ہر ایک عمل کے متعلق گواہ طلب کیے جائیں گے ان میں فرشتے بھی ہوں گے انبیاء بھی ہوں گے اور ہر شخص کے اپنے اعضا بھی گواہی دیتے ہوں گے۔ اُس وقت کوئی بات کیسے چھوٹ سکے گی۔ جب ایسا ہے تو انسان کو چاہیئے کہ اپنی زندگی میں ہر قدم پُوری احتیاط سے اُٹھائے۔

وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ (۷۰) وَسِيْقَ

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا
وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ
رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ
حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۱﴾ قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ج فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۷۲﴾

جس شخص نے جیسا کیا ہو گا اس کو اس کا پورا بدلہ مل جائے گا اور جو کچھ یہ لوگ کرتے ہیں خدا اس سے خوب واقف ہے اور جو لوگ کافر تھے ان کے غول کے غول جہنّم کی طرف ہنکائے جائیں گے یہاں تک کہ جب جہنّم کے پاس آئیں گے تو اس کے دروازے کھلے ہوئے ہوں گے، اس کے پہرہ دار کہیں گے کیا تم میں سے کسی کے پاس ایسے رسول نہیں آئے تھے جو تمہارے رب کی آیات کو تمہارے سامنے تلاوت کرتے اور اس دن کی ملاقات سے تمہیں ڈراتے۔ وہ کہیں گے وہ آئے تو تھے لیکن (ہم نے ان کی بات مانی نہیں) کافروں کے عذاب کی بات ثابت ہو کر رہی۔ ان سے کہا جائے گا جہنّم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ یہیں تمہیں ہمیشہ رہنا ہے۔ سرکشی کرنے والوں کے لیے کیا بُری جگہ ہے۔

جب کسی کے متعلق یہ طے کر لیا جائے گا کہ اس کو جہنّم میں جانا ہے تو فرشتگانِ عذاب اسے کشاں کشاں جہنّم کی طرف لے جائیں گے۔ یہ تین قسم کے لوگ ہوں گے۔ اوّل مشرک دوسرے کافر تیسرے منافق۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے آلِ رسولؐ کے حق کو نہیں پہچانا اور طرح طرح سے انہیں ستایا اور ان کے حقوق کو غصب کیا وہ لوگ عذابِ جہنّم سے بچ نہیں سکتے۔ کیونکہ جن حضراتؑ سے ان کی ہدایت وابستہ تھی انہوں نے ان کا دامن چھوڑ کر اس طرح دوسروں کا دامن پکڑ لیا جیسے مشرکوں اور کافروں نے خدا کو چھوڑ کر دوسرے کو اپنا معبود بنا لیا تھا۔

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ؕ حَتّٰٓى اِذَا
جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ
عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ﴿۷۳﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ
لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ
الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ج فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۷۴﴾ وَ
تَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ
بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ج وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ
لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۵﴾ ع

اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے تھے وہ جنّت کی طرف بلائے جائیں گے۔ جب اس کے پاس پہنچیں گے تو جنّت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور ان کے پاسبان ان سے کہیں گے، سلامٌ علیکم! اچھے رہے پس وہ جنّت میں ہمیشہ کے لیے داخل ہو جائیں گے۔ وہ (مومن لوگ) کہیں گے، حمد ہے اس خدا کی جس نے اپنے وعدہ کو پورا کیا۔ اور اس زمین کا مالک بنایا کہ ہم جنّت میں جہاں چاہیں رہیں۔ پس اچھے کام کرنے والوں کا کیا اچھا بدلہ ہے اور (اے رسول) تم ملائکہ کو دیکھو گے کہ وہ عرش کے گرد گھیرا ڈالے ہونگے اور اپنے رب کی تسبیح کر رہے ہوں گے۔ اور لوگوں کے درمیان ٹھیک فیصلہ کر دیا جائے گا اور ہر طرف سے یہی صدا بلند ہو گی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔

⑩ سُوْرَةُ الْمُؤْمِنِ مَكِّيَّةٌ ⑥⓪

بسم اللہ الرحمن الرحیم ؕ

حٰمٓ ① تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ② غَافِرِ
الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ ؕ لَآ
اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ③ مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ④ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ
نُوْحٍ وَّالْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۢ بِرَسُوْلِهِمْ
لِيَاْخُذُوْهُ وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ قف
فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ⑤ وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا
اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ⑥ اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ
بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا
وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا
سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ⑦

وقف لازم
وقف النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۱۲

حا۔ میم، یہ کتاب سب پر غالب اور سب کچھ جاننے والے خدا کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔

جو گناہوں کا بخشنے والا اور توبہ کا قبول کرنے والا سخت عذاب دینے والا صاحبِ فضل وکرم ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور اسی کی طرف بازگشت ہے۔ آیاتِ خدا کے بارے میں وہی لوگ جھگڑا کرتے ہیں جو کافر ہیں۔ پس (اے رسول) ان لوگوں کا شہر شہر گھومنا (مال حاصل کرنا) تمہیں دھوکہ میں نہ ڈالے۔ ان سے پہلے قوم نوح نے اور ان کے بعد اور اُمتوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا تھا۔ ہر اُمّت نے اپنے رسول کے بارے میں یہ ارادہ کر لیا تھا کہ انہیں گرفتار کر کے (قتل کر ڈالیں) اور بیہودہ باتوں کی آڑ پکڑ کر لڑنے لگیں۔ تاکہ اس کے بعد حق بات کو اکھاڑ پھینکیں تو میں نے انہیں گرفتار کیا پھر دیکھا ان پر کیسا سخت عذاب آیا۔ اسی طرح تمہارے پروردگار کا عذاب کا حکم ان کافروں پر پورا ہو چکا ہے۔ یہ لوگ یقیناً جہنّمی ہیں۔ جو فرشتے عرش کو اُٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے گرد تعینات ہیں سب اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور اُس پر ایمان رکھتے ہیں اور مومنوں کی بخشش کے لیے دُعائیں مانگا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار، تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے تو جن لوگوں نے سچّے دل سے توبہ کر لی ہے اور تیرے راستہ پر چلے ہیں ان کو جہنّم کے عذاب سے بچا لے۔

آیت نمبر ۴ میں آیاتِ خدا میں جھگڑا کرنے سے یا تو یہ مراد ہے کہ یہ کافر لوگ انہیں کلامِ خدا مانتے نہیں اور اگر آیات سے مراد دلیلیں ہیں تو ان کو غلط ثابت کرنے کی جو کوشش کرتے ہیں اور ان پر خواہ مخواہ کی کج بحثی کر کے ان کو توڑنا چاہتے ہیں۔ اے رسولؐ، تم سے پہلے نوحؑ اور دیگر پیغمبروں کی جو اُمتیں تھیں انہوں نے کیا کچھ نہیں کیا۔ اوّل تو انبیاء کو جھٹلایا پھر ان کے قتل پر آمادہ ہوئے پھر جو حق بات تھی اس پر امرِ باطل کو غالب کرنا چاہا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے انہیں دھر پکڑا اور سخت عذاب نے ان کو لپیٹ میں لے لیا۔ یہ تو جہنّمی تھے ہی، اس لیے ایسی باتیں کرتے تھے۔ انہوں نے خدا کے عظمت وجلال کو سمجھا ہی نہیں۔ ان کی تو حقیقت ہی کیا ہے۔ جو عظیم المرتبت فرشتے عرش کو اُٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے آس پاس رہتے ہیں وہ ہر وقت اس کی حمد کی تسبیح میں مصروف رہتے ہیں۔ اور ہر طرح اس کے فرماں بردار ہیں اور اہلِ ایمان کے لیے دعائیں مانگتے رہتے ہیں۔

جو ایمان والے عہدِ رسالت میں مشرکین کے ظلم وستم سے سخت تنگ دل ہو رہے تھے ان کی تسلی کے لیے کہا جا رہا ہے کہ یہ بدبخت اگر تمہارا مرتبہ نہیں سمجھتے تو نہ سمجھیں۔ ہم تو اس مرتبہ پر فائز ہیں کہ سب سے بلند مرتبے والے فرشتے جو حاملانِ عرش ہیں وہ تمہارے لیے خدا سے دعائے مغفرت مانگتے ہیں اور تم کو عذابِ جہنم سے بچانے کی درخواست کرتے ہیں۔ پس اس چند روزہ تکلیف سے تم دل شکستہ نہ ہو۔ آخرت میں تمہیں اس کا بڑا اجر ملے گا۔ یہ دُنیا کیا اور اس کا عیش وآرام کیا۔

ہمیشہ کا آرام تو مرنے کے بعد تمہیں ملنے والا ہے۔ (سنو وہ اور کیا کہتے ہیں، اگلی آیات میں پڑھو)۔

رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِۨالَّتِیْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ
اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّیّٰتِهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۙ (۸)
وَقِهِمُ السَّیِّاٰتِ ؕ وَمَنْ تَقِ السَّیِّاٰتِ یَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ؕ وَذٰلِكَ
هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۧ (۹) اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ ع ۹ ۶
اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِیْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ (۱۰)
قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَیْنِ وَاَحْیَیْتَنَا اثْنَتَیْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا
فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِیْلٍ (۱۱) ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗٓ اِذَا دُعِیَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ
كَفَرْتُمْ ۚ وَاِنْ یُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ؕ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِیِّ الْكَبِیْرِ (۱۲)
هُوَ الَّذِیْ یُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ وَیُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ؕ وَمَا
یَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ یُّنِیْبُ (۱۳) فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ
وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ (۱۴)

اے ہمارے پروردگار انہیں جنّتِ عدن کے اُن باغوں میں داخل کر جن کا تُو نے ان سے وعدہ کیا تھا اور ان کے آباؤ و ازواج و اولاد میں جو تیرے نیک بندے تھے اُن کو بھی۔ بے شک تُو سب پر غالب اور حکمت والا ہے۔ ان کو ہر قسم کی بُرائیوں سے محفوظ رکھ اور جن کو تُو نے اس دن کے

عذاب سے بچا لیا اس پر بڑا رحم کیا اور ان کے لیے یہ بڑی کامیابی ہے۔ جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہے اُن سے پکار کر کہہ دیا جائے کہ جتنا تم آج اپنی جان سے بیزار ہو اس سے بڑھ کر خدا تم سے بیزار ہے۔ جب تم ایمان کی طرف بُلائے جاتے تھے تو کفر کرتے تھے۔ وہ لوگ کہیں گے، اے ہمارے پروردگار تو ہمیں دو بار مار چکا اور دو بار زندہ کر چکا تو اب ہم اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہیں تو کیا یہاں سے نکلنے کی کوئی سبیل ہے؟ یہ اس لیے ہے کہ جب خدائے وحدہٗ لاشریک کو پکارا جاتا تھا تو تم انکار کرتے تھے اور اگر اس کے ساتھ شریک کیا جاتا تھا تو تم مان لیتے تھے تو آج اس خدا کی حکومت ہے جو غالب اور بزرگ ہے۔ وُہ وہی تو ہے جو تم کو اپنی قدرت کی نشانیاں دکھاتا ہے اور تمہارے لیے آسمان سے روزی نکالتا ہے اور نصیحت کو بس وہی حاصل کرے گا جو اُس کی طرف رجوع کرتا ہے پس تم لوگ خدا کو سچّے دل سے پکارو اگرچہ کفّار بُرا مانیں۔

یعنی فرشتے نہ صرف نیک بندوں کے لیے دُعائے مغفرت کریں گے بلکہ ان کے آباؤ اجداد اور ازواج و اولاد کے لیے بھی۔ اللہ اللہ خدا کے نیک بندوں کو کیا مرتبہ حاصل ہے۔

آیت نمبر ۱۱ میں جو دو مرتبہ مرنے اور دو بار زندہ کرنے کا ذکر ہے۔ اس کے بارہ میں مفسّرین کا اختلاف ہے۔ قتادہ ضحاک اور ابنِ عباس کا خیال ہے کہ پہلی موت نطفہ کی حالت ہے اور دوسری موت زندگانی دنیا کے بعد کی ہے۔ اور پہلی بار زندہ کرنا شکمِ مادر میں زندہ کرنا ہے اور دُوسری دفعہ قیامت میں زندہ کرنا ہے۔ اور سدّی وغیرہ کا خیال ہے کہ پہلی موت دُنیا کی اور دوسری قیامت کے قبل کی ہے اور پہلی زندگی قبر میں سوال وجواب کی اور دوسری قیامت میں ہوگی۔ جبائی کا خیال ہے کہ پہلی زندگی دُنیا میں اور دوسری قبر میں۔ اور پہلی موت دنیا میں اور دوسری قبر میں۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی قابلِ قبول نہیں۔ کیونکہ نہ نطفہ کی حالت کو کوئی مارنا کہہ سکتا ہے اور نہ پیدائش کو زندہ کرنا۔ اس طرح قبر کی قلیل زندگی کو نہ کوئی زندگی کہہ سکتا ہے اور اس مرنے کو مرنا۔ جس طرح افاقۃ الموت کو کوئی صحّت نہیں کہہ سکتا اور نہ سونے کے بعد جاگ اُٹھنے کو زندہ ہونا کہا جاتا ہے۔ صحیح خیال یہ ہے کہ پہلی موت ہے زندگی کے بعد کی موت، دوسری موت ہے رجعت کے بعد کی۔ اور پہلی مرتبہ زندہ ہونا رجعت کا زندہ کرنا اور دوسری دفعہ زندہ کرنے سے قیامت میں زندہ کرنا ہے۔ (منقول از ترجمہ قرآن مولانا فرمان علی صاحب مرحوم)۔

کفار و مشرکین چونکہ قیامت میں مرنے اور زندہ ہونے کو نہیں مانتے تھے اس لیے اس کے منکر تھے۔ بہرحال قرآن میں دو بار زندہ ہونے اور دو بار مرنے کا ذکر ہے۔ ان کو اپنے گناہوں کا اعتراف کرنا ہوگا اور چاہیں گے کہ دوزخ سے نکلنے کی کوئی صورت پیدا ہو جائے لیکن یہ ممکن نہ ہوگا۔ یہ سزا ان کو خدا کی خدائی سے انکار کرنے کی بنا پر ملے گی۔ دُنیا میں رہ کر تم نے اس بات پر غور نہ کیا کہ اس مرنے کے بعد پھر تمہیں زندہ ہو کر خدا کے سامنے جانا ہے۔ اب تو تم نے دونوں بار زندہ ہونا اور دونوں بار مرنا دیکھ لیا۔ پس جب قیامت میں زندہ ہو کر تم خدا کے سامنے آؤ گے تو جس عذاب کا

وعدہ کیا تھا وہ بھی پُورا ہو کر رہے گا۔

رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ يُلْقِى الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ⑮ يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَىْءٌ ؕ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ؕ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ⑯ اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ ؕ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ⑰ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ؕ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ⑱ ؕ يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِى الصُّدُوْرُ ⑲ وَاللّٰهُ يَقْضِىْ بِالْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَىْءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ⑳ ع ۲ ۱۱ ۷

وُہ بڑا عالی مرتبہ ہے۔ عرش والا ہے وُہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے صاحبِ وحی بنا دیتا ہے تاکہ وہ قیامت کے دن سے ڈرائے۔ جس دن وہ قبروں سے نکل پڑیں گے ان کی کوئی بات اللہ سے پوشیدہ نہیں۔ اس روز ندا ہوگی (بتاؤ) آج کس کی حکومت ہے؟ (خود ہی فرمائے گا) اُس خدا کی ہے جو واحد ہے اور سب پر غالب ہے۔ آج ہر نفس کو جو اس نے عمل کیا ہوگا اُس کا بدلہ ملے گا۔ آج کسی پر ظلم نہیں ہوگا۔ بے شک اللہ بہت جلد حساب کرنے والا ہے ان لوگوں کو اس آنے والے دن سے ڈراؤ جب کہ لوگوں کے دل گھٹ گھٹ کے (خوف کے مارے)

منہ کو آجائیں گے اور ظالموں کا نہ کوئی دوست ہوگا نہ کوئی شفاعت کرنے والا جس کی اطاعت کی جائے۔ خدا دزدیدہ نگاہوں کو بھی جانتا ہے اور جو دلوں میں چھپا ہُوا ہے اسے بھی۔ اور اللہ ٹھیک ٹھیک حکم دیتا ہے۔ جو لوگ خدا کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں وہ کچھ بھی حکم نہیں دے سکتے اور بیشک اللہ سب سے اچھا سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

یلقی الروح سے مراد روحِ نبوتی ہے۔ اس روحِ خاص کو جو آراستہ کمالات ہے اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ وہی بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کو کہاں قرار دے۔ نبی یا رسول کو جو کچھ ملتا ہے اُسے کوئی شخص بطور اکتساب پیدا نہیں کر سکتا۔ نبی کے فرائض میں ایک یہ بھی ہے کہ وہ لوگوں کو عذابِ آخرت سے ڈرائے اور زندگی کے ایسے طریقے بتائے جو عذابِ آخرت سے بچانے والے ہوں لیکن ایسا جب ہی ہو سکتا ہے جب وہ ان چیزوں سے بچے جن سے وہ دوسروں کو بچانا چاہتا ہے۔

محشر میں جب وہ سب لوگ جو آدمؑ سے لے کر وقتِ قیامت تک پیدا ہوئے ہوں گے حاضر ہوں گے۔ اس وقت قدرت کی آواز آئے گی۔ بتاؤ آج کس کی خدائی ہے۔ تم دنیا میں بڑی بڑی حکومتیں کرکے آئے ہو۔ اپنے برابر کسی کو سمجھتے ہی نہ تھے۔ اب بتاؤ تمہاری وہ حکومتیں کہاں گئیں۔ وہاں کس کی مجال ہوگی کہ زبان کھول سکے۔ ہر طرف سناٹا چھایا ہوا ہوگا۔ اس وقت خدا خود فرمائے گا **للہ الواحد القہار**۔ آج اُس خدا کی حکومت ہے جو ایک ہے اور جو تمام طاقتوں کو زیر کرنے والا ہے۔ دُنیا میں جو کچھ کسی نے کیا ہوگا خواہ چھوٹا سا کام ہو یا بڑا۔ سب کا حساب لیا جائے گا اور ہر ایک عمل کے مطابق اس کو بدلہ دیا جائے گا۔

کسی نے امیرالمومنین علیہ السّلام سے پوچھا کہ خدا اتنی کثیر مخلوق کا حساب اتنی جلد کیسے کرے گا۔ فرمایا، اس طرح جیسے ایک وقت میں سب کو روزی تقسیم کر دیتا ہے۔

قیامت کا دن معمولی دن نہ ہوگا۔ خدا اس کی سختی سے ہر بندۂ مومن کو بچائے۔ لوگوں کے اضطراب کی یہ صورت ہوگی کہ کلیجے منہ کو آ رہے ہوں گے۔ کچھ سمجھ میں نہ آتا ہوگا کہ کیا کریں۔ وہاں نہ کوئی کسی کا دوست ہوگا نہ کوئی سفارش کرنے والا۔ دُنیا کے سارے رشتے تمام تعلقات قطع ہو جائیں گے۔ جن بتوں سے دیوی دیوتاؤں سے پیروں اور شہیدوں سے سفارش کی امّید تھی وہ خود بے بسی کے عالم میں کھڑے تھرتھرا رہے ہوں گے۔ دزدیدہ نگاہوں سے بُرے خیال سے اگر کسی کو دیکھا ہوگا یا دل میں کسی بُرے خیال کو بسایا ہوگا وہ سب سامنے موجود ہوگا۔ بھلا اللہ کے سامنے کون سی بات چھُپنے والی ہوگی۔ خدا کے سوا جن بتوں کو جنّات کو دیوی دیوتاؤں کو پُوجتے رہے تھے۔ اب وہ کہیں ڈھونڈے نظر نہ آئیں گے اور اگر مل بھی جائیں گے تو صاف انکار کر دیں گے کہ ہمارا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ ہم نے کب ان سے کہا تھا کہ خدا کو چھوڑ کر ہماری عبادت کرو۔ یہ خود ہی گمراہ ہو گئے تھے۔ ہم ان کی کیا مدد کریں۔ جب کہ ہم خود ہی محتاجِ امداد ہیں۔

* * *

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۲۱﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۲﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۳﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿۲۴﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ؕ وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۲۵﴾

کیا ان (کافروں اور مشرکوں) نے رُوئے زمین پر چل پھر کر نہیں دیکھا تاکہ ان کو پتہ چلتا کہ ان سے پہلے لوگوں کا (جو انہی کی طرح تھے) کیا انجام ہوا۔ وہ تو ان سے زیادہ طاقتور لوگ تھے اور رُوئے زمین پر بڑی بڑی عمارتیں انہوں نے بنا کھڑی کی تھیں۔ اللہ نے ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں لے ڈالا اور خدا کے غضب سے کوئی ان کو بچانے والا نہ تھا۔ یہ سب اس لیے تھا کہ جب کبھی ہمارے رسول ان کے پاس آئے تو انہوں نے ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا پس اللہ نے ان کو دھر پکڑا۔ وہ بے شک قوی ہے اور سخت عذاب کرنے والا ہے۔ ہم نے موسٰی کو معجزات اور روشن دلائل کے ساتھ فرعون و ہامان اور قارون کی طرف بھیجا تھا تو انہوں نے کہا، یہ جادوگر اور جھوٹا ہے۔ جب موسٰی ہماری طرف سے سچا دین لے کر ان کے پاس آئے تو وُہ کہنے لگے کہ جو لوگ موسٰی پر ایمان لائے ہیں ان کے لڑکوں کو قتل کر ڈالو اور ان کی لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دو اور کافروں کی یہ چالیں گمراہی کے

سوا اور کیا تھیں۔

کفارِ مکہ اس خیال میں مست تھے کہ ہماری طاقت چونکہ زیادہ ہے اس لیے ہم رسولِ اسلام کو شکست دے کر رہیں گے۔ ان کو بتایا جا رہا ہے کہ احمقو، تم تو ہو ہی کیا۔ تم سے پہلے جو قومیں گزر چکی ہیں وہ دولت و قوت میں تم سے کہیں زیادہ تھیں۔ جب انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا تو دیکھو ان پر کیسے سخت سے سخت عذاب آئے۔ ان کے کھنڈر اب بھی سطحِ ارض پر موجود ہیں۔ انہیں جا کر دیکھو تو تمہیں پتہ چلے گا کہ خدا نے ان لوگوں کو کس طرح تہس نہس کیا تھا فرعون و ہامان و قارون کے قصے نہیں پڑھے۔ انہوں نے سالہا سال میں اسرائیل پر یہ ظلم کیا کہ ان کے لڑکوں کو پیدا ہوتے ہی قتل کر دیتے تھے اور لڑکیوں کو زندہ رکھ کر ان سے نوکرانیوں کا سارا کام لیتے تھے۔ موسٰیؑ کی اُنہوں نے تکذیب کی، اُن کو جادوگر بتایا۔ لیکن ان سرکشیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا نے ان سب کو اور ان کے تابعین کو ہلاک کر ڈالا۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ ﴿۲۶﴾ وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۲۷﴾ ع

(اور فرعون نے تو یہاں تک زور باندھے تھے) کہنے لگا مجھے چھوڑ دو کہ موسٰی کو تو قتل کر ڈالوں (اور میں دیکھوں) اپنے رب کو مدد کے لیے بُلا تو لے (بھائیو) مجھے یہ اندیشہ ہے کہ مبادا تمہارے دین کو الٹ پلٹ کر ڈالے یا ملک میں فتنہ و فساد برپا کر دے۔ موسٰی نے کہا میں تو اپنے اور تمہارے رب کی پناہ مانگتا ہوں ہر اس متکبّر سے جو روزِ قیامت پر ایمان نہیں لایا۔

فرعون اپنی سلطنت کے غرور میں چھکا ہوا تھا۔ اس نے اپنی قوم سے کہا میں موسٰیؑ کو قتل کیے بغیر نہ چھوڑوں گا پھر دیکھوں گا وہ اپنے رب کی مدد سے میرا کیا بگاڑ لے گا۔ موسٰیؑ چاہتا ہے کہ ہمارے دین کو ملیامیٹ کر کے ایک نیا دین اس کی جگہ لے آئے۔ یا یہ کہ ملک میں فساد برپا کر کے ہماری سلطنت کو تباہ کر ڈالے اور خود بادشاہ بن بیٹھے۔ موسٰی نے جب اس کے واہی خیالات سنے تو کہا، مجھے اس کی مخالفت کی کوئی پرواہ نہیں۔ میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ میں ہوں۔ جو کوئی روزِ قیامت پر ایمان نہیں لایا مجھے اس سے کیا ڈرنا۔

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا
اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاِنْ يَّكُ
كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ
يَعِدُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿٢٨﴾ يٰقَوْمِ لَكُمُ
الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۡ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ
جَآءَنَا ۭ قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا
سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿٢٩﴾

فرعون کے خاندان میں سے ایک شخص (حزقیل) نے جو اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا، لوگوں سے کہا، کیا تم ایک ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو صرف یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور وہ تمہارے رب کی طرف سے معجزات لے کر آیا ہے (بالفرض) اگر وہ جھوٹا ہے تو اُس کے جھوٹ کا وبال اُس پر پڑے گا اور اگر وُہ سچا ہے تو جس عذاب کی یہ تمہیں دھمکی دیتا ہے اس میں سے کچھ تو تم پر ضرور واقع ہو کر رہے گا۔ خدا اُس شخص کو ہدایت نہیں کرتا جو حد سے گزرنے والا اور جھوٹا ہو۔ اے لوگو! آج بے شک تمہاری بادشاہت ہے اور مُلک میں تمہارا بول بالا ہے کل اگر خدا کا عذاب ہم پر آ جائے۔ تو ہماری مدد کون کرے گا۔ میں تو وہی بات سمجھاتا ہوں جو میں خود سمجھا ہوں اور وہی راہ دکھاتا ہوں جس میں بھلائی ہے۔

اس آیت میں مومن آلِ فرعون کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ شخص جن کا نام حزقیل تھا فرعون کے بھتیجے یا بھانجے تھے۔ یعنی خاندانِ فرعون سے تھے۔ پس جن لوگوں نے آل کا ترجمہ قوم کیا ہے اور آلِ محمدؐ سے مراد قومِ محمدؐ لی ہے وہ سخت گمراہی میں ہیں۔ قرآن میں کہیں آل بمعنی قوم نہیں آیا۔ ہر جگہ خاندان کے خاص لوگ مراد ہیں۔ اگر آلِ محمد سے مراد قومِ محمدؐ ہو تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ دُرود میں امتِ محمدؐ کا ہر آدمی شریک ہوگا خواہ وُہ فاسق و فاجر ہو یا ظالم و منافق اس کے بعد دُرود کی کیا اہمیت باقی رہ جائے گی۔

آیہ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰۤی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ (۳/۳۳ آل عمران) میں اگر تمام قوم مراد ہو تو پھر یہ انتخاب کا لفظ غلط ہوگا۔ اسی طرح فَقَدْ اٰتَیْنَاۤ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (۴/۵۴ النسآء) میں اگر تمام قومِ ابراہیمؑ مراد ہو تو گویا مومن و کافر سب ہی کو خدا نے کتاب و حکمت عطا فرمائی تھی۔

لہٰذا آلِ فرعون سے مراد اس کے خاندان کا ایک شخص مراد ہے نہ کہ تمام قوم۔

اس مومنِ برحق کی خدا نے خاص طور سے یہ صفت بیان فرمائی ہے یَكْتُمُ اِیْمَانَهٗ وہ اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا یعنی تقیہ کرتا تھا۔ بظاہر فرعون پر ایمان لانے والا بنا ہوا تھا مگر بباطن موسیٰؑ پر ایمان لایا ہوا تھا۔ چنانچہ جب لوگوں نے یہ چغلی کھائی اور فرعون سے کہا کہ حزقیل موسیٰؑ پر ایمان لائے ہوئے ہے اور تیری خدائی کا منکر ہے تو اُس نے حزقیل کو بُلا کر پوچھا کہ یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں وہ سچ ہے۔ انہوں نے ازراہِ تقیہ کہا۔ لوگو! میں اس کا اقرار کرتا ہوں کہ جو تمہارا خالق و رب ہے وہی میرا ہے۔ فرعون اس جواب سے خوش ہوا اور چغلی کھانے والوں کو سزا دی۔

حزقیل کا مطلب یہ تھا کہ جو تمہارا خالق اور ربِ حقیقی ہے (خدا) وہی میرا بھی ہے۔ یہ تقیہ کے الفاظ تھے۔ فرعون سمجھا کہ وہ میری خالقیت اور ربوبیت کا اقرار کر رہا ہے۔

پس جو لوگ تقیہ کو جائز نہیں جانتے وہ ذرا اس آیت کو غور سے پڑھ کر اپنی غلطی کی اصلاح کر لیں۔ بات تو بالکل صاف ہے اگر اس پر بھی کوئی نہ مانے اور یہ کہے چلا جائے کہ شیعوں کے یہاں جھوٹ بولنا جائز ہے تو وہ جانے اور اس کا ایمان۔ عہدِ رسالتؐ میں عمار یاسر کا واقعہ بھی اس کا شاہد ہے کہ تقیہ وقتِ ضرورت جائز ہے۔

حضرت حزقیل نے جو نصیحت اپنی قوم کو فرمائی بظاہر اس سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ وہ موسیٰؑ پر ایمان لائے ہوئے ہیں بلکہ ایک عام بات کہہ رہے ہیں کہ اگر یہ شخص (موسیٰؑ) اپنے دعوٰی میں جھوٹے ہوں گے تو اس کا وبال ان پر پڑے گا اور اگر سچے ہوئے اور جس عذاب کے نازل ہونے کا وعدہ کر رہے ہیں وہ نازل ہو گیا تب کیا ہوگا کون ہمیں بچائے گا۔

آخر کی آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب لوگوں نے فرعون کے سامنے حزقیل کی باتیں نقل کی ہوں گی تب اُس نے ان سے ایسا کہا ہوگا کہ میں جو کچھ تم سے کہتا ہوں تمہاری بھلائی کے لیے کہتا ہوں یعنی میری پیروی میں اور خدا کو رب ماننے میں تمہارا بھلا ہے۔

فرعون اپنے کو خدا نہیں کہلواتا تھا بلکہ یہ کہتا تھا اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى میں سب سے بہتر تمہارا روزی رساں ہوں۔ جو شخص اس کا اقرار نہیں کرتا تھا اُسے زمین پر لٹا کر ہاتھ پاؤں میں میخیں ٹھکوا دیتا تھا۔ اسی لیے اس کو فرعون ذوالاوتاد یعنی میخوں والا فرعون کہتے تھے۔ چنانچہ جب حضرت آسیہ کا جو اس کی بی بی تھیں ایمان اس پر ظاہر ہو گیا تو اس نے انہیں چومیخا کرا کے ہلاک کر دیا تھا۔

~

وَقَالَ الَّذِیْٓ اٰمَنَ یٰقَوْمِ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ مِّثْلَ یَوْمِ الْاَحْزَابِ ﴿۳۰﴾
مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِیْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ
یُرِیْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ﴿۳۱﴾ وَیٰقَوْمِ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ یَوْمَ التَّنَادِ ﴿۳۲﴾
یَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِیْنَ ۚ مَا لَکُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ یُّضْلِلِ
اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ جَآءَکُمْ یُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَیِّنٰتِ
فَمَا زِلْتُمْ فِیْ شَکٍّ مِّمَّا جَآءَکُمْ بِهٖ ؕ حَتّٰۤی اِذَا هَلَکَ قُلْتُمْ لَنْ
یَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ؕ کَذٰلِکَ یُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ
مُّرْتَابُ ۨ ﴿۳۴﴾

تو جو شخص (در پردہ ایمان لایا تھا) کہنے لگا مجھے تو تمہاری نسبت بھی اور امتوں کی طرح روز (بد) کا اندیشہ ہے (کہیں) تمہارا وہی حال نہ ہو جو قوم نوح اور عاد اور ثمود اور ان کے بعد آنے والے لوگوں کا ہوا۔ خدا تو اپنے بندوں پر ظلم کرنا چاہتا ہی نہیں۔ اور اے میری قوم مجھے تو تمہاری نسبت قیامت کے دن کا اندیشہ ہے جس دن تم پیٹھ پھیر کر جہنّم کی طرف چل کھڑے ہو گے اور اللہ کے عذاب سے تمہارا کوئی بچانے والا نہ ہو گا۔ اور جسے خدا گمراہی میں چھوڑ دے اس کی ہدایت کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ (اس سے پہلے) یوسف بھی تمہارے پاس معجزات لے کر آئے تھے تو جو لائے تھے تم ان کے بارہ میں برابر شک میں ہی پڑے رہے اور جب انہوں نے وفات پائی تو تم کہنے لگے خدا اب ان کے بعد کوئی رسول نہیں بھیجے گا۔ جو حد سے گزرنے والا اور شک کرنے والا ہو گا، خدا اُسے یُوں ہی گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے۔

یہ کلام بھی مومن آلِ فرعون ہی کا ہے۔ اُنہوں نے اپنی قوم کو قومِ نوحؑ، عاد و ثمود وغیرہ پر جو عذاب نازل ہوتے تھے اُن سے ڈرایا ہے اور قیامت کے دن کی حالت بیان کی ہے۔ اس کے بعد جناب یوسفؑ کے واقعہ کی طرف توجّہ دلائی ہے کہ انہوں نے قحط سے بچانے کی کیا اچھی تدبیر کی تھی اور ان کی سلطنت کیسی عدل و انصاف پر مبنی تھی۔ ان کے اخلاق و عادات کے بھی تم معترف تھے لیکن اس پر تم نے انہیں ماننے سے انکار کر دیا۔ اور یہ کہتے تھے اب ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ لیکن پھر خدا اپنے رسول بھیجتا رہا اور لوگ انکار کرتے رہے۔ پس وہی طریقہ تم نے اختیار کیا ہے۔ اور اب موسیٰؑ کی رسالت کے منکر بن رہے ہو۔ حزقیل چونکہ تقیہ میں تھے لہٰذا لوگوں کو عقل کی باتیں سمجھاتے تو تھے مگر اس طرح کہ موسیٰؑ کی جنبہ داری ثابت نہ ہو اور اپنا فرض بھی ادا ہو جائے۔

اَلَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِ اللّٰهِ بِغَیْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ؕ کَبُرَ مَقْتًا
عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ کَذٰلِکَ یَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰی کُلِّ قَلْبِ مُتَکَبِّرٍ
جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ یٰهَامٰنُ ابْنِ لِیْ صَرْحًا لَّعَلِّیْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ﴿۳۶﴾
اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓی اِلٰهِ مُوْسٰی وَاِنِّیْ لَاَظُنُّهٗ کَاذِبًا ؕ وَکَذٰلِکَ
زُیِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِیْلِ ؕ وَمَا کَیْدُ فِرْعَوْنَ
اِلَّا فِیْ تَبَابٍ ﴿۳۷﴾ ع

جو لوگ بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی دلیل خدا کی آیات کے بارے میں ہو خواہ مخواہ جھگڑا کیا کرتے ہیں وہ خدا کے نزدیک اور ایمان داروں کے نزدیک سخت قابلِ نفرت ہیں۔ یوں ہی خدا ہر متکبّر و سرکش کے دل پر علامت مقرر کر دیتا ہے۔ اور فرعون نے کہا، اے ہامان! میرے لیے ایک محل بنوا دے تاکہ (اس پر چڑھ کر) راستوں پر پہنچ جاؤں (یعنی آسمان کے راستوں پر) پھر موسیٰ کے خدا کو جھانک کر دیکھ تو لوں، میں تو اسے یقیناً جھوٹا سمجھتا ہوں۔ اس طرح فرعون کی بدکرداریاں اُسے بھلی کر کے دکھائی گئیں اور وہ راہِ راست سے روک دیا گیا اور فرعون کی تدبیر

تو غائب غلہ ہو گئی۔

ابھی تک مومن آلِ فرعون کے کلام کا سلسلہ جاری ہے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ جو لوگ بغیر کسی دلیل کے آیاتِ الٰہی میں جھگڑا کرتے ہیں وہ پسندیدہ لوگ نہیں بلکہ خدا اور خدا کے بندوں کی نظر میں ذلیل و خوار اور قابلِ نفرت ہیں۔ خدا نے ایسے لوگوں کے دلوں پر ٹھپہ لگا دیا ہے تاکہ فرشتے آسانی سے پہچان سکیں۔

قومِ نوح و عاد و ثمود کے قصّوں سے درگزر کر کے وہ کہہ رہے ہیں کہ جب حضرت یوسفؑ زندہ تھے تو تم اُن کی نبوت کے قائل نہ ہوئے اور معجزات دیکھنے کے بعد بھی تم ان کو دنیا کا معمولی بادشاہ سمجھتے رہے مگر جب وہ چل بسے اور جو انتظامات وہ کر گئے تھے اُس کا شیرازہ بکھر گیا اور سلطنت میں بدنظمیاں پھیل گئیں تو تمہیں یوسفؑ کی قدر ہوئی اور سمجھے کہ واقعی وہ نبی تھے اور کہنے لگے اب ان جیسا کوئی نہ ہو گا۔ لہٰذا اکہ والوں سے کہا جا رہا ہے کہ اب ہوش درست کرو اور جس رسول کو ہم نے بھیجا ہے اُس کی قدر کرو۔ تم مصر کے باشندوں کی طرح نہ بنو۔

موسیٰؑ کی جب یہ باتیں فرعون کے کان میں پڑیں تو اس نے اپنے وزیر ہامان سے کہا کہ ایک بہت اُونچا محل بنواؤ۔ میں اس پر چڑھ کر آسمانوں کے راستے معلوم کروں گا اور پھر ان راستوں سے موسیٰؑ کے خدا تک پہنچوں گا۔ میں موسیٰؑ کو جھوٹا جانتا ہوں۔ ایسی ایسی خراب باتیں فرعون کے ذہن میں جم گئی تھیں۔ یہ سب تدبیریں اُس کی ہلاکت کا سامان تھا۔

غور کرنا اس بات پر ہے کہ جو شخص اپنے کو ربِ اعلےٰ سمجھتا تھا وہ کیسی موٹی عقل کا آدمی تھا۔ وہ سمجھا کہ آسمان چھت ہے اور اس میں خدا تک پہنچنے کے راستے ہیں۔ لہٰذا ایک بہت اونچے محل پر چڑھ کر میں آسمانی راستوں کے ذریعے موسیٰؑ کے خدا تک پہنچ جاؤں گا۔ ایک روایت میں ہے کہ فرعون کے چڑھنے سے پہلے ہی وہ مینار گر کر زمین پر آ رہا تھا۔

قابلِ غور بات یہ ہے کہ تمام قومِ فرعون میں صرف ایک شخص مومن تھا۔ اُس کو ایسے معاشرہ میں رہ کر کیسے مصائب کا سامنا کرنا پڑا ہو گا۔ مگر وہ سب کو جھیل گیا اور جو حق باتیں قوم کے لیے مفید ہو سکتی تھیں ان کے بیان کرنے سے ذرا نہ چُوکا اور وہ پیرایۂ تقریر اختیار کیا کہ فرعون کو ذرا پتہ نہ چلا کہ یہ موسیٰؑ پر ایمان لا چکا ہے۔ فرعون گاہ گاہِ ان کے بیانات سُن کر جو قوم کے سامنے ہوتے چونکتا ضرور تھا کیونکہ ان کا بیان عام لوگوں کے بیان سے بالکل جُداگانہ ہوتا تھا۔ ایک روز فرعون نے ٹوکا بھی تو انہوں نے کہا میں اپنی قوم کو نکوکاروں کے راستہ پر لے جانا چاہتا ہوں۔ وہ چُپ تو رہا مگر یہ کھٹک دل میں رہی کہ جب تک موسیٰؑ کے خدا کا قصہ پاک نہ ہو گا میری خدائی معرضِ خطر میں ہے۔ اس بنا پر ہی اُس نے ایک بلند مینار بنوانے کا حکم دیا تھا۔

وَقَالَ الَّذِیْۤ اٰمَنَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِیْلَ الرَّشَادِ ۚ﴿۳۸﴾
یٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا مَتَاعٌ ؗ وَّ اِنَّ الْاٰخِرَةَ هِیَ دَارُ
الْقَرَارِ ﴿۳۹﴾ مَنْ عَمِلَ سَیِّئَةً فَلَا یُجْزٰۤی اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا
مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓىِٕكَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ یُرْزَقُوْنَ
فِیْهَا بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۴۰﴾ وَیٰقَوْمِ مَا لِیْۤ اَدْعُوْكُمْ اِلَی النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِیْۤ
اِلَی النَّارِ ﴿۴۱﴾ؕ تَدْعُوْنَنِیْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ
عِلْمٌ ؗ وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَی الْعَزِیْزِ الْغَفَّارِ ﴿۴۲﴾

جو شخص (در پردہ) ایماندار تھا (مومن آلِ فرعون) کہنے لگا، بھائیو میرا کہنا مانو، میں تمہیں ہدایت کے راستے دکھا دوں گا۔ اے قوم یہ دنیوی زندگی تو صرف چند روز کے فائدہ کی ہے اور آخرت ہمیشہ رہنے والا گھر ہے۔ جو بُرا کام کرے گا تو اُسے بدلہ بھی ویسا ہی ملے گا اور جو نیک کام کرے گا مرد ہو یا عورت مگر ایماندار ہو تو ایسے لوگ بہشت میں داخل ہوں گے جہاں انہیں بے حساب روزی ملے گی۔ اے میری قوم مجھے کیا ہُوا ہے کہ میں تم کو نجات کی طرف بُلاتا ہوں اور تم مجھے دوزخ کی طرف بُلاتے ہو۔ تم مجھے اس لیے بُلاتے ہو کہ میں خدا کے ساتھ کفر کروں اور اُس چیز کو اُس کا شریک بناؤں جس کا مجھے علم بھی نہیں۔ اور میں تو تمہیں غالب اور بخشنے والے خدا کی طرف بُلاتا ہوں۔

لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَیْهِ لَیْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِی الدُّنْیَا وَلَا فِی

الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ (٤٣)
فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ؕ وَاُفَوِّضُ اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ (٤٤) فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ
فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ (٤٥)

بے شک جس چیز کی طرف تم مجھے بلاتے ہو وہ نہ تو دنیا ہی میں پکارے جانے کے قابل ہے اور نہ آخرت میں۔ ہم سب کو خدا ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور اس میں شک نہیں کہ حد سے بڑھ جانے والے جہنمی ہیں۔ جو میں تم سے کہتا ہوں عنقریب ہی تم اسے یاد کرو گے اور میں تو اپنا کام خدا ہی کو سونپے دیتا ہوں۔ بے شک خدا بندوں کے حال کو خوب دیکھ رہا ہے تو خدا نے اسے ان کی تدبیروں کی برائی سے محفوظ رکھا اور فرعونیوں کو برے عذاب نے ہر طرف سے گھیر لیا ہے۔

اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫ اَدْخِلُوْٓا
اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ (٤٦) وَاِذْ يَتَحَآجُّوْنَ فِي النَّارِ فَيَقُوْلُ
الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ
مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ (٤٧)

(اور اب تو قبر میں دوزخ کی) آگ پر صبح و شام لا کھڑے کیے جاتے ہیں اور جس دن قیامت برپا ہوگی (حکم ہوگا کہ) فرعون کے لوگوں کو سخت سے سخت عذاب میں جھونک دو۔ یہ لوگ

جب جہنم میں باہم جھگڑا کریں گے تو کم حیثیت والے بڑے لوگوں سے کہیں گے کہ ہم تمہارے تابع تھے تو کیا اس وقت تم دوزخ کی آگ کا کچھ حصہ ہم سے ہٹا سکتے ہو۔

اس عذاب کا ذکر کیا گیا ہے جو فرعون اور اس کے تابعین کو اور تمام خطاکاروں پر قبر میں ہوگا۔ یہ چھوٹا سا عذاب ہوگا کہ صبح و شام انہیں جہنم کی آگ کے سامنے کیا جائے گا اور یہ قیامت تک ہوتا رہے گا۔ اس کے بعد قیامت میں جیسا جس کسی کا حساب ہوگا ویسی سزا دی جائے گی۔ وہ کمزور لوگ جو امراء و رؤسا کے دباؤ میں کافر بنے رہے وہ جب جہنم میں دھکیلے جائیں گے تو ان امراء سے کہیں گے ہم تمہاری بدولت اس عذاب میں گرفتار ہوئے تو کیا یہ ممکن ہے کہ کچھ عذاب ہمارا بانٹ لو۔

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ ۙ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ
الْعِبَادِ (٤٨) وَقَالَ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ
يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ (٤٩) قَالُوْٓا اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ
بِالْبَيِّنٰتِ ؕ قَالُوْا بَلٰى ؕ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا
فِيْ ضَلٰلٍ (٥٠) اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ۙ (٥١) يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَ
لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ (٥٢)

متکبرین ان کو جواب دیں گے ہم تو سب ہی دوزخ میں جل رہے ہیں (ہم تمہیں کیا بچائیں) خدا تو جو فیصلہ کرنا تھا کر چکا۔ جو لوگ دوزخ میں ہوں گے وہ جہنم کے داروغاؤں سے کہیں گے آپ لوگ اپنے رب سے دعا کیجئے کہ ایک دن تو ہمارے عذاب میں تخفیف کر دے۔ وہ کہیں گے کیا تمہارے پاس

تمہارے رسول معجزات لے کر نہیں گئے تھے۔ وہ کہیں گے آئے تو تھے۔ فرشتے کہیں گے تو تم خود کیوں نہ دُعا کرو حالانکہ کافروں کی دُعا تو بس بیکار ہی ہے۔ ہم البتہ مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی، اور اُن کی بھی جو دنیاوی زندگی میں ایمان لائے اور اس دن پر بھی جب گواہ (پیغمبر) اُٹھ کھڑے ہونگے اور اُس دن ظالموں کو معذرت کرنا کوئی فائدہ نہ دے گا ان کے لیے لعنت ہے اور ان کے لیے بُرا گھر ہے۔

بڑے لوگ اُن جہنمی زیردستوں کو جواب دیں گے، یہاں تو ہم سب ایک ہی حال میں ہیں۔ خدا تو ہم سب کے متعلق جو فیصلہ کرنا تھا کر چکا۔ جہنمی لوگ جہنم کے اہل کاروں سے کہیں گے ہمارے رب سے ذرا تم ہی دُعا کر دو کہ کم از کم ایک ہی دن عذاب میں تخفیف کر دے۔ وہ کہیں گے کیا تمہارے پاس خدا کے رسول دلائل لے کر نہیں آئے تھے۔ وہ کہیں گے آئے تو تھے لیکن ہم نے ان کو مانا ہی نہیں تھا۔ فرشتے کہیں گے، پھر ہم سے دُعا کرنے کو کیوں کہتے ہو۔ جو کچھ تم نے رسولوں کے ساتھ کیا خدا نے اسی کی وجہ سے تم کو جہنمی قرار دیا۔ بات ختم ہوگئی۔ اب تم چاہو تو خود دعا کرو لیکن فائدہ کیا ہوگا کیونکہ کافروں کی دُعا تو سُنی ہی نہ جائے گی۔ تمہاری دعاؤں کے جواب میں خدا بھی فرمائے گا ہم یا تو اپنے رسولوں کی مدد کرتے ہیں یا اُن مومنوں کی جو زندگانیِ دُنیا میں ہم پر ایمان لائے تھے اور اس دن پر بھی جب گواہ (رسول) حاضر ہوں گے۔ ظالموں کا سخت معذرت کرنا اب کوئی نفع نہیں دے گا اب تو ان کے لیے لعنت ہے اور جہنم جیسا بُرا گھر۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى وَاَوْرَثْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ (۵۳) هُدًى وَّذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ (۵۴) فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ (۵۵) اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ (۵۶)

ہم نے موسیٰ کو ہدایت کی کتاب (توریت) دی اور بنی اسرائیل کو اس کتاب کا وارث بنایا۔ یہ

عقلمندوں کے لیے سراپا ہدایت ہے اور نصیحت۔ تو (اے رسول) تم (ان کی شرارت پر) صبر کرو۔ بے شک خدا کا وعدہ سچا ہے (اُمت کے گناہوں کی) معافی مانگو اور اپنے پروردگار کی حمد وثنا کے ساتھ صبح وشام تسبیح کرو۔ جو لوگ خدا کی آیات کے بارے میں بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی دلیل آئی ہو جھگڑا کرتے ہیں ان کے دل میں بُرائی کے سوا کچھ بھی نہیں حالانکہ یہ لوگ اس تک کبھی پہنچنے والے نہیں۔ پس تم خدا سے پناہ مانگتے رہو۔ بے شک وہ بڑا سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

آیت نمبر ۵۵ میں حضرت رسولؐ خدا کو گناہوں کے استغفار کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سے مراد اُمت کے گناہوں کی معافی مانگنا ہے۔ چونکہ انبیاءؑ و مرسلین سے کوئی گناہ صغیرہ یا کبیرہ کسی زمانہ میں بھی نہیں ہوتا۔ لہٰذا ان کو حکم استغفار دینا اُمت کی تعلیم کی غرض سے ہے تاکہ ان کے درجات بلند ہوں اور بندوں سے عبدیت کی شان ظاہر ہو اور جو اس کے خاص بندے ہیں ان سے اور زیادہ ظاہر ہو اور بندگی کی شان یہی ہے کہ ہمیشہ اپنے کو خدا کے سامنے حاضر سمجھ کر سر جھکائے رہے اور گڑگڑاتا رہے۔ ؎

بندہ ہماں بہ کہ زتقصیر خویش
عذر بدرگاہ خدا آورد

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ دشمنوں کے ستانے کی وجہ سے چونکہ حضورؐ بہت تنگ دل ہو رہے تھے اور چاہتے تھے کہ جلد کوئی ایسا معجزہ ظاہر ہو کہ یہ مخالفت ٹھنڈی پڑ جائے۔ اگرچہ اضطراب کوئی گناہ نہ تھا تاہم حضورؐ کے مقام بلند کے لحاظ سے اس کو بھی گناہ سمجھا گیا اور استغفار کا حکم دیا گیا۔ ؎ جن کے رُتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

آیت نمبر ۵۶ کا مطلب یہ ہے کہ ان کفار کے پاس قرآن کو جھٹلانے کی کوئی معقول دلیل تو ہے نہیں بس خواہ مخواہ کی کج بحثی کرتے ہیں۔ ان کے دلوں میں عداوت بھری ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے یہ اپنا مقصد پورا کرنا چاہتے ہیں کہ کسی طرح قرآن کو رسولؐ کا من گھڑت افسانہ ثابت کر دیں لیکن ان کی کوششیں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی تھیں۔ پس اے رسولؐ، تم ان کی مخالفت کا خیال چھوڑ دو اور اپنے خدا سے پناہ مانگتے رہو کہ وہ تمہیں ان ظالموں کے شر سے بچائے رکھے۔ خدا تو تمہاری ہر بات کا سننے والا اور ہر حالت کا دیکھنے والا ہے پھر تمہیں خوف کیا ہے۔

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (۵۷) وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۥۙ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِيْۗءُ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ (۵۸) اِنَّ السَّاعَةَ

لَاٰتِیَۃٌ لَّا رَیۡبَ فِیۡہَا وَلٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۹﴾ وَقَالَ رَبُّکُمُ ادۡعُوۡنِیۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَکُمۡ ؕ اِنَّ الَّذِیۡنَ یَسۡتَکۡبِرُوۡنَ عَنۡ عِبَادَتِیۡ سَیَدۡخُلُوۡنَ جَہَنَّمَ دٰخِرِیۡنَ ﴿۶۰﴾ ع

ع ۶ ۱۰ ۱۱

آسمان و زمین کا پیدا کرنا لوگوں کے پیدا کرنے سے یقیناً بڑا کام ہے لیکن لوگ اتنا بھی نہیں جانتے اندھا اور دیکھنے والا دونوں کیسے برابر ہو سکتے ہیں اور نہ اچھے کام کرنے والے مومنین، بدکار ہی کے برابر ہو سکتے ہیں۔ تم لوگ بہت کم غور کرتے ہو۔ قیامت تو ضرور آنے والی ہے اس میں کسی طرح کا شک ہی نہیں لیکن بہت سے لوگ ایمان نہیں رکھتے۔ تمہارا پروردگار فرماتا ہے تم مجھ سے دُعائیں مانگو میں تمہاری دُعا قبول کروں گا۔ جو لوگ تکبّر کی وجہ سے ہماری عبادت نہیں کرتے ہیں وہ عنقریب ہی ذلیل و خوار ہو کر واصلِ جہنّم ہوں گے۔

جو لوگ حشر و نشر کے منکر ہیں اور قیامت میں دوبارہ زندہ ہونا خدا کی قدرت سے باہر سمجھتے ہیں وہ اس پر غور نہیں کرتے کہ جس خدا نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اس کے نزدیک مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنا کیا دشوار ہے۔ جو لوگ آثارِ قدرت میں غور نہیں کرتے اور اندھے بنے ہوئے ہیں بھلا وہ ان لوگوں کے برابر کیسے ہو جائیں گے جو خدا کی قدرت کے آثار پر غائرانہ نظر ڈالا کرتے ہیں۔ جو لوگ قیامت کے خوف سے ایمان لائے ہوئے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں وہ گنہ گاروں کے برابر کیسے ہو سکتے ہیں۔ کم لوگ ایسی باتوں سے نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

لوگ ایمان لائیں یا نہ لائیں، قیامت تو بلا شک و ریب ایک دن ضرور آ کر رہے گی۔ تمہارے رب نے یہ حکم دیا ہے کہ تم مجھ سے دعا مانگو میں ضرور قبول کروں گا۔ لوگ کہا کرتے ہیں کہ جب اُس نے قبول کرنے کا وعدہ کیا ہے تو پھر ہماری دعائیں قبول کیوں نہیں ہوتیں۔ یہ اعتراض عدمِ تدبّر کا نتیجہ ہے۔ انسان کے دل میں خواہشوں کا ایک ایسا لامتناہی سلسلہ ہے جو کسی حالت میں ختم نہیں ہوتا۔ ایک خواہش پوری ہوتی ہے تو فوراً دوسری اس کی جگہ لے لیتی ہے۔ وہ ہر دعا میں اپنے مقصد کو پیشِ نظر رکھتا ہے۔ اُسے اس سے غرض نہیں ہوتی کہ میری اس دعا کے بعد دوسروں کو نفع پہنچے گا یا نقصان۔ ایک بڑھیا آندھی کے رُک جانے کی دعائیں اس لیے مانگ رہی ہے کہ اس کا جھونپڑا اُڑ جائے گا۔ اُس کو اس سے غرض نہیں کہ آندھی کے آنے سے کیا کیا فائدے ہوتے ہیں۔ کائنات کا نظام برقرار رکھنے کے لیے ایسی بہت سی چیزوں کو عمل میں لانا قدرت کے پروگرام میں داخل ہوتا ہے جنہیں دُنیا کے اکثر لوگ ناپسند کرتے ہیں۔ پس اگر ہر ایک کی دُعا قبول کر لی جائے تو نظامِ کائنات ابتر ہو جائے۔ ایک شخص دُعا کر رہا ہے کہ مینہ نہ برسے، دوسرا دعا کر رہا ہے برسے، تیسرا کہہ رہا ہے کم برسے، چوتھا کہہ رہا ہے خوب برسے۔ اگر ان سب کی دُعائیں بیک وقت قبول کر لی جائیں تو فرمائیے یہ نظامِ عالم کیسے برقرار رہے گا۔

ایک شخص دعا مانگ رہا ہے کہ مجھے دولت مند بنا دے۔ قدرت کے علم میں ہے کہ دولت پاتے ہی یہ عیاشی کرنے لگے گا۔ زناکاری پر آمادہ ہو جائے گا۔ اس صورت میں اس کی دعا کیسے قبول ہو۔

ایک شخص دعا کر رہا ہے کہ مجھ بیمار کو شفا دے لیکن اس کی موت کا وقت آ چکا ہے۔ اگر اس کی دُعا قبول کی جائے تو موت کا اٹل وقت ٹالنا پڑے گا۔

بہرحال خدا نے دُعا قبول کرنے کا وعدہ کیا ہے لیکن چند شرطوں سے۔ اوّل یہ کہ مجھ پر ایمان لاؤ اور سچے دل سے لاؤ۔ صرف زبان سے کہہ دینے کا اعتبار نہیں۔ دوسرے اس کا یقین رکھو کہ میرا ہر کام مبنی بر حکمت و مصلحت ہوتا ہے تیسرے میں تمہاری وہی دعا قبول کرتا ہوں جو تمہارے لیے آئندہ مفید ہو۔ تم اپنے مستقبل کا حال نہیں جانتے میں جانتا ہوں۔ چوتھے تمہاری دعائیں ایسی نہ ہوں جو کسی مردِ مومن کو نقصان پہنچانے والی ہوں۔ پانچویں جو دعا مانگو وہ مجھ سے لَو لگا کر مانگو۔ یہ نہیں کہ رسمی طور پر یہ کہے جاؤ یا اللہ یہ دے وہ دے۔ چھٹے میں نے اپنے بندوں کی دعا قبول کرنے کا وعدہ کیا ہے لہٰذا پہلے اپنے کو میرا سچّا بندہ ہونا تو ثابت کریں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے وقتِ مناجات خدا نے فرمایا، یٰمُوْسٰی هَبْ لِیْ مِنْ قَلْبِكَ الْخُضُوْعَ وَمِنْ عَیْنِكَ الدُّمُوْعَ ثُمَّ اُدْعُنِیْ سَتَجِدْنِیْ قَرِیْبًا مُّجِیْبًا۔ یعنی (اے موسیٰ ایک تو اپنے دل کی رجوع مجھے دو، دوسرے میری محبت میں اپنی آنکھوں کے آنسو، پھر مجھے پکارو میں تمہارے قریب ہوں گا اور تمہاری دعا کا قبول کرنے والا۔) پس دل کا رجوع ہونا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہونا وقتِ دعا ضروری ہے۔ اور وقتِ دعا یہ دونوں چیزیں دعا کرنے والوں میں کم پائی جاتی ہیں۔

ایک بار بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ سے ضد کی کہ آپ خدا سے دُعا کریں کہ وہ ہماری مرضی کے مطابق مینہ برسایا کرے۔ جب ہم دُعا کریں تو برسا دے اور جب کہیں روک دو تو روک دے۔ وہ اپنی مرضی سے برساتا ہے تو ہماری کھیتیاں بسا اوقات تباہ ہو جاتی ہیں۔ حضرت موسیٰؑ نے بارگاہِ باری میں قوم کی یہ خواہش پیش کی۔ خدا نے فرمایا اب ایسا ہی ہوگا۔ بنی اسرائیل بہت خوش ہوئے۔ چنانچہ جب ان کی خواہش کے مطابق مینہ برسا تو کھیتی خوب لہلہائی اور بکثرت غلّہ پیدا ہوا۔ حضرت موسیٰؑ سے کہا، دیکھا آپ نے کتنا کثیر غلّہ پیدا ہوا ہے۔ لیکن بعد میں ہوا یہ کہ جس نے کھایا مر گیا جب موت کی وبا پھیلی تو حضرت موسیٰؑ سے آ کر فریاد کی اور کہا، خدا سے پوچھئے، ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے عرض کی تو جواب ملا اے موسیٰ، وہ کیا سمجھ سکتے تھے کہ زمین سے فائدہ اٹھانے اور نقصان سے بچنے کے لیے کس وقت بارش کی ضرورت ہوتی ہے

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب حاجت برآری خدا کی مصلحت پر موقوف ہے تو ہمیں دعا کا حکم کیوں ہوا ہے۔

جواب یہ ہے کہ اوّل تو دُعا سے بندگی کی شان کا اظہار مقصود ہے۔ جب بندہ اس سے کوئی چیز مانگتا ہے تو خدا اُسے پسند کرتا ہے۔ اگر مطلب پورا نہ بھی ہو تو کم از کم خدا سے رجوع کرنے کا ثواب تو اُسے مِل ہی جائے گا کیونکہ اس بندہ نے فروتنی

کا اظہار تو کیا۔ خدا بے بس و مجبور تو نہیں۔ وہ جب چاہے حالات کو بدل سکتا ہے اور ازراہِ لطف و کرم جو مانگے دے سکتا ہے ہمیں کیا خبر کہ اس کی مصلحت کیا ہے۔ لہٰذا مانگنا ہمارا فرض ہے۔ ممکن ہے کہ وہ ہماری دُعا کا مقصد کسی دوسری صورت سے پُورا کرے۔ آج نہ کرے کل کر دے۔ ہماری دُعا اس کی بارگاہ میں محفوظ رہتی ہے۔ کسی مومن کو اپنی بارگاہ سے ناکام نہیں جانے دیتا۔ اس لیے مانگنا ہمارا فرض ہے اور ہماری عبدیت کا نشان ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ
لَذُوْ فَضْلٍ عَلَی النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ﴿۶۱﴾ ذٰلِكُمُ
اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ ۘ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؗ فَاَنّٰی تُؤْفَكُوْنَ ﴿۶۲﴾
كَذٰلِكَ یُؤْفَكُ الَّذِیْنَ كَانُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ ﴿۶۳﴾ اَللّٰهُ الَّذِیْ
جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ
وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚۖ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ
الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۴﴾ هُوَ الْحَیُّ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ؕ
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۵﴾

اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لیے رات کو بنایا تاکہ تم اس میں آرام کرو اور دن کو پیدا کیا تاکہ تم (دیکھ بھال کر) کام کرو۔ اللہ لوگوں پر فضل و کرم کرنے والا ہے لیکن بہتیرے لوگ اس کے شکرگزار نہیں بنتے۔ وہی اللہ تمہارا رب ہے جو ہر شے کا خالق ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں پس تم کہاں بہکے جا رہے ہو۔ جو لوگ خدا کی آیتوں سے انکار کرتے تھے وہی اس طرح بھٹک رہے تھے۔ اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو ٹھہرنے کی جگہ بنایا اور آسمان کو چھت بنایا اور تمہاری

صورتیں بنائیں تو اچھی صورتیں بنائیں اور پاکیزہ چیزوں کا تمہیں رزق دیا۔ وہی اللہ تمہارا رب ہے پس مبارک ہے وُہ اللہ جو تمام عالموں کا پالنے والا ہے وہ زندہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں پس سچے کھرے دل سے اس کو پکارو۔ اور حمد اُس اللہ کے لیے ہے جو رب العالمین ہے۔

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِیَ
الْبَیِّنٰتُ مِنْ رَّبِّیْ ؗ وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۶﴾ هُوَ الَّذِیْ
خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ یُخْرِجُكُمْ طِفْلًا
ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُیُوْخًا ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰی
مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوْۤا اَجَلًا مُّسَمًّی وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ هُوَ
الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰۤی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ
فَیَكُوْنُ ﴿۶۸﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِ اللّٰهِ ؕ
اَنّٰی یُصْرَفُوْنَ ﴿۶۹﴾

اے رسول کہہ دو کہ جب میرے رب کی طرف سے دلائل آچکے تو مجھے منع کیا گیا ہے کہ میں خدا کو چھوڑ کر اُن کی عبادت کروں جن کو تم پُوجتے ہو اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ رب العالمین خدا کا فرمانبردار رہوں۔ وُہ وُہی ہے جس نے تم کو مٹّی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے پھر علقہ سے پھر تمہیں طفل بنا کر (ماں کے پیٹ سے) نکالا۔ (پھر تمہیں زندہ رکھا) تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچو پھر تم بُوڑھے ہو جاؤ۔ بعض تم میں سے اس سے پہلے ہی مر جائیں گے (غرض تمہیں اس وقت تک زندہ رکھنا ہے) کہ تم وقتِ مقررہ تک پہنچ جاؤ اور تاکہ تم صاحبِ عقل بنو۔ وُہ وُہی ہے جو تمہیں زندہ رکھتا ہے اور مارتا ہے جب وہ

کسی امر کا کرنا ٹھان لیتا ہے تو کہتا ہے اس سے ہو جا، پس ہو جاتا ہے۔ کیا تم نے ان لوگوں کی طرف نظر نہیں کی جو آیاتِ خدا کے بارہ میں جھگڑا کرتے ہیں۔ پس یہ کہاں بھٹکے جا رہے ہیں۔

خدا اپنی قدرتِ کاملہ کا اظہار کر رہا ہے کہ اس نے انسان کو مٹی سے کیسے بنایا۔ پہلے مٹی کو نطفہ کی صورت بخشی۔ پھر نطفہ کو علقہ بنایا۔ پھر ماں کے پیٹ میں ایک بچہ بنا کر اُسے ماں کے پیٹ سے نکالا۔ پھر بچہ سے جوان کیا۔ پھر جوان سے بوڑھا بنایا۔ کسی کو بڑھاپے سے پہلے ہی مار ڈالا۔ غور کرو نطفہ کے ایک قطرہ کو ان منازل سے گزارنا، کیا خدا کے سوا کوئی دوسرا کر سکتا تھا۔ ہر ایک کو زندہ کرنے اور مارنے والا اس کے سوا اور کون ہے وہ تو ایسا قادرِ مطلق ہے کہ جب کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے بلسانِ قدرت کہتا ہے ہو جا، پس وہ چیز بن جاتی ہے۔ تو اس کو کسی مشورہ کی ضرورت نہ کسی سامان کی حاجت نہ کسی مددگار سے تعلق۔ بس اس کا ارادہ ہی سب کچھ ہے۔ لوگو، کیا ایسے خدا سے انکار کرتے ہو اور اس کے سوا دوسروں کو پوجتے ہو جن میں کوئی قدرت نہیں

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَبِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا ۛ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ (۷۰)
اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ۭ يُسْحَبُوْنَ (۷۱) فِي الْحَمِيْمِ ۙ
ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ (۷۲) ثُمَّ قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ (۷۳)
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْـــًٔا ۭ
كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ (۷۴) ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِي
الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ (۷۵) ج

جن لوگوں نے کتاب کو جھٹلایا اور ان چیزوں کو جن کے ساتھ ہم نے رسولوں کو بھیجا تھا وہ عنقریب جان لیں گے (کہ اس کا نتیجہ کیا ہوا) جب (بھاری بھاری) طوق اور زنجیریں ان کی گردنوں میں ہونگی پہلے کھولتے ہوئے پانی میں گھسیٹے جائیں گے پھر جہنم کی آگ میں جھونک دیئے جائیں گے پھر ان سے

پوچھا جائے گا جنہیں تم خدا کا شریک بناتے تھے وہ اب کہاں ہیں۔ وہ کہیں گے کھوئے گئے وہ ہم سے بلکہ (سچ تو یہ ہے کہ) ہم تو پہلے ہی خدا کے سوا کسی دوسرے کو نہ پکارتے تھے خدا اس طرح کافروں کو بوکھلائے گا۔ یہ اس کی سزا ہے کہ تم دنیا کی ناحق بات پر خوش تھے اور یہ اس کی سزا ہے کہ تم اترایا کرتے تھے۔

اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ (۷۶)
فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ
نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ (۷۷) وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ
مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ۭ وَمَا كَانَ
لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ فَاِذَا جَاۗءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ
بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ (۷۸) اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ
الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ (۷۹) وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوْا
عَلَيْهَا حَاجَةً فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ (۸۰) ط

(ان سے کہا جائے گا) جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ اسی میں تمہیں ہمیشہ رہنا ہوگا۔ تکبر کرنے والوں کا کیا برا ٹھکانہ ہے۔ (اے رسول ان کی باتوں پر) صبر کرو بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ جس عذاب کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے اس میں سے کچھ تو تمہیں دکھا دیں گے۔ اور اگر اس سے قبل تمہیں دنیا سے اٹھا لیں گے تو آخر ان کو لوٹ کر آنا تو ہماری ہی طرف ہے۔ ہم نے تم

سے پہلے بھی رسول بھیجے تھے ان میں سے بعض کے حالات تو تم سے بیان کر دیئے اور کچھ ایسے ہیں جن کے حالات تم سے نہیں دُہرائے۔ کسی پیغمبر کی یہ مجال نہ تھی کہ خدا کے اختیار دیئے بغیر کوئی معجزہ دکھا سکے۔ جب خدا کا حکم (عذاب) آ پہنچا تو ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دیا گیا۔ اور اہلِ باطل ہی اس وقت گھاٹے میں رہیں گے۔ اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لیے چوپائے پیدا کیے۔ جن میں سے کسی پر تم سوار ہوتے ہو اور کسی کو کھاتے ہو اور تمہارے لیے ان سے اور بھی منافع ہیں اور یہ کہ تم ان پر چڑھ کر اپنے دلی مقصد تک پہنچو اور ان پر نیز کشتیوں پر سوار پھرتے رہو۔

آیت ۷۷۔ یعنی اے رسولؐ، یہ کفار تم سے اُجڈ پن سے پیش آتے ہیں اور نامعقول دلیلوں سے تمہیں زیر کرنا چاہتے ہیں۔ تم صبر سے کام لو۔ ہم یا تو تمہاری زندگی میں ان پر عذاب نازل کر کے دکھائیں گے اور اگر نزولِ عذاب سے قبل تم کو ہم نے اُٹھا لیا تو جس جس نے تم سے گستاخی کی ہے وہ اس کی سزا سے بچ نہیں سکتا۔ یہ بچ کر جائیں گے کہاں، لوٹ کر آنا تو ہماری ہی طرف ہے۔

کفارِ مکہ حضورؐ سے کہا کرتے تھے آپؐ کی تصدیق کے لیے ہم قرآن کو کافی نہیں سمجھتے بلکہ ہم تو جب مانیں گے کہ آپؐ ہمارے کہنے کے مطابق کوئی معجزہ دکھا دیں۔ خدا ان کے جواب میں فرماتا ہے کہ اے رسولؐ، جن رسولوں کا ذکر ہم نے قرآن میں کیا ہے یا جن کا نہیں کیا ان میں سے کسی ایک کو بھی یہ اختیار نہ تھا کہ وہ ہماری اجازت کے بغیر کوئی معجزہ دکھا سکے۔ معجزہ دکھانے کی ضرورت کو ہم خود سمجھتے ہیں۔ جب ہم مناسب سمجھتے ہیں اپنے نبی کے ذریعہ سے اس کا اظہار کرا دیتے ہیں۔ یہ کوئی کھیل تماشہ تو نہیں کہ جب تم کہو رسولؐ معجزہ دکھانے لگیں۔ تم میں سے ایک کہے گا کہ میری منشاء کے موافق دکھاؤ، دوسرا کہے گا میری منشاء کے موافق دکھاؤ، تو ہمارا رسولؐ کیا اسی کا ہو کر رہے۔

اس کے بعد اُن چوپاؤں کا ذکر کیا جا رہا ہے جن سے لوگوں کو بڑے فائدے ہیں بعض سواری کیلئے ہوتے ہیں جیسے اُونٹ، گھوڑا، بیل یا خچر۔ بعض کا گوشت کھاتے ہیں جیسے گائے بھینس بھیڑ بکری۔ اس کے علاوہ ان کی اُون سے ان کی کھال سے ان کی ہڈی سے بھی بہت سے فائدے حاصل کیے جاتے ہیں۔

یہ سواری کے جانور جہاں تم جانا چاہتے ہو پہنچا دیتے ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتے تو بتاؤ تم کیا کرتے۔ اس کے بغیر پہنچ تو جاتے مگر بڑی تکلیف کے بعد۔ اسی طرح دریائی سفر کے لیے کشتیاں ہیں جن پر بیٹھ کر تم لمبے لمبے سفر کرتے ہو۔ اگر ہماری ہوائیں ان کو پانی کی موجوں پر بہا کر لے جائیں تو بتاؤ تم دریائی سفر کیسے طے کرو۔ ہم نے تمہارے لیے ہر طرح کی آسائش فراہم کر دی ہیں۔ جب ان تمام چیزوں کو دیکھ کر بھی ہمارے اوپر ایمان نہیں لاتے اور ہمارے رسول کو سچا نہیں سمجھتے تو بھلا تمہاری منشاء کے مطابق اگر کوئی معجزہ دکھا بھی دیں تو تم اس کو کیا مانو گے۔ جاہلانہ بحثیں کر کے اس سے بھی انکار

کر دو گے۔ پہلے انبیاء نے کتنے معجزات دکھائے۔ لوگ کب مانے، برابر انکار ہی کرتے رہے تو بھلا تم کب ماننے والے ہو

وَيُرِيكُمْ اٰيٰتِهٖ ۖ فَاَيَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ﴿۸۱﴾ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِى الْاَرْضِ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۸۳﴾ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِىْ قَدْ خَلَتْ فِىْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ ع

وہ (خدا) جو اپنی قدرت کی نشانیاں دکھاتا ہے تو تم اس کی کن کن نشانیوں کو نہ مانو گے۔ کیا تم رُوئے زمین پر چلے پھرے نہیں کہ یہ دیکھتے کہ جو لوگ تم سے پہلے تھے اُن کا انجام آخر کیا ہُوا۔ وُہ تم سے تعداد میں بھی زیادہ تھے اور قوت میں بھی، اور زمین پر اپنی یادگار نشانیاں چھوڑنے میں بھی کہیں بڑھے چڑھے تھے تو جو کچھ ان کا کیا کرایا تھا ان کے کچھ بھی کام نہ آیا۔ جب ان لوگوں کے پاس ہمارے پیغمبر واضح معجزات لے کر آئے تو جو علم (اپنے خیال میں) ان کے پاس تھا اُس پر نازاں ہوتے اور جس عذاب کی یہ لوگ ہنسی اُڑاتے تھے اُس نے ان کو چاروں طرف سے گھیر لیا تو جب

انہوں نے ہمارے عذاب کو دیکھا تو کہنے لگے ہم وحدہٗ لاشریک خدا پر ایمان لے آئے اور جس چیز کو اس کا شریک بناتے تھے اُن کو نہیں مانتے لیکن جب انہوں نے عذاب کو آتے دیکھ لیا تو ان کا ایمان لانا کچھ بھی مفید نہیں ہوسکتا۔ یہ خدا کی عادت ہے جو اپنے بندوں کے بارہ میں ہمیشہ سے چلی آتی ہے۔ یہی کافر لوگ اس وقت گھاٹے میں رہیں گے ۔

اللہ کی رُوئے زمین پر بے شمار نشانیاں ہیں تو بھلا یہ لوگ کہاں تک ان کا انکار کریں گے ۔ یہ لوگ روئے زمین پر سفر کیوں نہیں کرتے تاکہ ان کو پتہ چل جاتا کہ جو لوگ اُن سے کہیں زیادہ تعداد میں تھے اور طاقت اور عمارات وغیرہ بنانے میں بھی ماہر تھے، اس سرکشی کی بدولت ان کا انجام کیا ہُوا ۔ کیسے کیسے عذاب ان پر آئے کس بُری طرح تباہ و برباد ہوئے ان کے ڈھے مکانات اور مٹی بستیاں زمین پر اب بھی موجود ہیں ۔ ان سے سبق کیوں نہیں حاصل کرتے ۔ باوجود اس زور و قوت کے انہوں نے اپنے کو بچا نہ لیا ۔

جس زمانہ میں یُونانیوں کا فلسفہ بہت ترقی پر تھا ۔ اور علمائے یونان کی حکمت و فلسفہ و منطق و اخلاق کی برتری کی دھوم مچی ہوئی تھی وہ انبیاء و مرسلین کو نظر میں نہ لاتے تھے ۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں جب فلسفیوں سے کہا گیا کہ تم حضرت موسیٰؑ سے جاکر تحصیلِ علم کیوں نہیں کرتے تو انھوں نے کہا، ہم کو اور سے تحصیلِ علم کی ضرورت ہی نہیں ۔ اسی طرح آنحضرتؐ کے زمانہ میں یہودی علماء نے اپنی علمی قابلیت کا غُل مچا رکھا تھا اور کہتے تھے ہم ایک مرداقی کو اپنے اوپر کیونکر ترجیح دے سکتے ہیں ۔ لیکن جب ان مشرک قوموں پر عذاب نازل ہوئے تو ان کی ساری شیخی کرکری ہوگئی اور راہِ چارہ مسدود ہوگئی ۔ کہتے تھے ہم خدائے واحد پر ایمان لائے لیکن اب ایمان ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکا ۔ یہی طریقہ خدا کا ہمیشہ سے چلا آرہا ہے کہ پہلے اپنے انبیاء کے ذریعہ سے ان کو سمجھاتا ہے لیکن جب کسی طرح نہیں مانتے تو اپنا عذاب نازل کرتا ہے اور جب ان کو ہلاک کرنا چاہتا ہے تو پھر ان کی کوئی فریاد نہیں سنتا ۔

سُوْرَةُ حٰمٓ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ① تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ② كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ
قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ③ۙ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ
اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ④ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ
مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ
حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ⑤ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى
اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ
وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ⑥ۙ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ
هُمْ كٰفِرُوْنَ ⑦

حا ۔ میم ۔ یہ قرآن رحمٰن و رحیم خدا کی طرف سے نازل کیا گیا ہے ۔ سمجھ دار لوگوں کے لیے اس کتاب میں تفصیل سے آیات بیان کی گئی ہیں ۔ یہ قرآن عربی زبان میں ہے (نیکوں کو) خوشخبری دینے والا ہے (بدوں کو) عذاب سے ڈرانے والا ہے ۔ ان میں اکثر نے رُوگردانی کی ۔ وہ اس کو سُنتے ہی نہیں اور کہتے ہیں جس چیز کی طرف تم ہمیں بُلاتے ہو ہمارے دل تو اس کے متعلق پردہ میں ہیں (اس کی بات دل کو لگتی ہی نہیں) اور ہمارے کانوں میں بہرا پن ہے اور ہمارے تمہارے درمیان پردہ پڑا ہُوا ہے تو تم اپنا کام کرو ہم اپنا کام کرتے ہیں ۔ اے رسول، ان سے کہہ دو میں

(اگرچہ صورت میں) تم ہی جیسا بشر ہوں لیکن (فرق یہ ہے کہ) میرے اُوپر وحی آتی ہے کہ تمہارا معبوُد بس وہی اکیلا خدا ہے تو سیدھے اسی کی طرف متوجہ رہو اور اسی سے استغفار کرو اور مشرکوں کے لیے افسوس ہے کہ وہ خدا کو نہیں مانتے اور زکوٰۃ نہیں دیتے اور آخرت کا انکار کرتے ہیں۔

جو لوگ یہ سمجھتے تھے کہ یہ کلام پیغمبرِ اسلام کا تصنیف کردہ ہے انہیں بتایا جارہا ہے کہ یہ پیغمبر کا کلام نہیں بلکہ اُس خدا کا کلام ہے جو اپنے بندوں پر رحم کرنے والا ہے۔ اسی لیے اپنی رحمت کی مختلف صورتیں دکھانے کے لیے یہ کلام نازل کیا ہے تاکہ لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ کوئی پیچیدہ یا مہمل کلام نہیں۔ ہر بات نہایت تفصیل کے ساتھ صاف صاف الفاظ میں بیان کر دی گئی ہے۔ کسی غیر زبان میں نہیں عربی زبان میں جسے تم لوگ اچھی طرح سمجھتے ہو۔ پھر اس سے انکار کیا معنی۔ اس سے معلوم ہوا کہ عقل سے کام لیتے ہی نہیں۔ تمہارا یہ کہنا کہ ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں، ہمارے کان بہرے ہیں ہم یہ کلام سنتے ہی نہیں۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ تم ازراہِ تعصب و عناد اس کو قصداً سُننا نہیں چاہتے۔ لیکن یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ تمہارے پاس اس کے کلامِ انسان ہونے کی کوئی دلیل ہی نہیں عقل و فہم کے خلاف اس میں کوئی ایک جُملہ بھی نہیں۔ پھر اس سے انکار کی وجہ تو بتاؤ۔

میں تمہارے ان تعصب کے پردوں کو چاک تو نہیں کر سکتا۔ میں ضرور تم ہی جیسا آدمی ہوں مگر تم میں اور مجھ میں یہ فرق ہے کہ مجھ پر خدا نے وحی کی ہے پس میں جو کچھ کہتا ہوں وحی کے مطابق کہتا ہوں۔ اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہتا۔ میں تمہیں سمجھانے کے لیے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ میرا کہنا یہ ہے کہ خدا ایک ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسے سمجھو کہ ایک کے سوا بہت سے معبُود کیوں نہیں ہو سکتے۔ تم نے جو بکثرت خدا مان رکھے ہیں اور اصلی خدا کو چھوڑ کر ان کی پُوجا پاٹ کرتے ہو تو کیا وہ سب تمہاری مدد کرتے ہیں؟ تم سے بولتے چالتے ہیں؟ تمہاری باتیں سنتے ہیں؟ تمہارے نفع و نقصان پر بھی ان کا قابو نہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ تم ان کو خدا مانتے ہو۔

معلوم ہوتا ہے کہ تم میری رسالت کو صرف اسلیے تسلیم نہیں کرتے کہ میں تم ہی جیسا ایک آدمی ہوں لیکن یہ تو سمجھو اگر میں تم جیسا نہ ہوتا اور کوئی غیر جنس تمہاری ہدایت کے لیے آتی تو کیا تم اس سے مانوس ہو جاتے۔ ہاں میں اگر اپنی طرف سے کوئی بات کہوں تو تم نہ مانو۔ لیکن جب خدا کی طرف سے کہتا ہوں اور تمہارے فائدے کی بات کہتا ہوں تو تم کیوں نہیں مانتے تم سے پہلے بھی لوگوں نے انبیاء کی بات کو اسی لیے نہ مانا تھا کہ وہ ان جیسے بشر تھے۔

جو وحی میرے اوپر کی جاتی ہے چونکہ وہ خدا کی طرف سے ہوتی ہے لہٰذا اس میں غلطی کا امکان نہیں۔ تم وحی کو ازراہِ تعصب جھٹلاتے تو رہتے ہو لیکن یہ نہیں بتاتے کہ تمہارے جھٹلانے کی وجہ کیا ہے۔ پس تمہیں چاہیئے کہ اللہ ہی سے رجوع کرو اور اسی سے پناہ مانگو اور اُن لوگوں میں سے نہ بنو جو خدا کو نہیں مانتے۔ زکوٰۃ نہیں دیتے اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ ایسے لوگوں کا انجام بہت خراب ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ⑧ قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ⑨ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ⑩

جو لوگ ایمان لائے اور اچھے اچھے کام کرتے رہے ان کے لیے وہ اجر ہے جو کبھی ختم ہونے والا ہی نہیں۔ اے رسول یہ کہدو اگر تم اُس خدا کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو دن میں پیدا کیا، اور تم ہو کہ دوسروں کو اس کا شریک بناتے ہو، وہ تو سارے جہان کا سرپرست ہے۔ اور اُس نے زمین کے اوپر پہاڑ پیدا کیے اور اس میں ہر نعمت عطا فرمائی اور اس نے ایک مناسب اندازہ پر اس میں سامانِ معیشت کا بندوبست کیا اور چار دن میں یہ سب کچھ کیا اور تمام طلبگاروں کے لیے برابر کا بندوبست کیا۔

یہاں کسی کو یہ سوال کرنے کا حق نہیں کہ خدا نے زمین کو دو دن میں کیسے پیدا کیا اور زمین و آسمان کو چھ دن میں کیسے پیدا کیا اور زمین کے سامانِ معیشت کو چار دن میں کیسے پیدا کیا۔ تمام کائنات کا خالق خود ہی جانتا ہے کہ اس نے کس چیز کو کب پیدا کیا اور کتنے دنوں میں پیدا کیا۔ یہ دو دن، چار دن اور چھ دن صرف ہمیں تھوڑا سا تصور دلانے کے لیے بیان کیے گئے ہیں۔ تاکہ یہ اندازہ ہو جائے کہ جو چیز دو دن میں پیدا ہوئی اس کی صنعت آسان تھی بہ نسبت اس چیز کے جس کو چار دن میں پیدا کیا اور اس سے زیادہ دشوار تھی اس کی خلقت جس کو چھ دن میں پیدا کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ تکوینی امور پر غور کرنا ہماری تکلیف میں داخل نہیں اور نہ ہماری سمجھ میں آنے والی بات ہے۔ ہم تو انسانی ایجادات کے متعلق بھی نہیں سمجھ سکتے کہ یہ کتنے وقت میں مکمل ہوتی ہیں۔ کہتے ہیں کہ ٹیلی گرام کا سسٹم بیس برس میں مکمل ہو پایا تھا۔ یہ خدا ہی کی قدرت ہے کہ اس نے زمین جیسی مخلوق کو دو دن میں مکمل کر دیا۔ اور آسمان و زمین کو چھ روز میں۔ اور غلات کو چار روز میں پیدا کیا۔ وہی جان سکتا ہے کہ اس کے پیدا کرنے میں کتنے اسباب پیدا کرنے پڑے اور کس کس صنعت سے کام لیا گیا۔ ہو سکتا ہے کہ دن سے مراد کائناتی دن (COS MIC DAY) ہو۔

سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ کا مطلب یہ ہے کہ جو رزق کا دسترخوان اُس نے سطحِ ارض پر بچھایا ہے اس کے

کھانے والے سب یکساں ہیں۔ امیر ہو یا غریب، غلام ہو یا آقا، بچّہ ہو یا جوان، عورت ہو یا مرد، سب اس میں برابر کے شریک ہیں۔

ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِىَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا
طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ⑪ فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ
فِىْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِىْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا
بِمَصَابِيْحَ ۖۗ وَحِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ⑫ فَاِنْ
اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ⑬
اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا
اِلَّا اللّٰهَ ؕ قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ
بِهٖ كٰفِرُوْنَ ⑭

پھر آسمان کی طرف متوجہ ہُوا وہ دھوُاں ہو رہا تھا۔ اس سے اور زمین سے کہا تم دونوں آؤ۔ خوشی سے یا کراہت سے۔ انہوں نے کہا، مطیع ہو کر آتے ہیں۔ پس دو دن میں اس دھوئیں سے سات آسمان بنائے اور پھر آسمان کے نظام کا حکم (کارکنانِ قضا و قدر کے پاس) بھیجدیا اور ہم نے آسمانِ دُنیا کو (ستاروں کے) چراغوں سے زینت دی اور (شیطانوں سے) محفوظ رکھا۔ یہ غالب اور واقف کار خدا کے اندازے ہیں۔ اگر وہ رُوگردانی کریں تو ان سے کہو۔ میں تم کو ایک بجلی کی چمک سے ڈراتا ہوں جو قوم عاد و ثمود پر کڑکی تھی۔ جب ان کے پاس آگے سے اور پیچھے سے پیغمبر (یہ خبر لے کر) آئے اور کہا، اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ تو انہوں نے

کہا اگر ہمارا رب چاہتا تو فرشتے نازل کرتا اور جو باتیں تم دے کر بھیجے گئے ہم انہیں نہیں مانتے۔

ان آیات کے بارہ میں چند باتیں قابلِ ذکر ہیں؛

۱۔ قرآن مجید علمِ ہیئت کی کتاب نہیں اور نہ قرآن خوانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ہر ہر بات کو علمِ ہیئت کے اصول پہ جانچیں۔ خداوندِ عالم مختلف طریقوں سے اپنی صنعتوں کو بیان فرما رہا ہے۔ لہٰذا اس طرف توجہ کی ضرورت نہیں کہ پہلے آسمان بنا یا زمین۔ اس کو بنانے والا ہی بہتر جانتا ہے۔

۲۔ یہاں بیان یہ ہے کہ آسمان و زمین بننے سے پہلے دھوُاں ہی دھوُاں فضا میں تھا جو بخارات کی صورت میں پھیلا ہوُا تھا۔ اس کے تموج سے جھاگ پیدا ہوتے۔ اس جھاگ کے سرد ہونے پر زمین بنی پھر اور ستارے بنتے چلے گئے نہج البلاغہ میں امیر المومنین نے بھی یہی بیان فرمایا ہے۔ ہمیں ہر جگہ سائنس سے مطابق کرنے کی ضرورت نہیں۔ سائنس بعد کی چیز ہے۔ وہ کائنات کی تخلیق کے بعد اس کے آثار سے بنی ہے۔

اب رہا دُخان اور ارض کو بُلانا۔ کہا جاسکتا ہے کہ یہ لا یعقل اور بے جان ہیں۔ ان کو بُلانا کیسا۔ تو اس کا جواب ہے کہ بے شک ہمارے نزدیک ایسا ہی ہے لیکن خدا جو ان کا خالق ہے وہ ان کو زبانِ بیان دے سکتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بزبانِ حال ان سے سوال و جواب ہو یعنی انہوں نے بزبانِ حال اپنی اطاعت کا اقرار کر لیا ہو یعنی جو صورت تو ہمیں دے گا یا جس حالت پر تو ہمیں رکھے گا ہم اس پر راضی ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ جو کچھ ہو رہا تھا سب حکم خدا کے تحت ہو رہا تھا۔ یہ کسی اور کی بنائی ہوئی چیزیں نہیں ہیں۔ ان چیزوں کے متعلق اس جستجو میں پڑنا کہ یہ کیسے بنیں، کون پہلے بنا اور کون بعد میں، کون کتنا بڑا تھا اور کون کتنا چھوٹا، تکوینی معاملات میں دخل اندازی ہے جو ہماری عقل و فہم سے باہر ہے۔ ہمیں تو صرف اتنا ہی سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ سب چیزیں خدا کی بنائی ہوئی ہیں اور جو کچھ اس نے بنایا کسی کو اس میں چون و چرا کا حق نہیں۔ اگر کوئی سر مارے گا بھی تو دردِ سر کے سوا کچھ حاصل نہ ہو گا۔

۳۔ یہ کہنا بھی بے وقوفی ہے کہ جب یہ چیزیں پیدا ہی نہ ہوئی تھیں تو خدا نے کہا کس سے؟ جواب یہ ہے کہ اگرچہ وہ بوجود مادی ظہور میں نہ ہوں لیکن علمِ الٰہی میں تو تھیں۔

۴۔ آسمان کو روشن ستاروں سے زینت بخشی۔ ان سے بنی نوعِ انسان کو بے شمار فوائد پہنچتے ہیں۔ یہ مسافروں کے لیے رہنما بھی ہیں، جہازوں کو سمت بتانے والے بھی ہیں اور آسمان کی زینت کا باعث بھی ہیں۔

۵۔ **حفظا** بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ شیطانوں سے حفاظت کا باعث ہیں وہاں تک شیطان نہیں جا سکتے۔ اگر سُن گُن لینے اور فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے چلے بھی جاتے ہیں تو شہاب ثاقب ان کا پیچھا کرتے ہیں اور ان کو وہاں سے کھدیڑ ڈالتے ہیں۔ بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ ان کی شعاعیں بہت سے حوادثِ ارضی و سماوی سے محفوظ رکھتی ہیں۔ بہت سے مضر مواد کو جلا دیتی ہیں۔

۶۔ یہ خدا کا اندازہ ہے یعنی خدا نے ہر چیز کو ایک مناسب اندازہ سے پیدا کیا ہے اور اسی پر وہ قیامت تک باقی رہیں گی۔

۷۔ صاعقہ ہلاک کرنے والی چیز کو کہتے ہیں۔ عاد و ثمود وغیرہ قوموں کی ہلاکت کا باعث بجلی کی کڑک چمک تھی۔ جو ایک چنگھاڑ کی صورت میں ان سب کو مار گئی۔

۸۔ انبیاء و مرسلین کے آگے پیچھے آنے سے یہ مراد ہے کہ خود ان کے ملکوں سے بھی آئے اور آس پاس کے دوسرے ملکوں میں بھی۔ اور ان کی ہدایت لوگوں کے ذریعہ سے ان تک پہنچتی رہی۔ اور یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ پے در پے آگے پیچھے وقفہ کے ساتھ آتے رہے۔

۹۔ باوجودیکہ انبیاء نے ان کو طرح طرح سے سمجھایا اور اپنی رسالت کے بیّن ثبوت دیئے معجزات دکھلائے۔ مگر وہ یہی رٹ لگاتے رہے کہ تم تو ہم ہی جیسے آدمی ہو۔ بجائے تمہارے خدا نے اپنے فرشتے کیوں نہ بھیجے۔ تمہاری باتیں تو ہمارے کانوں کو لگتی ہی نہیں۔ لہٰذا ہم ان کو نہیں مان سکتے۔

فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَ قَالُوْا مَنْ اَشَدُّ
مِنَّا قُوَّةً ؕ اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ
قُوَّةً ؕ وَكَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یَجْحَدُوْنَ ⑮ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا
صَرْصَرًا فِیْۤ اَیَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِیْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْیِ فِی الْحَیٰوةِ
الدُّنْیَا ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰی وَهُمْ لَا یُنْصَرُوْنَ ⑯

قوم عاد (کا حال سنو) یہ لوگ خالقِ روئے زمین سے غرور و تکبّر کرنے لگے اور کہنے لگے (بھلا) ہم سے قوت میں کون زیادہ ہے۔ انہوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ خدا جس نے انہیں پیدا کیا ہے قوت میں ان سے بے انتہا زیادہ ہے۔ وہ ہماری آیات سے انکار کرتے رہے۔ تو ہم نے بھی ان کے نحوست کے دنوں میں تیز آندھی چلا دی تاکہ زندگانیِ دُنیا میں وہ رسوا کرنے والے عذاب کا مزہ چکھیں اور عذابِ آخرت تو اس سے کہیں زیادہ رسوا کن ہوگا اور ان کی مدد نہیں کی جائے گی

منحوس دنوں سے یہ مطلب ہے کہ یہ ایام قوم عاد کے لیے بڑے منحوس ثابت ہوئے۔

وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَیْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰی عَلَی الْهُدٰی فَاَخَذَتْهُمْ
صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ⑰ ج وَنَجَّیْنَا
الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ ⑱ ع وَیَوْمَ یُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَی ع ۲ ۱۶
النَّارِ فَهُمْ یُوْزَعُوْنَ ⑲ حَتّٰۤی اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَیْهِمْ
سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ⑳ وَ
قَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَیْنَا ؕ قَالُوْۤا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِیْۤ
اَنْطَقَ كُلَّ شَیْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ㉑
وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ یَّشْهَدَ عَلَیْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَاۤ اَبْصَارُكُمْ
وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا یَعْلَمُ كَثِیْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ㉒

لیکن ثمود کو ہم نے ہدایت کی مگر انہوں نے ہدایت کے مقابلہ میں گمراہی کو زیادہ پسند کیا تو ان کے کرتوتوں کی بدولت ذلت کے عذاب کی بجلی نے انہیں لے ڈالا۔ اور ہم نے اُن لوگوں کو جو ایمان والے تھے اور متقی تھے عذاب سے نجات دے دی۔ اور جس دن خدا کے دشمن دوزخ کی طرف ہنکائے جائیں گے اور ترتیب وار کھڑے کیے جائیں گے یہاں تک کہ سب کے سب جب جہنم کے پاس جائیں گے تو ان کے کان، ان کی آنکھیں، ان کے بدن کی کھال، ان کے خلاف ان کی کارستانیوں کی گواہی دیں گے۔ وہ اپنے اعضاء سے کہیں گے تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی۔ وہ کہیں گے جس خدا نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اُس نے ہم کو بھی گویا کیا اور اسی نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور اس کی طرف پلٹ کر جاؤ گے اور (تمہاری تو یہ حالت تھی کہ تم لوگ

اس خیال سے اپنے گناہوں کی پردہ داری بھی نہ کرتے تھے کہ تمہارے کان، تمہاری آنکھیں اور تمہارے اعضأ تمہارے خلاف گواہی دیں گے اور تم تو اس خیال میں تھے کہ خدا کو تمہارے بہت سے کاموں کی خبر ہی نہیں۔

جن اعضاء کو ہم اپنا سمجھتے ہیں درحقیقت وُہ خدا کے جاسوس ہیں۔ قیامت میں یہ ہمارے خلاف گواہی دیں گے کان کہیں گے فلاں فلاں وقت اس نے میرے ذریعہ سے غیبت سُنی تھی۔ آنکھ کہے گی میرے ذریعہ سے فلاں فلاں وقت حرام چیزوں پر نظر ڈالی تھی۔ بدن کی کھال کہے گی اس نے مجھے نامحرم سے مَس کیا تھا۔ میرے اندر حرام شئے کھا کر خون دوڑایا تھا۔ اس وقت انسان تعجب سے کہے گا، تمہیں میرے خلاف گواہی دینے پر کس نے آمادہ کیا سب کہیں گے ہمیں اس ذاتِ واحد و یکتا نے ناطق کیا ہے جس نے ہر شے کو قوتِ گویائی دی ہے۔ تمہیں کبھی اس کا خیال بھی نہ آیا ہوگا کہ یہ اعضاء تمہارے خلاف گواہی دیں گے۔ تم تو اس خبط میں مبتلا ہے کہ تمہاری کارستانیوں کا خدا کو بھی علم نہیں۔

وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ
الْخٰسِرِيْنَ ㉓ فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا
فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ ㉔ وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا
بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ
خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ㉕

یہ تمہارا گمان جو تم نے اپنے رب کے ساتھ کیا تھا، تمہیں لے ڈوبا اور تم گھاٹا پانے والوں میں سے بن گئے۔ یہ لوگ اگر اب صبر بھی کریں (تو کیا ہونا ہے اب تو) جہنم ہی ان کے قیام کی جگہ ہے اب یہ اگر معذرت کرنا چاہیں گے (توبہ کریں گے) تو ان کی معذرت قبول نہ کی جائے گی ہم نے (گویا قوی شیطانوں کو) ان کا ہم نشین مقرر کر دیا تھا تو انہوں نے ان کے اگلے پچھلے کام ان کی نگاہوں میں بھلے کر دکھائے۔ آخر ان کے حق میں بھی فیصلہ ہو کر رہا جو ان سے پہلے کے جنّوں اور انسانوں

کے حق میں کیا گیا تھا۔ یقیناً وُہ خسارہ پانے والوں میں سے تھے۔

ان کفار کے دلوں میں جب خدا کے متعلق بدگمانیاں بڑھتی ہی چلی گئیں تو اس کا نتیجہ یہی تھا کہ وہ ہلاکت کے بھنور میں پھنس گئے اور انہوں نے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالیا۔ اب توبہ کرنے سے کیا فائدہ، اس کا وقت تو گزر چکا۔ انہیں شیطان کے مشورے ایسے پسندیدہ معلوم ہوئے گویا ہم نے حکم دیا تھا کہ تم شیطان کی باتوں پر عمل کیا کرو۔ اُس نے ان کے آگے پیچھے سے آکر خوب خوب بہکایا۔ ان کی بداعمالیوں کو ان کی نظر میں زینت دی۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ جو فیصلہ ان سے پہلے کی سرکش قوموں کے حق میں کیا گیا تھا جن ہوں یا انسان، وہی ان لوگوں کے لیے بھی کیا گیا۔ یعنی یہ کہ ان پر عذاب نازل ہو گیا۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ
تَغْلِبُوْنَ ㉖ فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ
اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ㉗ ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ
لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ ؕ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ㉘

اور کافر لوگ کہنے لگے کہ اس قرآن کو مت سُنو اور جب پڑھیں تو اس کے بیچ میں غُل مچا دیا کرو تاکہ تم غالب آجاؤ، تو ہم بھی کافروں کو سخت عذاب کے مزے چکھائیں گے اور ان کی کارستانیوں کی بہت بڑی سزا دوزخ کی آگ ہے۔ خدا کے دُشمنوں کا بدلہ یہی ہے اور یہی جگہ ان کے ہمیشہ رہنے کا گھر ہے۔ یہی سزا ہے اُن کے لیے جو ہماری آیتوں سے انکار کرتے تھے۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب بڑے بڑے کفّار قرآن کے مقابلہ سے عاجز ہو گئے تو اُن کو یہ خوف ہُوا، کہیں ایسا نہ ہو کہ اطراف و جوانب سے صحرائی عرب آکر قرآن کو سُن لیں اور ایمان لے آئیں۔ غرض ان لوگوں نے یہ مشورہ کیا کہ جب حضرتؐ قرآن سُنانا شروع کریں تو خوب غُل مچائیں، تالیاں بجائیں اور بیہودہ باتیں کریں۔ یہ آیت انہی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ

نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ (۲۹) اِنَّ الَّذِيْنَ
قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا
وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ (۳۰) نَحْنُ
اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ
اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ؕ (۳۱) نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ع (۳۲) وَمَنْ ع ۴ ۱۸
اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ
مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ (۳۳)

اور (قیامت کے دن) جن لوگوں نے کفر اختیار کیا تھا (کہیں گے) اے ہمارے رب، ایک نظر ہمیں اُن جنّوں اور انسانوں کو دکھا دے جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا (کہ) ہم انہیں اپنے پیروں تلے روند ڈالیں اور وُہ (خوب) ذلیل ہوں۔ بے شک جن لوگوں نے کہا تھا ہمارا رب اللہ ہے اور پھر اُس پر قائم بھی رہے ان پر ملائکہ یہ کہتے نازل ہوں گے تم کچھ خوف نہ کرو اور رنجیدہ نہ ہو اور جس بہشت کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا اس میں (خوب) خوشیاں مناؤ۔ دُنیا کی زندگی میں بھی ہم تمہارے دوست تھے اور اب آخرت میں بھی، یہاں تمہارے لیے ہر وُہ چیز ہے جسے تمہارا دل چاہے اور جو چیز طلب کرو گے وُہ حاضر ہو گی۔ یہ خدائے غفور و رحیم کی طرف سے تمہاری مہمانی ہے اور اس سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے جو لوگوں کو خدا کی طرف بُلائے اور اچھّے اچھّے کام کرے اور کہتے ہیں ہم یقیناً خدا کے فرماں بردار بندوں میں سے ہیں۔

جو لوگ اس دُنیا میں کفر اختیار کیے ہوئے ہیں یہاں اُن لوگوں کی نظر میں شیطانوں کی بڑی وقعت ہے جو اُن کو بہلا کر راہِ حق سے ہٹا رہے ہیں۔ وہ ان کے چشم و ابرُو کے اشارہ پر اعمالِ بد کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ وُہ ان

گمراہ کرنے والوں کے مقابل رسول کی ہدایات کو وقعت کی نظر سے نہیں دیکھتے۔ لیکن قیامت میں جب خدا کا سامنا ہو گا اور ان کی فردِ جرم ان کے گلے میں ڈال دی جائے گی اس وقت ان کی سمجھ میں آئے گا کہ بہکانے والوں نے ان کو کیسا سخت دھوکا میں رکھا تھا وہی آج اس کا باعث ہوئے کہ ان کو جہنّم کی طرف کھینچا جا رہا ہے۔ اس وقت ان کی یہ خواہش ہو گی کہ ان گمراہ کرنے والوں کو ان کے سامنے لایا جائے تاکہ وہ ان کو اپنے پیروں سے کچل ڈالیں اور ان کو اچھی طرح ذلیل کریں۔ لیکن ایسا کرنے کا اب وقت کہاں۔ جب دُنیا میں یہ اس وقت اپنے بھلے بُرے کو نہیں سمجھے۔ جس وقت بہکانے والے بہکا رہے تھے تو اس وقت ہدایت کرنے والے ہدایت بھی کر رہے تھے۔ دونوں راستے ان کے سامنے تھے۔ ان کی عقل نے کیوں نہیں یہ بتایا کہ انہیں رسولؐ کی ہدایت پر عمل کرنا چاہیے۔

برخلاف ان کے جو لوگ ایمان لائے اور مرتے دم تک اس پر قائم رہے اور نیک کام کرتے رہے ان کے لیے بہشت میں سب کچھ ہو گا جو مانگیں گے ملے گا، جو خواہش ہو گی وہ پوری ہو گی۔

اچھے قول والا اس سے بہتر کون ہو گا جو لوگوں کو اللہ کی طرف بُلائے، نیک عمل کر کے دکھائے اور یہ بتائے کہ میں خدا کا فرماں بردار بندہ ہوں۔ آنحضرتؐ نے جن لوگوں کو دعوتِ اسلام دی ان پر قولاً و فعلاً یہ ثابت کر دیا کہ وہ جو کچھ کرتے یا کہتے ہیں وہ خدا کے حکم سے کرتے ہیں اور باوجود ہر طرح کے مصائب برداشت کرنے اور قوم کی سخت مخالفت کے، کبھی ان کا قدم جادۂ حق سے بال برابر نہیں ہٹا۔ کفّار و مشرکین نے اپنی کوششوں میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ لالچ بھی دیے، ڈرایا دھمکایا بھی، اذیت بھی دی، بائیکاٹ بھی کیا، وطن سے نکالا۔ اگر خدا کی قوت ان کے اندر کام نہ کر رہی ہوتی تو ضرور کسی نہ کسی موڑ پر کمزوری کا اظہار ہوتا۔ آپؐ کا یہ استقلال، یہ ثابت قدمی اور صبر و تحمل اس کی دلیل ہے کہ وہ کسی حالت میں بھی باطل کے سامنے جھکنے والے اور امرِ حق کی تبلیغ سے رُکنے والے نہ تھے۔ وہ خدا کے سچے بندے اور رسولؐ ہیں۔

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ؕ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا
الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ (۳۴) وَمَا يُلَقّٰىهَآ
اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ (۳۵) وَاِمَّا
يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ
الْعَلِيْمُ (۳۶) وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ؕ لَا تَسْجُدُوْا

لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ
اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۳۷﴾ فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ
لَهٗ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْــَٔمُوْنَ ﴿۳۸﴾ السجدۃ

السجدۃ ۱۱

بھلائی اور بُرائی کبھی برابر نہیں ہو سکتی (سخت کلامی کا) ایسے طریقہ سے جواب دو جو نہایت اچھا ہو (ایسا کرنے پر تم دیکھو گے کہ) جن لوگوں میں اور تم میں دشمنی تھی گویا وُہ تمہارے دوست بن گئے ہیں۔ یہ بات بس انہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو صبر کرنے والے ہیں اور انہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو بڑے نصیبہ ور ہیں اور اگر تمہیں شیطان کی طرف سے وسوسہ پیدا ہو تو خدا کی پناہ مانگ لیا کرو۔ وہ سب کی سنتا اور جانتا ہے اور اس کی نشانیوں میں رات اور دن اور آفتاب اور چاند ہیں تو تم لوگ نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو بلکہ اس اللہ کو سجدہ کرو جس نے ان کو (سورج چاند) پیدا کیا ہے۔ اگر تم کو خدا کی عبادت کرنی مرغوب ہے۔ پس اگر یہ لوگ سرکشی کریں (تو خدا کو ان کی کچھ پرواہ نہیں) تمہارے رب کی بارگاہ میں ایسے لوگ ہیں (فرشتے) جو رات دن اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور اکتاتے نہیں۔

مناظرہ کا جو بہترین اصول تسلیم کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ حریف جب کوئی دلیل پیش کرے تو اس کی تردید نہایت شائستہ طریقہ سے کی جائے۔ کسی کو بُرا نہ کہا جائے۔ گستاخانہ کلام نہ ہو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دشمن بھی دوست بن جائے گا۔ اکثر لوگ مناظرہ میں نامناسب بات سن کر غصہ میں آپے سے باہر ہو جاتے ہیں اور اول فول بکنے لگتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مناظرہ مجادلہ کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور عداوت کے شعلے اور زیادہ بھڑکنے لگیں گے۔

آگے چل کر جو یہ فرمایا گیا ہے کہ جب شیطان وسوسہ ڈالے تو خدا سے پناہ مانگو۔ اس میں بظاہر مخاطبہ رسولؐ سے ہے لیکن حقیقتاً مراد اُمت ہے۔ کیونکہ رسولؐ معصوم ہیں ان کے دل میں شیطانی وسوسہ کا گذر ہو ہی نہیں سکتا۔ شیطان نے یہ عہد کر لیا ہے کہ تیرے مخلص بندوں کو نہیں بہکاؤں گا باقی سب کو بہکاؤں گا۔ پس معلوم ہوا کہ مراد اُمت ہے۔

آگے چل کر ان لوگوں سے کہا جا رہا ہے جو سورج اور چاند کی پوجا کرتے ہیں کہ یہ قابلِ پرستش نہیں۔ یہ تو خدا کی مخلوق ہے۔ قابلِ عبادت تو وہ ذات ہے جس نے ان کو پیدا کیا ہے۔ اگر تم ازراہِ تکبر اس کی عبادت نہیں کرتے تو نہ کرو۔ اس کی عبادت کرنے والے بہت ہیں جن میں ایسے بھی ہیں جو شب و روز اس کی عبادت کرتے ہیں اور کبھی تھکتے نہیں یعنی فرشتے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ
اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ؕ اِنَّ الَّذِيْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ؕ
اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِعْمَلُوْا
مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۴۰﴾

اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تم جس زمین کو خشک و بے گیاہ دیکھتے ہو جب ہم اس پر پانی برسا دیتے ہیں تو لہلہانے لگتی ہے اور پھول جاتی ہے جس نے مُردہ زمین کو دوبارہ زندہ کیا وہ مُردوں کو بھی جلائے گا۔ بے شک وہ ہر شے پر قادر ہے۔ جو لوگ ہماری آیات میں ہیر پھیر کرتے ہیں وُہ ہم سے پوشیدہ نہیں۔ جو شخص (قیامت میں) آگ میں ڈالا جائے گا آیا وہ بہتر ہے یا وُہ جو روزِ قیامت بے خوف و ہراس آئے گا۔ جو تمہارا دل چاہے کرو۔ جو کچھ تم کرتے ہو، خدا اس کا دیکھنے والا ہے۔

ایک ایسی زمین جو مُردہ پڑی تھی، گھاس کا ایک پتہ تک اس پر کہیں نظر نہ آتا تھا جب خدا نے اپنی قدرت سے اس پر پانی برسایا تو پھر دیکھو وہی زمین مرنے کے بعد کس طرح جی اٹھی اور اس پر گھاس پات اور پودے کس طرح لہلہانے لگے۔ پس جس طرح زمین سے نباتات کو نکالتا ہے اسی طرح قیامت میں زمین سے مُردوں کو نکالے گا۔ اتنا کھلا ثبوت دیکھنے کے بعد اگر قیامت میں مُردوں کے زندہ ہونے سے انکار کرو تو ہٹ دھرمی نہیں تو اور کیا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ﴿۴۱﴾ ۙ
لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ
حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ﴿۴۲﴾ مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ؕ اِنَّ

رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّ ذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ (۴۳)

جن لوگوں نے کفر اختیار کیا، جن لوگوں نے نصیحت کو جب ان کے پاس آئی نہ مانا (تو اس کا نتیجہ دیکھ لیں گے) اور بے شک یہ تو ایسی عالی مرتبہ کتاب ہے کہ نہ تو باطل اس کے سامنے آسکتا ہے اور نہ پیچھے۔ یہ تو حکمت والے لائق حمد خدا کی طرف سے نازل کی ہوئی ہے (اے رسول) تم سے بھی وہی باتیں کہی جاتی ہیں جو تم سے پہلے آنے والوں سے کہی گئی تھیں۔ بے شک تمہارا رب بخشنے والا بھی ہے اور دردناک عذاب دینے والا بھی ہے۔

قرآن کی صداقت سے انکار کرنے والوں پر یہ بات واضح ہونی چاہیئے کہ اس کو منسوخ کرنے والی اب کوئی کتاب موجود ہے نہ اس سے پہلے کوئی ایسی کتاب نازل ہوئی تھی۔ اے رسولؐ، تمہاری ہدایت بھی اسی طریقہ کی ہے جیسی تم سے پہلے رسولوں کی تھی۔ یعنی خدا کی توحید کی طرف لوگوں کو بُلانا، قیامت کا اقرار، خدا کی کتاب کی تصدیق، رسول کی رسالت کو ماننا، اس کے علاوہ تم کچھ اور نہیں کہتے۔ پھر یہ لوگ تمہاری رسالت کو کیوں نہیں مانتے اور قرآن کی تصدیق کیوں نہیں کرتے۔ کس امر نے ان کو شبہ میں ڈال رکھا ہے۔ اگر وہ مان لیں گے تو خدا ان کے پچھلے گناہ معاف کر دے گا ورنہ پھر وہ سخت عذاب دینے والا بھی ہے۔

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ؕ ءَاَعْجَمِيٌّ
وَّعَرَبِيٌّ ؕ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ؕ وَالَّذِيْنَ
لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ؕ اُولٰٓئِكَ
يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ (۴۴) ع وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ ۵ ع۱۲ ۱۹
فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ

بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ (۴۵) مَنْ عَمِلَ
صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ؕ وَمَا رَبُّكَ
بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ (۴۶)

اگر ہم اس قرآن کو عربی زبان کے سوا کسی دوسری زبان میں نازل کرتے تو یہ لوگ کہہ بیٹھتے کہ اس کی آیات ہماری زبان میں تفصیل سے کیوں نہ بیان کی گئیں (کیا خوب) قرآن تو عجمی اور مخاطب عربی۔ اے رسول تم ان سے کہہ دو کہ ایمانداروں کے لیے تو یہ قرآن (سرتاپا) ہدایت اور (ہر مرض کی) شفا ہے اور جو لوگ ایمان نہیں رکھتے ان کے کانوں میں گرانی ہے اور وُہ ان کے لیے نابینائی کا سبب ہے۔ تو گویا گرانی کی وجہ سے وُہ لوگ بڑی دُور سے پکارے جاتے ہیں۔

ہم نے موسٰی کو کتاب 'توریت' دی تو اس میں بھی اختلاف کیا گیا۔ اگر تمہارے رب کی طرف سے ایک بات پہلے نہ ہو چکی ہوتی تو ان کا کب کا فیصلہ کر دیا گیا ہوتا۔ اور یہ لوگ ایسے شک میں پڑے ہوئے ہیں جس نے انہیں بے چین کر دیا ہے۔ جس نے اچھے اچھے کام کیے تو اپنے فائدہ کے لیے کیے اور جو بُرے کام کرے گا اس کا وبال اس پر ہے اور تمہارا پروردگار اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔

کفار کا اعتراض یہ تھا کہ قرآن عربی زبان میں جو محمدؐ کی مادری زبان میں نازل ہوا ہے۔ لہٰذا ان کے لیے کونسی مشکل بات ہے اگر ایسی کتاب بنا لیں۔ مزہ تو جب تھا کہ کسی غیر زبان میں جیسے فارسی، رومی، یُونانی جسے وہ نہیں جانتے فر فر تقریریں شروع کر دیتے تو ہم جانتے کہ بے شک یہ خدا کی طرف سے ہے کیونکہ یہ تو ان زبانوں سے واقف ہی نہ تھے ضرور یہ خُدا نے ان کو تعلیم دی ہے۔
خدا فرماتا ہے یہ عجیب بات ہے اگر ہم عربی کے سوا کسی اور زبان میں نازل کرتے تو تم لوگ پھر یہ کہتے کہ

واہ جی واہ! کیا کہنا اس کلام کا جو ایسی زبان میں بھیجا جا رہا ہے جسے ہم سمجھتے ہی نہیں، پھر اس کے نازل کرنے سے فائدہ کیا۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے دل میں عداوت ہے۔ لہٰذا ہر صورت میں اعتراض کرنا چاہتے ہیں۔ چاہیئے تک بیٹھے یا نہ بیٹھے۔ یہ اس قرآن سے کیا فائدہ حاصل کریں۔ بھینس کے آگے بین بجائی بھینس پڑی پگرائے یہ تو انہی لوگوں کے لیے باعثِ ہدایت ہے اور شفائے امراضِ رُوحانی وجسمانی ہو سکتا ہے جو ایمان لانے والے ہیں۔ رہے ایمان نہ لانے والے تو وہ تو خود بخود بہرے بن بیٹھے ہیں۔ حالانکہ ان کے کان ہیں۔ مگر جب سُننا ہی نہ چاہیں اور اندھے بن کر دیکھنا ہی نہ چاہیں تو اس کا کیا علاج۔

اس سے پہلے جب موسیٰؑ کو کتاب توریت دی گئی تھی اس وقت بھی کافروں کا یہی عمل رہا تھا۔ خواہ مخواہ کے اعتراض کر کے اختلافی صورتیں پیدا کر دیں۔ اگر ان کے عذاب کے لیے ایک وقت معیّن نہ کر دیا گیا ہوتا تو ان کے درمیان کبھی کا فیصلہ کر دیا جاتا۔ یہ تو طرح طرح کے شکوک میں مبتلا ہیں۔ حق بات تو ان کے کان کو لگتی ہی نہیں بہرحال جو نیک کام کرے گا اس کا فائدہ اُسی کی ذات کو پہنچے گا اور جو بداعمال بن کر رہے گا اس کا وبال بھی اُسی پر پڑیگا خدا تو اپنے بندوں میں سے کسی پر ظلم نہیں کرتا، بندے خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں اور قیامت میں اس کی سزا بھگتیں گے۔

○

ختم شد

فہرست موضوعات

الف

آتش پرست	۱۵۴
آثارِ قیامت	۸۹
آدمؑ	۳۸۳، ۲۲۸
آدمی کی پیدائش	۳۹۵
آذر حضرت ابراہیمؑ کا باپ نہ تھا	۳۵
آسمان قیامت میں لپیٹ لیئے جائینگے	۳۷۱
آسمان میں برج بنائے اور روشن چاند بنایا	۱۶
آسمان اور زمین چھ دن میں پیدا کیئے	۱۵
آسیہ زنِ فرعون	۳۸۶، ۹
آصف برخیا	۷۸
آلِ ابراہیمؑ	۳۸۳
آلِ عمران	۳۸۳
آلِ فرعون	۳۸۵، ۳۸۳، ۲۸۷
آلِ محمدؐ	۳۸۳، ۳۸۶
آیۂ تطہیر	۲۱۸، ۲۱۷
ابراہیمؑ	۱۳۸، ۱۳۷، ۱۳۶، ۸۶، ۳۵، ۳۴
ابراہیمؑ کو اولاد کی بشارت	۱۳۸
ابراہیمؑ کی آذر کے لئے دعا	۳۸، ۳۶
ابراہیمؑ کی اولاد میں نبوت اور کتاب رکھا	۱۳۶
ابراہیمؑ کی بت پرستوں سے باتیں	۱۳۶، ۱۳۴، ۳۵، ۳۴
ابراہیمؑ کی دعائیں	۳۷، ۳۶
ابراہیمؑ کے واقعہ میں عبرت	۴۰
ابراہیمؑ کے والد کا نام تاخ تھا	۱۸۹، ۳۵
ابراہیمؑ نے حج کے لئے پکارا	۶۸

ابن حجر مکی	۲۷۴
ابن خانم	۲۸۴
ابن خزیمہ	۲۳۷
ابن عامر	۱۹۷
ابن عباس	۴۰۹، ۱۹۷
ابن عساکر	۱۹۷
ابن مردویہ	۲۲۱، ۱۹۷
ابن مسعود بدری	۲۳۷
ابوالقاسم	۲۳۷
ابوبکرؓ	۲۸۴، ۱۵۴
ابوتراب	۸۸
ابوجہل	۲۵۷، ۱۴
ابوسفیان	۲۰۷، ۲۰۶، ۲۰۵، ۱۹۸، ۱۳۳
ابوطالب	۱۱۳، ۱۱۲
ابولہب	۱۹۸
ابولہب کا تمسخر کرنا	۵۶
اُبی الحقیق زرخی بن اخطب	۲۰۵
اُبی بن خلف اور عقبہ بن مغیط کی گفتگو	۱۵۴
اجر دیکھو جزا	
اُبی بن کعب	۱۵۴
احتجاج طبرسی	۲۸۴
اُحد جنگ	۲۰۶، ۱۹۸
احزاب سورہ	۲۰۰
احسن الخالقین	۳۱۷
احمد بن حنبل	۳۱۹

ارج المطالب ۲۳۸، ۲۲۵ و ۵۷
ازواج رسولؐ ۲۳۸ و ۲۱۸، ۲۱۷، ۲۱۵، ۲۰۲
اسحاقؑ ۲۲۵، ۱۳۸، ۱۳۶، ۱۳۵، ۱۳۴
اسراف اور کنجوسی کی ممانعت ۱۶
اسفندیار ۱۷۶
اسمٰعیلؑ ۲۲۵، ۱۳۶، ۱۱۴
اعمال صالح ۲۶۸ و ۲۶۷ و ۲۲۰، ۱۲۹، ۱۲۸، ۵۹، ۱۹ و ۱۸
اعمال نامہ ۳۷۱
اعجاز التنزیل ۵۷
اگلوں کا انجام ۲۸۱، ۱۶۸، ۱۵۷ و ۱۱۳ و ۸۵، ۴۹، ۴۲
۳۹۹ و ۳۸۰ و ۱۸۲
الیاسؑ ۲۳۸
اُم القرار ۱۱۵
امام مہدیؑ (دیکھو امام آخر الزّماں) ۲۲۵ و ۸۷
امام مبین ۲۸۴
امانت ۲۴۳
امتحان آزمائش ۱۲۸
اُم سلمہؓ ۲۳۰ و ۲۱۸
اُم شریک ۲۳۲
اُمہات المومنین ۲۰۲
امیر المومنین ۱۵۵، ۸۷، ۱۹
امیر بن خلف ۱۳۲
انجیل ۲۸۴
انسان کی خلقت ۱۴
انصاف دیکھو عدل
انطاکیہ ۲۸۶
اوتوا العلیم ۱۴۶
اولاد داؤدؑ ۲۴۹
اہلبیت ۲۳۸، ۲۳۶، ۲۳۱، ۲۱۹، ۲۱۷ و ۱۱۳ و ۱۷
ایکہ والوں پر عذاب ۵۲
ایکہ والوں نے رسولوں کو جھٹلایا ۵۰
ایجنٹا ۴۶
ایلورا ۱۷۹
ایوبؑ ۱۷۹

ب

باحور ۱۷۹
بارش سے پہلے ہواؤں کو خوشخبری کے لئے بھیجتا ہے ۸۱، ۱۲
بازار عکاظ ۲۲۲
باعور ۱۷۹
بخت النصر ۲۵۲
بدر جنگ ۲۰۶ و ۱۹۸
بلقیس سے حضرت سلیمانؑ کا نکاح کرنا ۷۶
بلقیس کا ایمان لانا ۷۶
بلقیس کا تذکرہ ۷۰
بلقیس کا سرداروں سے مشورہ ۷۲
بلقیس کی عقل کا امتحان ۷۶
بلقیس کی غلط فہمی ۷۶
بن حارث ۱۷۶
بنی اسد ۲۳۲
بنی اسرائیل کا تعقب ۳۲، ۳۱
بنی اسمٰعیل ۲۳۷
بنی امیہ ۲۳۷
بنی طے ۲۲۲
بنی قریظہ ۲۱۴، ۲۱۳، ۲۰۹، ۲۰۶، ۲۰۵
بنی معین ۲۲۲
بنی نصر ۲۰۵

بودہ ۴۶
بیت المقدس ۲۵۲، ۷۴
بہشت و ۲۱۷، ۱۹۶ و ۱۷۷، ۱۴۸ و ۱۱۵، ۳۶، ۱۹ و ۵
۳۸۷ و ۳۷۳، ۲۷۸، ۲۵۹ و ۲۳۲

پ

پردہ کا حکم ۲۳۶، ۲۳۵

ت

تابوت سکینہ ۲۳۷
تابعین ۲۷۴، ۲۳۹
ترکہ ۲۰۰
ترمذی (امام) ۲۳۷
تفسیر در منثور ۲۸۴، ۲۳۶، ۲۱۹
تفسیر صافی ۲۸۳، ۱۹۹
تفسیر قمی ۲۸۲، ۱۹۹
تفسیر کبیر ۲۳۶
تقیہ ۳۸۵، ۲۸۳
تکبر ۴۰۶، ۳۹۷
تلاوت ۱۴۲
تمیم بن مسعود اشجعی ۲۰۶
توبہ کرنے والوں کو خدا بخش دیتا ہے ۶۲ و ۱۹، ۱۸
توریت ۴۱۲ و ۴ و ۲۸، ۲۵۷، ۱۹۸ و ۱۹۷، ۱۰۹، ۱۰۳
تہجد ۵۶

ث

ثعلبی ۲۱۹
ثمود ۱۷۶، ۱۳۹، ۹
ثوبیہ دائی جنھوں نے رسول اکرم کو دودھ پلایا
کافرہ نہ تھیں ۹۵

ج

جادوگروں کی شعبدہ بازی ۳۰، ۲۸
جالوت ۲۴۹ و ۱۱۸
جبرئیل امین ۱۳۵ و ۲۳
جبل سفع ۲۰۵
جزا ۴۰۳ و ۲۶۷، ۱۲۸، ۱۲۵ و ۱۲۳، ۸۹
جس دن فرشتوں کو دیکھیں گے گنہگار خوش نہ ہونگے ۵
جعفرؓ ۱۱۰
جعفر صادق علیہ السلام ۱۷۰
جنّات ۲۵۷، ۲۵۲، ۲۵۱، ۲۵۰، ۲۴۹، ۲۴۸
جلال الدین سیوطی (دیکھو سیوطی) ۳۶۸
جنب اللہ ۲۶۸
جنت دیکھو بہشت
جہاد ۱۵۲
جہالت کی بات کا جواب سلام ہے ۱۲ و ۱۶
جہنّم ۲۴۱، ۱۹۶، ۱۵۲، ۱۴۸، ۴۰، ۳۶، ۱۶، ۱۴
۲۷۸، ۲۶۸، ۲۶۰، ۲۴۸، ۲۴۳

چ

چیونٹی اور حضرت سلیمان کی گفتگو ۶۸ و ۶۷

ح

حافظ ابوبکر بن مردویہ ۲۷۴
حاکم ۲۳۷
حٰم سجدہ (سورہ) ۳۰۱
حبشہ ۱۸۶، ۱۱۱ و ۱۱۰
حبیب نجار ۳۶۲، ۲۶۰، ۲۸۶، ۹۸
حدیث قدسی ۲۶۹
حزقیل ۳۸۶، ۳۸۵، ۳۸۳، ۳۸۲
حسنؑ و حسینؑ ۲۲۵، ۲۱۹، ۲۱۸، ۱۹۸

حفصہؓ ۲۳۲، ۲۳۰

حکیم حزام ۲۲۲

حلیمہ دائی کافرہ نہ تھیں ۹۵

حمد باری ۳۶۵، ۲۴۶، ۲۴۵، ۱۷۸، ۱۱۸، ۱۵

حمزہ ۲۷۱، ۱۹۷، ۱۸۷، ۳۹۱

حوّا کی پیدائش ۳۴۸

حیی بن اخطب ۲۱۴، ۲۰۵

خ

خاتم النبیین ۲۲۶، ۲۲۵، ۱۲۱

خدا باریک بیں اور خبردار ہے ۲۳۰، ۲۱۸، ۱۸۷، ۱۸۱

خدا پیدا کرتا ہے اور دوبارہ پھر زندہ کریگا ۱۳۳، ۸۸، ۸۲
۱۸۶، ۱۷۳، ۱۶۹، ۱۶۴، ۱۶۲، ۱۵۹، ۱۵۷

خدا جسے چاہتا ہے منتخب کرتا ہے ۱۱۷

خدا حیّ ہے۔ ۴۱۳، ۳۹۵، ۱۴

خدا خالق ہے۔ ۱۷۷، ۱۶۲، ۱۵۵، ۱۵۰، ۷۹، ۱۶، ۱۵، ۱۴
۳۹۸، ۳۹۵، ۳۹۲، ۳۶۹، ۱۹۲، ۱۸۵

خدا دل کے بھید جانتا ہے۔ ۱۸۴، ۸۵

خدا دوبارہ زندہ کریگا ۳۶

خدا دوبار مارتا اور دوبار زندہ کرتا ہے ۳۷۷

خدا ظالم نہیں۔ ۳۷۱، ۱۴۰، ۵۵

خدا عالم، علیم اور حکیم ۱۲۸، ۱۲۶، ۱۱۷، ۹۰، ۸۶، ۱۹
۱۷۹، ۱۸۷، ۱۸۶، ۱۶۴، ۱۴۹، ۱۴۷، ۱۳۶
۲۶۹، ۱۹۲

خدا کا ذکر کرو ۲۲۷

خدا کا وجود ۸۳، ۷۹

خدا کا وعدہ ۱۸۹، ۱۷۷، ۱۷۵، ۱۵۴، ۱۱۵، ۵۴
۳۹۷، ۲۹۶

خدا کی خلقت میں تبدیلی نہیں ہوتی ۲۸۱، ۱۶۵

خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہو ۳۶۷

خدا کی عادت میں تبدیلی نہ پاؤ گے ۴۰۰، ۲۹۱، ۲۸۹

خدا کی قدرت ۳۶۷، ۳۶۳، ۷۹، ۱۶، ۱۴، ۱۲، ۱۱
۴۰۳، ۳۹۵، ۳۷۱، ۳۷۰

خدا کی صفات ۱۶۱، ۵۰، ۴۵، ۴۰، ۳۶، ۲۵، ۳۲، ۱۸
۲۵۹، ۲۵۵، ۲۴۶، ۲۴۵، ۲۳۳، ۲۳۰، ۸۵، ۸۲، ۶۳
۳۶۱، ۲۸۰، ۲۷۴، ۲۷۱، ۲۶۸، ۲۶۵، ۲۶۴، ۲۶۰
۳۹۴، ۳۷۸، ۳۷۵، ۳۷۰، ۳۶۹، ۳۶۶، ۳۶۵
۴۱۴، ۴۱۳، ۳۹۵

خدا مفسدوں کو دوست نہیں رکھتا ۱۲۰

خدا کے اچھے بندے فروتنی سے چلتے ہیں ۱۶

خدا موت کے بعد آدمی کو پھر زندہ کریگا ۲۸۴

خدا مہربان ہے غفور، غالب اور رحیم ہے ۴۰، ۱۸، ۱۵
۲۱۳، ۱۵۴، ۱۲۵، ۵۲، ۵۰، ۴۷، ۴۵، ۴۳

خدا نے آسمان، زمین چھ دن میں پیدا کیے ۱۹۱، ۱۵

خدا نے ہر نبی کو حکم دیا کہ لوگوں کو ڈراؤ ۵۰، ۴۵، ۴۴، ۴۱
۵۴، ۵۱

خدیجہؓ ۲۳۱، ۲۳۰، ۲۲۲، ۵۸

خضرؑ ۶۵

خندق جنگ ۲۱۰، ۲۰۶، ۲۰۴، ۱۹۸

خیبر ۱۶۷

د

دابۃ الارض ۲۵۲، ۲۴۹، ۲۴۸، ۱۷۹

داؤدؑ اور سلیمانؑ کو علم عطا فرمایا ۶۴

داؤدؑ کو زرہیں بنانا سکھایا ۶۵

دجلہ اور سمندر خدا کی نشانیاں ہیں ۱۴

دربار حضرت سلیمانؑ ۷۶

درود اور سلام ۲۳۷، ۲۳۶

دریائے نیل پر بنی اسرائیل اور فرعون کا پہنچنا ۳۳، ۳۲

دعا کی ترغیب اور طریقہ ۳۹۲، ۱۹

دعوتِ ذو العشیرہ ۵۶

دعوتِ غور و فکر ۱۹۳

دن کاروبار کے لئے بنایا ۱۲

دنیا اور آخرت کی زندگی کا محاسبہ ۱۱۵

دو دریاؤں کو ملایا اور ان کے درمیان اوٹ بنایا ۷۹، ۱۴

دو دن میں سات آسمان بنائے ۲۰۹

دیمک ۲۵۱

دین حق ۱۱۳، ۱۰۹

ذ

ذوی القربیٰ، مساکین اور مسافروں کا حق ۱۶۷

ر

رات کو پردہ بنایا اور نیند کو راحت ۱۲

رجعت ۳۷۷، ۱۹۴

رحمت ۳۶۵، ۲۲۸، ۲۲۷، ۱۷۲، ۱۴۷، ۸۶، ۶۷، ۱۲

ردِ شرک ۱۲۷، ۱۲۱، ۱۲۰، ۱۱۸، ۱۱۷، ۸۲، ۷۹، ۴۰، ۱۸
۱۷۹، ۱۷۸، ۱۷۱، ۱۷۰، ۱۶۷، ۱۶۴، ۱۳۰
۲۷۱، ۲۷۰، ۲۶۴، ۲۶۰، ۲۵۶، ۲۵۵، ۱۸۰
۴۰۰، ۳۹۷، ۳۹۵، ۳۷۱، ۲۸۰، ۲۷۹

ردِ شمس ۱۵۰

رزاق ۱۷۱، ۶۷

رزاقیت ۳۹۵، ۱۵۰، ۱۴۹، ۱۳۳، ۱۲۴، ۸۲

رستم ۱۷۶

روزِ الست ۲۹۶

رس والے ۹

رسولؐ بشر ہیں مگر اُن پر وحی نازل ہوتی ہے ۴۰۲

رسولؐ سے آہستہ بولو ۱۸۲

رسولؐ شاعر نہیں ہیں ۲۹۷، ۵۹

رسولؐ رسالت کی اُجرت نہیں مانگتا ۴۶، ۴۳، ۴۱، ۱۴
۴۸۔

رسولؐ بشیر و نذیر ہیں ۲۷۲، ۲۲۷، ۱۴۵، ۱۴

رسولؐ قیامت میں کہیں گے، میری قوم نے قرآن
کو بیکار بنا دیا تھا۔ ۷

رسولؐ کو جھٹلانے کی سزا ملے گی ۱۷۲، ۲۰، ۱۹

رسولؐ کی شان ۲۲۸، ۲۲۷

رسولؐ کے فرائض ۱۳۳، ۱۰۷، ۹۰

رنگ برنگ کی نباتات قدرت کی نشانیاں ہیں ۲۱

روح الامین قرآن لے کر رسولؐ کے دل پر نازل ہوئے ۵۳

روشن کتاب (لوح محفوظ) ۸۴

روم سورۃ ۱۵۳

روح ۱۵۴

ز

زبور ۲۴۹

زکوٰۃ ۴۰۲، ۱۶۹، ۱۲۴، ۱۲۲، ۱۲۱

زلیخا ۱۱۷

زمانۂ فترت ۱۰۸، ۱۲

زمیں کو جائے قرار بنایا ۷۹

زمین کو دو دن میں پیدا کیا ۴۰۳، ۱۲۱، ۱۸

زنا ۱۸

زید بن ارقم (صحابی) ۲۱۷

زید بن حارثہ بن شرجیل کلبی ۲۲۴، ۲۲۲، ۲۲۰، ۲۰۱
۲۴۲، ۲۲۵

زینب بنت جحش ۲۴۲، ۲۳۴، ۲۲۳، ۲۲۱

زین العابدینؑ ۱۷

س

سائے کو پھیلایا ۱۱
سبا سورہ ۲۳۶
سبا والے ۲۵۳
سجدہ اور قیام میں رات بسر کرنے والوں کی تعریف ۱۶
سزا ۲۷۳، ۲۵۸، ۱۲۵، ۹۰
سر سید احمد خاں ۳۴، ۳۳
سعد بن عبادہؓ ۲۰۳
سعد بن معاد ۲۱۴، ۲۰۵
سلمان فارسیؓ ۲۰۵
سلیمانؑ ۲۵۱، ۲۵۰، ۲۴۹، ۲۴۸، ۱۶۷
سلیمانؑ حضرت داؤدؑ کے وارث ہوئے ۶۴
سلیمانؑ کا خط ملکہ سبا کے نام ۷۱
سلیمانؑ کو پرندوں کی بولی سکھائی ۶۴
سلیمانؑ کو علم عطا کیا ۶۴
سلیمانؑ کو ملکۂ سبا کا حال ہدہد نے بتایا ۷۰
سلیمانؑ کی چیونٹی سے گفتگو ۶۸
سلیمانؑ کی دعا ۶۸، ۶۷
سلیمانؑ کے لشکر میں انسان جن اور پرندے شامل تھے ۶۷
سلیمانؑ نے بلقیس کا امتحان لیا ۷۶
سلیمانؑ نے بلقیس کے تحائف واپس کر دیئے ۷۴، ۷۲
سنن ۲۳۶
سنن ابو داؤد ۲۳۷
سود ۱۴۹
سودا ۲۳۱، ۲۳۰
سیوطی ۲۸۴، ۲۱۹

ش

شاعر جو کہتے ہیں کرتے نہیں ۵۹
شافعی (امام) ۲۳۶
شبیر و شبر ۳۰۵ و ۱۹۸
شرک کی ممانعت ۱۸،
شداد ۱۷۱،
شعرا سورہ ۲۰
شق القمر ۱۵۰
شہر سبا کا واقعہ ۷۰، ۶۹
شیاطین جھوٹے بدکاروں پر نازل ہوتے ہیں ۵۶
شیاطین وحی نہیں سنتے ۵۵
شیطان انسان کو رسوا کرنے والا ہے ۷
شعبِ ابو طالب ۱۱۲
شعیبؑ ۱۳۹، ۹۹، ۵۲، ۵۱، ۵۰
شعیبؑ نے کہا میں رسالت کا اجر نہیں مانگتا ۵۰،
شموعیل نبی ۱۱۸
شمعون (نبی) ۲۸۷، ۲۸۶، ۲۸۵
شیعہ ۲۸۴، ۲۳۶، ۹۶، ۹۵

ص

صالحؑ اور ان کے کنبے کو قتل کرنے کی سازش ۷۷
صالحؑ کی تبلیغ ۴۶
صالحؑ نے کہا میں تبلیغ کا اجر تم سے نہیں مانگتا ۴۶ و ۴۵
صبر ۱۹۷، ۱۸۱، ۱۷۵، ۱۴۹، ۱۲۸، ۱۲۳، ۱۱۱، ۱۹
صدقہ ۲۳۱،
صدیق ۹۸
صفورا زوجہ حضرت موسیٰؑ ۱۰۲
صواعق محرقہ ۲۶۰، ۲۷۴، ۲۳۶
صور ۸۹

ط

طالوت ۲۴۹،
طبری ۲۰۷
طلاق ۲۳۱، ۲۲۹
طور ۱۰۷، ۱۰۱
طوفان نوح ۱۳۰، ۴۲، ۹

ظ

ظالم اور ان کا انجام ۱۹۶، ۱۷۸، ۱۵۱، ۱۱۵، ۱۰۶، ۵۹، ۹،
۳۷۹، ۳۶۱، ۲۸۰
ظالم کی پشیمانی ۷،
ظلم کا بدلہ لیا جا سکتا ہے ۵۹
ظہار ۲۰۰

ع

عاد ۱۶۷، ۱۳۹، ۹
عائشہؓ ۲۳۴، ۲۳۰
عبداللہ (پدر بزرگوار رسول مقبولؐ) ۱۱۲،
عبداللہ بن حمید ابن جریر ۲۸۴
عبرت دیکھو اگلوں کا انجام
عبیدہ ۲۰۶
عقبہ بن معیط کا واقعہ ۷
عترت ۲۱۹
عدل ۳۷۱، ۱۱۵
عدہ ۲۲۹
عذاب ۶۰، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۴۹، ۲۱، ۱۸، ۱۶
۱۷۷، ۱۶۶، ۱۵۹، ۱۴۷، ۱۳۸، ۱۳۵، ۸۸، ۸۵
۲۴۷، ۲۴۶، ۲۰۳، ۱۹۷، ۱۹۶، ۱۸۵، ۱۸۴، ۱۸۳
۳۶۸، ۳۶۷، ۳۶۳، ۲۶۸، ۲۶۲، ۲۶۱، ۲۵۸
۴۰۷، ۴۰۶، ۳۹۸، ۳۸۶، ۳۸۴، ۳۸۲، ۳۷۵، ۳۷۲
عزیرؑ ۸۷
عصائے موسیٰ ۱۰۲، ۶۲، ۳۰، ۲۶، ۲۴
عکاظ (بازار) ۳۲۲،
علامہ ہروی ۲۸۴،
علم غیب ۸۳،
علیؑ ۱۸۹، ۱۶۸، ۱۵۵، ۱۱۹، ۱۰۳، ۳۹، ۲۳، ۱۹
۲۰۸، ۲۰۷، ۲۰۶، ۲۰۵، ۱۹۸، ۱۹۷، ۱۹۵، ۱۹۰
۲۷۷، ۲۷۶، ۲۷۴، ۲۲۶، ۲۲۵، ۲۱۹، ۲۱۸
۴۰۴، ۳۷۹، ۳۴۹، ۲۶۸، ۳۶۲، ۳۸۷، ۲۸۴
علیؑ کا دعوت ذو العشیرہ میں وزیر بنایا جانا ۵۸، ۵۷، ۵۶
۲۸۴، ۲۳۴، ۲۰۶، ۱۳۶
عمار یاسر ۳۸۳
عمرو ابن عبدود ۲۰۸، ۲۰۷، ۲۰۵
عمل صالح دیکھو اعمالِ صالح
عنکبوت سورہ ۱۲۷
عیسیٰؑ ۲۸۷، ۲۲۵، ۲۰۲، ۱۲
عین اللہ ۳۶۹

غ

غدیر خم ۲۳
غرور ۱۹۵، ۱۸۲، ۱۸۱
غطفان ۲۰۵

ف

فاسق ۱۹۵
فاطر سورہ ۲۶۳
فاطمہ بنت اسد ۱۱۲
فاطمہ زہرہؑ ۲۲۵، ۲۱۹، ۲۱۸، ۶۶، ۶۵
فترت کا زمانہ ۱۲۱
فخر الدین رازی (امام) ۲۳۶

فدک ۱۶۸
فساد مت کرو ۵۰
فرشتوں کا حضرت ابراہیمؑ اور حضرت لوطؑ کے پاس آنا ۱۳۸
فرشتوں کو لوگ دیکھیں گے تو خوش نہ ہوں گے ۵
فرشتوں کی دعا ۳۷۶، ۳۷۵
فرعون ۱۰۶، ۱۰۵، ۹۴، ۹۲، ۳۲، ۳۱، ۲۸، ۲۶، ۲۴
۳۸۰، ۲۳۷، ۲۲۸، ۱۸۵، ۱۷۱، ۱۴۰، ۱۲۷
۳۸۶، ۳۸۳، ۲۸۱
فرعون کا موسیٰ کے پاس جانا ۶۳، ۶۲
فرعون کے لشکر کا ڈوبنا ۳۳
فروتنی کی تعریف ۱۶
فضل و رحمت خداوندی ۱۸۸، ۸۴

ق

قارون ۳۸۰، ۱۴۰، ۱۲۳، ۱۲۲، ۱۲۱، ۱۲۰
قائم آل محمد ۱۹۹
قبطی کا قتل ۹۷، ۹۶، ۹۵
قدرت کی نشانیاں ۲۷۴، ۲۷۳، ۱۳۱، ۸۹
قرآن پاک یا کتاب ۹۰، ۸۶، ۶۱، ۶۰، ۵۵، ۵۳، ۲۰
۱۹۱، ۱۴۷، ۱۴۴، ۱۴۲، ۱۲۵، ۱۱۰، ۱۰۹
۲۸۳، ۲۷۴، ۲۵۷، ۲۴۶، ۲۴۵، ۲۰۲، ۱۹۷
۴۱۴، ۴۰۹، ۴۰۱، ۳۷۴، ۳۶۳، ۲۸۴
قرآن ایمانداروں کے لئے ۴۱۵
قرآن ہدایت اور شفاء ہے
قرآن ٹھہر ٹھہر کر نازل کیا گیا ۹، ۸
قرآن روشن کتاب اور ہدایت ہے ۱۴۵، ۶۰
قرآن عربی میں نازل کیا گیا ۴۱۵، ۴۰۱، ۵۳
قرآن کی خبر اگلے پیغمبروں کی کتابوں میں دی گئی ہے ۵۳
قرآن ہدایت رحمت ہے ۱۷۶، ۸۶

قصص سورہ ۹۰
قلعہ قموص ۲۱
قوم ثمود ۴۰۷، ۴۰۴، ۳۸۶، ۳۸۵، ۳۸۴
قوم ثمود کا انجام ۱۹۷، ۷۹، ۴۹، ۴۷، ۹
قوم ثمود نے رسولوں کو جھٹلایا ۴۵
قوم ثمود کے خالی گھر باعث عبرت ہیں ۸۰
قوم ثمود کے دو فریقوں میں جھگڑا ۷۷
قوم عاد ۴۰۶، ۴۰۴، ۳۸۶، ۳۸۵، ۳۸۴
قوم عاد کا انجام ۱۹۷، ۴۵، ۹
قوم عاد کی سرکشی ۴۴
قوم عاد نے رسولوں کو جھٹلایا ۴۵
قوم عاد و ثمود اور رس والوں کی ہلاکت ۹
قوم فرعون ۱۹۷، ۲۲
قوم لوط ۴۸، ۱۱
قوم لوط پر تیروں کی بارش ۷۹
قوم لوط کا انجام ۴۹
قوم لوط کی بدکاری ۹۱، ۸۰، ۴۸
قوم نوح ۳۸۶، ۳۸۵، ۳۸۴
قوم نوح نے رسولوں کو جھٹلایا ۳۷۵، ۴۱، ۹
قیامت ۱۰۶، ۹۰، ۸۵، ۶۰، ۳۶، ۲۱، ۱۸، ۹، ۶، ۵
۱۷۶، ۱۷۵، ۱۵۷، ۱۳۲، ۱۳۱، ۱۲۰، ۱۱۵
۲۰۲، ۱۹۹، ۱۹۸، ۱۹۵، ۱۹۴، ۱۹۱، ۱۸۹
۲۶۶، ۲۷۱، ۲۶۷، ۲۵۷، ۲۴۲، ۲۴۱
۴۱۳، ۳۹۲، ۳۷۰، ۳۶۹
قیامت میں آسمان کو چیرتا ہوا بادل نمودار ہوگا ۵۰
قیامت میں اعضائے جسم انسان کے خلاف گواہی
دیں گے ۴۰۷
قیامت میں کوئی کہے گا کہ کاش فلاں کو دوست نہ بناتا ۷

ک

کافروں سے قرآنی دلائل کے ساتھ لڑو ۷
کتاب دیکھو قرآن
کتاب الاغانی واحدی ۱۹۷
کتاب مبین ۲۴۶، ۲۴۵، ۹۱
کعبہ ۲۴۱
کفار ۱۲۵، ۱۲۱، ۱۱۶، ۱۱۳، ۸۲، ۲۱، ۱۵، ۱۳، ۱۱، ۵
۲۰۲، ۱۷۵، ۱۷۱، ۱۵۲، ۱۴۸، ۱۳۵، ۱۳۰، ۱۲۷
۲۵۷، ۲۴۶، ۲۳۹، ۲۱۴، ۲۱۲، ۲۱۰، ۲۰۴
۲۸۰، ۲۷۹، ۲۷۸، ۲۷۲، ۲۶۷، ۲۶۴، ۲۵۸
۴۰۹، ۴۰۰، ۳۷۷، ۳۷۵، ۳۷۲، ۳۶۹، ۳۶۱
کن فیکون ۳۹۶

گ

گواہ ۱۲۱، ۱۲۰
گواہی ۱۴۷

ل

لسان صدق ۳۹، ۳۸، ۳۶
لقمان سورہ ۱۷۶
لقمانؑ ۱۸۲، ۱۸۱، ۱۷۸
لوامع التنزیل ۲۷۴
لوح محفوظ ۲۸۴، ۲۶۹، ۸۵
لوطؑ ۱۳۸، ۱۳۷، ۱۳۶، ۱۳۵
لوطؑ کی بددعا ۴۹
لوطؑ کی بی بی عذاب سے نہ بچ سکی ۷۹
لوطؑ نے کہا کہ میں تبلیغ کا کوئی اجر نہیں مانگتا ۵۰، ۴۸

م

مادر موسیٰ کو وحی کی گئی ۱۰۲، ۹۲
مال غنیمت ۱۶۸

مال فے ۱۶۸
ماں باپ کی اطاعت کرو ۱۸۰
مباہلہ ۲۱۹، ۲۱۸
محدث دہلوی ۱۱۳
محمدؐ ۲۳۸، ۲۳۷، ۲۳۶، ۲۰۷، ۲۰۲، ۱۷۶، ۳۸
۳۲۵، ۲۸۳، ۲۸۲، ۲۶۳، ۲۴۷، ۲۴۶، ۲۳۹
محمد باقرؑ ۱۹۵، ۱۷۰
محمد ہارون زنگی پوری ۵۹
مدین ۱۴۰، ۱۰۷
مدین میں حضرت موسیٰ کا نکاح اور قیام ۱۰۰، ۹۹
مدینہ ۲۱۵، ۲۱۳، ۲۱۱، ۲۰۵
مرج البحرین ۱۲
مریم ۲۰۲
معاویہ ۱۹
معجزہ ۳۹۶، ۱۵۷، ۱۴۷، ۱۴۵
معراج ۱۹۸
معصوم ۲۱۹، ۲۱۸
معیشت ارضی کو چار دن میں پیدا کیا ۴۰۳
مکڑی کا گھر ۱۴۱
مکہ ۲۲۲، ۱۵۲، ۱۱۵، ۱۱۳
ملت ابراہیمی ۵۸
مناظرہ شائستہ طریقہ سے کرو ۱۴۲
منافق ۲۳۰، ۲۲۷، ۲۲۳، ۲۱۳، ۲۱۰، ۲۰۹، ۲۰۴
۲۴۳، ۲۴۲، ۲۴۰
مندر بن عمرو ایلچی ملکہ سبا ۷۳، ۷۲
مواعظ حسنہ ۲۸۴
مذاہب الدنیہ ۲۳۷
موسیٰؑ ۱۲۱، ۱۱۸، ۱۰۹، ۱۰۷، ۵۷، ۳۲، ۳۰، ۲۲، ۲۰

۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۴۰، ۱۹۷، ۲۰۲، ۲۳۶ و ۲۳۷
۴۱۵، ۳۹۱، ۳۹۰، ۳۸۳، ۳۸۱، ۳۸۰، ۳۶۲، ۲۸۷، ۲۴۱
موسیٰؑ اور فرعون کا مقابلہ ۲۶، ۲۴
موسیٰؑ قتل ہونے سے بچ گئے ۹۸
موسیٰؑ کا آگ لینے جانا ۱۰۲، ۶۱
موسیٰؑ کا عصا اژدہا ہوگیا ۶۲
موسیٰؑ کو توریت عطا کی گئی ۱۹۷، ۹
موسیٰؑ کو حکم ہوا کہ دریائے نیل پر عصا مارو ۳۳
موسیٰؑ کو رسول بنایا اور حکم دیا کہ فرعون کے پاس جاؤ ۱۰۵، ۶۳
موسیٰؑ کو علم اور حکمت عطا فرمایا ۹۵
موسیٰؑ کو وحی ہوئی کہ راتوں رات چل دو ۳۲، ۳۱
موسیٰؑ کی پرورش ۹۴
موسیٰؑ کی خدا سے گفتگو ۶۲
موسیٰؑ کی دعا ۹۹، ۹۸
مشربۂ ام ابراہیم ۲۱۵
مومن ۲۱، ۴۱، ۴۲، ۵۵، ۶۰، ۱۹۵، ۲۰۴، ۲۱۰
۲۱۳، ۲۲۴، ۲۲۷، ۲۳۸
مومن سورہ ۳۷۴
مومن آل فرعون ۳۹۰، ۳۸۹، ۳۸۳، ۳۶۰
میانہ روی ۱۸۲

ن

ناپ تول پوری کرو ۵۰
ناحق قتل کی ممانعت ۱۸
ناشکری ۱۸۶، ۱۷۴
ناقہ صالح ۴۷
نبی امت کے مردوں کے باپ ہیں ۲۰۲
نسائی ۲۳۷
نشانیاں ۸۹، ۶۴، ۵۳، ۵۲، ۴۷، ۴۲، ۲۳، ۲۱، ۹
۱۹۸، ۱۸۸، ۱۷۳، ۱۶۲، ۱۹۲، ۱۵۹، ۱۴۱، ۱۳۷
۴۱۳، ۴۱۲، ۳۹۹، ۲۵۳، ۲۴۷
نصاریٰ ۲۲۴، ۱۴۲، ۱۱۱، ۱۱۰
نفسانی خواہشات کو بعض لوگوں نے معبود بنالیا ۱۰
نعمتیں ۱۹۳، ۱۸۴، ۱۸۳، ۱۱۹، ۱۱۴، ۸۲، ۷۹
۴۰۳، ۲۰۴
نکاح ۲۳۴، ۲۳۳، ۲۲۹
نکاح ہبہ ۲۳۲
نماز و زکوٰۃ ۲۱۷، ۱۸۲، ۱۶۹، ۱۵۹، ۱۴۲، ۶۰
۲۷۵، ۲۷۴، ۲۳۷، ۲۳۶
نمرود ۱۷۱
نمل سورہ ۶۰
نوحؑ کو ان کی قوم کی دھمکی ۴۲
نوحؑ کی بد دعا اور طوفان کا آنا ۴۲
نوحؑ کے پیرو غرباء تھے ۴۲
نوحؑ کے ساتھیوں کو کشتی نے نجات دی ۴۲
نوحؑ نے کہا میں تبلیغ کا کوئی اجر نہیں مانگتا ۴۱
نوادر الاداب ۵۹
نوشیرواں ۱۵۱
نوفل بن عبداللہ ۲۰۶
نہج البلاغہ ۴۲
نیک بندوں کی صفات ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶
نیند کو راحت کا ذریعہ بنایا ۱۲

و

واحدی ۱۹۷
وادیٔ تیہ ۱۲۵
وادیٔ طویٰ ۶۴، ۶۱
وادیٔ نمل ۶۷

وارث کتاب ۳۷۵، ۲۷۶
والدین کے ساتھ نیکی کرو ۱۲۹
وحدانیت ۱۱۷، ۸۲، ۳۷، ۳۶
وحی ۲۰۰
وراثت انبیاء ۶۶، ۱۵
وزیر الدولہ خاں ۵۷
ولید بن عقبہ ابی معیط ۱۹۷

ھ

ہارونؑ ۲۲۶، ۱۹۸، ۱۱۸، ۱۰۳، ۳۰، ۲۲، ۹
ہارونؑ کو خدا نے موسیٰؑ کا وزیر بنایا ۲۲، ۹
ہامان ۳۸۶، ۳۸۵، ۳۸۰، ۱۷۱، ۱۴۰، ۹۴، ۹۱
ہدہد کا بیان ۷۰، ۶۹
ہدہد کی غیر حاضری پر حضرت سلیمان کی خفگی ۶۹، ۶۸، ۶۷
ہدہد ملکہ سبا کے پاس خط لے گیا ۷۱
ہودؑ کی تبلیغ ۴۴
ہودؑ نے کہا میں رسالت کی اجرت نہیں مانگتا ۴۶، ۴۳

ی

یٰسین سورہ ۲۸۲
یافث بن نوح ۱۰
یحییٰؑ ۲۹۰، ۲۸۶
یداللہ ۳۶۹
ید بیضاء ۱۰۲، ۶۴، ۶۲، ۲۶، ۲۴
یعقوبؑ ۱۳۸، ۱۳۶، ۶۷
یمن ۷۰
یوحنا ۲۸۵
یوسفؑ ۳۸۶، ۳۸۵، ۳۸۴، ۱۱۸
یوسفؑ کو علم تعبیر خواب سکھایا ۶۵
یونسؑ ۲۸۷، ۲۸۵، ۱۶۹
یہود ۲۲۴، ۲۲۳، ۱۴۲، ۱۱۰

التماس سورہ فاتحہ برائے تمام مرحومین

۱] شیخ صدوقؒ
۲] علامہ مجلسیؒ
۳] علامہ ساظہر حسین
۴] علامہ سید علی نقیؒ
۵] بیگم و سید عابد علی رضوی
۶) بیگم و سید احمد علی رضوی
۷) بیگم و سید رضا امجد
۸) بیگم و سید علی حیدر رضوی
۹) بیگم و سید سبط حسن
۱۰) بیگم و سید مردان حسین جعفری
۱۱) بیگم و سید جار حسین
۱۲) بیگم و مرزا توحید علی

۱۳) سید حسین عباس فرحت
۱۴) بیگم و سید جعفر علی رضوی
۱۵) سید انعام حسین زیدی
۱۶) سیدہ ہما زہرہ
۱۷) سیدہ رضویہ خاتون
۱۸) سید نجم الحسن
۱۹) سید مبارک رضا
۲۰) سید تہنیت حیدر نقوی
۲۱) بیگم و مرزا احمد ہاشم
۲۲) سید باقر علی رضوی
۲۳) بیگم و سید باسط حسین
۲۴) سید عرفان حیدر رضوی

۲۵) بیگم و اخلاق حسین
۲۶) سید ممتاز حسین
۲۷) بیگم و سید اختر عباس
۲۸) سید محمد علی
۲۹) سیدہ رضیہ سلطان
۳۰) سید مظفر حسنین
۳۱) سید باسط حسین نقوی
۳۲) غلام محی الدین
۳۳) سید ناصر علی زیدی
۳۴) سید وزیر حیدر زیدی
۳۵) ریاض الحق
۳۶) خورشید بیگم